انتقاد کی نظروں سے نہیں بچ سکتی لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ انتقاد ہی صحیح راستوں کو متعین کرتا ہے چنانچہ مجھے خوشی ہوگی اگر کوئی محقق اس کتاب پر بھی محققانہ تنقید کریں تاکہ اس طرح سے ہم سب کی معلومات میں مزید اضافہ ہو اور افغان قوم کی تاریخ اور زیادہ اچھے طور پر نمایاں ہو۔ چونکہ اس تاریخ میں قدیم افغان یا پشتون کی نشاندہی کی کوشش کی گئی ہے اس لئے بعد کے زمانوں میں شاخوں سے جو نئی نئی شاخیں پھوٹتی رہیں ان کی تفصیلات یہاں نہیں دی گئیں اور میرے خیال میں ان کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی اس لئے کہ حال ہی میں بہت ایسی کتابیں شائع ہوئی ہیں جن میں باقاعدہ شجرہ ہائے نسب دیئے گئے ہیں میں نے تو صرف یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ غور غشت ہو یا بیٹنی سڑبن ہو یا کرلانی ماضی بعید میں بھی ان کا تعلق ایک ہی قوم سے تھا اور اب بھی اس وقت بھی پشتو زبان بولتے تھے اور اب بھی جیسا کہ اس کتاب میں آپ جابجا دیکھیں گے یہ سب کے سب آپس میں قرابت دار تھے اور اب بھی ہیں

میں یہ دعویٰ تو نہیں کرتا کہ یہ مکمل تاریخ ہے بلکہ یہ کہوں گا کہ مشت از خروارے افغانوں کی تاریخ کی ایک جھلک ہے شاید شائقین کو اس میں کچھ حسین و جمیل چہرے نظر آئے اور ہماری کاوش رائیگاں نہ جائے۔ آخر میں پشتو اکیڈمی کے صدر اور تمام ممبران کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کو اردو اور پشتو میں شائع کرنے کی منظوری دے کر اس کتاب کو شائقین تک پہنچایا نے اور مجھے ممنونیت کا موقع دیا

سلطان محمد صابر
کوئٹہ۔ بلوچستان

دیباچہ

انسان کی عمر اس سرزمین پر بہت زیادہ اور قدیم ہے جبکہ تاریخ کی عمر مشکل پانچ چھ ہزار سال ہے، صاف ظاہر ہے کہ انسان اور تاریخ کے درمیان لاکھوں سال کا بُعد ہے۔ مگر یہاں اس سے بھی زیادہ عجیب صورتحال پشتونوں اور ان کی تاریخ کی ہے، دُدیوں کہ پشتونوں کی عمر جتنی قدیم ہے اتنی ہی ان کی تاریخ بعد میں شروع ہوئی ہے پہلے کہ شہنشاہ جہانگیر کے دربار میں پہنچی، اس پر لکھنا شروع کیا گیا۔ اس میں بھی ایک عجیب صورتحال یہ پیدا ہوئی کہ مغلوں نے پشتونوں کی تاریخ ایک الگ انداز و نظر سے لکھی، جبکہ پشتون اس کی تردید میں دوسرے انتہا پر لکھنے لگے کا نتیجہ کہ اصل تاریخ سے سیاسی کشمکش کی بنا و پر قصداً دونوں اطراف نے الزام کیا میں کا تجزیہ ہوا کہ یہ تاریخ تحقیق کی بجائے دلچسپ مفروضوں کی داستان بن گئی۔ بعد میں مستشرقین نے اس سلسلہ میں کافی دلچسپی لی لیکن وہ اس تاریخ کی روح سے نابلد ہونے کے سبب بہت سارے ٹھوکریں کھاگئے اور وہ بھی اکثر اپنی تاریخی تحقیق کو ان مفروضوں کے دائرے سے باہر نہ نکال سکے۔

بیسویں صدی میں باہر کے لوگوں کے ساتھ ساتھ پشتون علماء اور فضلاء نے اپنے تاریخی حقائق سے آشنا ہونے کے لئے بھرپور جدوجہد کی۔ اگرچہ یہ سب کہ پشتونوں کے اصل نسل اور اسلام سے پہلے کے دور

استفادہ کی نظروں سے بہیں بچ سکتی لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ استفادہ ہی صحیح راستوں کو متعین کرتا ہے چنانچہ مجھے خوشی ہوگی اگر کوئی محقق اس کتاب پر بھی محققانہ تنقید کریں تاکہ اس طرح سے ہم سب کی معلومات میں مزید اضافہ ہو اور افغان قوم کی تاریخ اور زیادہ اچھے طور پر نمایاں ہو۔ چونکہ اس تاریخ میں قدیم افغان یا پشتون کی نشاندہی کی کوشش کی گئی ہے اس لئے بعد کے زمانوں میں شاخوں سے جو نئی نئی شاخیں پھوٹتی رہیں ان کی تفصیلات یہاں نہیں دی گئیں اور میرے خیال میں ان کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی اس لئے کہ حال ہی میں بہت ایسی کتابیں شائع ہوئی ہیں جن میں باقاعدہ شجرہائے نسب دیے گئے ہیں میں نے توصرف یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ غور غشت ہو یا بیٹنی سڑبن ہو یا کرلانی ماضی بعید میں بھی ان کا تعلق ایک ہی قوم سے تھا اور اب بھی اس وقت بھی پشتو زبان بولتے تھے اور اب بھی جیسا کہ اس کتاب میں آپ جابجا دیکھیں گے یہ سب کے سب آپس میں قرابت دار تھے اور اب بھی ہیں

میں یہ دعویٰ تو نہیں کرتا کہ یہ مکمل تاریخ ہے بلکہ یہ کہوں گا کہ گوشت از خروار سے افغانوں کی تاریخ کی ایک جھلک ہے شاید شائقین کو اس میں کچھ حسین و جمیل چہرے نظر آئے اور ہماری کاوش رائیگاں نہ جائے۔ آخر میں پشتو اکیڈیمی کے صدر اور تمام ممبران کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کو اردو اور پشتو میں شائع کرنے کی منظوری دے کر اس کتاب کو شائقین تک پہنچایا اور مجھے ممنونیت کا موقع دیا

سلطان محمد صابر
کوئٹہ۔ بلوچستان

دیباچہ

انسان کی عمر اس سرزمین پر یہاں سے بہت زیادہ اور قدیم ہے جبکہ تاریخ کی عمر بمشکل پانچ چھ ہزار سال ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ انسان اور تاریخ کے درمیان لاکھوں سال کا بعد ہے۔ مگر یہاں اس سے بھی زیادہ عجیب صورتحال پشتونوں اور ان کی تاریخ کی ہے۔ خود یوں کہ پشتونوں کی عمر جتنی قدیم ہے اتنی ہی ان کی تاریخ لکھنا شروع ہوئی ہے۔ اسے شہنشاہ جہانگیر کے دربار میں پہلی بار اس پر لکھنا شروع کیا گیا۔ اس میں بھی ایک عجیب صورتحال یہ پیدا ہوئی کہ مغلوں نے پشتونوں کی تاریخ ایک الگ نقطہ نظر سے لکھی۔ جبکہ پشتون اس کی تردید میں دوسری انتہا پر لکھنے لگے لہٰذا ہوا یہ کہ اصل تاریخ سے سیاسی کشمکش کی بنا پر قصداً دونوں اطراف نے انحراف کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تاریخ تحقیق کی بجائے دلچسپ مفروضوں کی داستان بن گئی۔ بعد میں مستشرقین نے اس سلسلہ میں کافی دلچسپی لی لیکن وہ اس تاریخ کی روح سے نابلد ہونے کے سبب بہت سارے ٹھوکریں کھا گئے اور وہ بھی اکثر اپنی تاریخی تحقیق کو ان مفروضوں کے دائرے سے باہر نہ نکال سکے۔

بیسویں صدی میں باہر کے لوگوں کے ساتھ ساتھ پشتون علماء اور فضلاء نے اپنے تاریخی حقائق سے آشنا ہونے کے لئے بھرپور جد و جہد کی۔ گو یہ سچ ہے کہ پشتونوں کے اصل نسل اور اسلام سے پہلے کے دور

استفادہ کی نظروں سے نہیں بچ سکتی لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ استفادہ ہی صحیح راستوں کو متعین کرتا ہے چنانچہ مجھے خوشی ہوگی اگر کوئی محقق اس کتاب پر بھی محققانہ تنقید کریں تاکہ اس طرح سے ہم سب کی معلومات میں مزید اضافہ ہو اور افغان قوم کی تاریخ اور زیادہ اچھے طور پر نمایاں ہو۔ چونکہ اس تاریخ میں قدیم افغان یا پشتون کی نشاندہی کی کوشش کی گئی ہے اس لئے بعد کے زمانوں میں شاخوں سے جو نئی نئی شاخیں پھوٹتی رہیں ان کی تفصیلات یہاں نہیں دی گئیں اور میرے خیال میں ان کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی اس لئے کہ حال ہی میں بہت ایسی کتابیں شائع ہوئی ہیں جن میں باقاعدہ شجرہ ہائے نسب دیئے گئے ہیں میں نے تو صرف یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ غور غشت ہو یا بیٹنی سڑبن ہو یا کرلانی ماضی بعید میں بھی ان کا تعلق ایک ہی قوم سے تھا اور اب بھی اس وقت بھی پشتو زبان بولتے تھے اور اب بھی جیسا کہ اس کتاب میں آپ جابجا دیکھیں گے یہ سب کے سب آپس میں قرابت دار تھے اور اب بھی ہیں

میں یہ دعویٰ تو نہیں کرتا کہ یہ مکمل تاریخ ہے بلکہ یہ کہوں گا کہ گذشتہ ازہزاروں سے افغانوں کی تاریخ کی ایک جھلک ہے شاید شائقین کو اس میں کچھ حسین و جمیل چہرے نظر آئے اور ہماری کاوش رائیگاں نہ جائے۔ آخر میں پشتو اکیڈیمی کے صدر اور تمام ممبران کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کو اردو اور پشتو میں شائع کرنے کی منظوری دے کر اس کتاب کو شائقین تک پہنچانے اور مجھے ممنونیت کا موقع دیا

سلطان محمد صابر
کوئٹہ۔ بلوچستان

دیباچہ

انسان کی عمر اس سرزمین پر بہت ہی زیادہ اور قدیم ہے جبکہ تاریخ کی عمر بمشکل پانچ چھ ہزار سال ہے، صاف ظاہر ہے کہ انسان اور تاریخ کے درمیان لاکھوں سال کا بعد ہے۔ مگر یہاں اس سے بھی زیادہ عجیب صورتحال پشتونوں اور ان کی تاریخ کی ہے، صدیوں کو پشتونوں کا مرجع جتنی قدیم ہے اتنی ہی ان کی تاریخ بعد میں شروع ہوئی ہے یعنی کہ شہنشاہ جہانگیر کے دربار میں پہلی بار اس پر لکھنا شروع کیا گیا۔ اس میں بھی ایک عجیب صورتحال یہ پیدا ہوئی کہ مغلوں نے پشتونوں کی تاریخ ایک الگ انداز و نظریہ سے لکھی، جبکہ پشتون اس کی تردید میں دوسرے انتہا پر لکھنے لگے لامحالہ یہ ہوا کہ اصل تاریخ سے سیاسی کشمکش کی بنا پر قصداً دونوں اطراف نے انحراف کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تاریخ تحقیق کی بجائے دلچسپ مفروضوں کی داستان بن گئی۔ بعد میں مستشرقین نے اس سلسلہ میں کافی دلچسپی لی لیکن وہ اس تاریخ کی روح سے نابلد ہونے کے سبب بہت سارے ٹھوکریں کھا گئے اور وہ بھی اکثر اپنی تاریخی تحقیق کو ان مفروضوں کے دائرے سے باہر نہ نکال سکے۔

بیسویں صدی میں باہر کے لوگوں کے ساتھ ساتھ پشتون علماء اور فضلاء نے اپنے تاریخی حقائق سے آشنا ہونے کے لئے بھرپور جدوجہد کی، گو یہ سب کہ پشتونوں کے اصل نسل اور اسلام سے پہلے کے دور

واقع ہے اور وادیٔ برلیا کے نام سے موسوم ہے ۔ اور غالباً بخت نصر کے زمانہ میں وادیٔ ہلمند اور سیستان کے علاقوں میں آنکلے ۔

سُلطان محمد صابر کی تحقیقات میں اگرچہ بہت سی باتیں نئی اور دلچسپ ہیں ۔ لیکن شرخبون اور خرشبون کے متعلق انہوں نے جو کچھ لکھا ہے ۔ وُہ تمام گزشتہ تاریخوں سے بالکل مختلف اور نہایت ہی دلچسپ ہے ، وُہ لکھتے ہیں کہ :-

"شرخبون یا خرشبون دراصل ایک ہی آدمی کے دو نام ہیں جو کہ "بین النہرین" (قدیم عراق) میں دریائے فرات کے کنارے دو ہزار تین سو قبل مسیح میں پیدا ہُوا تھا ۔ اور لیبڈیا سے لے کر مالابار تک پشتون کی ایک بڑی شہنشاہی قائم کر لی تھی ۔ جسے سلطنت "آکاد" کہتے تھے جس کا ایک کتبہ آثارِ قدیمہ کے ماہرین کو ایران کے شہر "شوش" میں ملا ہے اس کتبے کی تحریر علم اللسان کے ماہرین نے پڑھ لی ہے جس کی تفصیل اس کتاب میں دی گئی ہے ۔

اُنھوں نے اس کتاب میں پشتونوں کے دیگر بڑے بڑے قبائل کے متعلق بھی بالکل نئے اور عجیب انکشافات کئے ہیں ۔ جن میں سے ایک اچکزئی جو بلوچستان اور قندھار کے بڑے قبائل میں سے ہے ۔ کے متعلق لکھا ہے ۔ کہ یہ قبیلہ دراصل وُہ لوگ ہیں جنہیں کلاسیکی مورخین اور محققین نے اسکائی کے نام سے یاد کیا ہے ۔ یا بہ الفاظ دیگر سیتی قبائل

میں سے ایک بڑی شاخ ہے ، اور یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اشکانی سلطنت کی بُنیاد رکھی تھی ۔

صابر نے نہ صرف آرکیالوجی کی بنیاد پر بلکہ لسانی اور ثقافتی بنیاد پر جدید دَور میں لکھی گئی کتابوں کے حوالوں سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ غلجی یا غلیجی جیسا کہ بعض محققین کا خیال ہے ۔ ترکی الاصل نہیں تھے ۔ کیونکہ وُہ نہ منگولی زبان بول سکتے تھے اور نہ ہی ترکی زبان سے واقف تھے ۔ بلکہ وُہ ایک ایسی زبان بولتے تھے جسے نہ آشوری سمجھتے تھے اور نہ دوسرے سامی ۔

اُنھوں نے اپنی تحقیق میں کندھار اور کشمیر کی وجہ تسمیہ بھی بتائی ہے ۔ لکھتے ہیں کہ :-

"کندھار دراصل اس قبیلہ سے منسوب ہے ، جو تقریباً ۹ سو سال قبل مسیح میں عراق سے براستہ ایران پہلے بلوچستان میں وارد ہُوا ۔ اور پھر کندھار کے علاقوں کی طرف ہجرت کی"۔ کشمیر کی وجہ تسمیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "یہ دراصل کاس میر ہے ۔ یعنی کاسیوں کا پہاڑ اور لکھتے ہیں کہ "کاسی بھی کند و ثرسند کے ساتھ عراق سے بلوچستان آئے تھے "۔

اُنھوں نے بلوچستان کے مختلف مقامات پر قدیم عراق کے بعض ناموں کی نشاندھی بھی کی ہے ۔ مثال کے طور پر "مہنہ" ۔ "اوڑک" "کوداں" اور "شرغلہ" وغیرہ "شرغلہ" جو کہ لورالائی ژوب اور پشین میں تین مقامات اور کھنڈرات کے نام ہیں ۔ کے

واقع ہے اور وادیٔ بریلیا کے نام سے موسوم ہے۔ اور غالباً بخت نصر کے زمانہ میں وادیٔ ہلمند اور سیستان کے علاقوں میں آنکلے۔

سُلطان محمد صابر کی تحقیقات میں اگرچہ بہت سی باتیں نئی اور دلچسپ ہیں۔ لیکن شرخبون اور خرشبون کے متعلق انہوں نے جو کچھ لکھا ہے۔ وُہ تمام گزشتہ تاریخوں سے بالکل مختلف اور نہایت ہی دلچسپ ہے، وُہ لکھتے ہیں کہ :-

"شرخبون یا خرشبون دراصل ایک ہی آدمی کے دو نام ہیں جو کہ "بین النہرین" (قدیم عراق) میں دریائے فرات کے کنارے دو ہزار تین سو قبل مسیح میں پیدا ہُوا تھا۔ اور لیبڈیا سے لے کر مالابار تک پشتون کی ایک بڑی شہنشاہی قائم کر لی تھی۔ جسے سلطنت "آکاد" کہتے تھے جس کا ایک کتبہ آثارِ قدیمہ کے ماہرین کو ایران کے شہر "شوش" میں ملا ہے اس کتبے کی تحریر علم اللسان کے ماہرین نے پڑھ لی ہے جس کی تفصیل اس کتاب میں دی گئی ہے۔

اُنھوں نے اس کتاب میں پشتونوں کے دیگر بڑے بڑے قبائل کے متعلق بھی بالکل نئے اور عجیب انکشافات کئے ہیں۔ جن میں سے ایک اچکزئی جو بلوچستان اور قندھار کے بڑے قبائل میں سے ہے۔ کے متعلق لکھا ہے — کہ یہ قبیلہ دراصل وُہ لوگ ہیں جنہیں کلاسیکی مؤرخین اور محققین نے اسکائی کے نام سے یاد کیا ہے۔ یا بہ الفاظ دیگر سیتی قبائل

میں سے ایک بڑی شاخ ہے، اور یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اشکانی سلطنت کی بُنیاد رکھی تھی۔

صابر نے نہ صرف آرکیالوجی کی بنیاد پر بلکہ لسانی اور ثقافتی بنیاد پر جدید دَور میں لکھی گئی۔ کتابوں کے حوالوں سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ غلجی یا غلجی جیسا کہ بعض محققین کا خیال ہے۔ ترکی الاصل نہیں تھے۔ کیونکہ وُہ نہ منگولی زبان بول سکتے تھے اور نہ ہی ترکی زبان سے واقف تھے۔ بلکہ وُہ ایک ایسی زبان بولتے تھے جسے نہ آشوری سمجھتے تھے اور نہ دوسرے سامی۔

اُنھوں نے اپنی تحقیق میں کندھار اور کشمیر کی وجہ تسمیہ بھی بتائی ہے۔ لکھتے ہیں کہ :-

"کندھار دراصل اس قبیلہ سے منسوب ہے، جو تقریباً ۹ سو سال قبل مسیح میں عراق سے براستہ ایران پہلے بلوچستان میں وارد ہُوا۔ اور پھر کندھار کے علاقوں کی طرف ہجرت کی"۔ کشمیر کی وجہ تسمیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "یہ دراصل کاس میر ہے۔ یعنی کاسیوں کا پہاڑ اور لکھتے ہیں کہ "کاسی بھی کند و زرسند کے ساتھ عراق سے بلوچستان آئے تھے"۔

اُنھوں نے بلوچستان کے مختلف مقامات پر قدیم عراق کے بعض ناموں کی نشاندہی بھی کی ہے۔ مثال کے طور پر "ہنہ"۔ "اوڑک"، "کوہ دان" اور "شرغلہ" وغیرہ "شرغلہ" جو کہ اورالائی ژوب اور پشین میں تین مقامات اور کھنڈرات کے نام ہیں۔ کے

بارے میں لکھتے ہیں کہ :- " یہ تینوں مقامات "موہنجو ڈیرو" سے زیادہ قدیم ہیں"۔ وہ یہ بھی لکھتے کہ "صوبہ سرحد کے اکثر قبائل آریاکوزیا سے گندھارا چلے گئے تھے۔" اور یہ کہ سائرس اعظم پشتون قبائل کے ساتھ لڑائی میں مارے گئے تھے۔"

نیز صابر صاحب نے پشتونوں کے لباس، زبان بالوں کی بناوٹ اور قدیم رسم ورواج سے یہ ثابت کیا ہے کہ اجتماعی اعتبار سے ان میں کوئی تضاد اور اختلاف نہیں ہے۔

بہرحال یہ کتاب، پشتونوں کی تاریخ میں ایک نئے باب کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو کہ یقیناً تاریخ کے شائقین کے لئے موجب دلچسپی ہوگی۔

میں "پشتو اکیڈمی بلوچستان" سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ آئندہ بھی تاریخ وادب میں تلاش و تحقیق کا یہ سلسلہ جاری رکھے گی۔ اور پشتو زبان کی تاریخ و ادب، تہذیب و ثقافت کی ترویج و ترقی کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہے گی۔

پریشان خٹک
ڈائریکٹر "پشتو اکیڈمی"
(پشاور یونیورسٹی)

بارے میں لکھتے ہیں کہ :۔ "یہ تینوں مقامات "موہن جو ڈیرو" سے زیادہ قدیم ہیں" نیز وہ یہ بھی لکھتے کہ "صوبہ سرحد کے اکثر قبائل آریائی زیادات گندھارا چلے گئے تھے۔" اور یہ کہ سائرس اعظم پشتون قبائل کے ساتھ لڑائی میں مارے گئے تھے۔"

نیز اسا بر صاحب نے پشتونوں کے لباس، زبان بالوں کی بناوٹ اور قدیم رسم و رواج سے یہ ثابت کیا ہے کہ اجتماعی اعتبار سے ان میں کوئی تضاد اور اختلاف نہیں ہے

بہرحال یہ کتاب، پشتونوں کی تاریخ میں ایک نئے باب کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو کہ یقیناً تاریخ کے شائقین کے لئے موجب دلچسپی ہوگی۔

میں "پشتو اکیڈیمی بلوچستان" سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ آئندہ بھی تاریخ و ادب میں تلاش و تحقیق کا یہ سلسلہ جاری رکھے گی۔ اور پشتو زبان کی تاریخ و ادب، تہذیب و ثقافت کی ترویج و ترقی کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہے گی۔

پریشان خٹک

ڈائریکٹر "پشتو اکیڈیمی"

(پشاور یونیورسٹی)

پشتو:- ڈنمارک کے مشہور عالم لسانیات رسمیز رلیک (۱۷۸۷ء-۱۸۳۲ء) نے کہا ہے کہ تاریخی دستاویزات سے بیشتر انسانی تاریخ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا بہترین اور مناسب ذریعہ زبان ہے اس لئے کہ نسب رسم و رواج۔ قوانین اور تہذیب تغیر پذیر ہیں۔ جبکہ زبان میں معمولی تبدیلی کا امکان ہے اور پھر ہزارہا سال گذر جانے کے باوجود بھی اس کی پہچان ہو سکتی ہے

جیسا کہ انسان ایک دوسرے میں مدغم اور کھو جاتے ہیں، لیکن اس کے برعکس زبان کے الفاظ ایک دوسرے میں گھل مل کر بھی اپنی حیثیت برقرار رکھتے ہیں الفاظ کا یہ قاعدہ ہے، کہ وہ انسانوں کی طرح ایک دوسرے میں گم نہیں ہوتے اگر حسب و نسب کی تلاش کی جائے تو ان کی اصلیت ظاہر ہو جاتی ہے کہ کس خاندان اور ملک سے تعلق رکھتے ہیں البتہ آپس میں اور پرائے کے درمیان ایسے حالات میں امتیاز کرنا مشکل کام ہوتا ہے جبکہ ایسی سرزمین اور منطقے میں پیدا ہو چکی ہو جہاں مختلف لوگ ہم جوار اور ایک دوسرے سے ہزاروں سال تہذیبی ثقافتی مدنی اور تاریخی رشتے میں منسلک ہوں لہٰذا زبانوں کے درمیان فرق اور اصلیت کے سلسلے میں الفاظ کی یگانگت اور اشتراک پر دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے بلکہ گرامر اصوات اور زبان کے مزاج کی تحقیق کرنی چاہیئے

لسانیات کے ایک اور مشہور جرمن عالم ڈی جینش (۱۹۶ء) اس بارے میں کہتے ہیں کہ اگر ایک زبان ایک مخصوص موقع پر ذہنی ضرورت کے مطابق خیالات اور جذبات کی پوری ترجمانی کرتی ہے یعنی وہ اپنی اصلیت اور معانی اظہر



مؤلف: سلطان محمد صابر

کا اس قدر خوش اسلوبی اور آسانی سے اظہار کر سکتی ہے کہ سننے والا بھی اچھی ط…
جاتا ہے تو ایسی زبان ہر لحاظ سے قابلِ اعتبار اور کامل کہلائی جا سکتی ہ…

جنیش زبانوں کے تقابل کے سلسلے میں ان چند خصوصیات کو لازم سمجھتے…

۱۔ لغات کی کثرت اور آسانی کے ساتھ نئے الفاظ بنانا
۲۔ صرف و نحو کی سادگی اور زبان کی قدرت
۳۔ صفائی اور قطعیت
۴۔ آہنگ

جنیش کہتے ہیں۔ اگر مندرجہ بالا خصوصیات کسی زبان میں موجود ہوں تو وہ ایک مکمل اور معیاری زبان کہلاتی ہے جنیش کا یہ بھی کہنا ہے کہ کسی ا… کی ذہنیت اور اخلاقی سطح کا پتہ اس کی زبان سے لگایا جا سکتا ہے یعنی زلیک… یہ عقیدہ رکھتا ہے، کہ تاریخی دستاویزات سے پہلے انسانی تاریخ کی پہچان زبان ہی کے ذریعہ لگانی چاہیے کیونکہ یہی مناسب اور اساسی ذریعہ ہے جبکہ جنیش… سمجھتے ہیں، کہ زبان ہی انسانی اخلاق و ذہنیت کی عکاس ہوتی ہے۔ ان دونوں کی رائے اور نظریات قومی تاریخ میں قابلِ قدر اہمیت رکھتے ہیں اس لئے کہ جس چیز کو ہم ثقافت کہتے ہیں۔ وہ انسانی ذہنیت کا دوسرا نام… در اصل ثقافت عربی زبان کا لفظ ہے، اس لفظ کا مادہ "ثقف" (ث۔ق۔ف… ہے۔ یہ لفظ پرانا نہیں بلکہ جدید لغت ہے اور "ثقف" عربی زبان میں ذہین کے

(۱) اقتباسات از "زبان کا مطالعہ" تالیف پروفیسر خلیل صدیقی

…میں آیا ہے۔ لسانیات کے بارے میں انگریزی زبان کا لفظ "فلالوجی" …میں آتا ہے۔ اس کا استعمال اس سے پیشتر ثقافت کے لیے ہوتا تھا لیکن …وقت ثقافت کی بنیاد زبان پر رکھی گئی تو اس وقت لسانیات کو یہی نام دیا گیا یا مروج ہوا فریڈرک شلیگل "زلیک" اور جنیش دونوں اس پر متفق ہیں کہ انسان کے اخلاق اور ذہنیت کا جس سے کہ ثقافت عمل میں آتا ہے ان کی عکاسی زبان کرتی ہے /

اب آئیے پشتو کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ یہ زبان ان دانشوروں کی شرائط کس حد تک پورا کرتی ہے۔ جنیش کی اولین شرط یہ ہے کہ زبان میں زیادہ لغت اور نئے الفاظ بنانے کی صلاحیت ہونی چاہیئے یہ حقیقت سب پر واضح ہے کہ پشتو لغت کے اعتبار سے اس قدر وسیع اور جامع زبان ہے کہ آس پاس اور قریبی کوئی زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی آس پاس اور …زبانوں میں فارسی اور ہندی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں فارسی کا سب سے …اور بنیادی عیب یہ ہے کہ مذکر و مؤنث سے مستثنیٰ ہے جبکہ اس کے مقابل صرف یہی نہیں کہ پشتو میں کاملاً موجود ہے۔ بلکہ ایک لفظ سے پورا مفہوم ادا کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً اگر فارسی میں صرف اتنا کہا جائے کہ "آمد" تو اس سے قطعاً یہ واضح نہیں ہوتا کہ کون آیا مرد یا عورت یہی کیفیت لفظ "رفت" کی ہے یعنی آنے جانے والے مذکر و مؤنث کی پہچان نہیں ہوتی جب تک پوری وضاحت نہ کی گئی ہو یا آنکھوں سے نہ دیکھا گیا ہو لیکن اس کے برعکس پشتو میں ایسا نہیں ہے مذکر اور مؤنث کے لئے ایک یا دو نہیں بلکہ بہت سے مختلف الفاظ استعمال ہوتے

ہیں اور ہر لفظ اپنا مفہوم نہایت آسانی سے ادا کرتا ہے پھر سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جان دار اور بے جان کے لئے علٰحدہ علٰحدہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں جبکہ اس ضمن میں فارسی تذبذب ہے

آیئے چند مثالیں جان دار اور بے جان کی وضاحت کیلئے پیش کرتے ہیں

پشتو	فارسی
ھلک راولہ	بچہ را بیار
لرگی راوڑہ	چوب بیار
آس بوزہ	اسپ ببر
غنم یوسہ	گندم ببر
سڑیہ دی راوستی	آدم آوردی
ښځہ دی راوستہ	زن آوردی
ما بیایہ	مرا (مارا) ببری
غوبری وړہ	گوش ببری

جیسا کہ فارسی میں مونث و مذکر کے لئے خاص الفاظ نہیں اسی طرح جاندار اور بے جان کی پہچان کے لئے بھی کوئی صیغہ نہیں اس سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ زبان مکمل نہیں ہے اور جو زبان کامل نہ ہو تو جان لیجئے کہ اس کی عمر کم ہے کیونکہ کافی عرصہ بعد تکمیل کو پہنچتی ہے یہی حالت اردو زبان کی ہے مقابلے جا گویا لے آؤ جبکہ واضح نہیں ہے کہ لانے اور لے جانے والا مونث ہے کہ مذکر جان دار ہے یا بے جان البتہ فارسی کے مقابلے میں قدرے اچھی ہے اس لئے کہ ہندی اور عربی کی آمیزش زیادہ ہے بہرحال نئی زبان ہے۔ لہٰذا پشتو سے مقابلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،

فارسی کے علاوہ ہندی اور سنسکرت بھی پشتو خاندان سے تعلق رکھتی ہے ہندی زبانوں میں سنسکرت خاص طور پر فارسی اور سنسکرت پر لسانیات کے ماہرین نے کافی تحقیق کی ہے۔ خصوصاً "اوستا" اور سنسکرت کی لیگا نگت پر "رلیبک" (۱۷۸۷ء سے ۱۸۲۳ء) سویڈن۔ فن لینڈ۔ کا کیشیا۔ ایران اور برصغیر کا سفر کیا تھا اور بہت سی زبانوں کے گرامر پر کتابیں لکھیں رلیک لسانیات کا پہلا عالم تھا جس نے دراوڑی زبانوں کے بارے میں کہا کہ ان کا سنسکرت سے کوئی واسطہ نہیں بلکہ مالا باری زبانوں کے دائرے میں شامل ہیں۔ رلیبک نے ہندوستان اور ایران کے سفر کے دوران بمبئی کے پارسیوں سے "اوستا" کے قلمی نسخے حاصل کر لئے ان سے پیشتر ان نسخوں کی نقلوں کے چند حصے ۱۷۶۰ء میں فرانس کے ایک عالم "دا پیران" بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے اور ژند اوستا کی قدامت اور اصلیت پر ۱۸۲۶ء میں ایک مفصل مقالہ لکھا تھا مغربی لسانیات کے دانشور اس سے پیشتر یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اوستا سنسکرت کی پیداوار ہے۔ مگر رلیبک نے اپنے اس مقالے میں یہ ثابت کر دیا کہ ژند سنسکرت کی بیٹی نہیں بلکہ بہن ہے۔"[1]

"رلیبک کے ان خیالات کی آج تک کسی نے کوئی خاص مدلل مخالفت نہیں کی البتہ تاریخ اور زبان کے ماہرین اس پر متفق ہیں۔ کہ یہ دونوں آریائی زبانیں ہیں آریانا میں پیدا ہوئیں اور آریانا میں پھلی پھولی ہیں آریانا کو آریانا ویجہ سے بھی کہا گیا ہے۔ "استرابو" نے ۲۳ء ق م میں اپنے جغرافیہ میں آریانا کے حدود کی تشکیل اس طرح کی ہے۔ مشرقی سرحد۔ اباسین (انڈوس) جنوبی سرحد بحر ہند قطبی سرحد پامیزوس کا پہاڑ چیند اور پہاڑ اور کوہستان جو ہند کے جنوب سے ور بند تک پھیلے

۱- اقتباس ، "اردو زبان کا مطالعہ" تالیف پروفیسر شکیل صدیقی

ہوئے ہیں۔ اس خطے کا مغرب کی طرف کا حصہ اس حدود سے تشکیل دیا گیا جو پارتیا کو مدیانہ اور کرمان کو پاس اور پاراتاکنہ سے جدا کرتا ہے۔

استرابو اپنی تحریر میں اس جملے کا بھی اضافہ کرتے ہیں۔ کہ آریانا نے پارس مدیا۔ بکتریا اور سغدیان کے کچھ حصے اپنی حدود میں شامل کر لئے اس لیے کہ اس خطے کے لوگ ایک ہی زبان میں گفتگو کرتے تھے "ایپولوڈوروس" استرابو کے اس آخری جملہ کی تائید میں کہتے ہیں۔ کہ آریانا میں پارس۔ مدیا۔ باختر اور سغدیان کے شمالی علاقوں کے کچھ حصے شامل تھے اور ساتھ میں اس کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ بکتریانا یا باختر آریانا کا اہم حصہ شمار کیا جاتا تھا وہ بڑی نفیس اور شائستہ ادبی زبان میں کہتے ہیں کہ باختر آریانا کا ہیرا ہے۔ "اسی طرح" اوستا کے متن میں آریانا کے جو حدود دکھائے گئے ہیں یا جس جگہ کو آرتا یا آریانا ویجہ کہا گیا ہے۔ وہ بھی یہی سرزمین ہے جو مشرق کی طرف سے گلگت سے انڈوس تک جنوب میں بحر ہند تک پھیلی ہوئی ہے جیسا کہ استرابو۔ ایپولوڈوروس اور اوستا کی تحریروں سے آریانا کی سرحد اور تشکیل ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا اُن سے اس خطے کی شمالی سرحد جیحون (دریا) تھا اور جو تھا حصہ مغرب میں اُس حدود سے تشکیل دیا گیا تھا جس میں کرمان اور پارتیا کے علاقے آریانا سے ہٹا دیئے گئے تھے اور مشرق میں مدیا اور پارس کے علاقے تھے۔ یہ وہ خاک ہے۔ جو آریانا ویجہ کے نام سے یاد کی جاتی تھی اور وہ قبائل اس میں سکونت رکھتے تھے جو آریائی قوموں کے آباؤاجداد کہلائے جاتے ہیں۔ اور یہاں سنسکرت اور ژند کی پیدائش ہوئی تھی ژند وہ زبان ہے۔ جس میں ابراہام زرتشت کی کتاب اوستا لکھی گئی ہے۔ سنسکرت وہ زبان ہے جس میں ہندوؤں کے وید لکھے گئے ہیں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ سنسکرت، اوستا یا ژند اس علاقے کی پیداوار ہے۔ اور ان کی حیثیت دو بہنوں کی ہے۔ لہٰذا اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ شروع زمانہ



مترجم: عبدالفتح

اور آریانا میں ایک زبان بولی جاتی تھی جیسا کہ استرابو نے کہا ہے۔ اور پھر ہندی اور پارس کی جغرافیائی تقسیم اور مختلف تہذیبوں کی وجہ سے دو علیحدہ علیحدہ زبانیں بنیں یا پیدا ہوئیں جن میں ایک زرتشت کی کتاب "اوستا" کے نام سے اوستائی اور پھر پہلوی یا پارسی بولی اور دوسری جو آریانا کے مشرق میں پیدا ہوئی سنسکرت کے نام کے سامنے آئی یعنی یہ دونوں زبانیں ایک بڑی زبان سے وجود میں آئیں یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ سنسکرت۔ اوستا یا پارسی زبانوں کی آمد سے پہلے جو زبان آریانا کے لوگ بولتے تھے اس کا نام کیا ہے۔ دوسرا یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے۔ کہ یہ دو زبانیں کیوں کر اور کیسے بنیں وہ کون سے حالات اور واقعات تھے جو ان زبانوں کے پیدا کرنے کے محرک بنے۔ پہلے سوال کا جواب یہ ہے۔ کہ آریا کے عین مرکز میں جو لوگ رہتے تھے وہ پشتون تھے جیسا کہ یونانی مورخ ہیروڈوٹس نے سنہ ق م میں ان کو پکتان اور پکتولیس کے نام سے یاد کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ لوگ جو پکتیا یا پکتیکا میں بستے ہیں بڑے بہادر۔ دلیر اور جنگجو ہیں چمڑے کا لباس پہنتے ہیں۔ تیر اور چھریاں لئے پھرتے ہیں۔ پکتیا یا پکتیکا وہ علاقہ ہے۔ جس کو مورخین نے آراکوزیا کے نام سے بھی بار بار یاد کیا ہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم نے اپنی کتاب اصحاب کہف ذوالقرنین کے صفحے میں جدید روشنیاء جنوبی بلوچستان) کا شمالی خطہ آراکوزیا کے نام سے یاد کیا ہے۔ بعض مورخین نے آراکوزئی پر الکوزئی کا بھی گمان کیا ہے جو اس علاقے کا ایک اہم قبیلہ ہے۔ ہیروڈوٹس اور استرابو و دیگر مورخین اور سیاحوں کے علاوہ فردوسی نے بھی اپنے شاہنامہ میں اپنے دور سے بہت پہلے کے واقعات بیان کرتے ہوئے آراکوزیا کے لوگوں کو افغان کے نام سے یاد کیا ہے جیسا کہ ایک جگہ کہتے ہیں

نشستند زرین و دشت لعل یکوچ

ز افغان و لاچین و کُرد و بلوچ]

مطلب یہ کہ آریانا کے مرکزی خطہ میں جو ہندوکش سے بولان تک اور ہرات
سے چترال تک پھیلا ہوا تھا پشتون رہتے تھے اور پشتو زبان بولتے تھے کیو
سترابو کہتے ہیں کہ آریانا نے پارس۔ مدیا۔ بکتریا اور سغدیان کے کچھ حصے ا
ساتھ منسلک کر لئے تھے اس لئے کہ یہاں کے بسنے والے ایک ہی بولی بو
تھے لہٰذا اس سے ظاہر ہوا کہ یہ زبان پشتو تھی جہاں تک قدیم و جدید ماہرین
اور سیاحوں کی بات ہے۔ تو وہ بھی اس پر متفق ہیں کہ اس خطے پر ہزارہا سال
سے پشتون رہتے ہیں۔ اور ان کی زبان کا نام بھی پشتو ہے۔ البتہ انہیں ا
کا علم نہیں کہ پشتو صرف ان کی زبان ہی کا نام نہیں بلکہ ان کی روایات عنعنات
اور اخلاقی قوانین کا نام بھی پشتو ہے۔ اس کی وضاحت آگے کر دی جائے گ
گی جب کہ یہاں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ پشتو پارس اور سنسکرت کے علاوہ آریا
کے قریبی زبانوں سے کس قدر اور کتنا تاریخی لسانی اور ثقافتی قرابت رکھتی ہے
ماہرین لسانیات کہتے ہیں۔ کہ پشتو پارسی کے لہجوں میں ایک لہجہ ہے ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ ان ماہرین لسانیات نے پشتو زبان کی گہری نظر سے تاریخی تحقیق نہیں کی
ہے بلکہ زیادہ وقت اور توجہ پارس اور سنسکرت کے تقابل اور تجزیے پر صرف
کیا ہے اور یہ تقابل دونوں زبانوں کا ایک دوسرے میں الفاظ۔ حروف۔ اصوات
اور اشتقاقات کی بنیاد پر کی ہے۔ مثلاً ان کا کہنا ہے۔ کہ پارسی کا "ماس" اور سنسکرت
کا "ماسہ" ایک ہیں۔ یا فارسی کا "موش" اور سنسکرت کا "موشک" ایک ہیں۔
یہ درست ہے کہ پارسی اور سنسکرت میں یہ اور ایسے بے شمار الفاظ اور نام ہیں
جبکہ ہر دو زبانوں میں ایک ہی معنی اور مفہوم رکھتے ہیں لیکن یہاں سوال یہ ہے۔ کہ
یہ مشترک الفاظ اور نام کیسے ادھر سے ادھر منتقل ہو گئے اور پھر ان الفاظ اور ناموں کا
اصلی مقام کہاں اور کونسا تھا اور یہ کہاں کی پیداوار ہے اصل شکل وہی ہے جو فارسی

فارسی کے آئینے میں دکھائی دیتا ہے یا وہ جو کہ سنسکرت کے بارے میں فطرو
گیا ہے۔ دوسرا یہ کہ الفاظ اور نام کس راستے اور کیسے پارس سے ہند اور ہند
سے پارس منتقل ہوئے اس لئے کہ پارس اور ہند کے درمیان آریانا کے وسیع
اور دور دراز کوہستان اور دیو ہیکل پہاڑ راستہ روکے ہوئے ہیں اور ان پہاڑوں
اور میدانوں ، کوہستانوں اور سنگلاخ وادیوں میں ہزاروں سال سے ایک ایسی
قوم بستی ہے جس کی زبان نہ سنسکرت ہے نہ پارسی بلکہ ایک ایسی زبان میں بات
کرتے ہیں جو "ریک" اور جنبش" اور دوسرے ماہرین لسانیات کے شرائط کے
مطابق ایک کامل اور مکمل زبان ہے۔ ہو سکتا ہے کہ فارسی کے الفاظ
اور نام ہند کے خطے کو پشتونوں کے راستے اور واسطے گئے ہوں گے اور اسی
طرح ہند کے الفاظ اور نام قدیم پارس منتقل ہوئے ہوں یعنی پہلے پشتونو
نے یہ الفاظ اور نام اپنائے ہوں اور پھر دوسروں کو منتقل ہوئے ہوں۔ کیونکہ
دوسرا راستہ ذریعہ اور طریقہ ناممکن تھا اس کے دوسرے معنی یہ ہوئے کہ
پارس اور سنسکرت کے درمیان تعلق کا ذریعہ پشتو تھی کیونکہ آریانا جو بقول
استرابو اور دوسروں کے کہ لوگ ایک ہی زبان بولتے تھے اور بقول ہیروڈوٹس
یہ لوگ پشتون تھے ہندی اور فارسی تہذیبوں کے درمیان ملاقاتی منطقہ، رنگ
رہا تھے اور یہ ایک واضح حقیقت ہے۔ کہ سیاسی اور مذہبی اقتدار قوموں
کی ثقافت اور تمدنی زندگی پر کافی اثر ڈالتا ہے۔ خاص کر زبان زیادہ متا
ہوتی ہے نئے نئے الفاظ۔ نام، اصطلاحات۔ محاورے اور ضرب الامثا
کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے جیسا کہ مختلف قسم کا لبادہ پہننے سے شخصیت نہیں بد
اسی طرح غیروں کے اجنبی الفاظ اور نام ہیں بھی اصلی ۔ زبان گم نہیں ہوتی
بلکہ اجنبی نام اور الفاظ دور سے نشان دہی کرتے ہیں۔ کہ ہم اس خاندان کے نہ

ہیں جیسا کہ اِس وقت پشتو۔ فارسی۔ اُردو۔ بلوچی اور دُوسری ایسی زبانوں میں جو انگریزی سیاسی اقتدار اور دینی تعلیمات کے ذریعے عربی اثرات کے تحت آئے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً چانس۔ رش۔ ایکسیڈنٹ۔ پاس۔ سینما۔ روڈ۔ بنگلہ۔ ریڈیو۔ ڈنر۔ لنچ۔ ہسپتال۔ اسمبلی۔ اپوزیشن۔ کورٹ۔ میجسٹریٹ اور ایسے بے شمار الفاظ اور نام ہیں۔ جو سیاسی اقتدار کے زیرِ سایہ آئے ہیں۔ اب نکلنے کا نام نہیں لیتے۔ اسی طرح عربی الفاظ کا استعمال تو مقامی اصلی الفاظ سے بھی زیادہ ہے جیسا کہ مشرق سے آریانا پر ہندی تہذیب اور مدنیت اثر انداز رہا اسی طرح مغرب سے ایرانی مدنیت کا اثر تھا اور اس وجہ سے ماہرینِ لسانیات نے گمان کیا کہ پشتو ایک فارسی لہجہ ہے۔ اِس لئے کہ اِس زبان میں فارسی کے الفاظ اور نام کافی پائے جاتے ہیں۔ لیکن انہوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ بحیثیت ایک زبان پشتو گرامر کے اعتبار سے زیادہ مکمل اور کامل ہے یا سنسکرت اور فارسی دُوسرا یہ کہ زبان کی قدامت سے تعلق رکھتی ہے۔ پہلی بات کی روشنی میں عرض کروں کہ پشتو گرامر کے لحاظ سے فارسی اور سنسکرت سے زیادہ مکمل زبان ہے جبکہ ماہرینِ لسانیات کے کہنے اور نظریے کے مطابق کسی زبان کی قدامت کی سب سے زیادہ اور مدلل دلیل بھی یہی ہے۔ پس جب یہ ظاہر ہُوا کہ پشتو فارسی اور سنسکرت سے پُرانی زبان ہے۔ تو اس بات کی وضاحت اور حاجت نہیں رہتی کہ پشتون کتنا قدیم ہے اس لئے کہ پشتو پشتونوں کی زبان ہے۔ جب پشتون تھا تو پشتو تھی کیونکہ (تُون) لاحقہ ہے۔ یعنی پشتو کی مناسبت سے پشتون ہُوا [redacted] میں نے اس سے پیشتر بھی اس بات کی وضاحت کر دی تھی کہ پشتو صرف زبان کا نام نہیں تھا اور نہ ہے۔ بلکہ شروع کے پشتون یہ لفظ اچھی مہذب اور اخلاقی روایات کے معنی میں استعمال میں لاتے تھے اس لئے اب بھی موجودہ پشتونوں میں زبان کے معنی میں کم اور اخلاقی مقدرات کے معنی میں

زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً اگر دو افراد یا دو قبیلوں کے درمیان کوئی تنازعہ پیدا ہو تو کہتے ہیں کہ آیئے پشتو کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں یعنی پشتون روایات اور رسم و رواج کے مطابق سلوک کیا جائے دوسری صُورت میں اس کے معنی عزت مروت۔ شجاعت۔ صلہ رحمی۔ مہمانداری۔ سیالداری۔ قرابت داری وغیرہ ہے۔ اگر کسی ایک پشتون سے یہ کہا جائے کہ تم کافر ہو تو وہ شاید اس کا اتنا بُرا نہ منائے جتنا کہ اگر اُن سے یہ کہا جائے کہ تم بغیر پشتو ہو یعنی اِس کا یہ مطلب ہُوا کہ اُسے پشتون (پشتونیت) دائرے سے خارج کر دیا گیا اِس کی مثال دُنیا کے کسی قوم میں نہیں ملتی مثلاً اگر کسی پنجابی یا سندھی سے یہ کہا جائے کہ تم بغیر پنجابی اور بغیر سندھی ہو تو یہ کہنا اُن کے لئے کچھ معنی نہیں رکھتا۔ اور نہ ہی اُن کو اس بات کی سمجھ آتی ہے کہ اُن سے کیا کہا گیا تاریخ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ آریانا کی اس سرزمین پر جہاں پشتون آباد تھے کسی اور نے ایسی حکومت نہیں کی تھی جن کے سیاسی تسلط کے زیرِ اثر اُن پر تہذیبی اور تمدنی اثر زیادہ گہرا پڑا ہو مثلاً اُن علاقوں میں نہ تو بڑے بڑے مندر ہیں نہ صنم خانے اور نہ ہی ایسے آتش کدے جن سے کہ اُن کے قدیم مذہبی اعتقادات پوری طرح واضح ہوں۔ البتہ ہندی اور فارسی تہذیبوں کے توہمات مختلف اشکال میں مختلف خطوں میں دکھائی دیتے ہیں جو مذہبی یا سیاسی اثرات کے تحت یا مُبلغین کے ذریعہ آئی ہیں۔ لیکن اگر سیاسی یا مذہبی سلسلے کے زیرِ اثر ہوتے تو پھر اُن روایات پر بھی اثر انداز ہوتے جو ہندی اور فارسی مذہبی اعتقادات کے خلاف تھے ایسا معلُوم ہوتا ہے۔ کہ اسلام سے پہلے نہ تو انہوں نے مہاتما بدھ کے عدم تشدد کا فلسفہ اپنایا تھا اور نہ ہی زرتشت کے فلسفے سے واقف تھے۔ کیونکہ قدیم مذہبی اصطلاحات اُن میں واضح طور پر نہیں پائے جاتے بلکہ اُن کے روایات ہی کو قانون کی حیثیت حاصل تھی۔ اور اُسی کو زیادہ اہمیت دیتے

قریب ہے کہ تینوں ایک ہی سمجھی جا سکتی ہیں (پہلے اس کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ سنسکرت قدیم آریانا اور پرانے ہند کے وسطی علاقوں میں بنی تھی یا سامنے آئی تھی اور اس زبان کی پہلی یونیورسٹی یا مدرسہ ٹیکسلا میں تھا اور یہ وہ علاقہ ہے جس میں بعد کے زمانہ میں اردو پیدا ہوئی یونان کے سکندر اعظم ۳۲۰ ق م میں ان علاقوں کو آریانا کے راستے آئے تھے۔ سکندر اعظم ان علاقوں میں اپنے گورنر چھوڑ کر چلے گئے تھے وہ مقامی لوگوں سے جو اپنی زبان بولتے تھے اُن کی زبان نہیں جانتے تھے بلکہ بڑبڑا کر یا اشاروں سے مطلب نکالتے تھے۔ جیسا کہ بعد میں فارسی زبان کے اختلاط کی وجہ سے اردو سامنے آئی اسی طرح سنسکرت بھی۔ بھی یونانی اور لاطینی زبان کے گھسنے کی راہ کسی نے بند کی نہیں تھی سنسکرت زبان کے مشہور عالم "پانینی" بھی اسی زمانہ میں بقید حیات تھے اس لئے کہ انہوں نے ۳۵۰ ق م میں سنسکرت زبان کے گرامر کے ۳۹۹۶ قاعدوں پر مشتمل آٹھ کتابیں لکھی تھیں لیکن یہ کیسے مان لیں کہ یونان اور لاطینی زبانوں کے الفاظ اتنی دور سے ہند کی سرزمین کو آئے ہوں اور سنسکرت میں مقام حاصل کر لیا ہو جبکہ پشتو قریب تر تھی۔ اور ہزاروں سال سے قریبی رابطہ رکھتی تھی اُس کا ایک لفظ بھی سنسکرت میں جگہ حاصل نہ کر سکا ہو ایسا نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سنسکرت بنی ہی پشتو اور ہندی سے ہے۔ اور اس کا ہمارے پاس ثبوت موجود ہے۔ وہ یہ کہ سنسکرت میں ہمارے بے شمار الفاظ اصلی شکل صورت اور اشتقاقات کے ساتھ موجود ہیں

چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں۔

سنسکرت	معنی	پشتو	اردو
[illegible]	بالنا	پالنه	
[illegible]	بُرایا	بردگی	

سنسکرت	معنی	پشتو	اردو
[illegible]	پُورا	پُوره	
[illegible]	ساتُو	ساتُو	(دودھ پیڑا)
[illegible]	ماشۂ	ماشۂ یا مستے	(دہی)
[illegible]	شالی	شالئ ۔ شولئ	دوھانا
[illegible]	گودھوم	غنم	(گندم)
[illegible]	روچ	روځ یا ورځ	(دن)
[illegible]	۲ شپا	شپه	(ویدیجی میں شپا رات)
[illegible]	شام	ماشام یا ماښام	شام
[illegible]	ماس	میاشت	مہینہ
[illegible]	وایو (ہوا)	پشتو میں اُوانا بنتا ہے	
[illegible]	بیوتی	بُوټی	(بوٹی)
[illegible]	سنگھم	ځنګ	
[illegible]	مرتپ	مر دو (مرد)	
[illegible]	جنی	جینئ (نجلئ)	(لڑکی)
[illegible]	موبزک	موبزک	(چوہا)
[illegible]	میبز	میبز	(بھیڑ)
[illegible]	نکھ	نُک	(ناخن)
[illegible]	ماترو	مور	MOTHER (ماں)
[illegible]	پترا، پتری	پلار	FATHER (باپ)

(۱) ہندوستانی اینڈ انگلش ڈکشنری تالیف جان شیکسپیر ۱۸۱۸ء
(۲) سخندانِ فارس تالیف مولانا محمد حسین آزاد

कुब्जा	کبجا	کوبز (د پہ ملا کوبڑ)	(ڈبگڑا، ٹیڑھا)	
जिह्वा	جبھا	جبہ (ژبہ)	(زبان)	TONGUE
जगत	جگہ	ځمکہ	(زمین)	EARTH

سنسکرت میں ایسے بے شُمار الفاظ موجود ہیں۔ جو کہ وہ خالص پشتو ہے اور صوت بھی پشتو ہے۔ علاوہ سنسکرت کے پنجابی زبان میں بھی۔

پشتو کے بُہت سے الفاظ ہیں۔ مثلاً

پنجابی	پشتو
تسی	تاسی
منل	ماننا
مانجھنا	مینځل
بانا	ټول
بلانا	بلل
سوکہ	سوکہ
چاٹنا	څټمل
جگہ	ځائے
مانڑیا	مانړی
تُو	تہ
کون	کُوم

غرضیکہ پشتو پنجاب میں جہاں سنسکرت بنی ہے۔ بہت اثر انداز ہوئی ہے۔ آریا نا کے قریب جو علاقے تھے وُہ اگر پنجاب تھا یا سندھ یا پارس پشتو نے اپنے الفاظ بھیجے ہیں۔ اور یہ الفاظ پشتو نوں کے ذریعے اُن کو منتقل ہُوئے

اور یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ الفاظ اور صوت علاقے کی آب و ہوا اور ماحول سے بھی کافی تعلق رکھتے ہیں مثلاً "گیا" پشتو کے علاقے میں پیدا نہیں ہوتا اس لئے اپنا نام نہیں رکھتا اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے جس علاقے میں اس کی پیداوار ہے یہی حال موسمی ناموں کا ہے پشتون چونکہ سرد علاقوں میں رہتے تھے اس لئے زم۔ ژل۔ زمئی نام رکھے گئے تھے چونکہ فارسی میں بھی لفظ "زم" ہے اس سے "زمستان" بنا ہے۔ اس وجہ سے ماہرین لسانیات نے یہ گمان کیا کہ یہ لفظ فارسی کا ہے۔ اصلاً یہ لفظ آریائی ہے۔ اور آریانا میں اس کا استعمال ہوتا تھا اور پشتونوں نے اس کو تین اصوات (آوازوں) میں استعمال کیا ہے جیسا کہ ز ۔ ژ اور جیمی۔ سنسکرت میں کچھ الفاظ ایسے ہیں۔ جبکہ پشتو میں بھی موجود ہیں اور فارسی میں بھی اس کا تجزیہ ہم بعد میں کریں گے لیکن یہاں یہ عرض کرنا ہے سنسکرت میں ایسے الفاظ بھی ہیں۔ جو پشتو میں ہیں لیکن فارسی میں نہیں ہیں مثلاً سنسکرت میں گیت کو "سناد" کہتے ہیں۔ لڑکی کو اجنئی کہتے ہیں۔ لفظ اجنئی (لڑکی) "جن" سے نکلا ہے۔ "جن" کے لغوی معنی "انسان" کے ہیں اور سنسکرت میں مرد اور عورت ہر دو کے لئے استعمال ہوا ہے "جن" سے "جننا" اور پھر "جنو" "جنتا" بنا ہے۔ سنسکرت کے قاعدے کے مطابق اچھے الفاظ "س" سے شروع ہوتے ہیں اور بُرے الفاظ "ک" سے جیسا کہ "سپوت" کا ضد "کپوت" ہے جن کے ساتھ اگر ابتداء میں "س" لگایا جائے تو اس سے اچھا اور خوبصورت لفظ بن جاتا ہے۔ جیسا کہ "ساجن" "سجنی"۔ سجنو پشتو کے لفظ "نبحہ" (عورت) پر غور کیا جائے یہ بھی "سا" اور "جہ" سے مشتق ہے۔ پشتو میں "سا" کا الف حذف ہوا ہے۔ اور "جہ" میں "ن" کی جگہ لہجے تبدیلی کی وجہ سے "ڈ" جو پشتو میں زیادہ استعمال ہوتا ہے لگا ہے اور ساتھ میں "س" "ش" میں اور

"ج" "خ" میں تبدیل ہوتے ہیں۔ جن کا مُبادلہ عام ہے اور لفظ اس طر بنا ہے (شرحہ) شحۂ) عورت ماہرینِ لسانیات نے "زن" اور "جین" کو بتایا ہے۔ جبکہ اس سے انکار نہیں کیونکہ "زن" اور زنانہ پشتو میں بھی مستعمل اور "زوئ" (بیٹا) "زامن" (بیٹے) "زوکرہ" (پیدائش) زیبرزول (حالتِ زیبرزیدل (حالتِ مفعولی) اور بالا آخر "زئی" جو پشتونوں کے زیادہ تر قبا کے ناموں میں لعنی نسل یا اولاد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس کا رشتہ بھی "زن" ہے۔ جو کہ سنسکرت میں "ج" کے مبادلے کے ساتھ موجود ہے اور پشتو میں یہ "خ" میں بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ وضاحت کر دیں کہ پشتو چار ایسے الفا رکھتی ہے۔ جن کی صوت آریائی زبانوں کے علاوہ دُوسری زبانوں میں سائی نہیں دیتی وہ الفاظ یہ ہیں۔

ځ - څ - ږ - ښ
CH ZH TS dZ

پہلے "ځ" کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ اس کی صوت کیسی ہے۔ اور یہ پشتو اور دیگر آریائی زبانوں میں کیسے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ صوت جرمن۔ رُوسی آذری۔ ازمنی اور چیک زبانوں میں اب بھی موجود ہے اور رومن میں مختلف طریقوں سے تحریر کیا جاتا ہے۔ البتہ جب مُنہ سے یہ آواز نکلتی ہے تو کوئی خاص فرق نہیں رکھتا مثلاً جرمنی زبان میں "ځ" کی صوت کے لئے Zڅ کا لفظ استعمال ہوتا ہے چیک زبان میں ځ CZ ایسے بنتا ہے۔ چیکوسلاویکیہ "CZECOSLAVAKIA" ایسے لکھا جاتا ہے، لیکن تلفظ کی ادائیگی "ځیکوسلاویکیہ" سے کی جاتی ہے۔ رُوسی

زبان میں "ځ" اور "ځ" یوں (Ц) لکھا جاتا ہے۔ سنسکرت میں ایسے (آم) لکھا جاتا ہے۔ لیکن بولا "ج" سے جاتا ہے اور فارسی میں "ز" سے مثلاً فارسی میں "زانو" اور سنسکرت میں "جانو" ~~...~~ پشتو میں "ځنگون" البتہ "ځ" کی صحیح صوت بیکا نیر اور جیسلمیر کی ہندی ریاستوں میں کافی موجود ہے خصوصاً عورتوں میں جب کہ ایسے نہیں کہا جاتا کہ "میں جانتی ہوں" بلکہ ایسا کہے گی۔ "ځیں ځانتی ہوں" یہاں یہ بھی وضاحت کر دیں کہ اصلی زبان دیہی عورتیں محفوظ رکھتی ہیں۔

څ۔ پشتو کی یہ صوت سنسکرت۔ رُوسی۔ جرمنی اور اسی طرح مشرقی یورپ کی بہت سی زبانوں میں اب بھی موجود ہے اور اس کی ادائیگی اور تلفظ اسی طرح کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ پشتو میں مثلاً جرمنی زبان میں اخبار کو "څائیتونگ" "ZIETUNG" اردو میں اس کا تلفظ (سائیتونگ) یعنی زیڈ (Z) سے "څ" بناتے ہیں۔ رُوسی زبان میں جیسا کہ پہلے عرض کر چکا اسی طرح "Ц" لکھا جاتا ہے۔ لیکن تلفظ کی ادائیگی "څ" سے کی جاتی ہے۔ اس صوت میں ایک جملہ ملاحظہ فرمائیں۔

MHC ДBaaцaть(TPiia цaть.
пятьAeCЯT)aeh

لفظی ترجمہ:۔ منی دواځات (تریځات، پیاودلیسات) لیت
معنی:۔ میں بیس (تیس پچاس) سال کا ہوں۔

اسی طرح رُوسی زبان میں "باپ" کے کلمہ میں بھی "څ" ظاہر ہے باپ کو "آتیڅ" کہتے ہیں اور "چاند کو میسا څ" پشتو میں چاند کو میاشت کہتے ہیں۔ غرضیکہ یہ صوت رُوسی زبان میں بہت زیادہ ہے۔

سنسکرت میں "مرخ" کی شکل ایسی ہے۔ "ष" جیسا "لکشمی" "लक्ष्मी" (دولت) کے کلمے میں راجپوتانہ کے لوگ جو کہ اصلاً آریائی ہیں واضح تلفظ کرتے ہیں۔ جس کے منہ میں اگر اس صوت کی مخرج نہیں ہے۔ تو وہ اسے "مرخ" سے ادا کرتے ہیں۔

"بڑ" یہ صوت کسی اور زبان میں دکھائی نہیں دیتی البتہ سنسکرت میں "موڑک" اور "مپیڑ" کے کلموں میں دکھائی دیتا ہے۔

मूषिक (موبزک) اور اردو میں اس کا ترجمہ (موشک) ہوا ہے غالباً فارسی کے "بز" کی صوت معلوم نہیں تھی جو پشتون شہری علاقوں میں رہتے ہیں یا فارسی اور ہندی علاقوں کے قریب ہوں وہ اس لفظ کا تلفظ "ژ" سے کرتے ہیں۔

ښ: یہ بھی پشتو کی خاص صوت ہے۔ جو کہ علاوہ سنسکرت اور جرمن زبانوں کے کسی اور جگہ دکھائی نہیں دیتی جرمن زبان میں "CH" ایسے لکھا جاتا ہے، جرمن زبان میں نفی یعنی "نہیں" کے کلمہ میں جیسے "NICHT" "نښت" لکھا جاتا ہے۔ اور اسی طرح اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے پشتو میں بھی نښت۔ نښت۔ نست کے یہی معنی ہے۔ سنسکرت میں اس کی شکل ایسی ہے "[illegible]" کبھی اس سے "ش" کی صوت برآمد ہوتی ہے۔ اور کبھی "کھ" کی اس لئے کہ ہند کی سرزمین میں آب و ہوا کے لحاظ سے مختلف علاقوں میں لہجوں میں تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے اصل صوت کافی بدل چکے ہیں۔ جیسا کہ "ژ" "ز" "ج" "خ" "مرخ" کے مبادلے جو عام ہیں اسی طرح "ښ" "بز" "کھ" "خ" اور "ش" کے مبادلے بھی زیادہ ہیں۔ خود پشتو ہی میں زبان کو کوئی "ژبہ" کوئی "زبہ" اور کوئی "جبہ" کہتے ہیں اور کوئی "ښ" کا تلفظ "ش" سے کرتے ہیں۔ کوئی "خ" سے جیسا کہ "ګښاس" کو "واښہ" یا "واخہ" اور "واشہ"

کہتے ہیں۔

اس بات پر سب متفق اور مانی گئی ہے کہ آریاؤں کا اصلی مسکن آریانا تھا اور آریانا وہ منطقہ ہے۔ جس کی جغرافیائی موقیعت پچھلے صفحوں میں واضح کی گئی اور یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ کہ ہند کی سرزمین کو آرین، آریانا سے ہی کوچ کر گئے تھے اور پھر یہ بھی سب مانتے ہیں۔ کہ سنسکرت ایک آریائی زبان ہے اور پھر یہ بھی واضح ہے کہ آریانا میں بسنے والے سارے لوگ ایک ہی زبان بولتے تھے اب یہ بات رہ گئی کہ وہ کون سی زبان تھی جس کو وہ سب جانتے تھے اور اسی ہی میں گفتگو کرتے تھے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا کہ ماہرین لسانیات ایک تو سنسکرت اور فارسی کو ایک دوسرے کی پیداوار نہیں بلکہ دونوں کو دو بہنوں کا درجہ دیتے ہیں۔ اور پھر سنسکرت کی قدامت پر یقین بھی نہیں رکھتے لہٰذا ان کا خیال غلط نہیں ہے۔ اس لئے کہ سنسکرت آریانا میں پیدا نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کا جنم بوم پنجاب ہے۔ جو آریانا اور ہند کے درمیان واقع ہے جو فارسی اوستائی اور [illegible] کے دیگر لہجوں اور پشتو سے بنی ہوئی معلوم ہوتی ہیں مشہور افغان [illegible] جناب احمد علی کہزاد جنہوں نے افغانستان کی پرانی تاریخ تصنیف کی ہے۔ لکھتے ہیں۔ کہ "بلخ" کا پرانا نام "باخذی" "Bākhdhi" تھا جبکہ قدیم [illegible] میں باختری "BAKHTRI" آیا ہے اور یونانی میں بکتریا "BAKTRY" قرار پایا اور اسی باخذی سے بخدی، بخت اور پشتو کا لفظ بنا ہے۔ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ وہ [illegible] تھا کہ ابراہیم زرتشت بلخ میں پیدا ہوئے اور ایک نئی مذہب کی بنیاد ڈالی اس وقت کے بادشاہ "گشتاسپ" ان پر ایمان لائے اور [illegible] ان کی قدموں میں رکھا زرتشت علمی اور درباری زبان میں ایک

کتاب لکھی اور اس کا نام "ژند" رکھا گیا۔ ژند اس پتھر کو کہتے ہیں جس کو کہ دوسرے پتھر سے رگڑنے سے چقماق (آگ) پیدا ہوتی ہے۔ اس کے معنی اور مطلب یہ تھا کہ اس کتاب سے نورِ الٰہی کے شعلے نکلتے ہیں چونکہ "ژند" کی زبان بہت مشکل تھی اس وجہ سے زرتشت کے پیروکاروں نے اس کی شرح لکھی اور اس کا نام "پاژند" رکھا گیا یعنی وہ دوسرا پتھر (جسے پشتو میں بگری کہتے ہیں) سے رگڑ کھاتا ہے۔ تو یہ آگ کی چنگاریاں میں حق کے شعلے ظاہر کرتا ہے مگر یہ شرح یعنی "پاژند" ژند سے بھی مشکل ہوا۔

علامہ اقبال نے مفسرین کے بارے میں فرمایا ہے کہ

احکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پاژند

جب تفسیر اصل سے مشکل ہوئی تو زرتشتی عالموں نے "پاژند" کی تفسیریں لکھیں اور ان پر "اِستا" کا نام رکھا گیا جب کہ بعد میں "اوستا" کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ کتاب پچیس (۲۵) ابواب پر مشتمل تھی لیکن اس میں صرف انیسواں (۱۹) باب وندیداد پایا جاتا ہے۔ جبکہ دوسرے منتشر ہیں۔ اس کے بعد اس مذہب کے عالموں اور دوسرے محققین نے بہت سی کتابیں مختلف اوقات میں یکے بعد دیگرے لکھیں جن کے نتیجہ میں بہت سے لغت متروک اور نئے نئے لغت اس میں شامل ہوئے مولانا محمد حسین آزاد کہتے ہیں کہ ہمارے لغت کی کتابوں میں بہت سے ایسے الفاظ ہیں جن کے سامنے یہ لکھا گیا ہے کہ یہ لغت ژند و پاژند کے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جو لفظ استعمال میں نہیں آتا۔ اور اس طرح تراشا گیا ہو جس کی اصلیت ظاہر نہیں ہوتی کبھی اس کا ناطہ ژند سے جوڑتے ہیں کبھی پہلوی سے کبھی دری اور کبھی فرس قدیم کے ساتھ

اب آیئے یہ دیکھتے ہیں کہ گشتاسپ جن کے دور میں زرتشت نے [illegible] لکھی کس دور اور زمانہ میں باختر بلخ پر حکمران رہے۔ اس لیے کہ تاریخ [illegible] ولادت کا تعین زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے سائرس [illegible] (ذوالقرنین) کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ ظہور کے بارے میں لکھا [illegible] قبل مسیح میں ایک غیر معمولی شخصیت غیر معمولی حالات میں برسرِ اقتدار آئی [illegible] ساری دنیا کی نگاہیں اس کی طرف متوجہ ہو گئیں یہ پارس کے "ایکے می نیز" [illegible] کا ایک جوان گورش تھا جسے یونانیوں نے سائرس عبرانیوں نے خورس اور عربوں [illegible] کے نام سے یاد کیا۔ آگے لکھتے ہیں کہ اتنا نہیں بلکہ جب ہم غور کرتے ہیں تو [illegible] کی کڑی اور آگے بڑھتی ہے۔ البتہ ہم اس میں قیاس سے زیادہ جرأت نہیں [illegible] سائرس زردشت (زرتشت) کا ہمعصر تھا اور سائرس کی ابتدائی زندگی [illegible] اور گمنامی میں بسر ہوئی تو آیا اس زمانہ میں دونوں شخصیتیں ایک دوسرے کے قریب نہیں آئی ہیں؟ اور آیا ایسا خیال نہیں کیا جا سکتا کہ اس زمانہ میں سائرس [illegible] زردشت کی تعلیم اور صحبت سے فیض حاصل کی؟ سائرس کی ابتدائی زندگی کے [illegible] تاریخ کی ایک گم شدہ داستان ہے۔ تو اس داستان کا سراغ ان دونوں شخصیتوں [illegible] کے واقعہ میں نہیں ملتا؟ (اصحاب کہف ص ۴۶)

یہاں یہ بات واضح ہوئی کہ زردشت جنہیں زرتشت لکھتے ہیں ۶۰۰ ق م [illegible] میں پیدا ہوئے تھے ظاہر ہے کہ ژند ۵۰۰ ق م کے لگ بگ لکھی گئی اور پھر پاژند اور اوستا کی تفسیریں لکھنے میں بھی کافی وقت صرف ہوا ہوگا اور اگر یہ وقت سو سال معین کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کم از کم چار پشتوں [illegible] کام ہوا ہے۔ اور پھر اس دوران میں بھی یقیناً زبان میں بڑی تبدیلی آئی ہوگی۔ دوسری بات یہ واضح ہو گئی کہ "ژند" کو آسان بنانے کی نیت سے جب "پاژند"

لکھی گئی تو اُس میں لازماً نئے نئے الفاظ استعمال کئے گئے ہوں گے اور پھر
مپاژند "کی تشریحات اور تفسیریں لکھی گئیں اُس میں بھی ارد گرد اطراف کے [illegible]
کے الفاظ استعمال اور شامل ہوئے ہوں گے اسی لئے تو اب ماہرینِ لسانیات
اُس زبان کی اصلیت گم ہوگئی ہے جبکہ بقول مولانا محمد حسین آزاد کبھی پہلوی
تلاش کرتے ہیں کبھی دری میں اور کبھی فرسِ قدیم میں اس کی ایک وجہ یہ بھی [illegible]
اس زبان کی صرف و نحو یا لغت کی قدیم کتاب کسی کے ہاتھ نہیں لگی ہے۔ یور[illegible]
کے دانشوروں نے اوستا کی موجودہ کتابیں پڑھی ہیں۔ اور اُن سے اپنی اپنی قیاس
مطابق قاعدے اور لغات کی کتابیں بنائی ہیں۔ اور لوگ بھی اسی غنیمت سمجھتے ہیں
مولانا محمد حسین آزاد کہتے ہیں کہ اس سے صرف اتنا معلوم پڑتا ہے کہ اِس زبان
میں سنسکرت جیسے الفاظ اعراب کے زبر اور زیر کا کام دیتے ہیں۔ فعلوں
میں مذکر اور مونث کے علاوہ دوسرے صیغے اور گردان بھی زیادہ ہیں اس سے
پیشتر یہ ذکر کیا گیا اگر یہاں پر دوبارہ اِس کا اعادہ کیا جائے کہ زبان پر مذہبی
سیاسی اقتدار زیادہ اثر انداز ہوتا ہے اِس لئے زرتشتی مذہب جیسے گشتاسپ [illegible]
تسلیم کیا بہت جلد اُن کے قلمرو میں شائع ہوا اور پھر جب سائرس (ذوالقرنین) [illegible]
کیونکہ وہ بڑے بادشاہ اور بڑا فاتح تھا اُس نے اِس تمدن کو زیادہ ترقی دی اور
مدنیت سارے آریانا میں پھیل گئی اگرچہ اُس وقت آریانا میں ایک زبان بولی جاتی [illegible]
اور لہجے زیادہ تھے اِس وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زرتشتی مذہب کی تشریح[illegible]
تفسیروں اور قوانین میں لہجوں کی گردانوں کے مطابق الفاظ داخل ہوئے اور ہر
کسی نے اپنے اپنے لہجے کے مطابق استعمال کئے۔

مثلاً پشتو میں لفظ "پوښتنہ" (پوچھنا) اوستا میں پرسیدن اور سنسکرت میں
"پرچھ" ہے۔ جبکہ بعد میں پوچھنا "بنا اسی طرح پشتو میں "کښں" اوستا میں "کرش" اور

[illegible] میں بھی "کرش" ہے۔ ایسے الفاظ کی ہم نے پہلے بھی نشاندہی کی جو پشتو۔
[illegible] اوستا اور فارسی میں موجود اور مشترک ہیں۔ لیکن یہاں پر ایک مخصوص لفظ کا
[illegible] اہمیت کا حامل ہے۔ تجزیہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس سے پیشتر یہ ذکر کیا گیا تھا
[illegible] اور محققین کا کہنا ہے کہ بلخ کا قدیم نام "سنچری" تھا اور اُس سے "پاختی" "بختو"
[illegible] اور باختر نکلے ہیں اسی طرح یہ بھی آپ کی نظر سے گزرا کہ [illegible] ق م میں ہیرودوتس
[illegible] میں ایک قوم کو پکتیان اور پکتولیس "PAXTUES" کے نام سے یاد کیا تھا اور یہ
[illegible] ہے جس میں کہ "اوستا" لکھی جاتی تھی بطلیموس ۱۵۰ء میں کہتا ہے۔
[illegible] "PAROPAMISUS" کے پہاڑوں میں ہرات کے قریب
[illegible] اقوام رہتے ہیں جو "پرسوتانی" کہلاتی ہے یہاں پر اس بات کی بھی وضاحت
[illegible] بطلیموس "اسکندریہ میں رہتے تھے اور عرب جغرافیہ قلمبند کی ہے
[illegible] خود سفر نہیں کیا ہے لیکن بہرحال اِس "پرسوتانی" "PARSUETAI"
[illegible] محققین نے پشتون اخذ کیا ہے۔ "بطلیموس" نے ایران کے مشرق میں
[illegible] "PARDIAI" کے نام سے بھی ایک قوم کا ذکر کیا ہے جبکہ بعض محققین
[illegible] پشتون تھے اِن کا کہنا ہے کہ دراصل یہ لفظ جیسا کہ بطلیموس نے
[illegible] "لکھا ہے۔" پرسو "تھا یہ سنسکرت اور اوستا میں بھی ہی
[illegible] اور اس "پرسو" پارس بنا ہے یعنی پرسو لہجے کی وجہ سے پارسو اور
[illegible] ماہرین لسانیات کا کہنا ہے کہ پشتو کا "ښ" اور "ت" سنسکرت
[illegible] اور "س" کے ساتھ بدل جاتے ہیں۔
[illegible] سنسکرت میں لفظ پرشو "PARSHU" بھی آیا ہے۔ اس لئے کہ "س"
اور "ش" "ښ" کا مبادلہ سنسکرت میں عام ہے "ښ" اور "کھ" کا مبادلہ اس سے
[illegible] بتایا گیا کہا جاسکتا ہے کہ یہ لفظ ابتدائی ابھا اور دوسرا الف اضافی

ہوا اصلاً یہ لفظ ایرانی ہے۔ ہیروڈوٹس جو "بن" کا تلفظ نہیں کر سکتے تھے
یا اُس کے پاس اس کے لئے کوئی حرف نہیں تھا بلکہ "کو" "پکت"
جو لوگ آج بھی "بن" کا تلفظ نہیں کر سکتے تو وہ پشتون کو پختون یا پشتون کہتے
ہیں۔ غرضیکہ ماہرین لسانیات اور مورخین کے لئے لفظ "بن" کا وٹ بنا ہوا تھا
اس کے لئے نہ تو ان کے پاس صوت تھی اور نہ حرف اس وجہ سے کسی نے مورخ
نے "سک" اور کسی نے "ش" میں کو بعض نے "ر" میں تبدیل کیا ہے جیسا کہ پہلوی زبان میں
"پارتا" ماہرین لسانیات کا کہنا ہے کہ پرسو (پشتو) پارس اور بھارت تینوں دراصل
ایک لفظ ہے جبکہ مختلف لہجوں میں تلفظ بھی مختلف ہوا ہے اس کا یہ مطلب لیا
کیا جا سکتا ہے کہ جس زمانہ میں "اوستا" بن رہی تھی چونکہ اس وقت آریانا ایک
وسیع و عریض خطہ تھا زبان بنیادی طور پہ ایک تھی البتہ مختلف علاقوں کی
آب و ہوا کی وجہ سے لہجوں میں تضاد تھا جبکہ بعد میں سیاسی اور مذہبی تغیرات کی
وجہ سے زبان منقسم ہوئی جو لوگ بحیرہ خزر کے آس پاس آباد ہوئے یعنی مغرب کی
طرف کوچ کر گئے تو وہ پارتیان کے نام سے مشہور ہوئے اور جو جنوب کی طرف چل
بسے اور بڑی شہنشاہیت کی بنیاد رکھی تو وہ پارس کے نام سے یاد کئے جانے
لگے اور وہ لوگ جو اپنے مقام پہ سکونت پذیر رہے وہ پشتون کہلانے لگے۔ ہندوؤں
کی مشہور مذہبی کتاب "رگ وید" کے ساتویں باب کے چھٹویں سرود میں "پرشو"
"PARSHU" کے نام سے ایک جنگجو اور سخت مزاج قوم کا ذکر آیا ہے۔ سنسکرت کا مشہور
عالم اور پہلا ماہر لسانیات پانینی "PANINI" جو خود بھی گندھارا کا رہنے والا تھا اور
پرشوؤں کی تمدن سے واقف تھا۔ کچھ ماہرین لسانیات نے "پرشو" سے وہی "پرسو" اور پھر پارسیان
مراد لیا ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ یہ لوگ پشتون ہیں۔ یہ دوسرا خیال اس وجہ سے درست
ہے کہ پانینی سے تقریباً سو سال پہلے ہیروڈوٹس نے اس خطے کے لوگوں کے بارے میں لکھا ہے

جنگجو اور گرم مزاج لوگ پشتون کہلاتے تھے۔ پانینی خود لکھتے ہیں کہ آریاؤں کا سب
سے بڑا گروہ پرشوادی "PARSHYADI" کہلاتا ہے پانینی نے اس گروہ میں
"مدھومنت" "MADHUMANTA" کے نام سے بھی ایک قبیلہ کا ذکر کیا ہے۔ اور
کہا ہے کہ یہ لوگ گندھارا کے قریب سکونت رکھتے ہیں "مہابھارت" کے حماسہ
اس قبیلہ شمال مغرب میں دکھایا گیا ہے۔ اوستا میں یہ لفظ "ہمند" اور پشتو میں
"مومند" بنتا ہے۔ یہ بھی وہی پشتون ہیں۔ جو آج بھی پشاور کی وادی میں دریائے کابل
کے شمال پہاڑی علاقوں میں رہتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ایک اور قبیلے "اپریتا"
"APRITA" کا نام بھی آیا ہے اور اس کے معنی ناقابل شکست لکھا گیا ہے۔ یونانیوں
کی تحریروں میں "اپرو تائی" "APARYTAI" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ یہ وہ
لوگ ہیں جنہیں دوسرے لوگ آفریدی کہتے ہیں یہ خود بھی اور دوسرے پشتون ان کو
"اپریدی" کہتے ہیں یہ پشتون تیراہ خیبر اور کوہاٹ میں رہتے ہیں۔

جیسا کہ اس سے پیشتر یہ واضح ہوا کہ سنسکرت کی پیدائش اور رہنے کا مقام
پنجاب تھا اس لئے کہ اس منطقہ میں آریائی اور ہندی تہذیبیں آپس میں ملتی
ہیں البتہ محققین اس خطے کو گندھارا تک پھیلاتے ہیں۔ یعنی پشاور تک رسائی
کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ سنسکرت کی تحریریں اس سرزمین کے لوگوں کی ہیں
اور انہوں نے "پرشتو" کے علاوہ "پرسیکا" "PARSIKA" "شہاکا" "SHAKA"
اور "پہلوی" "PAHLAVA" کے نام بھی لئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس
وقت آب و ہوا کی وجہ سے زبان میں تبدیلی آئی تھی بلکہ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ
آریانا کے وسیع و عریض خطہ میں دور دراز پہاڑی علاقوں میں قبائل ایک دوسرے
سے ناہموار رہتے تھے۔ جیسا کہ اب بھی اسی طرح رہتے ہیں جو قبائل ایک دوسرے سے
ہمکنار تھے یا ایک دوسرے کے بالمقابل رہتے تھے ان کا لہجہ ایک طرح کا تھا اور

جہاں سے دُور رہتے تھے اور ایک دُوسرے سے کوئی رابطہ نہیں رکھتے تھے ان کے
لہجوں اور الفاظ میں وقت کے گزرنے کے ساتھ کافی تبدیلی پیدا ہوئی اور
اس تبدیلی کی وجہ سے علیحدہ علیحدہ لہجوں نے جُدا جُدا نام بھی پیدا کئے جیسا کہ کندزی
پشاوری۔ کاکڑی۔ بنوچی (بنوچی) ونیچی (ونیچی) بلوچی۔ اور ایسے دُوسرے جو اصلاً
آریائی گھرانے سے ہیں مغرب کی طرف سے آریانا پر زردشتی مدنیت کے اثرات
پڑتے تھے اور مشرق کی طرف سے ہندی تہذیب و تمدن کا یعنی پشتون ان
کے درمیان زندگی بسر کرتے تھے آریانا کا وُہ علاقہ جو آراکوزیا اور افغانستان شال
کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ زردشتی مذہب کے اقتدار کے تحت رہا ہے۔
اور مشرق میں آریانا کا وُہ حصہ جو گندھارا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ہندی تہذیب
تمدن کے زیر اثر آیا تھا ان اثرات کی نشانیاں اب بھی دونوں طرف نظر آتی
ہیں۔ مثلاً دن کے نام جیسے مغربی پشتون خطہ میں

شنبہ۔ یک شنبہ۔ دوشنبہ۔ سہ شنبہ۔ چہار شنبہ۔ پنج شنبہ
(ہفتہ اتوار سوموار منگل وار بدھوار۔ جمعرات)

نام استعمال ہوتے ہیں۔ اور مشرقی حصے میں خصوصاً وُہ علاقہ جو گندھارا
کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہاں پیر۔ منگل۔ بدھ۔ زیارت وغیرہ استعمال
ہوتے ہیں۔ اسی طرح گندھارا میں مہینوں کے نام ہندی ہیں۔ آراکوزیا یعنی
پشتونوں کے مغربی حصے میں قدیم آریائی اور عربی نام استعمال ہوتے ہیں۔ اور وسطی
علاقوں میں پشتو کا ترجمہ ہوا ہے۔ مہینوں کے فارسی الفاظ پشتو میں نہیں ہیں۔
البتہ قدیم ہندی اور آریائی مدنیت اور توہمات کے آثار جابجا نظر آتے
ہیں۔ جن کا ذکر بعد میں ذکر آئے گا۔

جیسا کہ شروع میں آپ کی نظر سے گزرا کہ "سد شرند" کا زمانہ بعض مورخین نے

[illegible] ق م متعین کیا ہے جبکہ بعض مورخین نے یہ زمانہ ١٠٠٠ ق م قرار دیا ہے
اسی طرح بعض محققین ہندی ویدوں کا زمانہ ١٥٠٠ ق م سے ١٢٠٠ ق م تک قرار
دیتے ہیں پروفیسر کیتھ (KEITH) ویدوں کا زمانہ ٨٠٠ ق م سے زیادہ
تسلیم نہیں کرتے اس لئے کہ اوستا کا زمانہ [illegible] ق م ہے اور دونوں زبانوں
میں مشابہت یہ ثابت کرتا ہے۔ کہ دونوں زبانیں ایک ہی زمانہ میں سامنے آئی ہیں۔
کیونکہ اگر ان میں زمانوں کا فرق آئے تو پھر اس قدر مشابہت پیدا نہیں ہوتی
دو تین سو سالوں میں زبانوں میں کافی تبدیلی رونما ہوتی ہے یہاں اس کی بھی وضاحت
کرتے ہیں کہ "وید" چار ہیں اور ان کے نام یہ ہیں "رگ وید" "یجر وید" "اتھروید"
اور "سام وید" ان میں سب سے قدیم رگ وید ہے۔ یہ وید سرودوں کی شکل
میں منظوم ہیں۔ اور یہ وُہ سرود ہیں۔ جو ہندوکش کے شاداب اور سبز چراگاہوں میں
مختلف وقتوں میں آریاؤں کے منہ سے نکلے ہیں۔ ہم پشتو میں لوک گیتوں کو سندری
کہتے ہیں۔ جیسے سنسکرت میں ستاؤ کہتے ہیں جرمنی کے مشہور ماہر لسانیات میکس مولر
(MULLER FRIEDRICH MAX) (١٨٢٣ء ١٩٠٠ء) ان سرودوں
کے بارے میں کہتے ہیں۔ کہ جو سرود افغانستان میں کہے گئے ہیں اور جو پنجاب میں
کہے گئے ہیں۔ ان کے درمیان کافی صدیاں گذری ہیں۔ اس لئے ان میں کافی
تغیرات اور تحولات پیدا ہوئے ہیں۔ میکس کا مطلب یہ ہے کہ آریانا سے ایک
وقت میں لوگ نہ تو پنجاب اور ہند کے دوسرے علاقوں کو گئے ہیں اور نہ ہی
ہر زمانہ میں ایک قسم کے گیت اور سرود کہے گئے ہیں بلکہ علیحدہ علیحدہ وقتوں میں
مختلف واقعات۔ حادثات اور حالات کے مطابق سرود کہے گئے ہیں جبکہ ان
میں جُدا جُدا داستانیں نظر آتی ہیں۔ لہٰذا سب سے قدیم رگ وید کے سرود وہی
ہیں۔ جو کافی عرصہ پیشتر آریانا میں کہے گئے تھے اور پھر اسی طرح اس کے بعد مختلف

اوقات میں لکھے گئے ہیں۔ اس وجہ سے رگ وید کے سرودوں کے لیے زمانے کا تعین کرنا کوئی آسان کام نہیں۔

میکس ملر نے ویدی سرودوں کو چار زمانوں میں منقسم کیا ہے۔

(۱) سوترا یا عبادات کی تشریفات کا مجموعہ ۶۰۰ ق م سے ۲۰۰ ق م تک۔

(۲) برہمانا یا مذہبی آداب کی تعبیرات ۸۰۰ ق م سے ۶۰۰ ق م تک

(۳) مانتراس "MANTRAS" کا زمانہ یا رگ وید کا نیا عصر ۱۰۰۰ ق م سے ۸۰۰ ق م تک

(۴) چانداس یا شاندااس (CHANDAS) کا زمانہ یا رگ وید کا قدیم زمانہ ۱۲۰۰ ق م سے ۱۰۰۰ ق م تک

"موسیو ونٹرنٹز" (WINTERNITZ) اس بارے میں لکھتے ہیں۔ کہ اشوک کے کتبوں اور تحریروں سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آرین ۳۰۰ ق م میں ہند کے جنوبی علاقے میں پہنچ گئے تھے۔ اس لیے کہ "باندیانا" (BANDHAYANA) اور دوسرے ویدی مدرسے ہند کے جنوبی علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ان علاقوں پر ۶۰۰ ق م یا ۸۰۰ ق میں انہوں نے تسلط قائم کیا تھا اس لئے چاہیئے کہ شمال مغربی علاقوں اور افغانستان میں ۱۲۰۰ ق م سے ۱۵۰۰ ق م تک آریایوں کا وجود مانا جائے۔ سنسکرت کا ایک اور ماہر لسانیات "بوہلر" (BÜHLER) کہتے ہیں۔ کہ یہ فرض کر لینا کہ آرین قبائل جو باوجود اس کے کہ اندرونی اور بیرونی مخالفت رکھتے تھے۔ پانچویں، چھٹویں یا آٹھویں صدی میں ۴۳ لاکھ مربع میل رقبے پر چھائے ہوئے ہوں اور پھر اس میں حکومتیں بنائی ہوں یہ بے عقلی اور ہنسانے والی بات ہے۔

ماہرین لسانیات اور محققین نے ویدی سرودوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا

[illegible] جو قدیم ہے اور آریانا میں کہے گئے ہیں۔ دوسرا وہ حصہ ہے جو پنجاب [illegible] ہے اور ہند کے قدیم زبانوں کے الفاظ اس میں شامل ہوئے ہیں۔ جو [illegible] آریانا میں کہے گئے ہیں۔ وہ اس لحاظ سے کافی قدیم ہیں۔ یعنی قدامت کا وجہ [illegible] کہ آرین ہند سے آریانا نہیں گئے ہیں۔ بلکہ آرین آریانا سے ہند گئے ہیں [illegible] پنجاب تھا ایک تو راستے میں تھا دوسرا یہ سرسبز و شاداب تھا [illegible] تھے مویشی پالتے تھے اُن کے لئے یہ علاقہ بہت ہی موزوں تھا۔ [illegible] آرین کا ہی نہیں بلکہ اُن کے بعد آریانا سے جو لوگ ہند کی سرزمین کو آئے [illegible] بھی پنجاب تھا اور یہ جگہ آریائی اور ہندی زبانوں کی شمولیت کا مرکز [illegible] میں سنسکرت کا مدرسہ تھا اور لاہور میں "پاننی" زبانوں کی تحقیق کرتا [illegible] ان باتوں سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں۔

(۱) [illegible] سنسکرت اور ژند کا علمی زبانوں کی حیثیت سے ابھرنے کا زمانہ ۱۰۰۰ ق م [illegible] معین کر سکتے ہیں

(۲) [illegible] آرین ۱۲۰۰ ق م سے آریانا سے ہند کی سرزمین کو منتقل گئے ہیں۔

(۳) [illegible] سنسکرت کو براہ راست یا اوستا کے ذریعے جو الفاظ منتقل ہوئے ہیں وہ پشتو زبان کے الفاظ ہیں۔ جنہیں ماہرین لسانیات نے بختی۔ بختی۔ بختو۔ پختو۔ پرسو۔ پرشو۔ پرسوا اور پارسی کے ناموں سے موسوم کیا ہے۔

(۴) [illegible] سنسکرت اور اوستا دونوں زبانیں آریانا کے شمالی اور مشرقی علاقوں [illegible] اور گندھارا میں پیدا ہوئی ہیں۔

اب ہم دوبارہ پیچھے کی طرف لوٹتے ہیں۔ اور پھر حسین آریانا کے پرجلال پہاڑوں [illegible] تے ہیں۔ اور اس کے سرسبز و شاداب میدانوں اور پرفضا دروں اور پرجوش دریاؤں کے کنارے اور بنگھٹوں پر آریاؤں کے خیموں قافلوں اور بڑے بڑے

یہودیوں کا نظارہ کرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ کس سمت سے آتے ہیں اور کس جاتے ہیں اور کہاں کہاں قیام کرتے ہیں - جب ٹرنر اور سنسکرت ک ہونے کا زمانہ ایک ہزار سال قبل مسیح یعنی تین ہزار سال قبل لگایا گیا تو اب یہ د چاہیئے کہ اس زمانہ یا اس سے قبل آرین کی وضعیت اور کیفیت کیا تھی - زیاد مورخین اور محققین کا یہ خیال ہے - کہ ہندی یوروپین (آریا) اصلاً سائبیریا کے باش تھے اس لئے کہ علاقے بہت سرد تھے تو یہ گروہ گروہ کی شکل میں گرم اور معتدل ع کے آس پاس حرکت کر گئے پھر کہتے ہیں کہ آرین کا مرکز چینی ترکستان یا روس ترکستان تھا اس کی دلیل یہ ہے - کہ تخاری[1] کاشغری اور مشرقی ایران کے لہجوں بہت مشابہت دیکھی جاتی ہے - بعض جرمن دانشوروں کا خیال تھا کہ جرمنی شمالی علاقوں میں یہ لوگ آباد تھے ان کی دلیل یہ ہے - کہ ان علاقوں کے لوگو کی زبانوں میں کافی مطابقت ہے - ہٹلر کے زمانے میں اس نظریے کو کافی تقو ترمیم ملی تھی - اور اس نظریہ کے اساس پر دوسری قوموں کے مقابلے میں جر کو سب سے زیادہ اولیت دی گئی اس کے بعد اس نظریے کو زیادہ تقویت حا ہوئی کہ آرین کا اصلی مرکز جنوبی روس یعنی زیریں ڈینوب کا وسطی علاقہ اور د والگا ہے - اس نظریے کی تائید میں زیادہ تر محققین نے اس پر دلیل دی کہ بالائی اور ایشیا میں گھوڑے کا استعمال ایک ہی زمانہ میں ہوا ہے - دوسرے یہ کہ ان لوگ کی زبان اساساً ایک تھی - البتہ جدا جدا علاقوں میں رہنے کی وجہ سے لہجوں میں تضاد پیدا ہوا کیونکہ اخلاقی اعتبار سے ان میں یکانگت موجود تھی پہلے ماہر

[1] ساتویں صدی عیسوی میں یہ زبان تخارستان میں مروج تھی بغلان کے سرخ کوتل میں پتھروں پر جو تحریریں ملی ہیں ان سے پتہ چلا ہے کہ پہلوی پارتی - سغدی، خوارزمی اور سکائی لہجوں کے بعد قدیم زبان ہے - جو یونانی رسم الخط کے انداز میں لکھی جاتی تھی۔

لسانیات کا خیال یہ تھا کہ یہ تمام زبانیں سنسکرت کی پیداوار ہیں - بعد میں جب ماہرین نے ادبی نقطۂ نظر سے زبانوں کی تحقیق کی تو ان کو نو حصوں میں تقسیم کیا ہند (۱) - ایرانی - (آریائی) یونانی (۲) - اٹالوی (۳) لہجے - جرمن لہجے - بالٹی و صلاوی (۴) ارمنی - قدیم - ہیتی اور چینی ترکستان کا تورخان (۵) جو بعد میں تخاری کے نام سے مشہور ہوئی (انفرادی) بعض ماہرین لسانیات نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ ان زبانوں کی پیدائش جنوبی روس میں ہوئی ہے کچھ جرمن دانشور اسکنڈینیویا (ناروے ڈنمارک - سویڈن - فن لینڈ) کے لوگوں کو ہی ہند و یورپین کہتے تھے اس نظریے کی کافی مخالفت ہوئی بعض جرمن دانشوروں کا نظریہ یہ تھا کہ ہند و یورپین کا اصلی مرکز جرمنی کا شمالی علاقہ اور کارپات و بالٹک کے وسطی علاقے تھے - جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ ہٹلر کے زمانے میں اس نظریئے کو کافی تقویت حاصل ہوئی بعد کے بعض ماہرین لسانیات نے اس نظریئے سے کافی اختلاف کیا بلکہ یہ خیال ظاہر کیا کہ تاریخ کے شروع دور میں ہند و یورپین نے اپنی زبان جرمنوں پر ٹھونسی غالباً[1] ان کا اشارہ ٹیوٹانیوں کی طرف ہے - جنہوں نے جرمنی پر قبضہ کر لیا تھا اور ان کے تمام قوانین منسوخ کر دئے تھے - اور اپنی روایات کو قانون کی حیثیت سے ان پر ٹھونس دئے تھے - یہاں یہ واضح کر دیتے ہیں کہ لاطینی کی "ت" فارسی فرانسیسی جرمن اور روسی میں "ث" سے تبدیل ہو جاتی ہے - اسی طرح ہند و یورپین زبانوں میں "ت" اور "د" کا بھی تبادلہ ہوتا ہے جیسا کہ فارسی لہجوں میں "کردی" کے بجائے "کرتی" اور "گتی" بھی استعمال ہوتا ہے اسی طرح "دراج" - "تراج" میں تبدیل ہو جاتا

(۱) تاریخ سیاست۔

ہے۔ کدخُدا۔ کتخدا میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ صوتی اعتبار سے قریب الفاظ ہیں۔ اسی طرح کچھ لہجوں میں ے۔ ی۔ و کہیں مخفی کہیں جلی اور کہیں بالکل جلتے ہیں۔ جیسا کہ کاکڑی لہجہ میں مئیر "کی ے" گر جاتی ہے۔ اور صرف رہ جاتا ہے مثلاً "ڈیرہ وخت تیر شو" نہیں کہینگے "بلکہ ڈیرہ وخت تر شو" کہیں گے۔ یہی حالت "و" کی ہے جواب کو خاب کہتے ہیں۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں لہجوں کے اصول کے مطابق اصل لفظ ٹوٹانی نہیں بلکہ "دوتانی" ہو گا۔ جو پشتون کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔ اور جیسا کہ دوسرے پشتون یہ بھی اسی طرح کے پشتون کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ وہی لوگ ہوں جنہوں نے جرمنی میں اپنی حاکمیت قائم کی اور روایات اُن پر ٹھونسے اور انہی کے ذریعے جرمنوں میں پشتونوں کا خون اور داخل ہوئے ہوں۔ جبکہ پشتونوں کی صوت اور کچھ الفاظ جیسا کہ شال کے طور پر اس سے پہلے پیش کئے گئے ہیں ان میں موجود ہیں بلکہ کچھ ثقافتی علامات بھی ان میں پائے جاتے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

تاریخ کے بہت پرانے زمانے میں آرین کہاں سے آئے اس بارے میں تین نظریئے ہیں ایک یہ کہ سائبیریا سے چلے آئے دوسرا یہ کہ پامیر کے پہاڑوں سے اُترے ہیں۔ تیسرا نظریہ یہ ہے کہ ان کا اصل مقام باختش اور ڈینوب کے وسطی سرسبز و شاداب علاقے تھے۔ اس لئے کہ یہ مالدار تھے۔ بھیڑوں کے بڑے بڑے ریوڑ پالتے تھے۔ ان کے لئے ایسی ہی جگہ موزوں تھی اورال کے پہاڑ بھی ان علاقوں کے شمال میں واقع ہیں۔ قبائل نے اس سرزمین پر بھی صدیوں زندگی بسر کی ہے۔ ماہرین لسانیات اور مورخین کا کہنا ہے کہ یہ بڑے وسیع و عریض علاقے میں رہتے تھے ہر چند کہ ان کی زبان اسی سا ایک تھی مگر لہجے کافی تھے یہ کھیتی باڑی بھی کرتے تھے اور مویشی بھی بہت پالتے تھے مگر ایک جگہ پر قیام نہیں کرتے

تھے۔ کبھی یہاں اور کبھی وہاں خانہ بدوش کوچیوں اور پاوندوں کی شکل میں ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت کرتے تھے اور مویشیوں کی وجہ سے سرسبز و شاداب علاقے تلاش کرتے تھے سب سے پہلے انہی لوگوں نے گھوڑوں کو تربیت دی اور ان کو گاڑیوں (ارابہ) میں استعمال کیا ان لوگوں نے جو آہستہ آہستہ کافی عرصہ میں حرکت کی تین تین جانے پہچانے راستوں پر چلے تھے کچھ مغربی ملکوں کی طرف کچھ کیسپین اور خزر کے علاقوں کی طرف چلے گئے ہیں۔ اور کچھ نے ہندوکش کے جنوبی علاقوں کی طرف کوچ کیا کیونکہ وہ قبیلوں کی شکل میں تھے اس لئے ہر قبیلہ اپنے لئے علیحدہ نام رکھتا تھا وہ لوگ جو کیسپین اور خزر کے کھلے علاقوں کی طرف چل پڑے "کانسک" یا کاسک کے نام سے موسوم ہو گئے ہیں۔ سائبیریا میں کانسک کے نام سے ایک جگہ اب بھی روسی نقشے میں موجود ہے اور اسی طرح خزر کے منطقہ میں بھی کاسک کے نام سے ایک جگہ ہے (روسی نقشے پر نگاہ ڈالیے) جو قبائل مغربی علاقوں کی طرف گئے ہیں وہ وہی اقوام ہیں۔ جو جرمنی۔ آسٹریا۔ رومانیہ۔ اطالیہ۔ سویڈن۔ فن لینڈ۔ ناروے۔ ڈنمارک اور دوسرے ناموں سے پکارے جاتے ہیں۔

تیسرے وہ لوگ تھے جو ہندوکش کے دامن کی طرف چلے گئے ان لوگوں کے بارے میں زیادہ مفصل معلومات ویدی سرودوں میں محفوظ ہیں۔ اگرچہ ویدی سرود مذہبی نظموں کا مجموعہ ہے مگر کافی فائدہ مند جغرافیائی معلومات بھی رکھتے ہیں۔ وہ آرین جو ویدوں کے زمانے سے بھی کافی عرصہ پہلے ہندوکش کے دونوں طرف آباد ہوئے تھے۔ تہذیب و ثقافت سے اچھی طرح آشنا تھے۔ اور طبعی مظاہر سے کافی لگاؤ رکھتے تھے جو اُن کے شفاہی ادب اور روایات میں آج تک محفوظ ہے۔ ویدی سرودوں سے بہ ملا معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کن کن پہاڑوں اور دریاؤں کے کنارے آباد تھے۔ ان کے قبیلوں کے

ہے۔ کدخدا۔ کتخدا میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ صوتی اعتبار سے قریب ال
الفاظ ہیں۔ اسی طرح کچھ لہجوں میں ے۔ ی۔ و کہیں مخفی کہیں جلی اور کہیں بالکل
جلتے ہیں۔ جیسا کہ کاکڑی لہجہ میں متبرہ کی "ے" گر جاتی ہے۔ اور حرف
رہ جاتا ہے مثلاً "ڈیر دخت تیر شو" نہیں کہینگے "بلکہ ڈیر وخت تیر شو" کہتے
ہیں۔ یہی حالت "و" کی ہے جواب کو خاب کہتے ہیں۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں
لہجوں کے اصول کے مطابق اصل لفظ "ٹیوٹانی" نہیں بلکہ "دوتانی" ہوگا۔ جو پشتون
کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔ اور جیسا کہ دوسرے پشتون یہ بھی اُسی طرح کے پشتون
کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ وہی لوگ ہوں جنہوں نے جرمنی میں اپنی حاکمیت قائم کی اور
روایات اُن پر ٹھونسے اور انہی کے ذریعے جرمنوں میں پشتونوں کا خون اور
داخل ہوئے ہوں۔ جبکہ پشتونوں کی صورت اور کچھ الفاظ جیسا کہ مثال کے طور
پر اس سے پہلے پیش کئے گئے ہیں ان میں موجود ہیں بلکہ کچھ ثقافتی علامات بھی ان میں
پائے جاتے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

تاریخ کے بہت پرانے زمانے میں آرین کہاں سے آئے اس بارے میں تین
نظریئے ہیں ایک یہ کہ سائبیریا سے چلے آئے دوسرا یہ کہ پامیر کے پہاڑوں سے
اترے ہیں۔ تیسرا نظریہ یہ ہے کہ ان کا اصل مقام بالخاش اور ڈینوب کے وسطی
سرسبز و شاداب علاقے تھے۔ اس لئے کہ یہ مالدار تھے۔ بھیڑوں کے بڑے بڑے
ریوڑ پالتے تھے۔ ان کے لئے ایسی ہی جگہ موزوں تھی اورال کے پہاڑ بھی ان علاقوں
کے شمال میں واقع ہیں۔ قبائل نے اس سرزمین پر بھی صدیوں زندگی بسر کی
ہے۔ ماہرین لسانیات اور مورخین کا کہنا ہے کہ یہ بڑے وسیع دور بعض علاقے
میں رہتے تھے ہر چند کہ ان کی زبان اساساً ایک تھی مگر لہجے کافی تھے یہ کھیتی
باڑی بھی کرتے تھے اور مویشی بھی بہت پالتے تھے مگر ایک جگہ پر قیام نہیں کرتے

تھے۔ کبھی یہاں اور کبھی وہاں خانہ بدوش کوچیوں اور پاوندوں کی شکل میں ایک جگہ سے
دوسری جگہ حرکت کرتے تھے اور مویشیوں کی وجہ سے سرسبز و شاداب علاقے تلاش کرتے تھے سب
سے پہلے انہی لوگوں نے گھوڑوں کو تربیت دی اور ان کو گاڑیوں (ارابوں) میں استعمال
کیا ان لوگوں نے جو آہستہ آہستہ کافی عرصہ میں حرکت کی تھی تین جانب پھیلنے رستوں
پر چلے تھے کچھ مغربی ملکوں کی طرف کچھ کیسپین اور خزر کے علاقوں کی طرف چلے
گئے ہیں۔ اور کچھ نے ہندوکش کے جنوبی علاقوں کی طرف کوچ کیا کیونکہ وہ قبیلوں
کی شکل میں تھے اس لئے ہر قبیلہ اپنے لئے علیحدہ نام رکھتا تھا وہ لوگ جو کیسپین
اور خزر کے کھلے علاقوں کی طرف چل پڑے "کاسک" یا "کاسک" کے نام سے
موسوم ہوئے ہیں۔ سائبیریا میں کاسک کے نام سے ایک جگہ اب بھی روسی نقشے میں موجود
ہے اور اسی طرح خزر کے منطقہ میں بھی کاسک کے نام سے ایک جگہ ہے (روسی نقشے پر
نگاہ ڈالیے) جو قبائل مغربی علاقوں کی طرف گئے ہیں وہ وہی اقوام ہیں۔ جو جرمنی۔
آسٹریا۔ رومانیہ۔ اطالیہ۔ سویڈن۔ فن لینڈ۔ ناروے۔ ڈنمارک اور دیگر
ناموں سے پکارے جاتے ہیں۔

تیسرے وہ لوگ تھے جو ہندوکش کے دامن کی طرف چلے گئے ان
لوگوں کے بارے میں زیادہ مفصل معلومات ویدی سرودوں میں محفوظ
ہیں۔ اگرچہ ویدی سرود مذہبی نظموں کا مجموعہ ہے مگر کافی فائدہ مند جغرافیائی
معلومات بھی رکھتے ہیں۔ وہ آرین جو ویدوں کے زمانے سے بھی کافی عرصہ پہلے
ہندوکش کے دونوں طرف آباد ہوئے تھے۔ تہذیب و ثقافت سے اچھی طرح
آشنا تھے۔ اور طبعی مظاہر سے کافی لگاؤ رکھتے تھے جو اُن کے شفاہی ادب
اور روایات میں آج تک محفوظ ہے۔ ویدی سرودوں سے بہ لا معلوم ہوتا ہے
کہ وہ کن کن پہاڑوں اور دریاؤں کے کنارے آباد تھے۔ ایران کے قبیلوں کے

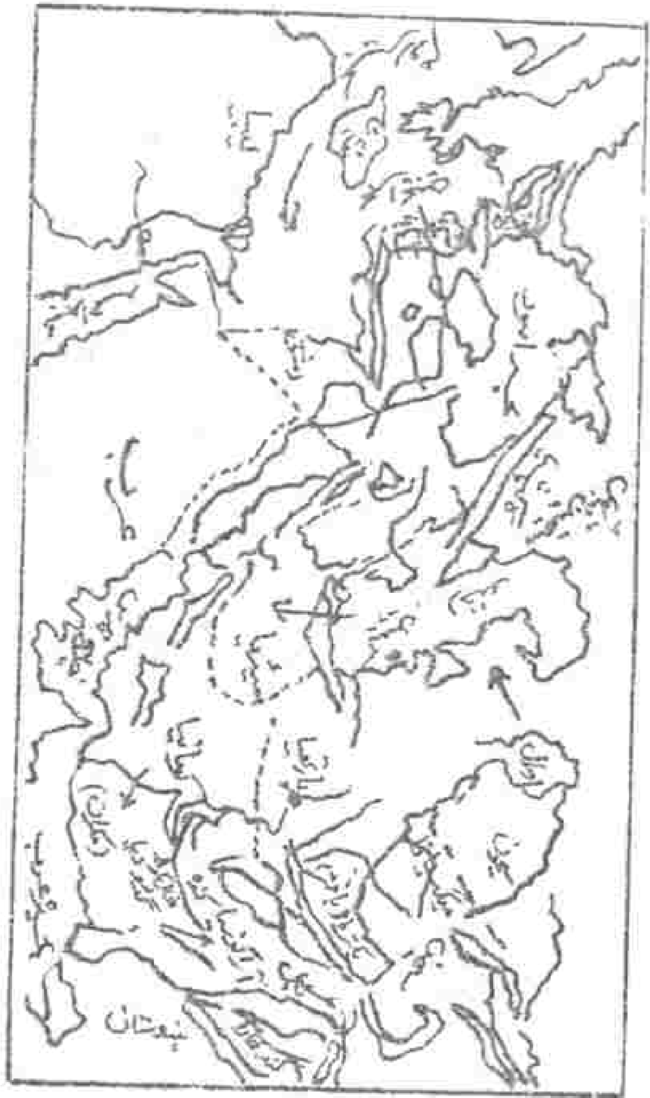
نام کیا تھے۔ مثلاً کابل کا دریا کوبھا کے نام سے گومل کا دریا گوماتی کے نام سے اور دریائے کرم کرُومو کے نام سے یاد کیا ہے۔ ویدوں میں شمالی خطوں کے مقابلے میں جنوبی حصے کا ذکر زیادہ ہوا ہے اور ان میں بھی زیادہ ذکر سندھو (سندھ) اور اس کے مغربی اور مشرقی معاون دریاؤں کا کیا گیا ہے۔ جیسا کہ لنڈئی اور فارسی (پشتو) لوک گیت کی ایک مشہور صنف جُدا جُدا علاقوں میں کہے گئے ہیں۔ اسی طرح ویدوں کے سرود بھی جو مختلف کہے گئے ہیں ان کے بارے میں معلومات دیتے ہیں۔ اس بارے میں زیادہ تر سرود وہ ہیں۔ جو کابیسا اور پنجاب کے درمیان کہے گئے ہیں اور یہ وہی علاقہ ہے جو مشرقی اور جنوبی آریانا کے نام سے یاد ہوا ہے اور سات دریاؤں تک پھیلا ہوا ہے۔ اگرچہ قدیم سرود درمیان سے غائب ہوگئے ہیں۔ لیکن نئے سرودوں میں جو کہ اندازاً ۱۸۰۰ ق م اور ۱۵۰۰ ق م کے درمیانی عرصہ میں سامنے آئے ہیں۔ اُن میں ہندوکش کے جنوب مغربی حصہ میں بلھیکا کے نام بلخ کا ذکر آیا ہے۔ آپ نے گزشتہ صفحات میں پڑھا کہ سنسکرت میں "خ" "کھ" میں تبدیل ہوتا ہے۔ جرمن مستشرق ہیلبرانٹ اور ہندی دانشور رشا ندرا داس اس علاقے کو ویدوں کے منطقے میں شامل سمجھتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ ویدوں کے جغرافیائی معلومات زیادہ تر دریاؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ دریاؤں کے شاداب علاقوں میں آریہ کافی عرصہ رہے ہیں کیونکہ وہ زیادہ مال دار تھے اور یہ علاقے زیادہ آباد تھے کہتے ہیں کہ وہ قربانی کی رسم دریاؤں کے کنارے ادا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے ادبیات میں دریاؤں اور گھاٹیوں کی تعریف کی ہے (پشتو لوک گیتوں

انتباسات: از تاریخ قدیم افغانستان جلد اول تالیف احمد علی کہزاد

میں پہاڑوں اور دریاؤں کا ذکر بار بار آتا ہے) دریائے کابل کوبھا کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ یونانی اسے کوفن کہتے تھے کابل کا دریا اپنے تمام معاون دریاؤں کے ساتھ اٹک کے حصہ میں انڈس سے ملتا ہے۔ کوبھا کا دریا اور کوبھا کا درہ رشیوں یا ویدی زمانے کے آرین شاعروں کے لئے بہت جاذبیت رکھتا تھا اور اسے اپنے گیتوں اور سرودوں میں بڑی اہمیت دی ہے یہ سماں جس میں کہ دریا کوبھا (دریائے کابل) اور کوبھا درہ یعنی درہ خیبر شامل ہے۔ افغانستان اور قدیم ہند کے درمیان ایک طبعی راستہ سمجھا جاتا ہے۔ (اندازاً ۲۰۰۰ ق م میں جب آرین باختر سے ہجرت کرکے اور ہندوکش کے درّوں سے اُتر آئے تو آریانا کے مشرقی اور جنوبی علاقوں میں پھیل گئے اور اباسین تک پہنچے کوبھا دریا اور (سندھو) بڑے دریا کی تعریف میں جو سرود کہے گئے ہیں۔ اُن میں چند ایک کا مثال کے طور پر ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ جو سرودوں کی پانچویں اور چھٹویں جز میں آئے ہیں۔

اے سندھو! تو پہلے اپنی شوخ و چنچل لہریں اور پُرشباب پانی پرشتاما (TRICHTAMA) راسا (RASA) سوتی (CUTI) اور کوبھا (KOUBHA) دریاؤں سے ملاتا ہے اور خود گوماتی (گومل) اور کرومو (کرم) کو کھینچتا ہے۔ اس میں آپ نے دیکھا کہ کابل۔ گومل اور دریائے کرم اور چند اور معاون دریاؤں کا ذکر کیا گیا ہے۔ رگ وید کے سرود کی پہلی جلد ۵۲۲ پر پانچویں کتاب کے ۵۳ سرود کا اور حصہ ملاحظہ فرمائیں۔ اے ماروت! آسمان یا ہوا کے بیچ میں سے اور یا کسی قریبی جگہ سے پرواز کرکے آجا اور ہم سے بہت جلد مت بچھڑ۔ راسا

انڈس کو پشتو زبان میں اباسین کہتے ہیں۔



کہا ہو۔ انی بتا پہا۔ کوبہا۔ کو مت چھوڑنا جو تمکو معطل کرے۔ رگ وید میں ماروت کو ہوا کے رب النوع سے یاد کیا گیا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ سمندروں ہواؤں اور بارشوں کے لئے خدا نے موکل فرشتے مقرر کئے ہیں۔ اس زمانہ میں اس طرح کے عقیدے تھے کہ جُدا جُدا قوتوں کو رب النوع سمجھتے تھے اور اے سوکرامن مت چھوڑنا جو تم کو معطل کرا کر دیر کرا دے۔ یا سارایو کا شخ دریا تمہاری راہ بند کردے ہماری طرف آجا اور اپنی برکتیں ہم پر نازل فرما۔ اس حصے میں کوبہا (کابل) کرومو (کرمی) کے دریا اور سندھ کے سوا کے چند معاون دریا یاد کئے گئے ہیں کرومو (KROUMOU) دریائے کرم) دریاؤں کے سرود میں کرومو کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اور ایک دوسرے سرود میں کچھ تغیر کے ساتھ کرامو (KRAUMOU) لکھا گیا ہے۔ درۂ کرم درہ کابل کے درے کی طرح ان طبعی راہوں میں سے ایک راستہ ہے جو کہ جنوبی ایشیا کے بلند و بالا ٹیلوں سے انڈس کے میدانوں تک پہنچی ہے۔ یہ درہ ٹل اور کوہ سفید کے درمیان واقع ہے کرم دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ بالائی حصہ پہاڑی ہے اور نچلا حصہ وہ وادیاں ہیں جو ٹل اور کوہ سفید کے درمیان بکھری ہوئی ہیں۔ کوہ سفید درے کے صوبائی پر ایک بلند دیوار کی طرح کھڑا ہے۔ کرم کے حصے میں یہ پہاڑ سطح سمندر سے ۱۶ ہزار فٹ بلند ہے۔ اور وادی کی زمین سطح سمندر سے پانچ ہزار فٹ بلند ہے یہ بہت خوبصورت درہ ہے۔ اور اس کی مٹی نہایت زرخیز ہے اس میں طرح طرح کے لذیذ پھل پیدا ہوتے ہیں درہ کرم میں اس وقت توری بنگش، منگل۔ اور درویش خیل قبائل رہتے ہیں۔ اتمان زئی اور احمد زئی ان قبیلوں کی شاخیں ہیں۔ پختونوں کے ایک بہت بڑے بہادر قبیلے کی ایک شاخ

ویدک زمانہ میں اس خوبصورت درے میں قیام پذیر تھی اور یہ لوگ اسی ک
اولاد ہے۔ جو اب تک اسی مقام پر زندگی گزار رہے ہیں گوماتی (GOMATI
دریائے گومل) جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا گومل کا قدیم نام ہے۔ کرومو کے
کے ساتھ ساتھ ویدک سرودوں میں آیا ہے۔ اور ایک دوسرے کے قریب بھی ہیں ا
سندھ کے جنوبی معاون دریا ہیں۔

ہند کے شمال مغربی جغرافیہ کے مؤلف (دی۔ وین دوسن مارٹن) کہ
ہیں۔ کہ ویدک قبیلے کافی عرصہ سندھ اور (وتیاستا) کے وسطی علاقے میں
رہتے تھے اور پہاڑوں سے مقابل سواحل پر نظر رکھتے تھے اس وجہ س
ان کو اس علاقے کی زیادہ پہچان تھی۔ جس کو گومل سیراب کرتا تھا۔ اور
گوماتی کا نام بعد کے زمانہ میں سنسکرت کے ناموں میں بہت آیا اور استعمال
ہوا ہے یہ آباد اور سرسبز و شاداب درہ گائے کے گلوں اور ریوڑوں کی
پرورش کے لئے بہت موزوں تھا۔ سوتی ("CVETI") سوات کا دریا
ویدی سرودوں میں آیا ہے۔ جو کابل کے دریا اور اس کے دیگر معاون دریاؤں
سے ناظر تھا۔ اور مشرقی ہندوکش کے جنوبی دامن سے نکلتا ہے اور کابل کے
دریا میں شامل ہوتا ہے (میگاستھنیز)[1] نے ۳۰۰ ق م میں اس دریا کو سواستی
کے نام سے یاد کیا ہے اور بطلیموس نے ۱۴۰ ق م میں سواستوس کے نام سے یاد کیا ہے
رگ وید کے ہشتم جز کے سرودوں سے ایک سرود میں ایک دریا کو سواستو
(SOUVASTOU) کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ مہابھارت میں ہند

---

۱ یہ شخص سلوکس نکوتار یونانی کی طرف سے چندر گپت کے دربار میں ۳۰۲ ق م بہ حیثیت
سفیر کے گیا تھا۔ بر صغیر کی تاریخ (روابط بلاد و ہند)

شمال مغرب علاقوں کے ناموں کی فہرست میں بھی یہ نام ہے۔ مو کسیبر لسن
اس دریا کو سو۔ پو۔ فا۔ سو۔ تو
(SOU-PO-FA-SOTOU) سے عبارت سمجھتے ہیں چینی سیاح اور
زائر ہیوان تسنگ (ہیوان سانگ) نے اپنی یادداشتوں میں اس طرح
یاد کیا ہے اور مطلب سوات ہے اور بالائی حصے پہ اطلاق ہوتا ہے اور شمالی
علاقہ کو سیراب کرتا ہے سرودوں اور مہابھارت میں اس دریا کو یاد کرنا یہ
ظاہر کرتا ہے۔ کہ آرین کافی عرصہ اس دریا کے کنارے قیام پذیر تھے۔
سوات ایک سرسبز و شاداب علاقہ تھا راسا (گومتی کا دریا) اس دریا
کا ذکر رگ وید کے سرودوں میں ذکر آیا ہے اور دریائے کابل کا معاون
دریا کہلایا گیا ہے۔ مارت کے سرود میں آپ نے ترجمہ ملاحظہ فرمایا یہ
الفاظ لغت کے اعتبار سے (پانی)، اور (دریا) ترجمہ ہوا ہے اور سن
مارٹن اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے کہ اس دریا کو سوات اور کابل کے دریاؤں
کے درمیان تلاش کرنا چاہیئے اور کیا جا سکتا ہے کہ راسا کابل کا بہت
اہم شمالی معاون دریا ہے۔ اور چترال کے دریا میں یہ صفتیں زیادہ دیکھنے
میں آتی ہیں۔ چترال کا دریا زیادہ ترکنڑ کے نام سے مشہور ہے اور یہ بھی
وہ دریا ہے جو کلاسیکی ماخذوں میں (خواسپیس) (KHOUSPES)
کے نام سے بھی یاد ہوا ہے۔ یہاں یہ بھی وضاحت کر دیں کہ کونڑ کا دریا
کابل کے معاون دریاؤں میں سب سے بڑا دریا ہے جو ہندوکش کے
بالا و بلند دامن سے نکلتا ہے۔ بلندی کا حصہ چترال اور کاشغر کے نام
سے بھی مشہور ہے۔ نورستان کے کچھ اور پہاڑی نالے بھی اسی میں ملتے
ہیں۔

جیسا کہ (لنڈی سین، جو بریکوٹ میں اس کے ساتھ ملتا ہے اور پنج...) دریا جو درہ لورُ سے گذرتا ہے۔ اور چغہ سرائے میں اس سے ملتا ہے۔ اس کے آس پاس یعنی نورستان کا مشہور آرین قبیلہ "البنایان" رہتا تھا اور آج تک اپنے حقیقی نسلی امتیازات کو بڑی اچھی شان سے محفوظ کر رکھا ہے۔

ترشتاما۔ یا انی تابہا۔ ترشتاما (TRICHTAMA) کے دریا کا ریگ وید... سرودوں میں ایک مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ وہ بھی کوبہا۔ (کابل کے دریا کے...) چشمے ہیں جو دریاؤں کے سرود کے بارے میں ہے۔ ماہرین لسانیات کہتے ہیں۔ ک... یہ دو الگ الگ نام دراصل ایک دریا کا نام ہے بعض کہتے ہیں، کہ "انی تابہا" (ANITYUBHA) عارضی دریا ہے۔ بہرحال ایک ہے۔ یا دو لیکن دریائے کابل کے معاون شمار کئے جاتے تھے۔

سات دریا جن کا ریگ وید میں (سپتہ سندھو) کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ اور ایک علاقے کے نام کے ضمن میں آئے ہیں اور اوستا اسے "ہپتہ ہندو" کے نام سے یاد کرتا ہے (ہپتہ کے معنی سات ہندو کے معنی پانی جس سے لفظ ہندوانہ نکلا ہے) یعنی سات پانی یا دوسرے معنی میں سات دریا بعض محققین کہتے ہیں کہ ان دریاؤں میں سے دو دریا خشک ہو گئے ہیں اور بقایا پانچ دریا ہیں جو پنجاب میں بہتے ہیں۔ اور پنجاب کے علاقے کو تشکیل کیا ہے بعض ان میں کابل اور سوات کے دریاؤں کو بھی شامل کرتے ہیں جبکہ اسی طرح پنجاب کے پانچ دریاؤں کے ساتھ ویدی زمانے کے سات دریا پورے ہوتے ہیں پنجاب کے پانچ دریاؤں کا ذکر ویدی سرودوں میں اس طرح آیا ہے۔

(۱) وتاستا (VITASTA) (ھیداسپ) جہات یا جہلم

(۲) اسکینی (ASIKNI) (چاندرا تاگا) یا چناب

(۳) پاروشنی (PURDSHNI) یا ایراوتی (راوی)

(۴) وپاس (بیآس) بیاس

(۵) ستردی (ستلج)

ریگ وید کے سرودوں میں گنگا کا ذکر ایک مرتبہ گنگ دریا کے نام آیا ہے۔ ریگ وید کے مندرجہ بالا جغرافیائی معلومات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رشیوں (سرود کہنے والوں) نے یہ سرود گندھارا میں جس میں پشاور کے آس پاس علاقے شامل ہیں کہے ہیں۔ کلکتے کے کالج کے پروفیسر شاندرا داس اپنی تالیف ریگ ویدک کلچر میں کہتے ہیں کہ گندھارا ریگ وید کے سرود میں ایک ایسا منطقہ دکھایا گیا ہے جو بھیڑ بکریوں کے لحاظ سے مالا مال ہے حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ ان علاقوں کے مویشی ہزار سال سے کافی نام رکھتے ہیں یہ وادی بہت سرسبز و شاداب آباد گھاس سے بھرپور وادیاں اور درختوں میں چھپے ہوئے پہاڑ اور خوبصورت دلکش آبشاروں اور خوشنما جنگلوں سے قدرت نے نوازا ہے ویدی سرودوں میں اس خطے کی بکریوں کی بڑی تعریف کی گئی ہے ریگ وید جو سب سے قدیم کتاب سمجھی جاتی ہے گندھارا کا نام بار بار یاد کیا ہے۔ ویدی سرودوں سے یہ بھی اچھی طرح واضح ہے کہ اُس زمانے کے شاعر جو رشیوں کے نام سے یاد کئے جاتے تھے نہ صرف یہ کہ اپنے علاقے سے بخوبی واقف تھے۔ بلکہ جیسا کہ آج بھی پشتون خطہ کے اس خوبصورت اور سرسبز و شاداب سرزمین نادر باوقار پہاڑوں کی دوشیزاؤں نے ایک ایک جگہ کی تعریف اپنے گیتوں میں کی ہے۔ اسی طرح اُن قدیم آرین نے بھی اپنے عنیور اور شاشتہ آباد اجداد کی اپنی گیتوں میں تعریف کی ہے۔ میکس ملر جن کا ہم پہلے بھی حوالہ دے چکے ہیں کہتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ "وید" وہ پہلا لفظ ہوگا جو آریائی

کہ منہ اور زبان سے نکلا ہے (ودا) لفظ کے اصلی معنی سمجھ اور ہوشیاری ہے اس لئے کہ وید کے فعل سے سمجھ مشتق ہوا ہے اور بڑے گہرے اور اصطلاحی صورت میں اُس سے مذہبی سمجھ یا مقدس سمجھ تعبیر کرتے ہیں۔ کیونکہ ویدی سرود بنیادی طور پر مسلسل مذہبی تخیلات پر مشتمل ہے۔ جس نے کہ خوبصورت اور آہنگ رکھنے والے موزوں الفاظ کے قالب میں شعر کا روپ دھار لیا ہے۔ اب جب کہ یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ رگ وید کے شاعر مشرقی اور جنوبی آریانا کو اچھی طرح جانتے تھے لہذا بعض جیسا کہ ہلبرانٹ کہتے ہیں کہ ویدی سرودوں میں جغرافیہ کے اعتبار سے "ارغنداب" اور "اراکوزیا" علاقہ بھی پایا گیا ہے" ارغنداب" افغانستان میں ایک دریا ہے جو ہزارہ جات کے پہاڑوں یعنی جاغوری اور بہسود کے دروں سے نکلتا ہے کیونکہ کندھار کے صوبے کا ایک وسیع علاقہ اس دریا سے سیراب ہوتا ہے چنانچہ اس مناسبت سے یہ علاقہ ارغنداب کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ دریا جس وقت ہزارہ جات کے پہاڑوں سے نکلتا ہے۔ تو اس میں ترنک اور رغستان (جسے پشتو میں ارغسان بھی کہتے ہیں) کے پہاڑی نالے بھی شامل ہوتے ہیں۔ اور لشکری بازار سے کشک نخود اور قلابیز (قلعۂ بست) کے قریب دریائے ہلمند میں گرتا ہے۔ ارغنداب کا دریا ۲۷۷ کیلومیٹر لمبا ہے رگ وید کے سرودوں میں "سراسواتی" (SARASVATI) کے نام سے ایک دریا کا کئی بار ذکر آیا ہے۔ میکس ملر اور گیشت اس دریا کو سرسوتی (SARVSTI) کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ برہمن زمانے کا سراسواتی دریا ہے جو انبالہ (AMPALI)

---

(۱) گنہ بچہ جان اور جہان صفحہ ۱۲

کے جنوب میں سے گزرتا ہے اور یہ دریائے سندھ کو پہنچنے سے پیشتر راہ میں گم ہو جاتا ہے کیونکہ رگ وید میں سراسوتی کو ایک بڑا دریا بتایا گیا ہے لہذا برہمنی سراسواتی اس کا دائرہ تنگ ہے اور اس کے منبع میں برف بھی نہیں ہوتی اور راستے میں خشک بھی ہو جاتا ہے۔ بڑے دریاؤں میں کبھی شمار نہیں کیا جا سکتا اگر مستشرقین جیسے "روت" (ROTH) "زیمر" (ZIMMER) اور "برت" (BARTH) عقیدہ رکھتے ہیں، کہ رگ وید کا سرسواتی دراصل دریائے سندھ ہے۔ جو ہر وقت بھرپور رہتا ہے۔ لیکن جب وید میں انڈوس کو خود بار بار سندھو کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ رگ وید کی مراد یہ دریا نہیں بلکہ اور دریا ہے ہلبرانٹ کہتے ہیں۔ کہ سراسواتی سے مراد ارغنداب کا دریا ہے جو آراکوزیا میں بہتا ہے۔ جبکہ اوستا میں ژند کے صوتی قواعد کی وجہ سے "س" (ہ) میں بدل چکا ہے اور ہراویتی کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ پنجاب کا (سرسوتی) ایک چھوٹا دریا ہے اس قدر کم پانی رکھتا ہے۔ جو انڈس تک پہنچ نہیں سکتا۔ لہٰذا رگ وید کا یہ بڑا دریا ہو نہیں سکتا اور پھر سندھو تو اپنے وید میں ظاہر نام رکھتا ہے۔ اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ دریا یعنی سراسواتی یا الفاظ کے الٹ پلٹ سے ہراوتی دراصل ارغنداب ہے۔ کیونکہ ارغند اور "آب" پانی سے مشتق ہے۔ ارغند کے معنی ہیں "تیز، تند و غضبناک"۔ یہ واضح بات ہے کہ پرجوش سرود میں وہ تُند دریا مانا ہے۔ جس میں پانی زیادہ ہو ہلبرانٹ نے نہ صرف اس دریا کے بارے میں کہا ہے بلکہ اس کے دامن میں چند قبیلوں کی جنگ کا بھی ذکر کیا ہے۔

ان سب باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ویدی زمانے کے آریائی شاعر پاسدرو رکھنے والے ان خطوں کو اچھی طرح جانتے تھے۔ ایک دوسری بات

برہمان تی نسخہ ۵۵ م

جس سے کہ اس نظریئے کو زیادہ تقویت پہنچتی ہے وہ چمن کا راستہ ہے جو کوژنگ کے پہاڑ سے لے کر کوئٹہ تک شال درے کے نام سے یاد کیا جاتا کو لیوز سے مشکاف تک کا درہ بولان کے نام سے مشہور ہے۔ سندھ کے علاقے کو جانے کے لئے یہ سب سے آسان راستہ تھا اور اب بھی ہے۔ مستشرقین اس درے کو اس آریائی قبیلے سے منسوب کرتے ہیں۔ جسے دس قبیلوں کی جنگ میں یاد کیا گیا ہے۔ اور بھالانا کہلاتا تھا فرانسیسی مستشرق پروفیسر ڈیوسن کہتا ہے کہ سنسکرت کے ادبیات میں بہلیکہ کا نام آیا ہے اور یہ نام بلخ کے قدیم ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اسی طرح پروفیسر پرزی لوسکی (PRZYLUSKI) کہتا ہے کہ پنجاب اور بلخ کی بہلیکیان درحقیقت ایک ہیں اور بلخ سے جنوبی ہندوکش کو آئے ہیں، اور اس جگہ سے انڈس کی وادی اور اطراف کی زمین پر پھیل گئے ہیں۔ (اس سے مراد غالباً راجپوتانہ ہے۔) موجودہ راجپوتان کے لوگ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں "بخ" اور "بلخ" کی صورت بہت رکھتے ہیں۔ غرضیکہ وال ڈیوسن اور پرزی لوسکی دونوں کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ آرین افغانستان سے آ کر پنجاب کے کچھ علاقوں میں پھیل گئے تھے۔

اب تک زیادہ تر مشرقی آریا کے بارے میں کیا جا چکا اس لیے کہ سنسکرت اور پشتو کے ملاپ کا جغرافیائی منطقہ یہی رگ سند ہمارا تھا اور سنسکرت کی زبان بھی اسی منطقہ میں پیدا ہوئی ہے۔ اب آیئے جنوبی آریانا یعنی آراکوزیا اور جدروزیا بہلیک نظر ڈالیں کہ ان پر زندگی کے سال و سن کیسے گزرے اور کیا کیا اور کس کس کو دیکھا پشتون کے بارے میں گزشتہ تاریخی کتب میں جن سے کہ بعد میں کچھ نہ کچھ استفادہ کیا گیا ہے۔ کسے غراکرہ سیمان بار بار آیا ہے اور اس کی مناسبت سے قیس اور کاسی اور اس مناسبت سے قیس اور کاسی اور سلیمانی پشتونوں کی ایک طرح تاریخ مرتب کی گئی ہے۔

بلکہ چند لوگوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ پشتونوں کا اصل مرکز کسے غراکوہ (سلیمان) تھا اور یہ کہ پشتون قیس بابا کی اولاد ہے کہا جاتا ہے کہ قیس کے تین بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام خرشبون دوسرے کا بیٹ اور تیسرے کا سڑبن تھا پشتونوں کے تمام قبیلوں کو ان تین اشخاص سے منسوب کیا گیا ہے۔ اور پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قیس آنحضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ستر افراد کے ساتھ مدینہ منورہ گئے تھے۔ اور وہاں ایمان لائے تھے اور یہ کہ پیغمبر اسلام نے ان سے پشتو میں گفتگو کی تھی اور ان کو پتھان خطاب دیا تھا جس کے معنی کشتی کے نچلے حصے کی وہ مضبوط لکڑی جو خراب نہیں ہوتی)۔ کچھ کہتے ہیں کہ پشتون بابا خالد کی اولاد ہے اور بابا خالد (خالد بن ولید) قریش تھے۔ اور قریش میں مخزوم قبیلے سے تھے اور مخزوم میں یقیناً تھے گویا اس طرح پشتون بھی قریش ہیں۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ پشتون بنی اسرائیل ہیں اور افغنہ جو بعد میں بقول ان کے افغان بنا کی اولاد ہے۔ کچھ کہتے ہیں۔ کہ افغنہ طالوت کا جو ساؤل کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ اور یہ شخص قوم کا حضرت داؤد علیہ السلام کے وقت ہو گزرا ہے، وزیر اعظم تھا بعض کا کہنا ہے کہ افغنہ داؤد علیہ السلام کا جرنیل تھا اور بیت المقدس کے بنانے میں بڑا حصہ لیا تھا لیکن ان تمام باتوں کا کوئی تاریخی سند اور ثبوت کسی نے پیش نہیں کیا۔ اس لیے چند عرب مورخین جیسا کہ کلبی اور ان کا فرزند ہشام کلبی ۲۰۴ھ جنہوں نے کتاب البلدان کتاب الاقالیم لکھی ہیں۔ کہتے ہیں کہ وسطی عربستان کے تمام نبا کی بنی قیس ہیں اس وجہ سے بعض مورخین نے افغانوں کو بنی اسرائیل ثابت کرنے کے لیے افغنہ کو قیس سے منسوب کیا ہے۔

یورپ کا ایک بڑا مشہور محقق تھیوڈور نولڈکی انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں کہتا ہے۔

"آیا یہ بات عقل تسلیم کرتی ہے کہ وہ تمام قبائل جو عربستان کے د...
میں آباد ہیں ایک ہی فرد کی نسل سے ہوں گے یعنی قیس کی نسل سے جو علی...
سے کچھ عرصہ قبل گذرا ہے، اس لئے ہماری تحقیق یہ ہے کہ کوئی قبیلہ در حقیقت
اپنے پہلے (جدِ امجد) کو نہیں جانتا جن سے منسوب ہوئے۔"

عرب میں قیس کا نام بہت آتا ہے بحرین میں عبد القیس کے نام سے
ایک عدنانی قبیلہ آباد ہے۔ اسی طرح امراء القیس کا نام عربوں کے مختلف
قبائل میں دیکھا جاتا ہے۔ حیرہ کے عدنانی النسل بادشاہوں میں سے ایک
امراء القیس کے نام سے بھی تھا بہر حال نہ تو نولڈکی کی اس بات سے اتفاق لازم
ہے کہ ایک فرد سے قبیلہ نہیں بنتا یا نہیں بن سکتا خصوصاً عربوں اور پشتونوں
میں حسب و نسب کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ اور نہ یہ بات ضروری
ہے کہ وسطی عربستان کے عرب اور پشتون کسی ایک قیس کی اولاد
ہو کیونکہ یہ تمام قیسی عدنانی النسل تھے۔ عدنان دراصل قیداری قبیلے کا
سب سے مشہور سردار تھا۔ قیدار کے نسل کی تمام شاخیں شجرۂ نسب کے
اعتبار سے اسی عدنان کو پہنچتی ہیں (سے ملتی ہیں) جن میں قریش بھی شامل
ہیں۔ عدنان اسیریا کے مشہور بادشاہ بخت نصر کے زمانہ ۶۰۵ - ۵۶۲ ق م
میں عربوں کا مشہور رئیس تھا۔ چنانچہ بخت نصر نے عراق۔ شام اور مصر پر
حملے شروع کر دیئے تو اس وقت عدنان کا بیٹا معد عربوں کا رئیس تھا

(۱) ارض القرآن جلد دوم صفحہ ۹، تالیف علامہ سید سلیمان ندوی (مرحوم)

عرب مورخین کہتے ہیں۔ جب بخت نصر نے حجاز پر حملہ کیا تو معد بن عدنان
مقابلہ پر آیا۔ لیکن بغیر کسی نتیجہ کے جنگ بند ہوئی بعض روایات ایسی بھی
ہیں کہ یرمیاہ نبی نے معد کی مدد کی تھی اور ان کو بچایا تھا کہا جاتا ہے کہ حزقیال
نبی بخت نصر کے ہنگاموں کے زمانہ ۵۹۷ ق م میں فلسطین سے بابل چلا گیا تھا
(جہاں کہ بخت نصر۔ عدنان اور حزقیال نبی ایک ہی زمانہ میں گذرے ہیں۔ اور
... عرب جن کا ہم نے ذکر کیا کیونکہ عدنان کی نسل سے پہچانے گئے ہیں اس
لئے لازم ہے۔ کہ اس کے لئے بعد کے زمانہ میں کوئی وقت اندازاً معین
کیا جائے۔ حیرہ (عراق کے علاقے میں ایک خطہ) جہاں پر بادشاہ امراء القیس
... میں انتقال کر گیا۔ ان کے مقبرے کا کتبہ شام کے علاقہ میں پایا گیا تھا جس
کا ترجمہ ماہرین تحریر نے اس طرح کیا ہے۔

"یہ امراء القیس بن عمرو عرب کے تاج کے مالک بادشاہ کی قبر ہے جو معد
اور نزار اور ان کے بادشاہوں کا بادشاہ تھا۔ انہوں نے معد پر بادشاہی کی اور
اپنے بیٹوں کو تمام قبائل میں پھیلا دیا۔"

اس سے یہ واضح ہوا کہ امراء القیس عدنان سے جو بخت نصر اور حزقیال
نبی کے زمانہ میں کم سے کم ۸۵۰ (ساڑھے آٹھ سو) سال بعد میں پیدا ہوا ہے
اور اس عرصہ تک یعنی ساڑھے آٹھ سو سال میں عدنان کا گھرانہ بہت وسیع
ہو گیا تھا۔ اور پھر مسلسل معد کے گھرانے سے نزار کا گھرانہ اور نزار کے گھرانے
سے مضر کے گھرانے سامنے آئے اور پھر اسی مضر سے جن کی کافی شاخیں تھیں
ان میں ایک گھرانہ قریش کا تھا دراصل اس گھرانے کے جد امجد کا فہر لقب

(۱) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مضمون "عرب"

تھا۔ عربی میں اس لفظ کے معنی تقریش اور تقرش ہوا ہے یعنی (ترتیب
وتحصیل) چند محققین کا خیال ہے۔ کہ یہ گھرانہ تجارت کرتا تھا۔ اس وجہ سے
سے یاد کیا گیا۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ قریش ایک دریائی جانور کا
جو سمندر میں دوسرے جانوروں کا شکار کرتا ہے کیونکہ فہر ایک بہادر اور
سردار تھا۔ اس لئے یہ لقب اپنے لیے چنا تھا۔

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ عرب قیس کی پیدائش کا زمانہ عد
سے کافی عرصہ بعد شروع ہوا ہے اور وہ بھی بڑے قبائل کی شکل میں نہیں ب
افراد کی شکل میں اگر کوئی ایک قبیلہ جیسا کہ عبدالقیس اس میں پیدا ہوا
تو وہ بھی عدنان کی نسل میں اور عدنان ۱۲۲ ق م میں گذرا ہے یہ بات
ہے کہ عدنان کی زندگی میں ان سے قبیلے یا قبائل کے پیدا ہونے کا احتمال نہ
ہو سکتا۔ قبیلوں کی تشکیل میں تین چار سو سال لگے ہوں گے اگر آغاز
نزار اور مضر کے لیئے چار سو سال بھی معین کئے جائیں کہ اس عرصہ
یہ قبیلے پیدا ہوئے ہوں گے تو گویا ۳۰۰ ق م میں معد۔ نزار۔ اور مضر
کی اولاد نے قبیلوں کی شکل اختیار کی تھی اور پھر امراء القیس کے زمانہ
تک دوسرے ساڑھے چار سو سال میں بڑھے اور بہت سے علاقوں میں پھیلے
تھے۔ جیسا کہ تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نزار کی تین شاخوں مضر ربیعہ اور
قضاعہ نے بہت ترقی کی تھی۔ حجاز۔ نجد اور عراق میں بڑی بڑی حکومتیں اور
سی چھوٹی ریاستیں بھی قائم کی تھیں۔ جیسا کہ بحرین میں عبدالقیس بجر اور کندہ میں
بکر و تغلب اور عراق میں تنوخ کا گھرانہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عبدالقیس کے نام
سے قبیلہ امراء القیس کی وفات کے بعد سامنے آیا ہے کیونکہ ان سے پہلے قبیلوں
میں ان کا نام دکھائی نہیں دیتا اور وہ عیسیٰ علیہ السلام سے ۳۵۰ سال بعد

استعمال کر گئے ہیں۔ حالانکہ بطلیموس ان سے تین سو سال پہلے ۱۵۰ء استرابو
ان سے چار سو سال ۲۳ ق م اور ہیرو ڈوٹس ان سے ساڑھے سات سو
سال ۴۲۵ ق م میں واضح طور پر پشتون کا ذکر کرتے ہیں۔ مورخین کا ایک گروہ
وہ ہے جو پشتون کو بنی اسرائیل اور بنی اسرائیل میں یہود کی نسل سے نکالتے
ہیں۔ یہاں یہ وضاحت کر دیں کہ سریانی زبان میں یعقوبؑ کو اسرائیل کہا جاتا تھا
اور لوگوں نے اسرائیل کے معنی پشتی بان کیا ہے۔ اور کچھ نے تعاقب کرنے والا
یعنی کا فاعل یعقوب ہے۔ بہر حال مفہوم ایک ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہودا حضرت
یعقوبؑ کا بیٹا اور حضرت یوسفؑ کا بھائی تھا۔ اور ان کا زمانہ ۱۷۰۰ ق م
ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ ۲۰۰۰ ق م لگایا جاتا ہے اور یہودا حضرت
اسحاق علیہ السلام کا نواسہ تھا اسکے علاوہ ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ پشتون افغنہ کی نسل
ہیں اور یہ کہ افغنہ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ ۱۰۰۰ ق م میں تھا فلسطین اور
عراق کی تاریخ کا سب سے بڑا ماخذ اسرائیل ادبیات کا وہ مجموعہ ہے
جو تورات۔ کتبیم۔ نبییم۔ ترگوم۔ مدراش اور تالمود کے نام سے یاد کیا جاتا
ہے تورات عبرانی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی شریعت اور قانون کے
ہیں دراصل حضرت موسیٰؑ کے ان پانچ کتابوں کو تورات کہتے ہیں۔

(۱) سفر تکوین :- اس میں آدم۔ حوا۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ اسحاقؑ۔ اسماعیلؑ
یعقوبؑ۔ یوسفؑ کا ذکر آیا ہے۔

(۲) سفر خروج :- اس میں حضرت موسیٰؑ۔ فرعون اور بنی اسرائیل اور کچھ
قربانیاں ہیں۔

(۳) سفر الاحبار :- شریعت حلال و حرام وغیرہ۔

(۴) سفر العدد :- مصر سے بنی اسرائیل کے نکلنے کی غزوات اور شریعت موسوی

کے کچھ احکامات۔

(۵) سفر الاستثنا:۔ موسوی شریعت اور قوانین کا ذکر۔ عربی زبان کے قاعدے کے مطابق "مثنیٰ" کی جمع مثنیم ہے۔ جیسا کہ عربی قاعدہ سے مثنین بنتا ہے۔ یہ بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی باتوں اور مواعظ کا مجموعہ ہے اور کچھ تاریخی باتیں بھی اس میں آئی ہیں۔ "ترگوم" آرامی زبان کا لفظ ہے لفظ "ترجمہ" اسی سے نکلتا ہے یہودیوں کے عالموں نے نبیوں کی زبانی یادداشتیں جمع کی ہیں۔ اور اس کو تورات کے نبیم کی تفسیر کا نام دیا ہے کہتے ہیں۔ کہ یہ کتاب [illegible] ق م سے [illegible] ق م تک لکھی گئی ہے۔

دراصل حقیقت ایسا ہے جیسا کہ ہمارے مذہب میں احادیث کی ہے۔ لفظ مدرسہ بھی اسی سے نکلا ہے۔

تالمود:۔ یہ اسرائیلی فقہ ہے جس کی اساس قدیم کتابوں پر رکھی گئی ہے۔ عربی کا لفظ تلمیذ اسی سے نکلا ہے۔ یہودی ان تمام کتابوں کو مستند سمجھتے ہیں۔ البتہ نصرانی صرف تورات، کتبیم اور نبیم کو مانتے ہیں اور ان تینوں کو کتاب عتیق کہتے ہیں۔ جو لوگ پشتونوں کو یہودی۔ یا افغنہ یا ان کے بعد کبھی قیس کی اولاد سمجھتے ہیں۔ انہوں نے ان کتابوں یا ان سے مربوط دوسری کسی کتاب سے نہ تو کوئی حوالہ دیا ہے اور نہ کسی اور قدیم کتاب کا نام لیا ہے۔ اور نہ احادیث یا دوسرے اسلامی کتابوں میں اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ کسے عبد ذکرہ سلیمان سے قیس ستر افراد پشتونوں کے ساتھ مدینہ منورہ گئے تھے۔ یہ کوئی چھوٹا واقعہ نہیں ہے۔ کہ کسی مورخ کی نظر میں نہ آیا ہو البتہ ۹ھ میں بحرین کا حاکم منذر بن ساوی بنو عبدالقیس کا ایک وفد لے کر مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور اپنی تمام قوم جو کہ عرب تھی کے ساتھ

مسلمان ہو گیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ پشتونوں کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہو۔

(اب آیئے) کہ کوہ سلیمان کے پشتونوں اور آریا کو زنیا کے لوگوں کے بارے میں شروع سے جستجو کریں اور دیکھیں کہ یہ کہاں سے کس راستے اور کب ان پہاڑوں کو آئے تھے اور اس جگہ کو کیوں اپنی سکونت کے لئے پسند کیا تھا

آپ گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے کہ شمال کی طرف سے جب آریائی جنوب اور مغرب کی طرف ہجرت کر گئے تو اسی زمانہ اندازاً [illegible] ق م میں کاسی کے نام سے ایک بڑا گروہ کیسپین اور دریائے خزر کے علاقوں میں آباد ہو چکا تھا اور پھر تقریباً [illegible] ق م میں زاغروس کے پہاڑوں میں کردوں کے ساتھ سکونت اختیار کر لی۔ ان کے تمدن کے بارے میں اتنا معلوم ہوا ہے کہ ان کا رسم و رواج ہندو یورپین کی طرح تھا ان کے بڑے خدا کا نام کاشو تھا۔ اس کے علاوہ شوباش اور ماروتاش نام کا شو تھا اس کے علاوہ شوریاش اور ماروتاش نام کے دو اور خداؤں پر بھی عقیدہ رکھتے تھے یہ ماروتاش وہی "مردت" ہے جو رگ وید میں ہوا کے رب النوع کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور اس کا ذکر اس سے پیشتر دریاؤں کی ضمن میں ہو چکا جس زمانہ میں کاسی زاغروس کے پہاڑوں میں رہتے تھے اس وقت بین النہرین کی سیاسی حالت کافی ابتر ہو گئی تھی بین النہرین جو اصل مغربی ایشیا کا قدیم تمدنی مرکز تھا اس علاقے کو بین النہرین اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہے۔ اور یہ دونوں دریا ارمنستان کے پہاڑوں سے نکلتے ہیں۔ اور ایک دوسرے سے ہٹ کر جنوب کی طرف بہتے ہیں۔ اور بڑی تیزی سے گہری گھاٹیاں عبور کرتے ہوئے

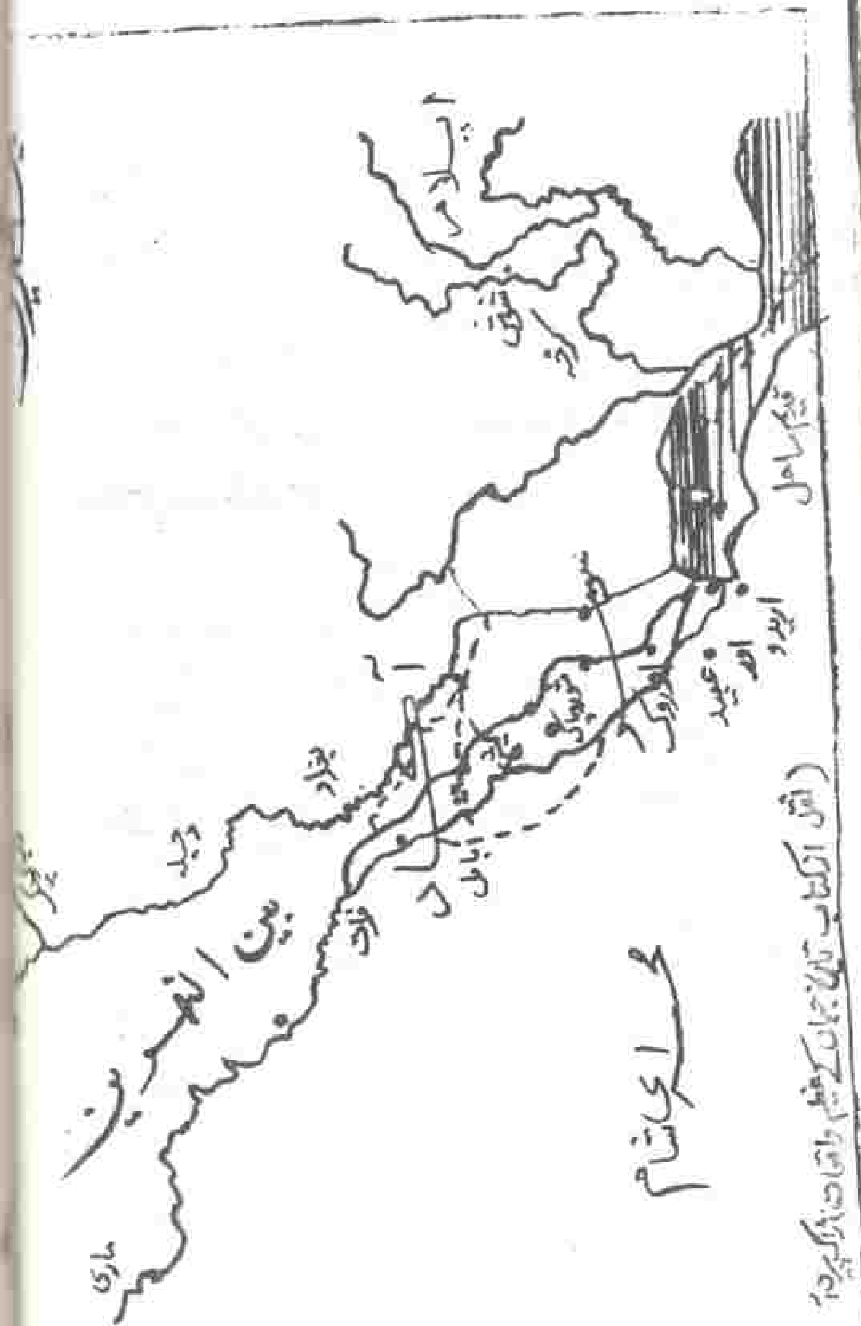
---

[1] تاریخ یعقوبی جلد اول ص ۲۴۰

بین النہرین کی بالائی زمینوں کو سیراب کرتے ہیں۔ جب بغداد کے قریب آتے ہیں۔ تو دونوں دریاؤں کا فاصلہ ایک دوسرے سے قریباً بیس میل (بتیس کیلومیٹر) رہ جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر ان میں فاصلہ بڑھنا شروع ہو جاتا ہے اور زیریں بین النہرین سے گزرتے ہوئے قورنہ میں ایک ساتھ مل جاتے ہیں پھر خلیج فارس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ان دونوں دریاؤں میں موسم بہار کے شروع اور آخر میں سخت سیلاب آتے ہیں اور موسم خزاں میں پانی کم ہو جاتا ہے۔ محققین کا کہنا ہے۔ کہ ۵۰۰۰ ق م تک بین النہرین کی نچلی سطح پر کسی قسم کی آبادی نہیں تھی اس کی وجہ غالباً سیلاب تھے ۳۰۰۰ ق م میں سومری اور آکادی اس سرزمین پر آباد ہوئے سومریوں نے خلیج کی طرف اور فرات کے کنارے شہر بسائے سومری زبان میں فرات کو براتانو (BURANUNLL) اور اکادی زبان میں پراتو (PUPATTU) کہا جاتا تھا۔ اسی طرح دریائے دجلہ کو سومری زبان میں ایدگنا (IDIGNA) اور آکادی زبان میں ایدی کلات (IDIKLAT) کہتے تھے۔ تورات میں یہ دریا حدقل کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ فرات کے کنارے سومریوں نے جو شہر آباد کئے ان سب میں اہم شہر اریدو (ابو شہرین) اور (المقیر) تھے۔ ان دونوں کے شمال میں لارسا (سنکرہ) لاگاش ادروک اوما۔ شوروپاک۔ اور سب کے آخر میں نفر شہر تھا۔ جہاں کا مذہبی مرکز تھا سومریوں کی مملکت علاوہ موجودہ قورنہ کے منطقوں اور وہ خط جو کوت العمارہ سے شمال میں آبنائے نجف تک پہنچتا ہے۔ اکادیوں کے زیر تسلط تھا جو وسطی بین النہرین میں آباد ہوئے تھے۔ ان کے بڑے بڑے شہر جنوب سے شمال تک پھیلے ہوئے تھے۔ جیسا کہ بورسیپا۔ بابل۔ کیش۔ سپار۔ ۲۳۰۰ ق م کے شروع میں سومر اور آکاد متحد ہوئے اور بابل کو ایک بڑی مملکت تشکیل دی۔

بین النہرین دراصل وہ علاقہ ہے۔ جو بعد میں بالترتیب عراق اور اسیریا کے نام سے مشہور ہوا۔ اس منطقہ میں ایک ہزار سال کے اندر بہت بڑی اور چھوٹی حکومتیں معرض وجود میں آئیں اور پھر ختم ہوئیں اس لئے کہ یہ دریاؤں کی سرزمین تھی اور اچھی چراگاہیں رکھتی تھی اور ہر طرف سے مختلف لوگ اس طرف چلے آئے تھے بالائی بین النہرین میں آشوریوں نے اپنی حکومت بنائی اور دارالخلافہ کا نام بھی آشور رکھا قریباً ۲۲۰۰ ق م میں جب نمرود نے بابل میں پہلی بادشاہت قائم کی تو بقول بعض مورخین کے دارالخلافہ بالائی زاب کی طرف منتقل کر دیا اور اس کے بعد موصل کے بالمقابل نینوا (موجودہ کربلا) میں بنایا۔

یہاں یہ بھی عرض کر دیں کہ لسانیات اور علم الاقوام کے عالم تمام دنیا کی قوموں کو زبان، ثقافت، روایات، اعتقادات کے اعتبار، جسمانی ساخت، خد و خال اور رنگوں کی بنا پر تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور حضرت نوح کے طوفان کے بعد تورات بھی تمام انسانوں کو حضرت نوح کے تین بیٹوں جن کو سام، حام اور یافث کے نام دیئے گئے ہیں، تقسیم کرتا ہے۔ چھوٹی آنکھیں، چپٹی ناک، پیلا رنگ جیسا کہ چینی، جاپانی اور اسی طرح دیگر تورانی یافث کی نسل سمجھی جاتی ہے افریقہ کے کالی چمڑی والوں کو سام کی نسل کہتے ہیں اور آرین جو لمبی ناک، بھوری آنکھیں اور سرخ و سفید لوگ ہیں، حام کی نسل کہلاتی ہے۔ ان لوگوں کو یورپی اصطلاح میں انڈو یورپین کہا جاتا ہے۔ تورات کا بیان ہے کہ بابل کا بانی نمرود کوش کی نسل سے تھا اور کوش حام کی نسل سے تھا اور حام نسل ہندو یورپین پر مشتمل ہے کہا جاتا ہے کہ کوش کے علاوہ حام کے تین بیٹے اور بھی۔ کنعان۔ فوط اور مصرایم کے نام سے تھے مصرایم کو مصریوں کا جد امجد کہا گیا ہے۔ مصرایم کی نسل میں اناتی۔ لبیمی، لوری، عنفرقسی، کفتوری کسلوحی اور لودی پیدا ہوئے۔ بنو سام کے پانچ قبیلوں



میں بھی ایک کا نام لوو تھا۔ یہاں پر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہندو اصیانی
کا تعلق حام کی نسل سے ہیں مثلاً افغانستان ایران۔ برصغیر اور یورپ
کے لوگ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ۳۰۰۰ق م تک قدیم میں جب بالائی اور زیریں
بین النہرین میں مختلف اقوام نے جُدا جُدا ملکی حکومتیں تشکیل دیں تو ان کے
درمیان ہمیشہ جنگیں ہوتی رہتی کبھی کبھار جب ایک دلیر اور ہوشیار شخص پیدا
ہو جاتا تھا وہ سب کو تابع اور متحد کر لیتا جیسا کہ حمورابی کے زمانے میں ایک
ہی مملکت وجود میں آئی اور کبھی پھر علیحدہ اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اسی طرح
ان کی زبان میں بھی کافی ملاوٹ پیدا ہوئی اور محققین کے لئے ان کا امتیاز
کرنا یا ان کی اصل ڈھونڈنا مشکل ہو گیا اسی وجہ سے انہوں نے بنو سام اور
اقوام سامیہ کی اصطلاحات نافذ کیں یعنی بنو سام وہ لوگ ہیں جو تورات کے
بیان کے مطابق سامی نسل ہے اور اقوام سامیہ وہ لوگ ہیں جو سامی زبان تو کہتے
ہیں لیکن سام کی نسل سے نہیں ہیں جیسا کہ مصری۔

اب اصل مقصد کی طرف آتے ہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا کہ خزر کی
وادی سے ایک قوم کاسی کے نام سے زاغروس کے پہاڑوں کو آئی یعنی موجودہ کردستان کو
یہ زمانہ کم سے کم ۳۰۰۰ق م معین کیا جاتا ہے اس زمانہ میں دوسرے آرین جو شمال
سے جنوب کی طرف حرکت کر گئے تھے ہندوکش کے شمالی اور جنوبی علاقوں پر چھا گئے
تھے جیسا کہ بین النہرین یا دوسرے لفظوں میں بابل کے چھٹے اموری بادشاہ حمورابی
جو ایک بڑا عادل۔ قانون دان اور اصلاح پسند بادشاہ کہلایا جاتا ہے کے مرنے کے
بعد وہ ہندو یورپین جو زاغروس کے علاقوں میں رہتے تھے اور مسلح جنگجو لوگ تھے

بالائی ایشیا کے وہ تمام علاقے جنہیں حمورابی اپنے قلمرو میں شامل کر چکے تھے ا
کے جانشینوں سے واپس آزاد کرا لیئے کہا جاتا ہے کہ یہ کیمی وہی آرین ہیں جن
نے سب سے پہلے گھوڑوں کو تربیت دی اور اُن کو گاڑیوں میں استعمال ک
کاسیوں نے بین النہرین پر پہلا حملہ ۱۷۵۰ ق م میں کیا لیکن ناکام ہوئے آخر حم
کے جانشین سامسوایلونا نے جبکہ ایک طرف ملک کی اندرونی اقتصادی حالت ا
ہو گئی تھی اور دوسری طرف سومیریوں آشوریوں اور ہتیوں نے سر اُٹھایا تھا ا
مشکلات کو رفع کرنے کے لئے کاسی قبائل سے کام لیا انہیں حکومت کی ملازمت
میں شامل کیا اور زمینیں بھی دیں ہزار ہا کاسی جن کے ساتھ غالباً کرد بھی ت
مملکت کے کاروبار اور کاشتکاری، میں مصروف ہو گئے سامسوایلونا ۱۹۲۳
میں انتقال کر گیا۔ بعد میں یکے بعد دیگرے ابی اشوہ۔ عمی دیتانا۔ عمی صدوقا
اور آخر میں شمشو دیتانا بابل کی تخت پر بیٹھے اس دوران بابل میں بڑے
انقلابات رونما ہوئے۔ بغاوتیں اور جنگیں ہوئیں اور حمورابی کی بڑی سلطنت
ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور بعد میں ہتیوں نے جو انڈو یورپین کی ایک بڑی شاخ
تھی، بابل پر یلغار کی اور حمورابی کی دو سو سالہ شہنشاہیت کا خاتمہ کر دیا لیکن
کچھ عرصہ بعد کاسی جو کافی عرصہ سے بابل پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہے تھے اپنے
سردار گانداش کی قیادت میں بابل پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ محققین کا کہنا ہے کہ یہ
قوم دراصل کاسپی قوموں کی ایک شاخ ہے۔ لیکن ان میں آریائی عناصر زیادہ تھے
اور ان کی قیادت بھی آریائی کر رہے تھے۔ ایشیائے کوچک" میں جو تازہ ترین آثار
قدیمہ دریافت ہوئے ہیں، اس قوم کو "لیتا زکوسی" کی میخی سنگی تحریروں میں

ہسٹری آف دی ورلڈ طبع آکسفورڈ۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا

"پالائی" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ماہرین لسانیات کا خیال ہے۔ کہ یہ زبان حیتی کی میخی تحریروں اور قربی زبان سے تعلق رکھتی ہے بلکہ یہ تینوں زبانیں بنیادی طور پر ہندو آریائی ہیں۔ اور یہ ہندو آریائی اقوام شام کے شمال میں رہتے تھے اور ان کے پایۂ تخت کا نام پالا تھا۔ غالباً اسی وجہ سے انہیں پالائی کہا گیا ہے۔ جیسا کہ عموماً لوگ علاقوں کے نام سے منسوب ہوتے ہیں۔

بہر حال جب کاسیوں نے اپنے سردار گانداش(۱) کی قیادت میں بابل پر اپنی حکومت قائم کر لی تو اُس وقت ہموار قوموں مصریوں کنعانیوں اور آشوریوں کے درمیان عداوتیں اور جھگڑے عروج پر تھے اس لئے کاسیوں کو پاؤں جمانے اور حکومت مستحکم کرنے کا موقع ملا۔

گانداش ۱۷۶۰ ق م میں بابل کی تخت پر بیٹھ گیا اور تمام پرانے رسومات اور اعتقادات ممنوع قرار دیئے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا کاسی اپنے معبودوں کو بابل کے لوگوں سے منوانے لگے انہی کے ذریعے بابل میں پہلی مرتبہ گھوڑے اور جنگی ارابے (ایک قسم کی گاڑیاں) مروج ہو گئے۔ اور اُسی زمانے سے بین النہرین میں دوسرے ہندو یورپین بھی گھوڑوں کو پالنے اور اُن سے کام لینے لگے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام کے بیٹے متوشلخ نے گھوڑے پر سواری کی تورات میں حضرت ادریس علیہ السلام کو اخنوخ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں دو جگہ ان کا ذکر آیا ہے ایک دفعہ سورۃ مریم میں (واذکر فی الکتاب ادریس انه کان صدیقا نبیا ورفعنا مکانا علیا) اور دوسری جگہ سورہ انبیاء میں ذکر آیا ہے۔ (واسماعیل وادریس و

---

(۱) تاریخ ملل قدیم آسیائی غربی تالیف ڈاکٹر احمد بہمنش چاپ تہران

ذالکفل کل من الصابرین) کہتے ہیں۔ کہ حضرت ادریس ؑ پہلا شخص تھا۔ جس نے قلم کے ذریعے تحریر لکھی اور نجوم میں تحقیق کی دِنوں۔ مہینوں اور سالوں کا حساب بنایا۔ یونان کے حکما اُن کو حکیم ہرمس کے نام سے یاد کرتے ہیں اور بہت بڑے صاحب قُدرت مانے جاتے تھے کہتے ہیں ہمارے صاحب قُدرت مانے جاتے تھے کہتے ہیں۔ کہ سب سے پہلے انہوں نے جنگی اسلحہ بنایا اور خدا کی راہ میں جہاد کیا اور پہلا شخص ہے جس نے کپڑے سلے ان سے پہلے انسان جانوروں اور مویشیوں کے کھال بطورِ لباس استعمال کرتے تھے۔

حضرت ادریس علیہ السلام جب تین سو آٹھ کی عُمر کو پہنچے تو اِن پر خدا نے تین صحیفے نازل کئے توراۃ کی روایت کے مطابق جب حضرت ادریس کی عمر تین سو پینسٹھ سال تک پہنچ گئی تو خُدا نے اسے آسمان پر اُٹھا لیا۔ اُس وقت حضرت ادریس ؑ کا باپ یرد زندہ تھا اور اُن کی عمر پانچ سو ستائیس سال تھی الغرض جب حضرت ادریس علیہ السلام اس دُنیا سے تشریف لے گئے تو اُن کا بیٹا متوشلخ اُن کا جانشین بنا۔ توراۃ کا زمانہ ۱۶۰۰ ق م سے شُروع ہوتا ہے اور توراۃ کے بیان سے یہ واضح ہوتا ہے۔ کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت پہلے تھے البتہ اُن کے زمانے کا تعین مشکل ہے۔ یہاں مقصُود صرف یہ ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے گھوڑے پر سواری کی اُس کا نام متوشلخ تھا اور ہمیں بھی اسی نام سے غرض ہے۔ اس لئے کہ کاسیا میں اس نام کا ایک قبیلہ موجود تھا۔ جس کا کہ بعد میں ذکر آئے گا۔ اب ہم نے یہ بتانا ہے۔ کہ جب گگماش نے ۱۷۴۶ ق م میں بابل میں اپنی حکومت قائم کر لی

ا۔: دائرۃ المعارف جلد دوئم طبع کابل

تو یہ دَور پانچسو ساٹھ سال تک طول پکڑ گیا اور اس دوران بابل پر یکے بعد دیگرے چھتیس کاسی بادشاہوں نے حکومت کی جن کی فہرست ذیل میں دی جاتی ہے۔

۱۔ گگماش ۱۷۳۱-۱۷۲۶ ق م

۲۔ آگوم اوّل ۱۷۳۰--۱۷۰۹ قم

۳۔ کاش تیلیاش اوّل ۱۷۰۸-۱۶۸۷ قم

۴۔ اوشی ۱۶۸۶-۱۶۷۹ قم

۵۔ ابی تاشی ۱۶۷۸ - ۱۶۵۹ قم

۶۔ تاشی گورماش ۱۶۵۸-۱۶۳۹ قم

۷۔ حارباشی پاک ۱۶۳۸ - ۱۶۱۹ قم

۸۔ تیپ تاکزی ۱۶۱۸-۱۵۹۹ قم

۹۔ آگوم (دوئم) کاکریم ۱۵۹۸-۱۵۷۹ قم

۱۰۔ بورنابوریاش اوّل تاریخ نامعلوم

۱۱۔ کاش تیلیاش دوئم 〃 〃 〃

۱۲۔ اولام بوریاش 〃 〃 〃

۱۳۔ کوری گالزو اوّل 〃 〃 〃

۱۴۔ ملی شیپاک اوّل 〃 〃 〃

۱۵۔ کادا اینداش ۱۴۴۵ - ۱۴۲۷ ق م

۱۶۔ کاداشمن حارب ۰۰۰۰ - ۱۴۳۶ قم

۱۷۔ کوری گالزو دوئم ۰۰۰۰ — ۰۰۰۰ ق م

۱۸۔ کاداشمن ایلیل اوّل — ق م

۱۹۔ بعنابعدیاش دوئم ۱۳۲۶ — ۱۳۴۰ ق م
۲۰۔ کاراحارباش ۱۳۲۵ — ۰۰۰۰ ق م
۲۱۔ نازی بوگاش ۱۳۲۵ — ۰۰۰۰ ق م
۲۲۔ کوری گالزو سوئم ۱۳۲۰ — ۱۳۲۲ ق م
۲۳۔ نازی ماروتاش ۱۲۹۴ — ۱۳۱۹ ق م
۲۴۔ کادشمن تورگو ۱۲۷۷ — ۱۲۹۳ ق م
۲۵۔ کاداشمن الیل دوئم ۱۲۷۱ — ۱۲۸۶ ق م
۲۶۔ کودورالیل دوئم ۱۲۶۳ — ۱۲۷۰ ق م
۲۷۔ شاگاراکتی شوریاش ۱۲۵۰ — ۱۲۶۲ ق م
۲۸۔ کاش تیلیاش سوئم ۱۲۴۲ — ۱۲۲۹ ق م
۲۹۔ الیل نادین شومی ۱۲۴۰ — ۱۲۲۱ ق م
۳۰۔ کاداشمن حاربہ دوئم ۱۲۳۹ — ۱۲۴۰ ق م
۳۱۔ آداد شوم ایدینے ۱۲۳۳ — ۱۲۳۸ ق م
۳۲۔ آداد شوم ادسور ۱۲۰۳ — ۱۲۲۳ ق م
۳۳۔ ملی شیپاک دوئم ۱۱۸۸ — ۱۲۰۲ ق م
۳۴۔ مردوک اپال ایدین اوّل ۱۱۷۵ — ۱۱۸۷ ق م
۳۵۔ زابابا شوم ایدین ۱۱۷۸ — ۰۰۰۰ ق م
۳۶۔ الیل نادین آہیہ ۱۱۷۱ — ۱۱۷۳ ق م

گنداش جو کاسی سلطنت کا بانی تھا اپنے آپ کو چار اقلیم کا بادشاہ کہلاتا تھا۔ جن میں سومر، اکاد اور بابل شامل تھے۔ کاسیوں نے اپنی روایات اور تمدن کو محفوظ کر رکھا تھا اس وقت تک ان کے معبودوں (خداؤں) کا احترام تمام

... کیا جاتا تھا۔ جب تک اُن کی حکمرانی قائم تھی انہوں نے اپنے لیے کیلنڈر ... تھا جو بادشاہ کے تخت پر بیٹھنے کے دن سے شروع ہوتا تھا۔ مستقبل بالعموم ... ختم ہوتا تھا۔ اور پھر اس طرح دوسری تقویم شروع ہو جاتی تھی اور اسی ... ختم ہو جاتی تھی تقویم کا یہ سلسلہ سلوکیوں کے وقت تک جاری تھا اُن کے ... دور کے آثار میں ایک وہ تختۂ سیاہ تھا۔ جس پر کہ بادشاہوں کی طرف سے املاک کی منتقلی کے فرمان جاری ہوتے تھے اس تختۂ سیاہ کو بڑی خوبصورت [illegible] مزین کرتے تھے کبھی کبھار اس تختی پر اس شخص کی تصویر بھی بنا لیتے تھے جو بادشاہ ملک (جاگیر) عطا کرتا تھا۔ کاسیوں کے دور کے ایسے [illegible] والی مہریں بھی دریافت ہوئی ہیں۔ جن پر کہ سومری تحریر درج ہے۔ یہ مہریں اور اس قسم کے دوسرے کاسی دور کے آثار بغداد کے عجائب گھر اور یورپ کے دیگر عجائب گھروں میں اب بھی محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ ۱۹۵۶ء فلسطین میں کاسیوں کا ایک قبرستان بھی دریافت کیا گیا حال ہی میں مغربی جرمنی کے مشہور علمی اور ثقافتی مرکز کے پروفیسر بی ہروڈا جو آثار قدیمہ کا ماہر ہے کی سرکردگی میں محققین ایک جماعت نے بغداد سے ۲۰۰ کلومیٹر جنوب کی سمت الیسن کے قدیم شہر جو کئی ہزار سال پہلے اس نام سے ایک سلطنت کا دارالحکومت تھا کے قریب کاسی تہذیب کے کھنڈرات اور مقبروں کے نیچے گیارہ کمروں پر مشتمل ایک عمارت دریافت کی ہے۔ جو ظاہراً ایک مدرسہ معلوم ہوتا ہے اس عمارت میں تین ہزار سال سے بھی قبل کے تختہ سیاہ کافی تعداد میں ملی ہیں۔ مٹی کے یہ تختے آج کل کے سکول کے بچوں کی سلیٹوں سے مشابہہ ہیں ان تختوں پر وہ اپنے بادشاہوں کے نام اور مذہبی نظمیں لکھتے تھے اس کے قریب پانی کا تالاب اور بہت سے برتن بھی دریافت ہوئے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ

غالباً ان کو تختی بنانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ آثار قدیمہ کے جرمن
اس نتیجے کو پہنچے ہیں کہ یہ عمارت دو مرتبہ آگ لگنے سے جلی ہے اور پھر
بنائی گئی ہے۔ آخری مرتبہ اغلباً ۲۰۰۰ ق م بنائی گئی ہے۔ اس آثار قدیمہ
پر کہ تاحال کام جاری ہے۔ حفریات کی تحقیق اور تلاش بھی ہو رہی ہے
پر ہمارے مطلب کی دو باتیں واضح ہوئیں ایک یہ کہ یہ عمارت کاسیوں
کھنڈرات کے نیچے سے دریافت ہوئی ہے اور اس کی عمر ۲۰۰۰ ق م
اغلباً حمورابی کے زمانہ کی ہے جو کاسیوں سے ساڑھے تین سو سال قبل بابل
حکمران تھا دوم یہ کہ لوگ لکھ پڑھ سکتے تھے۔ جرمن ماہرین کا کہنا ہے کہ مٹی کے
اور دیگر اشیاء سے جو دریافت ہوئی ہیں ایسا لگتا ہے کہ یہ "اور" کی تیسری
اور حمورابی کے بادشاہ بننے کے درمیانی زمانے کے آثار ہیں۔

محققین نمرود کا زمانہ ۲۱۰۰ ق م کے لگ بھگ بتاتے ہیں یہاں یہ
وضاحت کر دیں کہ "اور" کے زوال کے بعد جنوبی بین النہرین کے
شہروں یعنی "الیسین" اور لارسا نے آزادی کے پرچم بلند کئے اور ایشی ایل
۲۲۳۴ ق م میں الیسین کے نام سے حکومت قائم کی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
دوران جبکہ الیسین کے لوگوں نے بابل کی حکمرانی یا غلامی سے نجات حاصل
کرنے کے لئے جدوجہد شروع کی تو گیارہ کمروں پر مشتمل یہ عمارت جو ایک
عمارت معلوم ہوتی ہے جلی یا جلائی گئی ہو کیونکہ آثار قدیمہ کے ماہرین کا کہنا ہے
کہ بعد میں ۲۰۰۰ ق م کے لگ بھگ پھر دوبارہ یہ عمارت بنائی گئی تھی ہو سکتا ہے
اس وقت یہ عمارت جل گئی ہو جس وقت "اور" کے شہر پہ الیسین کے ساتھ
بادشاہ لورسین اور لارسا کے ساتھ بادشاہ سومو ایلوم کے درمیان اختلافات
پیدا ہوئے اور لورسین کے ایک جانشین جس کا نام زامبیا تھا "اور" کے شہر سے جو

اور اکادی قوموں کا مقدس شہر تھا لارسا کے زمینداروں کی سرکوبی کیلئے
انہوں سے امداد طلب کی اس جنگ میں لارسا کے بادشاہ سین آیدینام کو فتح
ہوئی اور تمام سومر اور اکاد کی بادشاہت کا اعلان کر دیا شہر "اور" پر قبضہ
کر لیا۔

بعد ازیں حمورابی کے باپ سین مبالط نے بھی کئی بار "اور" الیسین کے
شہروں پر حملے کئے مگر کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہو سکتا ہے کہ ان حملوں
کے زمانہ میں یہ عمارت جل گئی ہو۔ تورات کے "سفر پیدائش" گیارھویں اور بارھویں
روایت کے مطابق ابراہیم اپنے قبیلے اور گلوں اور ریوڑوں کے ہمراہ "اور" سے
"حاران" چلا گیا کچھ عرصہ وہاں رہا اور پھر کنعان چلا گیا اور سیکم (SICHEM)
اور بیت ایل (BETHEL) میں قیام کیا اس کے بعد وہاں سے مصر چلا گیا"
حضرت ابراہیم کے اس سفر کی تاریخ معلوم نہیں البتہ اندازاً ۲۱۰۰ ق م ہو سکتا
ہے کیونکہ یہ (کالخو) (نمرود) کا زمانہ بتایا جاتا ہے اور یہ وہ زمانہ ہے جب کاسیوں
نے زاغروس کے علاقوں سے بین النہرین تک ہجرت نہیں کی تھی۔ الغرض کاسیوں
نے گانداش کی سربراہی میں سومر اور اکاد پر بھی قبضہ کر لیا جیسا کہ قاعدہ رہا ہے ان
کی تہذیب و تمدن ثقافت اور زبان پر بھی اثر انداز ہوئے۔ اپنی تہذیب و تمدن
اور زبان کو رائج کر دیا کاسی بادشاہوں نے مروجہ لباس ترک کر کے اپنے مخصوص
لباس کو فروغ دیا بابل کے ابتدائی دور میں لباس پر زیادہ کشیدہ کاری (نقش
نگاری) نہیں کی جاتی تھی سادگی زیادہ تھی البتہ قمیضوں کے دامن، گلے
اور آستینوں کے کناروں پہ گلکاری کرتے تھے اور شلوار کے پائنچوں پر کشیدہ کاری
کرتے تھے البتہ حمورابی کے زمانہ میں بادشاہ کے لئے نہایت خوبصورت اور
بیش بہا قیمتی لباس بنتا تھا اور خاص طور پر بڑے قیمتی جواہرات سے مزین کیا

جاتا تھا۔ لیکن کاسی بادشاہ نفیس اور ریشمی لباس زیادہ پسند کرتے تھے جن پر طرح طرح کی گل کاری ہوا کرتی تھی۔ بعد میں ان کے لباس کو آشوریا میں بھی کافی فروغ حاصل ہوا چونکہ بادشاہ چوکور تاج سر پر رکھتے تھے چنانچہ ان پر بھی کاسی نقش نگاری ہوتی تھی اور کسی خوبصورت پرندے کا پر بھی تاج میں لگا تے تھے۔ گلقاش نے (مردوک) کا معبد دوبارہ بنوایا یہ معبد بابل کے مشہور بادشاہ حمورابی نے سنہ ۱۹۵۰ ق م کے لگ بھگ بابل میں تعمیر کیا تھا اور بین النہرین کے تمام مقبوضات کے چھوٹے چھوٹے خداؤں کو ان کا تابع کر دیا تھا جو مختلف عناصر اور قوتوں کے مظہر تھے کہلاتے تھے مثلاً ہوا۔ پانی۔ نیکی بدی، عدالت بارش طوفان الغرض ایسے دوسرے یہ معبد حمورابی کے زمانے میں اس کے آس پاس تمام مقبوضہ علاقوں کے لوگوں کے لئے ایک بڑے مذہبی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا اور مردوک سارے جہان کا خدائے واحد سمجھا جانے لگا۔ حمورابی کے زمانہ کے کتبوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مردوک نے اس وقت کے تمام خداؤں کو اپنے میں جذب کر لیا۔

اس وقت کے جو کتبے آثار قدیمہ کے ماہرین کو ملے ہیں۔ ان کی تحریروں سے یہ واضح ہوتا ہے۔ کہ حمورابی ایک بڑی عظیم روحانی شخصیت تھی اور خود کو ایک رب النوع کی حیثیت دی تھی لوگ اسے آفتاب بابل کے نام سے یاد کرتے تھے اور کسی دوسری طاقت یا قدرت کو اس کے مدمقابل نہیں سمجھتے تھے مردوک کے لئے ایک بڑا عبادت خانہ بنایا گیا تھا حمورابی کی وفات کے بعد جب اس کے مقبوضات یکے بعد دیگرے دوبارہ آزاد ہوئے اور پھر کاسیوں کے دور تک تقریباً ڈھائی سو سال اس علاقے میں انقلابات اور تغیرات رونما ہوئے مردوک کا مجسمہ بھی کئی مرتبہ ادھر سے ادھر منتقل ہوتا رہا جس وقت گلداش کاسی بابل میں تخت نشین ہوا تو اس وقت بھی مردوک کا معبد منہدم ہوا تھا البتہ مردوک کی پرستش ہوتی تھی

جو دراصل حمورابی کا مجسمہ تھا حمورابی کے بارے میں ایک خیال تو یہ ہے کہ دنیا کا سب سے پہلا مقنن تھا اور دوسرا یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہمعصر تھا اور بابل کی بلند مینار اسی نے تعمیر کرائی تھی۔ جس پر کہ اُن کے قوانین نوشتہ ہیں۔ گلداش کاسی کی طرف سے مردوک کے معبد کے دوبارہ بنائے جانے کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ حمورابی کے مذہب اور قوانین کو انہوں نے بھی تسلیم کر لیا تھا کیونکہ اس کے بعد بھی کاسی مردوک کی نگہداشت اور حفاظت کرتے تھے جیسا کہ سنہ ۸۰۶ ق م (ہیتی) نے بابل پر حملہ کیا اور اس ہنگامے میں مردوک اور اُس کی بیوی (دونوں بُت تھے) کو بھی مال غنیمت کی صورت میں اپنے بڑے شہر ہنہ[۱] (HANA) لے گئے پھر نویں کاسی بادشاہ آگوم دوئم (کاکریم) یہ مجسمے دوبارہ لے آیا اور بابل کے معبد میں رکھوائے مشہور چیکوسلواکی محقق ہروزنی کہتا ہے کہ ہیتیوں نے سنہ ۱۵۹۵ ق م میں بابل فتح کیا تھا۔ اگر یہ روایت درست ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب سنہ ۱۵۹۰ ق م میں دوئم آگوم نے ہیتیوں کے ملک پر حملہ کیا تو اس وقت وہ مردوک اور اس کی بیوی کو واپس لایا ہوگا۔ اس لئے کہ آگوم دوئم کا دور سنہ ۱۵۹۸ ق م

---

(۱) سنہ ۱۹۰۶ء سے سنہ ۱۹۱۲ء تک مشہور جرمن محقق ہیوگو ونکلر (HUGO WINCKLER) نے انقرہ کے شرق میں بغاز کوی کے مقام پر آثار قدیمہ کی کھدائی شروع کی تھی لیکن کہ اس سے پہلے یہاں پر ایک فرانسیسی ماہر آثار قدیمہ ای چینٹر (E. CHANTRE) نے سطح زمین پر ہیتی خط کے چند کتبات مشاہدہ کئے تھے کھدائی کرنے کے بعد یہاں سے ہیتی دارالحکومت اتی کے کھنڈرات برآمد ہوئے اور ساتھ ہی میخی تحریر کے تقریباً تیرہ ہزار الم کتبے بھی دستیاب ہوئے جن سے ہیتی دور کے حالات بڑی حد تک واضح ہو گئے۔

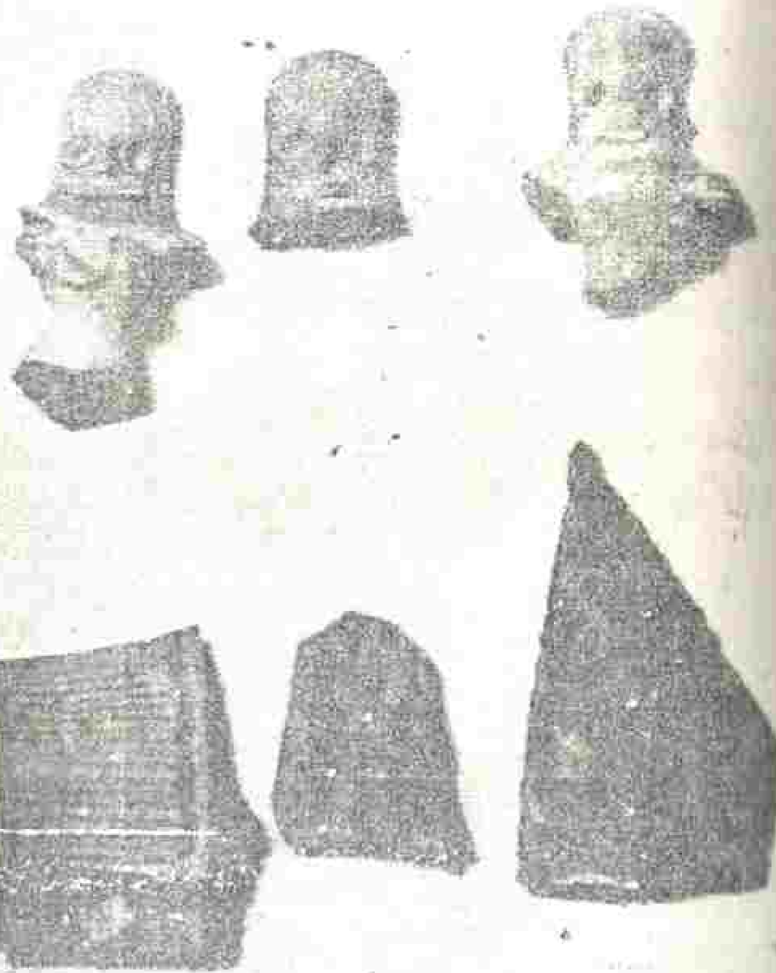
میں ختم ہوتا ہے۔ بغازکوئی کے جو قدیم ہیتی (کتباتِ سنگی) بجھ میخی رسم الخط میں لکھے
ہوئے تھے ان تحریروں کے پڑھنے میں یورپ کے دانشوروں نے بڑی جانفشانی
سے کام کیا اور آخر کار ان تحریروں کے پڑھنے کا فخر پہلی جنگ عظیم کے دوران چیکوسلواکیہ
کے ایک دانشور "ہروزنی" (HROZNY) کو نصیب ہوا۔ ابتداء میں ہند
یورپ کے ماہرین لسانیات نے اُن کے نظریے سے سخت اختلاف کیا لیکن دس سال
کی تحقیق کے بعد سب نے ان کے نظریات کو تسلیم کر لیا۔ آج اس بارے میں کسی قسم کے شک
و شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ ہروزنی نے نہ صرف یہ کہ بغازکوئی کی تحریریں پڑھیں بلکہ
یہ بھی ثابت کر دیا کہ ہیتی زبان مغربی ہند و یورپین گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ جو سب
پہلے خاندان سے جدا ہو گئی تھی اور اپنے طور پر ایک اہم کردار ادا کیا۔

بغازکوئی کے کتباتِ سنگی میں ایک ایسی زبان بھی دریافت ہوئی جو ہیتی زبان سے
مختلف تھی اور جس میں مذہبی مراسم ادا ہوتے تھے اور پھر ہیتی زبان میں اس کا ترجمہ کیا
جاتا تھا۔ ماہرین لسانیات اور محققین کا کہنا ہے کہ "حاتی" کی مملکت ایک واحد قوم پر مشتمل
نہ تھی۔ دوسرا یہ کہ یہ زبان (ایشیاء کوچک) کے مشرقی علاقوں خصوصاً کاپادوس اور
"حاتی" شہر کے اطراف کے دیہاتی لوگوں کی زبان تھی اس شہر کے نام کی مناسبت سے
یہ لوگ بھی "حاتی" "حاتی لی" یا ہیتی مشہور ہوئے جیسا کہ کندھاری۔ پشاوری۔
چنانچہ زبان کو بھی ہیتی کے نام سے یاد کرتے تھے ہروزنی اور دیگر ماہرین لسانیات

(۱) ماہرین لسانیات نے ہند و یورپین زبان کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے۔ ایک حصہ وہ ہے جس میں لفظ
کا پہلا حرف ساکن ادا کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ جرمنی۔ سلتی لاطینی اور یونانی۔
دوسرا حصہ وہ ہے جو پہلا حرف متحرک ادا کرتا ہے۔ جیسا کہ بالتی۔ اسلاوی۔ ارمنی
ایرانی اور سنسکرت
پہلی قسم کو (KENTUM) اور دوسری کو (SATEM) یا ہند و یورپین شرقی کہتے ہیں

جیسا کہ ایف (F. SOMMER) جے فریڈرک (J. FRIEDRICH) اے گوٹزے
(A. GÖTZE) کی تحقیق و تدقیق سے یہ ثابت ہوا کہ یہ زبان نہ تو ہند و یورپین
ہے اور نہ سامی البتہ ہو سکتا ہے کہ خزر کے کاسپی زبانوں سے تعلق رکھتی ہو
یہ معلومات ہیتی زبان کے اُن قدیم کتباتِ سنگی کے ترجمے سے لئے گئے
تھے جو سن ۱۸۰۰ ق م میں آنی تاش نام کے ہیتی بادشاہ کے وقت میں لکھے گئے تھے
اُن کے علاوہ جو دیگر آثار یہاں ماہرین لسانیات کے ہاتھ آئے تھے وہ یہ کہ اس
قوم (ہیتی) کے ظاہری آثار (آشور۔ بابل۔ اور مصر کے آثار سے بالکل جدا تھے اور کتبوں
پر انسانوں کی ایسی تصویریں بنی ہوئی تھیں جن کے خدوخال نژادی اعتبار سے بالکل
مختلف تھے۔ مثلاً ناک ٹیڑھی ہے اور پیشانی نکلی ہوئی لمبی ہے۔ اس شکل کی تصویریں
مصر کے رامس دوم کے وقت میں بھی دیکھے گئے، جبکہ اُس زمانہ میں وہ مصر
کے ساتھ سیاسی روابط بھی رکھتے تھے ہیتی کی مملکت دراصل فیڈرل وفاق تھا
جو ایک میثاق کے تحت متحد تھا۔ بہرحال یہاں پر دو باتیں واضح ہوئیں ایک
یہ کہ (۱) کاسی بادشاہ آگوم دوم کے دور میں نہ صرف مملکت ہیتی کاسیوں
کے تصرف میں آئی بلکہ گوتیدم کے کوہستانی علاقے بھی بابل کے تسلط میں آگئے دوسرا
یہ کہ اس علاقہ میں ایک زبان نہیں بولی جاتی تھی بلکہ زیادہ زبانیں بولی جاتی تھیں
خصوصاً ایسی زبانیں جو خزر کے علاقے کے ہند و یورپین زبانیں تھیں جن میں
کاسیوں کی زبان بھی شامل تھی یہ ہو سکتا ہے کہ ہیتی کے علاوہ وہ دوسری زبان
ہو جس میں کے مذہبی مراسم ادا کئے جاتے تھے۔ کاسی زبان ہو اس لئے کہ کاسیوں
نے تمام مقبوضات پر اپنی زبان اور تہذیب مسلط کی تھی۔ کاسیوں کے بارھویں

(۱) قبائلی سرداروں کا مشترکہ نظام



اوپر دائیں [illegible]
[illegible]

بادشاہ اولام بوریاش (OULAM BOURIASH) نے مملکت[1] بحری بھی فتح کیا تھا اور اپنے قلمرو میں شامل کر لیا تھا۔ محققین اور ماہرین لسانیات کا یہ کہنا کہ یہ زبانیں نہ تو سامی ہیں اور ہند یورپین ہو سکتا ہے کہ یہ پشتو ہو یا بروہی زبان اس لئے کہ بعض ماہرین لسانیات جیسا کہ ناروے کا مارگنسٹرن یہ عقیدہ رکھتا ہے۔ کہ پشتو کا تعلق نہ فارسی سے اور نہ سنسکرت سے ہے بلکہ ایک علیحدہ زبان معلوم ہوتی ہے۔ اور بروہی کے بارے میں بہت سے محققین جیسا کہ لانگ ورت ڈیمز (LONG WORTHDAMS) اور بِرے (BRAY) اور گریئرسن (GRIERSON) کا عقیدہ ہے کہ یہ زبان جنوبی ہند کے دراوڑی زبان سے نکلی ہے محققین کہتے ہیں کہ آرین کی آمد سے پہلے یہ زبان آریانا میں بولی جاتی تھی۔ جس وقت آرین دریائے آموکو پار کر کے ہندوکش کے شمالی اور جنوبی علاقوں پر قابض ہو گئے تو آہستہ آہستہ دراوڑ جنوبی ہند کی طرف حرکت کر گئے اور آرین ان علاقوں میں پھیلتے گئے۔

۱۳۲۰ تا ۱۳۰۰ ق م کے درمیانی عرصہ میں ایلام کا بادشاہ جس کا نام ہمبا تیلا تھا بابل پر حملہ کر دیا اور کوری غلزو یا کالزو سوم (بائیسویں کاسی بادشاہ) کو شکست دی اور بابل پر قبضہ کر لیا اس کے بعد آشور پر حملہ کیا لیکن ناکام ہو کر واپس ایلام کی طرف چلا گیا اُس وقت کوری گالزو جو بدلہ لینے کے لئے بڑی مدت سے تیاری کر رہا تھا۔ ایلام پر چڑھائی کر دی اور تمام ایلام کو اپنے ماتحت کر کے ایلام کے مرکزی شہر شوش پر قبضہ کیا مگر یہ تسلط کافی عرصہ تک جاری نہ رہ سکا کیونکہ آشور کے بادشاہ انلیل ناراری نے بابل پر حملہ کر دیا اور اس وجہ سے ایلام کے لوگوں کو موقع ہاتھ آیا کہ کاسیوں کے خلاف بغاوت کر کے آزادی حاصل کی جائے۔

---

(۱) موجودہ مغربی ایران کو وقت ایلام کہا جاتا تھا اور مشرقی ایران کو پارس کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ ایران کا نام اُس وقت نہیں تھا۔

پا لکوری گالزو مشرق میں ایلام اور شمال میں آشور کے ساتھ دو محاذوں پر جنگ میں مصروف تھا۔ چنانچہ بہت سے علاقے ہاتھ سے نکل گئے اور کافی کمزور ہوگیا اور اس کے مقابل میں ایلام اور آشور دونوں دن بدن مضبوط ہوتے گئے ۱۲۲۹-۱۲۳۲ ق م کے درمیانی عرصے میں آشور کے بادشاہ توکولتی نینورتا اول نے ——— (TOUKOULTI NINOURTA) ——— جو بڑی قوت کا مالک تھا۔ پہلے پہل مغرب میں ہیتی کی سرزمین پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا پھر شمالی قبائل کو مغلوب کرنے کے بعد مشرق کی طرف رخ کر کے ایلام پر چڑھائی کر دی اور ساتھ ہی بابل کا بھی محاصرہ کر لیا۔ اٹھائیسویں کاسی بادشاہ کاش تیلیاش سوئم کو گرفتار کر لیا، مردوک کا مجسمہ مالِ غنیمت کے طور پر اپنے ساتھ لے گیا۔ جاتے وقت بابل کے شہر کو آگ لگا دی۔ لیکن قدرت نے بہت جلد ہی اس ظلم اور بربریت کی سزا دی۔ شاہی محل میں اپنے بیٹے (کارتو کولتی نینورتا) کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس افراتفری میں بابل اور ایلام دونوں اپنی جگہ آزاد رہ گئے کاسی تو اپنے اُجڑے اور جلے ہوئے گھر کی از سرِ نو تعمیر میں لگ گئے ادھر ایلامی اپنے بادشاہ پاہیر ایشان (PHIR ISHSHAN) کی قیادت میں اپنی اقتصادی ترقی کی طرف متوجہ ہوئے ایلام کے اس زمانہ کے ایک مشہور بادشاہ اون تاش گال (OUNTASHGAL) کے بہت سے کتبے ایلامی زبان میں باقی رہ گئے ہیں۔ جن سے کہ بابل اور ایلام کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

اون تاش گال کے وقت میں بابل اور ایلام کے درمیان جنگ چھڑ گئی جس کی وجہ یہ تھی کہ بابل کے بادشاہ کاش تیلیاش کاسی نے ایک شخص کو جس نے ان کے لئے چمڑے کا ایک بہترین زرہ بکتر بنایا تھا۔ بابل کے شمال مشرق میں ایلام کی سرحد پر کچھ زمین بخشی تھی۔ جس پر کہ ایلام کی حکومت بھی دعویدار تھی۔ غرضیکہ اون تاش گال

نے اس اِقدام کی روک تھام کی اور کاشی تیلیاشش کی طرف سے دیئے گئے ف[...]
واگذاری ایلام کے منصب داروں نے اُس شخص سے لے کر شوش (ایلام کے
دارالحکومت) لے گئے۔ یہ واقع آکادی زبان میں اُس وقت کے کتبوں پر ثبت
ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ بغیر کسی نتیجہ کے اختتام کو پہنچی ہے۔ البتہ کا[سیوں]
کے خلاف ایلامیوں کے دل میں اسی طرح نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ جیسا کہ آشوریوں
کے خلاف کیونکہ ایلامیوں نے ۱۱۸۰ ق م میں کاسیوں کے خلاف جنگ کی تیاری
شروع کر دی ایلام کے بڑے بڑے شہروں اور عبادت گاہوں میں جلسے اور
بازاروں میں جلوس نکل آئے شاعر جلوسوں میں کاسیوں کے خلاف جوش و جذبہ
سے بھرے حماسی نظمیں کہنے لگے![1]

"کاسی بہت ظالم اور برے لوگ ہیں۔ اے ایلام کے جیالو اور بہادر فرزندو!
اٹھو ان ظالموں کو تباہ و برباد کر دو"

غرضیکہ ایلام کے بادشاہ شتروک ناہونتے نے بڑی قوت کے ساتھ بابل
پر حملہ کر دیا۔ اور بابل کے چھتیسویں کاسی بادشاہ الیل نادین آھے...
(ELLIL-NADIN-AHHE) کو تخت سے اتار کر اپنے بیٹے کو تیر ناہونتے
کو تخت پر بیٹھا لیا۔ بہت سارا مال غنیمت حمورابی کے قوانین کتبات اور
مردوک کے مجسمے شوش لے گیا اور بابل کے لوگوں پر مالیہ لگا دیا۔ اس طرح بابل
میں کاسیوں کا قریباً چھ سو سالہ دورِ اقتدار کا خاتمہ ہوا اور کاسی خود بابل سے
نکل گئے۔ لیکن ان کے آثار رہ گئے۔ ان آثار میں عراق کا وہ پہاڑ ہے جو کوہ
قاشیان کے نام سے یاد ہوتا ہے۔ اور ملک شاہ سلجوقی کے دورِ حکومت میں

---

(۱) "تاریخ کردستان" (رہی طلعت) "نگار" کراچی خصوصی نمبر ۱۹۵۲ء

[اور] ہیئت دان اور شاعر عمر خیام کے تعاون سے اُس وقت کے ہیئت
[د]انوں نے الزیج الممتحن کے نام سے ایک رصدگاہ قائم کی اس سے پیشتر
[...] بین المنہرین سے نکلتے ہیں۔ بین المنہرین کے ایک اور عظیم تاریخی شخصیت سارگن
[...] کا کچھ لسانی اور جغرافیائی تحقیق بھی کرتے ہیں۔ اس کے بعد اپنی منزل کی طرف
[...] ہوں گے۔

۲۵۰۰ ق م کے لگ بھگ ہی کیش اور اکاد جو سامی نژاد قبائل تھے سارگن
[کی] سربراہی میں اُٹھے لوگال زاگی زی جو پہلا سومیری بادشاہ تھا! جو غیر سامی تھا
[کو] تخت سے معزول کر دیا خود بادشاہ بن گیا اور پھر سومر اور آکاد جو نسلی۔ لسانی
[او]ر اعتقادی اعتبارات ایک دوسرے سے کافی مختلف تھے پر مشتمل حکومت بنانے
[می]ں کامیاب ہوا آس پاس کے ملکوں پر حملے کیے مصر سے لے کر مشرق میں ایلام، پارس
[...]ا کوزیا گندھارا۔ جیدروزیا (موجودہ افغانستان و پاکستان) تمام علاقے اپنے
[قلم]رو میں شامل کر لئے اور اس طرح ایک بڑی شہنشاہیت قائم کر لی۔ سارگن
[کے] آثار میں سے صرف ایک لوح (کتبہ) شوش میں ملا ہے۔ جس پر ان کی فتوحات
[کا] حال تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ چونکہ کتبہ قدیم آکادی زبان میں ہے۔ اس وجہ
[سے] موجودہ آریائی اور سامی زبانوں میں اس بادشاہ کا نام مختلف حروف میں
[تر]جمہ ہوا ہے۔ مثلاً لاطینی میں شاروکین فارسی میں سارگن اور عربی میں سرغون
[ا]شرغون اور سرجون سے مشہور ہے لیکن بعض تاریخی کتابوں میں شرغنی یا شرغلی
[کے] نام سے بھی یاد ہوا ہے۔[2] فلپ حتی کہتا ہے کہ سرجون اول آکادی ۲۵۰۰ ق م
[...] شام کی عظیم القدر شخصیت کا دعویٰ تھا کہ مجھے بالائی سمندر سے زیریں سمندر

---

(۱) تاریخ لبنان تالیف فلپ حتی ص ۷۲ (۲) ارض القرآن جلد اول ص ۱۲۰-۱۲۱

اقتدار حاصل ہے

یہاں پر اگر سارگون یا سرغون اور یا شرغون سے مراد شرخبون یا خرشبون لیا جائے تو کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ سامی اور ہند یورپین زبانوں میں گ، غ اور ج کے مبادلے عام ہیں۔ عین ممکن ہے کہ شرغون کافی عرصہ بعد لہجوں کے تاثرات کی وجہ سے شرجون اور پھر شرخبون ہوا ہو اور پھر لہجوں کے تضاد کی وجہ سے خرشبون بنا ہو کیونکہ پشتو میں بھی ابتدائی دو حروف پس و پیش ہو جاتے ہیں جیسا کہ "ورح" اور "روح" (دن) دوسرے یہ کہ شرخبون اور خرشبون کیبی (کاسی) پشتونوں کے شجرہ میں آئے ہیں۔ اور کیبی وہ پشتون ہیں جو کیسیوں قیسیوں۔ اور کاسیوں کے نام سے یاد ہوتے ہیں۔

پشتونوں کے بارے میں اب تک جواب تک تاریخیں لکھی گئی ہیں ان میں زیادہ تر مورخین نے ایک دوسرے کا نقل کر کے لکھا ہے کہ قیس عبدالرشید کے تین بیٹے تھے جن میں ایک بیٹ دوسرا غورغشت اور تیسرا سڑبن تھا ان کا کہنا ہے کہ سڑبن کے دو بیٹے تھے ایک کا نام شرخبون تھا مگر اصلی نام شرف الدین تھا اور دوسرے کا نام خیرالدین تھا۔ مگر خرشبون سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہ مورخین ان دونوں بھائیوں کی اولاد کو اس طرح تقسیم کرتے ہیں۔

شرخبون سے	خرشبون سے
ترین	کند
شیرانی	زمند

۱؎ تاریخ لبنان ص ۱۷۱

میانہ	کاسی
بڑیچ	
اورمڑ	

مندرجہ بالا قبیلوں میں ہر قبیلے سے اور بہت سے قبیلے بہت سے پیدا ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو خرشبون اور شرخبون اصلاً ایک شخص تھا جو لہجوں میں پس و پیش کی وجہ سے کوئی اسے خرشبون سے یاد کرتا تھا۔ اور کوئی شرخبون۔ اب بھی اس کا فرق آسانی سے نہیں کیا جا سکتا اور پھر یہ کہ یہ شخص اسلام کے آنے سے پہلے گزرا ہے کیونکہ اس کا ذکر کاسی کی تیسری نسل میں کیا گیا ہے اس لحاظ سے اس کا زمانہ ۱۸۰۰ ق م معین کر سکتے ہیں۔ کیونکہ کاسی زمانہ میں کاسی جدروزیا اور آریا کوزیا میں دکھائی دیتے ہیں۔

یہاں یہ وضاحت کر دیں کہ قیس عبدالرشید کی کہانی ایک افسانے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ نہ تو اس کہانی کا کوئی تاریخی سند و ثبوت ہے اور نہ عقل اس کو تسلیم کرتی ہے۔ بہرحال اگر ہم اسے تسلیم کر لیں۔ کہ خرشبون یا شرخبون کاسی کا نواسہ ہے۔ پھر تو یہ فکر کرنی چاہیے کہ کاسی ۲۰۰۰ ق م میں کاشنک (سائبیریا کا ایک علاقہ) سے ایک بڑے قبیلے کی صورت میں کیسپین اور خزر کے علاقوں کو آئے تھے اور ۱۶۰۰ ق م میں ان کا وجود تمام تاریخی شواہد اور سٹرالفلک کے مطابق خزر میں ثابت ہوا ہے اور پھر ۱۶۰۰ ق م سے ۱۱۵۵ ق م تک بابل پر ان کا تقریباً چھ سو سالہ حکمرانی بھی ثابت ہے۔

پس یہ ممکن ہے کہ شرخبون یا خرشبون بھی وہی شرغون۔ سرغون یا سرجون ہو جو سارگون اور شاروکین کے نام سے یاد ہوا ہو۔ لیکن یہاں پر مراد ایک شخص

سے نہیں ہے بلکہ قبیلہ ہے۔ انساب کے شجروں میں کبھی کبھار ایک مکمل قبیلے پہ ایک شخص کا گمان کیا جاتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بابل کی قدیم تاریخ میں ایک خاص بات جس کا خیال رکھنا چاہیئے وہ یہ کہ اکثر واقعات میں اوقات سا تعین اغاز کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حمورابی نمرود اور ضحاک کو ہمعصر کہا گیا ہے۔ اور تینوں کو بابل کے حکمران بھی کہا گیا ہے: اس لیے اب کہتے ہیں کہ یہ تینوں نام ایک ہی شخص کے تھے حال یہ ہے کہ مورخین اور محققین کے درمیان ان کے حسب و نسب میں اب تک اختلاف موجود ہے۔ امریکن مورخ ولیم راجرس تاریخ بابل میں کہتا ہے کہ حمورابی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہم عصر تھا اور غالباً یہی نمرود تھا۔ بعض کے لوگ کہتے ہیں۔ کہ نمرود کا اصل نام ضحاک بن علوان تھا اور وہ عمالی قوم میں سے تھا ابن خلدون بھی ان کی تائید کرتا ہے۔ تورات کی روایت ہے کہ نمرود کوش کا بیٹا تھا اور بابل کا پہلا بادشاہ تھا۔ جب اس قدر مشہور شخصیت اور اتنے بڑے واقعہ میں بھی اتنا اختلاف موجود ہو تو اس زمانے کے دیگر تاریخی حالات اور واقعات کی حالت کیا ہوگی؟

بہرحال اب آثار قدیمہ کے جدید سائنٹیفک تحقیق اور تلاش سے کافی نئے انکشافات ہوئے ہیں۔ اور قدیم تحریروں اور کتبوں سے حقائق کافی حد تک واضح ہوئے ہیں۔ جن سے یہاں بھی کافی استفادہ کیا گیا ہے۔ بہرحال ذکر شرغون اور سرجون یا سارگن کا ہو رہا تھا جس وقت کاسیوں نے بابل میں اپنی سلطنت کی بنیاد رکھی تو اُس وقت شرغون (سارگن) کے زوال کو کم سے کم ۵۰۰ سال گزر چکے تھے اس دوران میں ظاہر ہے کہ شرغون یا سرجون سے گھرانے اور قبیلے بنے تھے اور وہ بابل میں زندگی گزارتے ہوں گے ہو سکتا ہے مگر وہ کاسیوں میں بھی شامل ہو گئے ہوں اور جس وقت کاسی بابل سے نکل گئے تو اس وقت وہ

(۱) ارض القرآن جلد اول صفحہ ۱۲۰ تالیف علامہ سید سلیمان ندوی

بھی ان کے ہمراہ نکل گئے ہوں جیسا پہلے عرض کیا جا چکا کہ شرغون کبھی کبھار صرف شرغنی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ بلوچستان کے علاقہ پشین میں شرغلی کے نام سے اب بھی ایک بڑا گاؤں موجود ہے پشتو لہجے میں "ن" اور "ل" کبھی کبھار بدل جاتے ہیں، جیسا کہ جنگ اور جنگلی میں بدلا ہوا ہے پس ہو سکتا ہے کہ شرغنی سے شرغلی بنا ہو۔

۱۱۷۱ قبل مسیح میں جب کاسی بابل سے نکل گئے چونکہ ایلام (مغربی ایران) کی طرف نہیں جا سکتے تھے کیونکہ انہوں نے ہی بھگایا تھا اس وجہ سے وہ فلسطین کی طرف ہجرت کر گئے۔ جیسا کہ ان کے قبرستان سے ظاہر ہے جو ۱۹۵۶ء میں دریافت کیا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کافی عرصہ یہاں سکونت نہیں کی کچھ کم سو سال بعد اس سرزمین کو بھی خیرباد کہا۔ اور وہ مشرقی ایران کی طرف کوچ کر گئے تھے۔ تاریخ باستان ایران کا مولف مشیر الدولہ حسن پیرنیا کہتا ہے کہ ۱۰۰۰ قبل مسیح ایران میں کاسی کے نام سے ایک قوم نظر آتی ہے۔ لیکن بعد میں معلوم نہیں ہوتا کہ یہ لوگ کہاں گئے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاسی ایران میں بھی کافی عرصہ نہیں رہے ہیں۔ بلکہ مکران کی طرف گئے ہیں کس راستے سے وہ مکران چلے آئے یہ صحیح معلوم نہیں البتہ مکران میں ان کے باقیات اب بھی موجود ہیں۔ ایرانی مکران میں شہنوز کے نام سے اب بھی ایک قبیلہ موجود ہے ۱۹۵۰ء کی مردم شماری کے مطابق ان کی آبادی ایک سو پینتیس (۱۳۵) افراد کے ستائیس (۲۷) گھرانوں پر مشتمل تھی ان کو شہزادے کہا جاتا تھا۔ ان کا مرکز جیوانی تھا کیونکہ کچھ عرصہ دشت کے گنبد (گنابد) نام کی جگہ میں آباد تھے کچھ لوگ ایرانی مکران کے باہو کلات میں آباد تھے۔ ان کے نام سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیخ کی نسل سے تھے یا یہ کہ مذہبی پیشواؤں سے منسوب تھے۔ کیونکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم افغان ہیں۔ اور ہمارا پردادا

جس کا نام ترمند تھا ملک مظفر شاہ کے وقت میں ضلع بنوں کے مروت سے آیا تھا گبد انہوں نے گوک پرورش کے دشت کو تربج اور زینگ مشترکہ دریاؤں کے کام کی عوض میں مانگا تھا۔ اور جیونی کو اپنے ایک سردار جس کا نام میر کیا تھا جس کو ایک ملک نے قتل کیا تھا کی خون بہا کے عوض میں قبضہ کیا تھا۔ بعد میں رسول بخش کے علیوں اور بایرانیوں نے ان پر متواتر حملے شروع کر دئے اور ان کے تمام شہزادوں کو تباہ کر دیا اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے شروع درمیانی عرصہ میں خاران سے ایک شخص میر جہانگیر نوشیروانی جیونی آیا اور میر سہراب جو لڑائیوں میں مارا گیا تھا کی بیٹی سے شادی کر لی ترمند کے کچھ شہزادے ان کی نسل سے ہیں۔ ان شہزادوں کا درجہ (حکومت میں) جیونی کے کلا تیمنی اور کلوانی کے میروں کے برابر ہے یہ لوگ ایرانی سرحد کے اس طرف اور اس پار بھی باہو گور گبد اور جیونی میں غیر آباد زمین رکھتے تھے۔ شہزادگان مچھیلوں پر ٹیکس وصول کرتے ہیں اور ایک حصہ بھی سردار کو دیتے ہیں کیونکہ یہ آمدن کا کوئی خاص ذریعہ نہیں ہے اس وجہ سے ان کے کافی گھرانے کوچ کر گئے اور گوادر کے قریب منسلط کے علاقہ بیشوکان میں آباد ہوئے بہت سے لوگوں نے انڈو یورپین کے ڈاک و تار کے اداروں میں ملازمت اختیار کر لی۔ اور کچھ حفاظتی دستوں میں لیا گیا ان حفاظتی دستوں (لیویز یا میشیا) کا جمعدار میرا ولیاد ہے"[1]

ترمند جسے کند اور کاسی کا بھائی کہا گیا ہے یا یہ کہ کاسی کی ایک شاخ تھی جدروز یا (مکران) کے علاوہ آراکوزیا (کوہ پشین اور ارغنداب) کے علاقوں میں بھی دیکھے گئے ہیں۔ ایک روایت ہے کہ جس وقت چغتائی خان ان

---

[1] مکران گزیٹیئر صفحہ ۱۰۲ - تاریخ تالیف ۱۹۰۶ء بمبئی۔

علاقوں پر قابض ہوا تو اُس وقت وادی کورٹہ کے مشرقی علاقہ میں زمند آباد تھے اور پھر یہ زمینیں ییلین زئی قبیلے نے ان سے خرید لیں جس وقت میر نصیر خان نوری بلوچ ان علاقوں پر قابض ہوا تو ان زمینوں کے بارے میں اُن کو لیئین زئی نے وہ دستاویزات دکھائے جن میں کہ یہ زمینیں زمند سے لی گئی تھیں۔ میر نصیر خان نے ان دستاویزات کی تصدیق کر دی۔ غالباً چغتائی خان کے زمانہ میں زمند کوہ پشین سے چلے گئے تھے کیونکہ رائے بہادر لالہ ہیتو رام تاریخ بلوچستان کے (صفحہ ۵۰۷) میں لکھتا ہے کہ ایک زمانہ میں پشین ترمند کے تصرف میں تھا پھر ترین کا سردار علی بن ماموں ایک بڑے گھرانے سے تھا ان پر لشکرکشی کر کے ان کو پشین سے نکال دیا ایک اور روایت ہے کہ ترمند کی قوم ابتدا میں کندھار کے علاقہ ارغنداب کے قریب آباد تھی۔

۹۰۰ھ ہجری کے درمیان پشین کا علاقہ جس کو پلنگ بھی کہا جاتا ہے اس قوم کے قبضہ میں تھا۔ ترین قوم نے ان پر لشکرکشی کی۔ چنانچہ زمند اس سرزمین کو چھوڑ کر افغانستان چلے گئے اور وہاں آباد ہوئے اور ان کی ایک شاخ خوشکی (خویشکی) بخرزنا (ہرات) اور کابل کے راستے جا کر غوربند میں آباد ہو گئی جہاں اب بھی کچھ زمند اور خوشکی (خویشکی) اور بعض دیگر آباد ہیں۔ غوربند کے علاقہ میں بادام بکثرت پیدا ہوتا ہے اور یہ سرسبز و شاداب علاقہ ہے جس وقت بابر بادشاہ نے کابل پر قبضہ کر لیا اور کچھ عرصہ بعد ہندوستان پر حملے کا ارادہ کیا تو خویشکی اور بعض دیگر زمند نے بھی غوربند میں اپنا گزر اوقات مشکل دیکھا تو اپنے پیر کے اشارہ پر کابل سے پشاور کے راستے ہندوستان چلے گئے۔ اس وقت سلیم خان جنڈ (زمند) اس قوم کا سردار تھا۔ یہ لاہور کے مشرق تک آباد ہوئے جہاں پر آج قصور کا شہر ہے بابر بادشاہ اور سلطان ابراہیم (ابراہیم لودھی) کے درمیان جب پانی پت میں جنگ

ہوئی تھی اس جنگ میں بابر کی طرف سے اس قوم کے سات سو افراد مارے گئے
اس وجہ سے بابر اور ہمایوں اس قوم پر بڑے مہربان تھے اور پھر جب
خویشگی اور ژمند نے قصور میں قیام کر لیا تو سپرہ نام کے ایک بلوچ نے ان
کو تنگ کرنا شروع کر دیا ان پر لشکر کشی کرتا اور لوٹتا رہتا تھا ان وار
کی روک تھام کے لیے بیک زئی ۔ حسین زئی ۔ عارف زئی ۔ شاہین زئی
کرلانی اور سلیماک کے لوگ مغرب کی طرف جسے برکی کہتے ہیں ربابانی گاؤں
جاکر آباد ہوئے کیونکہ اسی راستہ پر سپرہ آکر حملہ آور ہوتا رہا اس طرح یہ محفوظ
ہوئے ۔ اسی طرح عزیز زئی ۔ جمند زئی ۔ اور ابراہیم زئی مشرق کی طرف جسے
رزین گاؤں کہتے ہیں ۔ جاکر آباد ہوئے اور دوسرے ژمند جن کو مطلق جمند کہا
جاتا ہے ۔ شمال کی طرف آباد ہوئے بعد میں ابراہیم زئی جمند زئی قوم سے دشمنی کی
بنا پر یہاں سے کوچ کر کے خورجا کے قصبہ میں آباد ہوئے اور اسی طرح زیادہ
سلیماک بھی مجو زئی اور حسین زئی کے تنازعات سے عاجز آکر مقبوضہ
چلے گئے کچھ قصور میں مقیم رہے اور کچھ بیک زئی بھی خاندانی چپقلش کی وجہ
سے (اس قصبے کا نام پڑھا نہ جا سکا) جا کر آباد ہوئے اس وقت اس قوم
کی زیادہ تعداد افغانستان میں نہیں ہے ۔ اس وجہ سے زیادہ تر لوگ
اس قوم کے نام تک کو نہیں جانتے ژمند یا جمند قوم کچھ گھر پشین اور کنڑ علاقہ
کے علاقہ میں مغلوبانہ باقی ہیں ۔ اور خویشگی شاخ کے کچھ گھر غزنی میں ہیں ۔
اور ایک گاؤں ضلع پشاور کے ہشت نگر علاقہ میں خویشگی کے نام سے موجود ہے
جو شجاعت خان مموری نے بسایا تھا کچھ گھر دریائے کابل کے شمال میں مومند
کے پہاڑی علاقہ میں اور کچھ درہ خیبر کے نشیب میں بھی ہیں (غالباً تا کال
کے ارباب خیل) قصور ضلع لاہور میں بھی خویشگی افغان آباد ہیں جن کو وہاں

کے لوگ قصوری یا پٹھان کہتے ہیں ۔ فقط محمد زئی یا حسین زئی کی قوم ژمند یا جمند
اب افغانستان میں ہے محمد زئی زیادہ آرام میں ہیں ۔ یہ قوم جمند (یعنی جمند
اور ژمند ایک ہے) نسل کی دوسری شاخوں کے اخراج سے پہلے قوم یوسف زئی
کے ساتھ ارغان (ارغنداب) کے علاقے سے نکالی گئی یہ یوسف زئیوں کے
ہمراہ کابل کی لڑائی جھگڑوں میں شریک تھے ۔ پھر جب وہ ننگرہار (مشرقی
افغانستان جلال آباد جس کا مرکز ہے) کو پہنچے تو ایک تنازعہ کی وجہ سے
آپس میں لڑ پڑے ۔ اگرچہ یوسف زئیوں کو کامیابی ہوئی لیکن وہ وہاں نہ رہ
سکے اور محمد زئی (جمند) کچھ عرصہ ننگرہار میں رہے جب ملک احمد نے ان
سے امداد طلب کی (کسی لڑائی میں) تو انہوں نے اس اقرار پر ان کا ساتھ
دیا کہ ہشت نگر کا علاقہ ان کو دیا جائے گا چنانچہ کامیابی (فتح) کے بعد
ہشت نگر کا علاقہ محمد زئیوں کو ملا ۔ جہاں تک ان کے قبضے میں ہے اور
ان کے بڑے قصبے چارسدہ ۔ تنگی ۔ نوشہرہ وغیرہ ہیں ۔ ان کا رسم و رواج
اور پوشاک یوسف زئیوں کی طرح ہے ۔ ان کی کل تعداد ساٹھ ہزار بتائی جاتی
ہے ۔(۱)

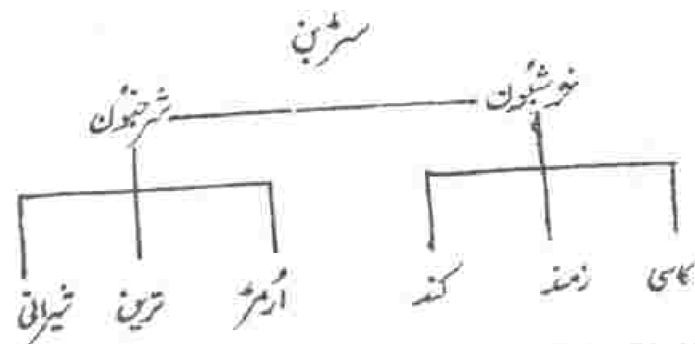
خرشبون کے تیسرے بیٹے کانسی یا کاسی کے بارے میں صولت افغانی
کا ایک دوسرا اقتباس اس طرح ہے ۔

کانسی قوم میں شنواری کی شاخ کے علاوہ جو ننگرہار کے علاقہ میں بستے
ہیں ۔ دیگر شاخوں کا صحیح حال معلوم نہیں ہے اور شنواریوں کے متعلق بھی
بالکل کم حالات معلوم ہوتے ہیں ۔ کافی چھان بین کے باوجود بھی میری اس قوم

---

(۱) اقتباس از صولت افغانی تالیف حاجی محمد زردار خان سنہ ۱۸۲۰ء

کے فرد سے ملاقات نہیں ہوئی مگر دوسرے نقشوں اور لوگوں سے جو معز
میں رہتے ہیں اُن سے زبانی معلوم ہوا ہے کہ کاسی قوم کسی خاص مقام پر ا
جگہ نہیں رہتے بلکہ تتر بتر ہیں، کہیں کہیں ایک گھر آباد ہے کہتے ہیں کہ
کے علاقہ دکن میں اِس قوم کے کچھ لوگ موجود ہیں۔ غرضیکہ افغانستان میں غز
کے علاوہ باقی قوم معلوم نہیں ہوتی خیبر کے علاقہ میں بھی ہیں۔ اس علاقہ
آفریدی اور سارگ زئی بھی رہتے ہیں۔ ان میں شنواری کچھ نیک چلن ہیں۔ لیکن
بھی لوٹ مار اور حرام خوری سے کم پرہیز کرتے ہیں۔ ان کی کل تعداد دس ہزار
بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن اِس کے ساتھ باجوڑ اور درہ سیکل کے پوشیدہ اقدم
میں بھی اتنے ہی افراد رہتے ہیں۔ وہ تجسو نویس جو تمام پشتون کو قیس عبدالرشید کی
اولاد ظاہر کرتے ہیں لکھتے ہیں۔ کہ قیس عبدالرشید کے تین بیٹے تھے یعنی بیٹ، غرغشت
اور سرڈبن چونکہ ہماری بحث سرڈبن کی اولاد سے ہے۔ اس لئے فی الحال بیٹ
اور غرغشت سے لاتعلق ہوتے ہوئے سرڈبن کی اولاد کا ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ شجرہ
نویسوں نے کاسی کو سرڈبن کے گھرانے سے یاد کیا ہے۔ اور مختصر شجرہ اس طرح
بیان کرتے ہیں۔



۱- صولت افغانی صفحہ ۳۷۶

فی الحال ہم نیچے آنے کی بجائے شروع سے تحقیق کرتے ہوئے دیکھتے
ہیں کہ شروع میں کاسی۔ زمند اور کند کی کیفیت کیا تھی اگر ہم مندرجہ بالا شجرہ
کو تسلیم کرتے ہیں۔ یعنی یہ کہ کاسی۔ زمند اور کند خرشبون کے گھرانے سے ہیں
تو اس کا مطلب یہ ہُوا کہ یہ ایک قوم ہے اور ۳۰۰۰ سال قدیم میں یہ قوم کاسی کے
نام سے یاد کی جاتی تھی لیکن شجرہ نویسوں نے چند دیگر قبیلوں کو بھی کاسیوں
سے منسوب کیا ہے۔ جو کہ تاریخی لحاظ سے بہت قدیم ہیں۔ مثلاً موسیلغ، کیتر
کوبیارہ، سام۔ سلمٹ، سیلالا، ہیرلن![1]
ان میں پہلے ہم موسیلغ کا ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ صولت افغانی نے اپنے نقشہ
میں موسیلغ کے نام سے بھی ایک قبیلہ کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اِس قبیلے کے بارے میں اور
کچھ معلومات فراہم نہیں کئے ہیں۔ اور نہ ہی کسی دوسری کتاب میں اس بارے
میں دیگر معلومات سامنے آئے ہیں۔ البتہ اتنا (معلوم ہے) کہ جس وقت کاسی
بلوچستان آئے تو اُن میں سام سلمٹ۔ کیتر اور موسیلغ قبیلے شامل تھے اس
لئے کہ تاحال کوئٹہ کی وادی میں ان کے نام زندہ اور اقامت پذیر ہیں۔ کوئٹہ کے
مغرب میں کوہ چلتن کے پیچھے مسیلغ کے نام سے اب بھی ایک پہاڑ موجود ہے۔
اور اسی نام سے اِس پہاڑ کے دامن میں حکومت نے ایک بڑی چراگاہ قائم کی ہے
سلمٹ کے نام سے کوئٹہ کے شمال میں تقریباً بارہ میل کے فاصلہ پر چمن کے راستے
بائیں جانب سملئی کے نام سے ایک گاؤں موجود ہے اور قریب ہی کیتر کے نام سے
ایک گاؤں موجود ہے اِن دیہات کے بسنے والے کاسی ہیں۔
علم اللسان کے اعتبار سے یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ موسیلغ۔ مسیلغ اور

(۱) صولتِ افغانی تالیف محمد زرداد خان ص ۳۷۹

متوشلخ ایک ہوں، اس لئے کہ اگر ہم موسیلخ کو موسیلغ کہیں یعنی غ کو خ میں تبدیل کریں تو یہ ایک عام صوتی مبادلہ ہے۔ اسی طرح اگر متوشلخ کے متو سے ت حذف کریں اور ش کو س میں بدل دیں تو اس سے موسلخ بن جائے گا۔ اور اسی طرح ہم یہ ثابت کرلیں گے کہ گھوڑے کو واقعی پہلی مرتبہ کاسیوں نے سدھایا (تربیت) تھا اور کاسیوں میں یہ کام یا تو موسیلخ کاسی نے کیا تھا یا موسیلخ کے قبیلے نے۔ واضح بات ہے کہ شروع شروع میں ایک فرد نے گھوڑے کو سدھانے کی طرف توجہ کی ہوگی اور پھر بعد میں دوسروں نے بھی کیونکہ قاعدہ بھی یہی ہے یا تو یہ کہ جس شخص نے گھوڑے کو سدھایا تھا۔ وہ قبیلے کے اعتبار سے موسیلخ تھا۔ پس ممکن ہے کہ وہ پہلا شخص جس نے گھوڑے کو سدھایا تھا وہ متوشلخ یا موسیلغ اور یا میسلخ تھا البتہ یہ بات کہ متوشلخ حضرت ادریس علیہ السلام کا فرزند تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ بہرحال یہاں ہم اس نتیجہ کو پہنچے کہ

(۱) گھوڑا سب سے پہلے متوشلخ یا موسیلغ اور یا میسلخ نے سدھایا تھا
(۲) موسیلغ یا میسلخ کاسیوں کا ایک قبیلہ تھا (دائرۃ المعارف)
(۳) گھوڑے کو سب سے پہلے کاسیوں نے سدھایا تھا (حولت افغانی)
(تاریخ ملل قدیم۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا اور دیگر)

موسیلغ کے بارے میں ہم دیگر معلومات نہیں رکھتے سملٹ متعلق عرض کیا جاچکا کہ سملی کے نام سے کاسیوں کا اب تک ایک گاؤں موجود ہے یہ نام دراصل سلمٹ معلوم نہیں ہوتا بلکہ سملٹ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ گاؤں کا نام سملی ہے۔

اس کے علاوہ بلوچوں میں ایک بڑا قبیلہ سالاڑی یا سالانی کے نام سے ہے جو جھالاوان کے علاقہ گِدر اور رنشکی کے علاقہ پنج پائی اور کانک میں قیام رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم سُمُل دادا کی اولاد ہیں۔

ان کی سب سے مضبوط شاخ سیدزئی ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ اصلاً افغان ہیں[1]

کتیر:۔ کتیر کے بارے میں اس سے پیشتر ذکر ہوچکا کہ ایک گاؤں کوئٹہ کے شمال میں سملی گاؤں کے قریب اب بھی موجود ہے۔ اور کیھتران نام کا ایک قبیلہ بلوچستان کے انتہائی مشرقی ضلع لورالائی میں کسے غز (کوہِ سلیمان) کے دامن میں اس وقت قیام پذیر ہے۔ اور ان کا سردار انور جان کیھتران ہے جو کہ بلوچستان اسمبلی کا ممبر ہے یہ کاسی پشتون ہیں۔ بلوچستان کے نقشہ پہ نظر ڈالیئے کیرتھر پہاڑوں کا ایک سلسلہ مشرق سے جنوب کی طرف گیا ہے ضلع قلات کے پریلون نام کی ایک جگہ سے مشرق کی سمت سندھ کے خیرآباد کو جو راستہ اس پہاڑ میں سے نکلا ہے، اُسے درۂ ارباب کہتے ہیں۔ کاسیوں کے سربراہوں کو ارباب کہا جاتا تھا اور اب بھی ارباب کہتے ہیں۔ میرا یہ خیال ہے کہ کیرتھر دراصل کتیر تھا جو بعد میں کتیر اور پھر کیرتھر بنا کیونکہ کاسیوں کی یہ عام عادت تھی کہ وہ قبیلے کے نام پر جگہ اور پہاڑ کو موسوم کرتے تھے اِن پہاڑوں کے سلسلوں میں ضلع قلات کے انتہائی جنوب میں ایک دوسرا درہ بھی بلوچستان کے نقشے میں اب تک کند کے نام سے موجود ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کاسی قوم میں کاسی بلوچستان آئے کیوں کہ وہ چھوٹی چھوٹی شاخوں پر مشتمل تھے۔ لہٰذا علیحدہ علیحدہ جگہوں پر قابض ہوئے زند پہلے کمران کی جانب چلا تھا۔ کند قلات اور جھالاوان کے علاقوں کو چلا گیا تھا اور دیگر جو ابتدائی نام سے یعنی کاسی کہلائے جاتے تھے۔ کوئٹہ کی وادی چلے آئے تھے جو کوئٹہ کے سد سے قدیم باشندے ہیں۔

سام:۔ کاسیوں کی اس شاخ کے متعلق اس قدر معلوم ہے کہ یہ مُسلم باغ

---

(۱) جھالاوان گزیٹیر صفحہ ۹۶ بمبئی ایجوکیشن سیکوریٹی پریس ۱۹۰۷ء

ویرانا نام ہند و باغ ، کی طرف گئے تھے اب ان کا صرف سام خیل کے نام سے ایک قبیلہ ایک پہاڑ اور ایک قبیلہ سامندین باقی ہیں۔ یاسین زئی قبیلہ سامندین کی شاخ ہے اور سامپیور کے نام سے سنونگ کے قریب پرانے زمانے کا ایک ٹیلہ موجود ہے۔

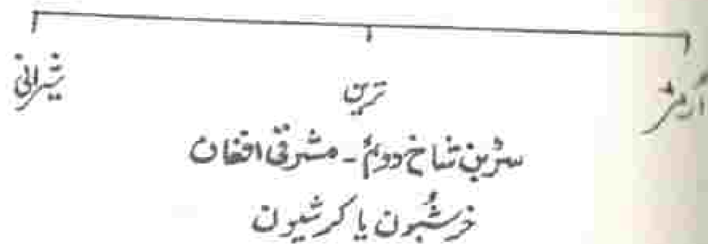
حولیت افغانی نے کاسیوں کے دیگر قبیلوں کے متعلق اور معلومات فراہم نہیں کئے ہیں مثلاً کو ہیار سیالا اور میروں کے بارے ہیں البتہ شنواری کے بارے میں کافی معلومات فراہم کئے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ کاسیوں کے بہت سے قبیلے جو غالباً مال دار تھے سنشد قوم کے لگ بھگ کشمیر تک پہنچے تھے اور اس خوبصورت ملک کو اپنے نام سے موسوم کیا تھا۔ یعنی کاس میر ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس پہاڑ کے لئے "میر" کا لفظ بھی تھا اور اسی مناسبت سے اس خوبصورت سرزمین پر کاس میر یعنی کاسیوں کے پہاڑ یا پہاڑوں کا نام رکھا۔ کشمیر پر قابض ہونے کے بعد کاسیوں کے کچھ قبیلے سنکیانگ کی طرف کوچ کر گئے اور کاشغر کے علاقہ پر بھی قبضہ کر لیا اور اپنے نام یعنی کاسیوں کے پہاڑ (کاس غر) سے موسوم کیا کیونکہ آب و ہوا اور صوتی تغیر و تبدل کی وجہ سے ان علاقوں میں س ، ش میں بدل جاتا تھا اس لئے "کاس میر"، "کاش میر" اور پھر کشمیر بنا اور "کاس غر" کاشغر میں تبدیل ہوا۔ آپ نے دیکھ لیا کہ کاسیوں نے اس سے پیشتر بھی جہاں پر وہ قیام رکھتے تھے ان کو اپنے نام سے منسوب کرتے تھے جیسا کہ سائبیریا میں "کاسک" کیسپین میں کاسک عراق میں کوہ قاسیان اور بلوچستان میں کسے غر (کوہ سلیمان)

اب ہم ایک مرتبہ پھر خرشبون اور شرجیون کے ناموں کا سیاق و سباق کے اعتبار سے لسانی تجزیہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان ناموں کا اصل کیا ہے سر اولف کیرو نے اپنی تالیف "دی پٹھان" میں ان کے تجزیے کا نقشہ یوں

بیان کیا ہے۔

سڑبن اوّل ۔ مغربی افغان

شرکبون (یا شکربون یا سرجیون)



سڑبن شاخ دوم ۔ مشرقی افغان

خرشبون یا کرشیون



ان نقشوں میں ان قبیلوں سے نکلی ہوئی دیگر شاخوں کے نام جو کیرو صاحب نے دیئے ہیں۔ کو میں قصداً نظر انداز کر رہا ہوں اس لئے کہ ہمیں یہاں پر اُن کی ضرورت نہیں کیرو صاحب ان نقشوں کے تحت اپنی رائے کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

"سڑبن کے دونوں بیٹوں کے ناموں خاص طور پر شرجیون اور کرشیون کی شکل تک ان کے غیر اسلامی انداز کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اس لئے ان ناموں کا اسلامی شکل اختیار کر لینا تعجب خیز نہیں ہے"

یہاں پر یہ یاد رکھیں کہ کیرو صاحب بھی ان ناموں کی ساخت پر مشکوک ہیں اس لئے شرجیون کے ساتھ شکربون اور شرجیون اور خرشبون کے ساتھ کرشیون بھی لکھا ہے۔ اس لئے اگر میں یہ کہوں کہ شرجیون ۔ سرجہان ۔ سرگون ۔ سارگن اور سارگون ایک ہی ہے تو اس پر کیا اعتراض کیا جا سکتا ہے؟ کیونکہ فلپ کے حتی نے بھی سارگن کو سرجہان لکھا ہے[1]

1۔ تاریخ شام تالیف فلپ کے حتی اردو ترجمہ غلام رسول مہر ص ۶۲

آپ نے شروع میں پڑھا کہ شرغون یا سرجون یا سرگون شرغنی کے نام سے [...]
ہوا ہے۔ اور شرغنی بھی آسانی کے ساتھ پشتو میں شرغلی میں تبدیل ہو سکتا ہے
کیونکہ "ن" اور "ل" کا مبادلہ آریائی خصوصاً پشتو اور فارسی میں عام ہے مثلاً
کہ

لیدل = دیدَن

رسیدل = رسیدَن

کندل = کندَن

اور اسی طرح بے شمار

شرغنی یا شرغلی یا شرغون یا سرجون کے قدیم آثار اب بھی بلوچستان میں پائے جاتے
ہیں۔ مثلاً شرغلی کے نام سے ایک قصبہ پشین کے علاقہ برشور میں ہے۔ اس وقت یہاں
کے باشندے احمد خیل کاکڑ ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ شرغلی گاؤں بہت پرانا ہے۔ یہاں کا پرانا [...]
[...]ہے۔ یہاں یہ بھی وضاحت کر دیں کہ شرغو و شرغلو دو مشہور بہت قدیم قبیلے ہیں۔ اور [...]
(قیس) پشتونوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ شرغلی کے نام سے دکی (ضلع لورالائی) سے دس
میل جنوب مشرق میں قدیم زمانے کا ایک ٹیلہ بھی ہے۔ اس ٹیلے کو آثار قدیمہ کے ایک ماہر
ڈاکٹر او۔ ٹی۔ ڈیوک (DR. O. T. DUKE) نے ۱۸۸۳ء میں دیکھا تھا وہ کہتا ہے
کہ "شرغلی کا ٹیلہ دکی سے دس میل جنوب مشرق میں اور تھل سے قریباً تین میل شمال
مغرب میں کھنڈرات کی صورت میں پڑا ہے اس کے گرد و نواح کے لوگ اسے
ڈبرکوٹ بھی کہتے ہیں یہ ٹیلہ یہاں کی مٹی سے بنا ہے۔ اس کے آس پاس دو میل تک
کسی قسم کی کھیتی باڑی نہیں چلی گرد و نواح کی زمین سے اسی فٹ بلند ہے یہ ٹیلہ
شمالاً غرباً اور جنوباً شرقاً قریباً پانچ سو گز پر پھیلا ہوا ہے جب کہ جنوب اور شمال

(۱) لورالائی گزیٹیئر صفحہ ۸۴

[...]ی کی جانب زیادہ جھکا ہوا ہے۔ شمالاً غرباً (کنارہ) سب سے بلند ہے بالائی
[...] شمالاً شرقاً قریباً [...] گز اور جنوباً شرقاً قریباً [...] گز اور جنوباً شرقاً اندازاً
[...] گز ہموار ہے اس ٹیلے کی بلند چوٹی کے نیچے شمالاً شرقاً جنوباً شرقاً اور جنوبی حصے
[...] مساوی بلندی پر ہیں۔ ان کے درمیان بارشوں کی وجہ سے مشرق اور جنوب مشرق
[...] راستے بنے ہیں۔ اور ساٹھ فٹ کی بلندی پر بہت دلکش معلوم ہوتے ہیں مجھے
[...] بلندی کے اوپر ایک خوبصورت برتن ملا۔ اسی طرح ایک دوسری سطح پر جو
[...] بلند چوٹی سے کافی نیچے تھا اور شمال مغرب کی طرف جھکا ہوا تھا کچھ اور ٹکڑے
[...] ملے ان پر سرخ اور کالی دھاریاں تھیں اسی طرح سبز اور نیلے رنگ کے شیشہ
[...] برتن بھی دریافت ہوئے البتہ نچلے حصہ میں کوئی خاص چیز نظر نہیں آئی میرا اندازہ
[...]ہے کہ کچھ ظروف نئے دور کے آغاز سے تعلق رکھتے ہیں۔ البتہ یہ پہاڑی قبل از
[...] تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ اس پہاڑی کے بالائی حصہ پر شیشہ کے کچھ ٹکڑے بھی ملے
[...] جیسا کہ بالائی حصہ پر کوئی تعمیر ہوئی تھی
ڈیوس نے کچھ عرصہ پیشتر مسلمانوں کے دو سو سکے یہاں دریافت کئے
تھے لیکن میں نے ان کو نہیں دیکھا مجھے ان کے بارے میں جو معلومات فراہم کی گئی
[...]ہو سکتا ہے کہ وہ سکے غزنوی یا پشتونوں کے دور کے ہوں یہ بڑے کار آمد سکے تھے
اگر یہ سکے مل جاتے تو اس سے تاریخ کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا[۱]
اسی طرح فورٹ سنڈیمن (قدیم اپوزئی) کے سات میل مغرب میں ملاوار
(MALAWAR) کے قریب شرغلہ یا شرعلی کے نام سے کافی قدیم زمانہ کے تباہ
شدہ کھنڈرات اب بھی اپنے قدیم معماروں کے قیام کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ اس

(۱) لورالائی گزیٹیئر صفحہ ۸۴۔ (۲) ژوب گزیٹیئر صفحہ ۴۹

جگہ کوداں (KODAN) بھی کہتے ہیں۔ یہاں یہ بات واضح ہوئی کہ شرجیون یا شرخیون یا شکر لُبن یا شرعزن یا شرغلی یا سارگن یا سرگن لسانی تغیر و تبدل سے دراصل ایک ہی ہیں البتہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر سارگن (مسرجبن) شروغیل ہے تو بھر کاسی کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے۔ کیونکہ سارگن کے متعلق آثارِ قدیمہ کے قدیم کتبوں سے جو معلومات حاصل ہوئے ہیں۔ وہ اس طرح ہیں۔

"۲۳۵۰ ق م میں سامی شہزادہ قبائل کیش اور آکاد سارگن (شاروکن) کی سربراہی میں لوگال زاگی زی کے خلاف کھڑے ہوئے اور اُن کو پچیس سالہ حکومت سے دستبردار کر دیا اور زیریں بین النہرین پر قبضہ کر لیا اُس کے بعد کیش شہر کو چھوڑ دیا اور آکاد کے شہر کو دار الخلافہ قرار دیا۔ (یہ شہر کیش کے قریب فرات دریا کے کنارے واقع تھا۔ جس کے آثار اب ناپید ہیں۔ اس تاریخ کے بعد سومر کا شمالی حصہ آکاد کے نام سے موسوم ہوا سارگن نے پہلا کام یہ کیا کہ اوروک کے شہر پر قبضہ کر لیا جو بین النہرین کا مقدس شہر اور لوگال زاگی زی کا دار السلطنت تھا بعد میں اُور اور لاگاش کے شہروں پر قابض ہوا اور خلیج فارس تک جا پہنچا اوما کے شہر پر قبضہ کرنے کے بعد سارگن نے بادشاہت کا اعلان کر کے کیش شہر کی تعمیر میں مصروف ہوا جو کہ لوگال زاگی زی کے وقت میں کافی تباہ ہوا تھا اس کے بعد سارگن نے ایلام (موجودہ ایران) کی سرزمین پر چڑھائی کر کے اسے آکاد کی تصرف میں لے آیا۔ سارگن تین مرتبہ خلیج کے راستے دیلمون (بحرین) کی سرحد تک آگے بڑھا۔ اس کے بعد مغربی ملکوں کو فتح کرنے کے لئے پیش قدمی کر کے سامی آمورو کے شہروں پر قابض ہوا ان کا جو مجسمہ دریافت ہوا ہے۔ اس کے نیچے ایسی عبارت تحریر ہے کہ

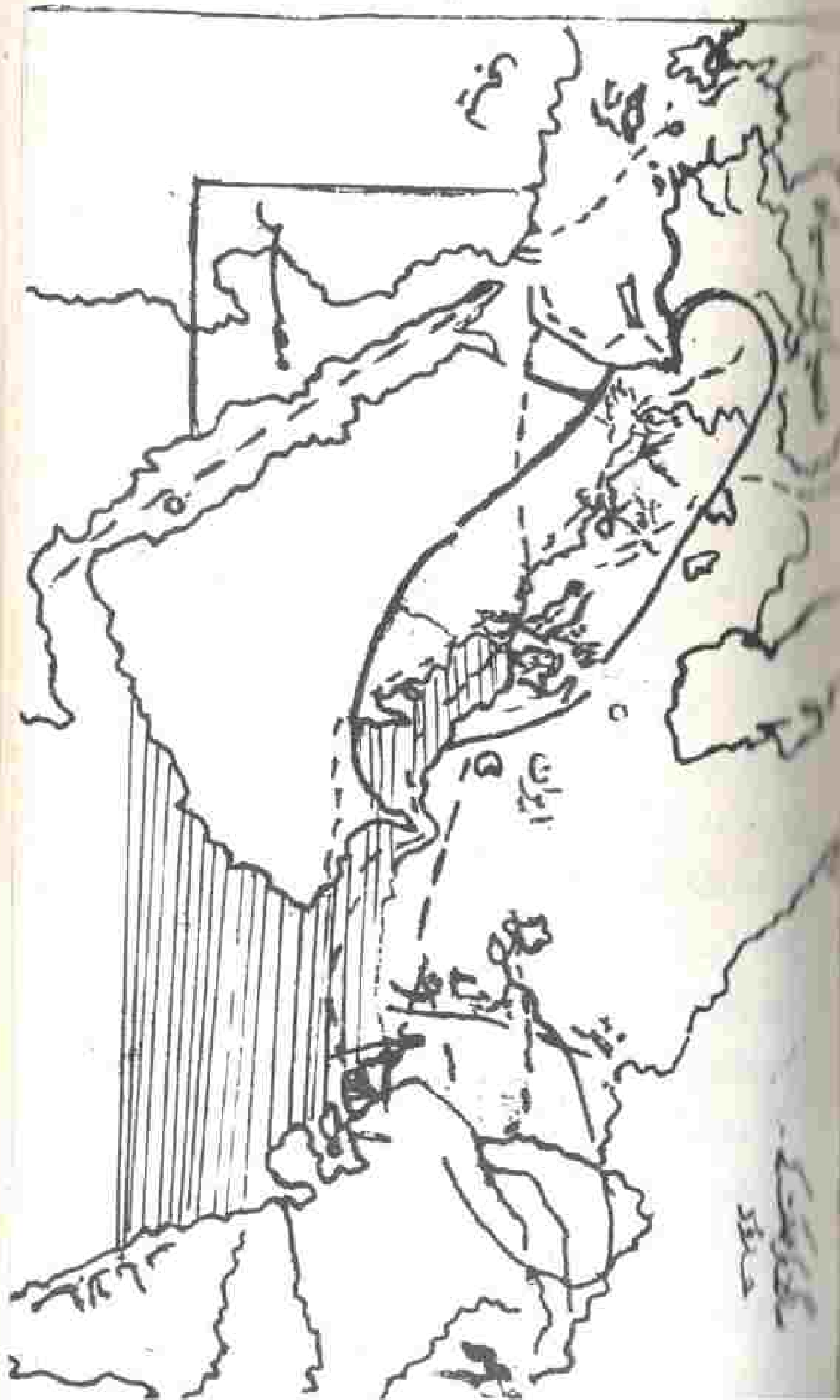
مصر کا علاقہ اور سونے کے پہاڑ یعنی لبنان اور توروس کا مالک بھی وہی تھا (توروس میں سیسے کے معدنیات جن سے چاندی نکالی جاتی تھی۔ بھی اس کے قبضے

میں تھے) اسی طرح کہا جاتا ہے کہ قبرص کے حدود تک کا علاقہ اس کے تصرف میں تھا۔

لیکن اس کی کوئی سند نہیں اُس نظم سے جس کا عنوان "سلطان جنگ" ہے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے ایشیائے کوچک میں بتیوں کے ساتھ بھی جنگیں لڑی ہیں۔

سارگن نے اپنی سلطنت مختلف حصوں میں تقسیم کی تھی اور ہر حصہ کی مسافت اس گھنٹہ تھی اور ہر حصے (صوبے) کا حکمران "دربار کا بیٹا" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور اس کو ہدایات مرکز کی طرف سے ملا کرتی تھیں سارگن کے آخری زمانہ میں بغاوتیں شروع ہوئیں ان بغاوتوں میں سومر کے ایک حصے کا کا نانے زیادہ حصہ لیا اور لیباس کے قحط کی وجہ سے دیگر علاقوں میں بھی بدامنی پھیل گئی۔ ان حالات میں بھی جبکہ سارگن آکاد میں محصور تھا۔ اپنے دشمنوں کو شکست دے کر ان کو سو بار قور (آشور) تک بھگا دیا۔

سارگن کی سلطنت کا صرف ایک وہ لوح (کتبہ) ملا ہے۔ جو شوش میں دریافت ہوا ہے اور جس کا دیا وہ حصہ ان کی فتوحات پر مشتمل ہے۔ سارگن اور اس کے جانشین خدائی دعوٰی کرتے تھے اور تمام لوگ اُن کو تسلیم کرتے تھے سارگن کا دار الخلافہ آکاد جو ایک تجارتی شہر اور اقتصاد کا اہم مرکز تھا اور سارگن کے اقتدار کی وجہ سے دن بدن ترقی کر رہا تھا اور تجارت کے تمام بڑے راستوں کا رخ اسی سمت تھا۔ جیسا کہ سوبارتو اور آمورو (شمالی بین النہرین) کا راستہ اس طرح شوش کا شہر جو ہند کے تجارتی راستے پر واقع تھا۔ ان کے تصرف میں تھا ان کی سلطنت کے حدود شام اور قبرص تک پھیلے ہوئے تھے



سارگن کے جانشین۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا اکاد کی بادشاہت سارگن کے آخری ایام میں ہر طرف سے خلفشار سے دوچار ہوگئی۔ اُن کا بیٹا اور جانشین ریموش جیسے ہی تخت نشین ہوا مخالفین کی سرکوبی کی ٹھان لی یعنی ایلام اور سومر کے خلاف جنگیں شروع کرکے اُن کو شکست دی ان جنگوں میں "اور" اور "اوما" کے لوگوں کو کافی نقصان پہنچا۔ ان جنگوں میں جس قدر مالِ غنیمت ان کے ہاتھ لگا اس کا زیادہ حصہ سیپار اور نیپور کے عبادت خانوں کو بھیج دیا اور ریموش کے حکم سے نیپور کے معبد میں بادشاہ کے مجسمے کے نیچے دو زبانوں سومری اور اکادی میں کتبہ لکھا گیا۔ ریموش کے بعد اُن کا بھائی مانیشتو زو اور اُن کے بعد بعض کہتے ہیں کہ اُن کا دوسرا بھائی نارام سین جنہوں نے زیادہ فتوحات کی تھیں اور اپنے آپ کو چار اقلیمو (سومر، آکاد، سوبارتو اور آمورو) کا بادشاہ کہلاتا تھا تخت نشین ہوا۔ اُن کی وفات کے بعد جب شارکالی شاری دوم شرغلی یا شرعلی نے سلطنت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تو ایلام۔ آمورو۔ اور گوتیوم کے لوگوں کے ساتھ کافی جنگیں لڑیں جبکہ ان کی موت کے بعد بغاوتیں اور بڑھ گئیں اور بالآخر ۲۲۳۰ ق م کے لگ بھگ سارگن یا سرجون کے گھرانے سے اقتدار کی باگ ڈور نکل گئی سارگن کی سلطنت بحر اسود سے مالابار کے ساحل تک اور پنجاب سے مصر کے کنارے تک پھیلی تھی ان میں باختر، بلوچستان اور سندھ کے علاقے بھی شامل تھے[1]

---

(۱) اقتباس اور نقشہ از "تاریخ ملل قدیم آسیائی غربی" تالیف ڈاکٹر بہمنش چھاپ طہران

ڈاکٹر بہنش کا عقیدہ یہ ہے۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے کہ سارگن سامی نژاد قبائل کا سرپرلہ تھا جبکہ ارض القرآن کے مولف علامہ سید سلیمان ندوی کی معلومات اس سے مختلف ہیں۔ علامہ کہتا ہے۔

"قدیم بابل (اہل فارس سے پہلے) کے جو کتبات و آثار ملے ہیں۔ زبان کی حیثیت سے یہ دو قسم کے ہیں، سامی اور غیر سامی۔ ان سے بابل کے قدیم باشندوں کی قومیت کا راز فاش ہوتا ہے۔ ان میں سے اکثر کتبات پر سلاطین کی تاریخیں ہیں۔ اور جن پر تاریخ مرقوم نہیں ہے۔ ان کے زمانے کی تعین قرائن سے کی گئی ہے۔ غیر سامی کتبات و آثار عموماً قدیم ترین ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر سامی آبادی سامیوں سے پہلے یہاں آباد تھی ان کی زبان سومری اور اکادی ہے۔ جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ وہ غیر سامی آبادی اکادی اور سومری تھی جو تمام تر نام و زبان کے لحاظ سے غالباً تورانی النسل ظاہر ہوتی ہے۔"

"ارض بابل کے اس عہد کے تمام کتبات کو بہ ترتیب رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ شکستہ قلم کی ابتداء میں قدیم سومری الفاظ کی بجائے ان میں سامی الفاظ کی آمیزش شروع ہوتی ہے اور یہ آمیزش اور اختلاط رفتہ رفتہ بڑھتا جاتا ہے تا آنکہ الفاظ خط اور خیالات بالکل سامی ہو جاتے ہیں۔ اور ایک مدت تک کتبات و آثار بالکل سامی رہتے ہیں۔ پھر ایک زمانہ کے بعد سومری کتبات کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے جس کا خاتمہ ایک اور تورانی النسل زبان عیلام (ایلام) پر ہوتا ہے۔ جس کا وطن خلیج فارس کا فارسی ساحل تھا پھر ایک زمانہ کے بعد سنہ ۲[illegible] ق م میں زبان بالکل سامی ہو جاتی ہے اور بعد ازاں ایک مرکب و مستحد زبان کی صورت نظر آتی ہے۔"!

ان دو مختلف اقتباسات اور نظریات سے ہم اس نتیجہ کو پہنچتے ہیں۔

اکادی ان سے سارگن یا شرغون منسوب ہوا ہے، یہ بات واضح نہیں ہے کہ وہ اصلاً ... تھے البتہ ڈاکٹر بہنش کے مقابلہ میں علامہ ندوی کا بیان زیادہ اہمیت کا حامل ہے کیونکہ وہ اس زمانے کے کتبات کا حوالہ دیتا ہے۔ اور زبان کی بنیاد پر کہتا ہے کہ اکادی سامی نہیں تھے۔ بلکہ یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ غالباً تورانی النسل تھے۔

اوپر کے اقتباسات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ سارگن یا سرجون یا جیسا کہ ... لکھتا ہے (سرجیون) ایک غیر سامی بادشاہ تھا جو بعد میں پشتو لہجہ میں شرخبون یا شرخبون میں تبدیل ہوا۔ کیونکہ نام کی ساخت ایسی ہے کہ لہجے اور زبان کی تبدیلی شرخبون بھی کہا جائے اور خرشبون بھی۔ اس لئے اس وجہ سے یہ گمان ہوتا ہے دراصل ایک نام ہے۔ جسے کچھ پشتون سرخبون کہتے تھے اور کچھ خرشبون اس وجہ سے مورخین اور شجرہ نویس نے بھی ایک شخص کو دو حصوں میں تقسیم کرکے ان سے علیحدہ علیحدہ دو نسلیں بنائیں جس حد تک سڑبن کی وجہ تسمیہ ہے، تو یہ کوئی شخص معلوم نہیں ہوتا بلکہ ساربان کی مسخ شدہ شکل ہے۔ کیونکہ قدیم پشتون تین اقسام کی زندگی گذارتے تھے۔ ایک وہ تھے جو بلند پہاڑوں پر قیام کرتے تھے، اور غرشتو کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ جو بعد میں غرشت یا غرغشت میں تبدیل ہوئے کچھ وہ تھے جو ہموار زمینوں (میدانوں) میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اور بیٹنوں کے نام سے مشہور رہے۔ اور ایک حصہ وہ تھا جو کوچی یا پوندہ کی زندگی گذارتے تھے، جسے ساربان کہتے ہیں۔ اور جن کی مسخ شدہ شکل سڑبن ہے۔ بہرحال جب یہ لوگ بابل سے خلیج فارس ایران اور بلوچستان کے راستے آراکوزیا یا کوہ سلیمان (پشتو میں کسے غر) کو آئے تو انہوں نے کوچی زندگی اختیار کی تھی۔ اور پارسی زبان میں انہیں ساربان کہا جاتا تھا۔ اب سب سے اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ شرخبون یا شرکبون یا شرجیون یا سرجون

کاسی سے کیا تعلق رکھتا ہے کیونکہ اگر سارگن یا شاروکن یا شرغلی شرخبون ہو تو یہ شخص تو بابل میں کاسیوں کے اقتدار سے قریباً چھ سو سال پیشتر گذرا ہے اور پھر کاسیوں کا نہیں بلکہ اکادیوں کا سربراہ تھا۔ اس تاریخی سوال کا صرف یہ تجزیہ کیا جا سکتا ہے کہ

اولاً:۔ یہ شخص غیر سامی تھا۔

دوئم:۔ اس گھرانے کے زوال کے ساتھ یہ بھی مغلوب اور منتشر ہو گئے

سوئم:۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ کاسیوں کے دور میں یہ زبان کی قرابت کے احساس پر کاسیوں سے گھل مل گئے۔

چہارم:۔ یہ کہ جس وقت کاسی بابل سے نکل رہے تھے تو یہ کاسی میں اس طرح ضم ہو گئے تھے کہ ان کے درمیان فرق نہیں کیا جا سکتا تھا۔

پنجم:۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی زبان بولتے تھے البتہ جیسے کہ موجودہ باوندہ قبیلوں میں منقسم تھے، اور مختلف ناموں سے جیسے کہ کاسی۔ کند۔ زمند اور (اور مڑ۔ لمڑ۔ دومڑ) کہلائے جاتے تھے جن کا کہ بعد میں ذکر آئے گا۔ مختلف حالات میں لہجوں میں فرق پڑا

ششم:۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے زمانہ میں یہ تمام شرخبون یا شرجیون یا سرجون کو منسوب ہو گئے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ لوگ جیسے کہ علامہ ندوی مرحوم کہتا ہے کہ غیر سامی غالباً تورانی النسل تھے، اصلاً ہندو یورپین تھے کیونکہ خد و خال اور زبان کے اعتبار سے نہ تو یہ تورانیوں سے ملتے ہیں اور نہ سامیوں سے بلکہ کاسیوں کے خد و خال نو کردوں سے زیادہ قریب ہیں۔ اور یہ بات بھی تاریخی اعتبار سے ثابت ہوئی ہے۔ کہ کرد اور کاسی ۲۵۰۰ ق م میں زاگروس

(کردستان) کے پہاڑوں میں اکٹھے رہتے تھے، غالباً ایک ہی زمانہ میں بلوچستان آئے ہیں۔

زمند اور کاسی جو بھائی کہلائے جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں پہلے لکھا جا چکا البتہ کند کے بارے میں گمان کرتے ہیں کہ یہ قبیلہ قندھار کی طرف گیا ہے کیونکہ ترخے خیل اور غوریہ خیل قبیلے عام شجروں کے مطابق کند کے گھرانے سے ہیں۔ اور یہ قبیلے قندھار کے آس پاس رہتے تھے اس ضمن میں سر اولف کیرو کا یہ بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

"قبائلی روایت کے مطابق ترخے خیل اور غوریہ خیل دونوں لمڑ کے آس پاس رہنے والے ہیں۔ یہ دونوں قبیلے دریائے غزنی سے سیراب ہونے والے طاس کے اس حصے میں جو آب ایستادہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اور کندھار کے شمال مشرق میں بالائی وادی ارغنداب (ترنک) میں رہتے تھے، (اب یہ سب غلجیوں کا علاقہ ہے) چودھویں صدی کی ابتداء میں (وقت کا تعین بھی محض قیاس ہے لیکی الفنسٹن نے اس کا حوالہ دیا ہے) ترخے اور غوریہ قبیلوں میں یا اخون درویزہ (مخزن افغانی کا مؤلف) کے بیان کے مطابق تکو اور ترین میں جو درانیوں کے اجداد اور اب قرابت دار ہیں کوئی جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ترخوں کو گھر بار چھوڑنا پڑا۔ اور وہ شمال میں کابل کی طرف چل پڑے (اس موقع پر کسی بیان میں یہ نہیں کہا گیا کہ یہ قبائل اپنے اصل ٹھکانے پر واپس آ رہے تھے، یا ابتداء میں پشاور کی طرف سے آئے تھے) اس کے بعد تقریباً ایک صدی کا خلا ہے اور یہ خلاء غیر معمولی نہیں ہے پھر ہمیں ترخوں کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کابل کے آس پاس آباد ہو گئے۔ اور انہوں نے تیموری خاندان کے مرزا الغ بیگ بن ابو سعید کی حمایت شروع کر دی" [1]

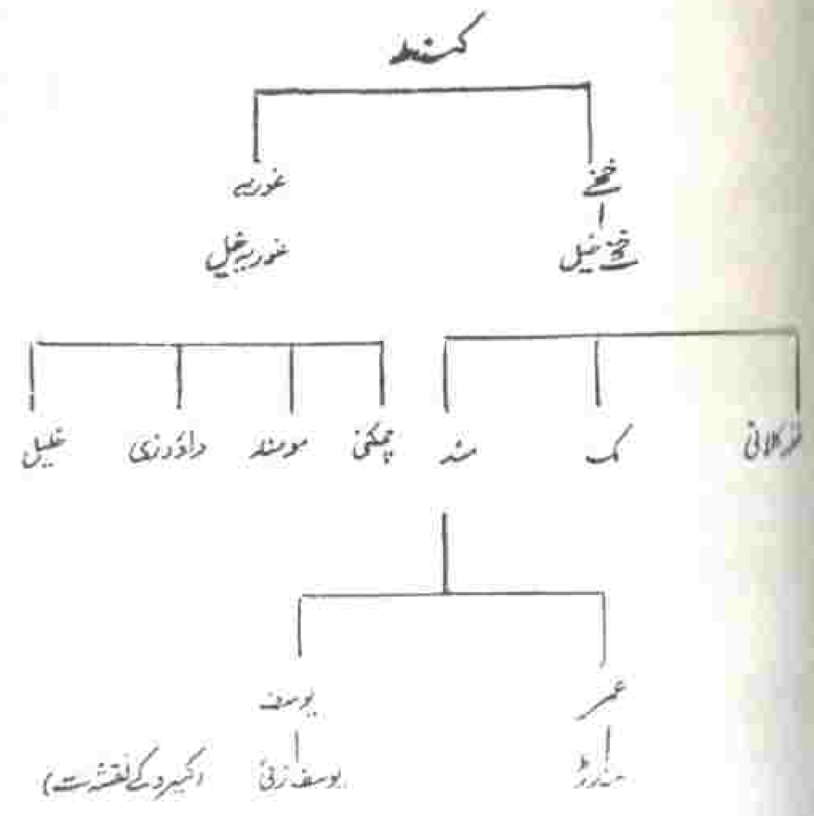
---

[1] پٹھان صفحہ ۲۴۳۔

اس بیان سے اچھی طرح واضح ہوا کہ کند کندھار کی طرف گئے تھے۔ البتہ یہ
معلوم نہیں کہ کب گئے تھے، صولت افغانی کے مؤلف محمد زردار خان نے ہندوؤں کی
مشہور کتاب "مہابھارت" کی یہ روایت نقل کی ہے کہ

"دریودھن کیرو کی ماں جن کا نام مسماۃ گندھاری تھا راجہ گندھار یعنی
(قندھار) کی بیٹی تھی"۔ زردار کہتا ہے کہ اس سے غالباً مراد افغانستان کا علاقہ
ہے کیونکہ اس علاقہ میں ہندو آباد تھے، اور اس بات کی سند یہ ہے کہ افغانستان
کے شمال کے درہ بامیان میں ان کے دو بہت بڑے بت موجود ہیں"۔ زردار خان
کا خیال ہے کہ گندھارا دراصل کندھار کا قدیم نام ہے۔ زیادہ تر محققین کہتے ہیں
کہ گندھارا پشاور کا علاقہ ہے، میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا اس لئے کہ
البیرونی نے کندھار کو بھی گندھار کہا ہے۔ لیکن زیادہ تر مؤرخین اس بات پر زور
ڈالتے ہیں کہ گندھارا پشاور کا علاقہ ہے۔ اور کندھار گندھارا کے بعد آباد ہوا ہے
اگر کہیں یہ درست ہے تو پھر یہ ممکن ہے کہ مہابھارت کا راجہ گندھار پشاور کے علاقہ
کا ہو کیونکہ ہندو تہذیب و مدنیت کے زیادہ آثار پشاور کے آس پاس دریافت
ہوئے ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا (آریانا کے مشرقی علاقہ (گندھارا)
پر ہندی تہذیب و مدنیت کے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اور جنوب مغربی حصہ
یعنی آراکوزیا پر زرتشتی مذہب کے اثرات پڑے ہیں۔ اور ان دونوں تہذیبوں
کے آثار اب بھی دونوں طرف نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ جیسے کہ دن اور مہینوں کے
نام اسی طرح زبان میں ہندی اور فارسی کی آمیزش اس بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ یا تو
پشاور سے کندھار تک یہ تمام علاقہ گندھارا تھا۔ اور اگر ایسا نہیں تھا بلکہ
گندھارا اور کندھار علیحدہ علیحدہ نام ہیں۔ تو پھر اس کے سوا اور کیا چارہ ہے
کہ ہم کندھار کو "کند" سے منسوب کریں اور یہ کہیں کہ کندھار کا پہلا نام "کند" تھا

اور لوگ کنداری کہلاتے تھے جو بعد میں کندھاری بن گیا اور کندھاری سے کندھار
یہاں یہ بھی وضاحت کر دیں کہ "کند" کے نام سے مسلم باغ (ہندو باغ) ضلع ژوب
کے علاقے میں مرغہ فقیر زئی کی طرف اب بھی ایک جگہ موجود ہے۔ (بلوچستان کے نقشے
پر نگاہ ڈال لیجئے) چونکہ "کند" کا نام بہت قدیم ہے، یعنی یہ قبیلہ [illegible] ق م کے
لگ بھگ بلوچستان میں نظر آتا ہے اور پھر اس قبیلے سے شجروں کے مطابق دیگر قبیلے
تین ہزار سال کے دوران نکلے ہیں۔ اس وجہ سے لازم ہے کہ کند سے پیدا شدہ
قبیلوں کی چھان بین کریں۔ اگر یہ قبیلے اس منطقہ میں دیکھے جاتے ہیں تو حقیقت
خود بخود واضح ہو جائے گی۔ شجرہ نویسوں نے "کند" کا شجرہ اس طرح بنایا ہے۔



(اکبر دی کے نقشے سے)

مندرجہ بالا تمام قبیلے جن سے بعد میں چھوٹی چھوٹی شاخیں وجود میں آئی ہیں کند کے گھرانے میں شامل ہیں اور کند جیساکہ اس سے بیشتر عرض کیا جا چکا ہے۔ خرشبون کی شاخ ہے۔ (قبیلے سے فرد مُراد نہیں لینا چاہیئے)

تواریخ حافظ رحمت خانی جو حال ہی میں پیر معظم شاہ نے مرتب کی ہے۔ اور پشتو اکیڈیمی پشاور نے چھاپی ہے "مقام اوّل" کے عنوان سے صفحہ نمبر ۵ کی عبارت ایسی ہے۔

"گویند کہ یوسف زئی۔ گگارہ نشکی اور غوریہ خیل زرنگ سقر اور قرہ باغ میں مقیم تھے کسی بناء پر لڑ پڑے (رخنے) کو شکست دے کر ان کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ تمام خنے۔ یوسف زئی۔ گگیانی۔ ترکلانی۔ اور محمد زئی بھی قبائل کے ساتھ کوچ کر کے کابل آکر سکونت پذیر ہو گئے"

اوپر کی عبارت سے یہ ثابت ہوا کہ کند کی اولاد یا شاخیں بلوچستان سے کہاں کو گئی ہیں۔ کیونکہ نشکی یا نوشکی کوئٹہ کے مغرب میں بلوچستان کے ضلع چاغی کا مرکز ہے۔ جو کہ کوئٹہ سے ساٹھ میل اور مستونگ سے سڑک کے راستے تقریباً پچاس میل دوری پر واقع ہے۔ مستونگ میں اب بھی یوسف زئی مقیم ہیں۔ اگرچہ ان کی زبان مستونگی ہے (فارسی نما بلوچی) لیکن یہ پشتو بھی جانتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو افغان کہتے ہیں جیسے کہ مردان یا سوات کے یوسف زئی۔ کیونکہ نوشکی کا علاقہ ہلمند کے جنوب میں واقع ہے یعنی نوشکی کے شمال میں افغانستان کے وہ علاقے ہیں جو شوراوک گرمسیل۔ فراہ اور چخانسور کہلاتے ہیں۔ اور دریائے ہلمند سے سیراب ہوتے ہیں۔

ؔ گگارہ۔ نوشکی۔ زرنگ۔ سقر۔ قرہ باغ آرا کوزیا میں واقع ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ خنے اور غوریہ خیل نوشکی کے راستے ان علاقوں کو گئے ہوں۔ ہلمند کے جغرافیائی اور تاریخی موقعیت کا ذکر ہم بعد میں کریں گے پہلے شرخبون یا شرجیون اور اُن کی شاخوں کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔ جنہیں شجرہ نویسوں نے اُرمڑ ترین اور شیرانی کے نام سے یاد کیا ہے۔ اگرچہ سر اولف کیرو اپنی کتاب "دی پٹھان" میں کہتا ہے کہ اُرمڑ پشتون نہیں ہیں۔ لیکن اُرمڑ اپنے آپ کو پشتون کہتے ہیں۔ اور میرا بھی یقین ہے کہ پشتون ہیں اور شرخبون یا شرجیون قبائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ صرف اُرمڑ ہی نہیں بلکہ لمڑ اور دمڑ تینوں قدیم قبائل ہیں۔ اور مڑ کے نام سے بلوچستان کے ساحل پر نہ صرف یہ کہ بندرگاہ موجود ہے بلکہ اس نام سے شہر بھی موجود ہے۔ سنہ ۱۹۰۷ء میں اس شہر کی آبادی ۲۵۰۵ افراد پر مشتمل تھی۔ ان میں تین گھرانے ہندوؤں کے پچاسی گھرانے ذکری فرقہ کے اور باقی اُرمڑ تھے جو کہ تمام سنی مسلمان تھے۔ اور ماڑا کا نام اُرمڑ سے اخذ کیا گیا ہے۔ جو کہ شرف الدین یا شرخبون بن قیس عبدالرشید افغان کی نسل سے ہیں[1]۔

بیگز بیولر سنہ ۱۹۰۱ء کہتا ہے کہ میں نے لسبیلہ میں لمڑی یا مری کے نام سے ایک قبیلہ دیکھا لیکن کاغذات میں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ اصلاً کون ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ جس زمانہ میں کند۔ زمند۔ کاسی یہ تمام جنا بیچ میں کاسی یا قیسی کے نام سے یاد کئے گئے ہیں، بلوچستان چلے آئے۔ ان میں اُرمڑ۔ لمڑ اور دمڑ بھی ساتھ تھے، یہ ان قبیلوں کی شاخیں تھیں جو ہزار ہا سال گزر جانے کے باوجود نہ تو لاپتہ ہیں اور نہ اپنی اصلیت کھو چکے ہیں۔ اس لئے کہ ہر دفعہ اور ہر زمانہ میں ان سے پوچھا گیا ہے۔ جس کے جواب میں انہوں نے یہی کہا ہے کہ ہم افغان ہیں۔ لمڑ اب بھی کانی گرم اور پشاور کے علاقہ میں سکونت رکھتے ہیں۔

---

(۱) لس بیلہ گزیٹیر صفحہ (۱۹۰۷) -۲- صفحہ ۹۴

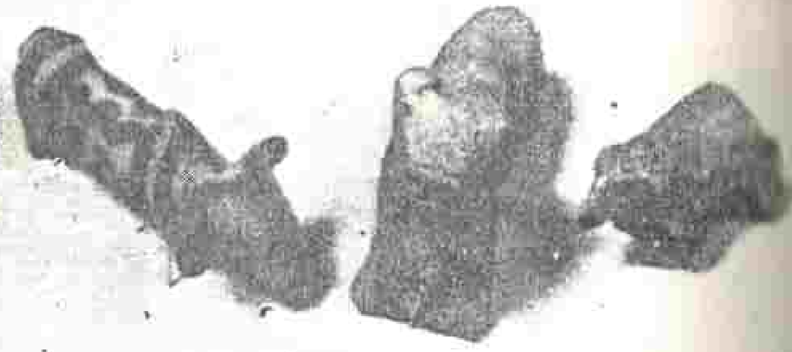
دمڑ ضلع لورالائی کے (سنجاوی) علاقہ میں مشہور قبیلہ ہے ۔ اور لمڑ پشین کے برشور علاقے علاقے میں قیام رکھتے ہیں ۔ اور بہت قدیم قبیلہ ہے لمڑی قبیلہ کے متعلق جو نمری کے نام سے یاد کیا گیا ہے لنگورتھ ڈیمز نے اپنی کتاب بلوچ نسل (BALUCH RACE) میں براھوی اور نمری کے متعلق قطعی طور پر کہا ہے کہ یہ بلوچ نہیں ہیں لے میں براھوی کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا ۔ اس لئے کہ ہمارے موضوع سے خارج ہے البتہ نمری یا لمڑی کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے کے بارے میں ڈیمز کے نظریے سے اتفاق کرتا ہوں ۔ کیونکہ قبیلہ اگرچہ نمری یا لمڑی ہے پشتون ۔ اور یہ قبیلہ اپنے آپ کو بہت سے افغان قبیلوں کے آباد اجداد کہتا ہے ۔ ابوالفضل نے بھی اس قبیلے کا ذکر "آئین اکبری" میں کیا ہے ۔ اور کہتا ہے کہ یہ قبیلہ کیرتھر کے اُن پہاڑوں میں سکونت پذیر تھا ۔ جو سندھ اور بلوچستان کے درمیان واقع ہیں میں اس سے پہلے عرض کرچکا کہ کیرتھر دراصل "کیتر" ہے ۔ اور یہ کاسیوں کا ایک قبیلہ تھا جو آج بھی کوئٹہ کے شمال میں بارہ میل کے فاصلے پر مقیم ہے اور اس کی ایک شاخ کیتھران ہے جو کہ بارکھان میں آباد ہے ۔

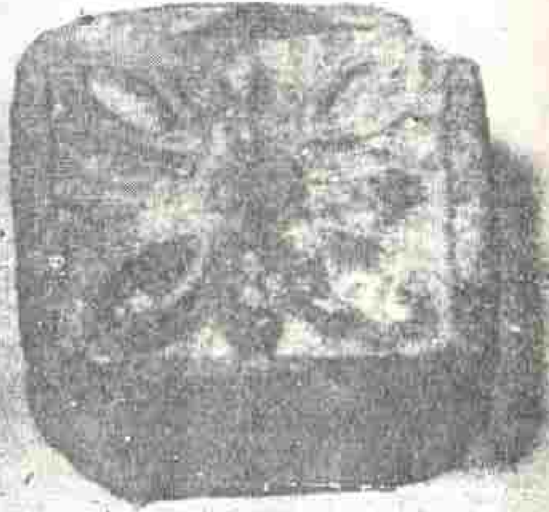
میری اس بات کا دوسرا ثبوت یا دلیل یہ ہے کہ کیرتھر کے پہاڑوں میں سے جو راستہ سندھ کو نکلا ہے ۔ اس کو اب بھی درہ ارباب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور "ارباب" لفظ صرف کاسیوں کا مخصوص لقب ہے ۔ جسے کوئٹہ کے کاسی اب تک اپنے معتبرین کے لئے استعمال کرتے ہیں ۔ اور پشاور کی تہکال خیل جو کہ "مومند" خیل کی ایک شاخ ہے بھی استعمال کرتا ہے ۔

لانگورتھ ڈیمز کیتھران قبیلہ کے متعلق کہتا ہے کہ بلاشبہ یہ ایک

---

(۱) کوچ و بلوچ ۔ میر گل خان نصیر صفحہ ۱۳۲





کوران افورمہ شہد میں سے دستیاب ہونے والے جانوروں کے قدیم مجسمے یہ پتھر کی مہر

ہندوستانی النسل قبیلہ ہے جو کہ کوہ سلیمان میں بلوچوں اور پشتونوں کے درمیان ایک علاقہ پر قابض ہے۔ اور اب تک اپنی بنیادی ہندوستانی زبان بولتے ہیں جو ایک ایسی بولی ہے جو ان تک مخصوص ہے۔ اور سندھی اور جٹکی کے قریب ہے اور میں بھی تھوڑی بہت جانتا ہوں۔ اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ ان کا نام کھترا (جو ایک تاجر راجپوت طائفہ ہے) سے جیسا کہ ڈاکٹر بیلو کا خیال ہے نہیں نکلا بلکہ کھیتر سے نکلا ہے۔ جس کے معنی کسان اور سنسکرت میں کشیترا زمین یا کھیت باڑی کو کہتے ہیں۔ جہاں تک یہ بات ہے کہ کھتران کھتر سے نکلا ہے تو یہ میرے عقیدے کی تائید ہے۔ البتہ یہ بات کہ کھتر کے معنی کسان یا زمیندار ہے ایک لفظی اشتباہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ ایک تو وہ زمیندار نہ تھے بلکہ مال دار تھے۔ دوسرا یہ کہ یہ قبیلہ بابلی قبائل کی ایک شاخ ہے۔ جو سنسکرت زبان نہیں بولتے تھے اور نہ لفظ کھیت استعمال کرتے تھے۔

اس بات کی طرف آپ نے توجہ دی ہوگی کہ گدروزیا یا جدروشیا (جنوبی بلوچستان) کے چاروں اطراف یعنی شمالی حصوں مستونگ اور نوشکی اور جنوبی حصوں یعنی ساحلی علاقوں جیسے کہ گوادر جیونی اور اورماڑا اور مشرقی حصوں یعنی کیرتھر کے پہاڑوں میں ایسے بہت سے قبیلے ہیں جو کہ آج بھی اپنے آپ کو نسلاً افغان کہتے ہیں۔ یعنی لفظ پشتون کا استعمال نہیں کرتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نام (افغان) ان کے ساتھ کافی زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فردوسی بھی اس کو جو کہ خود بھی ایک ہزار سال پہلے گزرا ہے۔ پرانی داستانوں میں آراکوزیا اور جدروشیا (موجودہ بلوچستان) کے علاقوں کا ذکر کرتا ہوا کہتا ہے۔

کوہ و بلوچ صہ ۱۲۵

نشستند دراں دشت بسیار کوچ
نادغان دلاچین و کرد و بلوچ
بیک سوئے او دشت خرگاہ بود
دگر دشت زاں ہند را راہ بود

دشت خرگاہ سے مراد مستونگ کا علاقہ ہے، اور یہ دوسرا […] جس سے درہ بولان کو راہ نکلی ہے۔ ڈیمز مستونگ کے نام سے متعل[…] کہتا ہے کہ یہ "مش" اور "تنگ" سے مشتق ہے۔ مش […] پہاڑ اور تنگ کے معنی درہ یعنی پہاڑوں میں گھرا ہوا درہ، آئین اکبری […] بھی یہی تشریح کی ہے۔ بولان کا نام بھی بہت پرانا ہے، احمد علی کہز[…] کو ان آریائی قبیلوں سے منسوب کرتے ہیں جو بہالانیوں کے نام سے […] کئے جاتے تھے۔ ہلمند دریا کے شمال مغرب کنارے ایک بہت بڑا گا[…] واقع ہے جو کہ لشکرگاہ کے موجودہ نئے شہر کے قریب واقع ہے، بولان […] نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

قریباً ایک ہزار سال پیشتر ابوالفضل بیہقی اپنی یادداشت میں بولان […] نام سے ایک قصبے کا ذکر کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ

بڑا بادشاہ مسعود جب سیہ کے دن ہلمند میں غرق ہوا جسے بعد میں غوطہ خوروں نے نکالا اور پھر چند دن بیماری کی حالت میں گھر پڑا رہا۔ جس وقت بستر سے ا[…] تو خیرات کی صدقہ میں بست کے قاضی (ابوالحسن بولانی) کے لئے اپنے ہا[…] سے رقم الگ کر کے مجھ سے کہا کہ

رسالت کاتب (بونصر) سے کہو کہ یہ رقم قاضی کو دے کر ان […] کہو کہ "پدر ما رضی اللہ عنہ از غزوہ ہندوستان آوردہ است" میر[…]

[…] والد بزرگوار رضی اللہ عنہ غزوہ ہندوستان سے لائے ہیں، بونصر نے […] ان سے کہا کہ یہ رقم غزوہ ہندوستان سے لائی گئی ہے یعنی (مال غنیمت) […]اضی ابوالحسن بولانی نے جواب میں کہا "زندگانی خداوند دراز باد حال خلیفہ […]است دمن نہ بودہ ام و برمن پوشیدہ است کہ آں غزوہ ہا بر طریق مصطفیٰ است علیہ السلام یا نہ" (خداوند کی عمر دراز ہو خلیفہ کا حال […] میں نہیں تھا اور یہ مجھ سے پوشیدہ ہے کہ وہ غزوہ سنت مصطفیٰ کے […]ابق ہے یا نہیں) قاضی نے رقم قبول نہیں کی۔ بونصر واپس چلا آیا اور […]اہ سے یہ قصہ کیا بادشاہ متعجب ہوا اور ان کے تقویٰ پر آفرین کہا، بعد میں […]اہ جب کبھی کسی درویش نما صوفی کو دیکھتا تھا جو پیسوں کی لالچ میں مبتلا تھے […]صر سے کہتا کہ "چشم بد دور از بولانیان"

(۱) تاریخ بیہقی ص ۶۱۳



تاریخ میں پشتون تین نام سے یاد کئے جاتے ہیں پٹھان - افغان - پشتون جہاں تک پٹھان کی بات ہے تو یہ نام شیر شاہ سوری سے پیشتر کسی کے سننے میں نہیں آیا ہے - دراصل یہ نام اُس وقت ہندوستان میں پشتون کے لئے استعمال ہُوا جس وقت نامور پشتون شیر شاہ نے مغل بادشاہ ہمایوں کے خلاف یا یہ کہ ہندوستان پر دوبارہ پشتونوں کی سلطنت قائم کرنے یا ابراہیم لودھی کا بدلہ لینے کے لئے مغلوں کے ہاتھوں ہند کے مختلف علاقوں میں بکھرے ہوئے پشتونوں کو بہار کے صوبائی مرکز پٹنہ میں اپنے گرد جمع کر کے اور بہار پر قابض ہونے کے بعد بنگال پر چڑھائی کر دی تو پٹنہ شہر کی مناسبت سے پٹان مشہور ہو گئے پٹان یا پٹھان سے جیسے کہ چند محققین کا خیال ہے لفظ پٹھان نہیں بنا نہ نکلا ہے اور نہ قرین عقل ہے - اگر ایسا ہوتا تو شیر شاہ سوری سے پیشتر بھی یہ نام ہندوستان میں سننے میں آتا ناروے کے مشہور محقق مارگنسٹرائن بقول سر اولف کیرو کے کہ کتابوں کا کیڑا ہے بھی کہتا ہے - کہ میں نے چار سو سال پیشتر یہ نام نہیں سنا ہے -

اب آیئے ! افغان اور پشتون کی طرف یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نام بہت قدیم ہیں پشتون اور پشتو کے متعلق اس سے پیشتر کچھ توضیحات و تشریحات پیش کی گئیں یہاں "افغان" لفظ پر روشنی ڈالتے ہیں - اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے - کہ یہ نام نسلی، لسانی اور تاریخی لحاظ سے خدا اور صرف بغیر کسی دوسرے کی شمولیت کے پشتونوں کے لئے استعمال ہُوا اور ہوتا ہے - نہ تو اس سے پیشتر کسی اور کے لئے استعمال ہُوا ہے اور نہ اب البتہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ نام کب سے استعمال میں آیا ہے - مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام یعنی "افغان" پہلی تہ جلدنیا اور آراکوزیا کے پشتونوں میں مستعمل تھا - جیسا کہ فردوسی نے بھی اس علاقے کے لوگوں کے لئے استعمال کیا ہے - کیونکہ غزنی سے کوئٹہ تک یہ تمام علاقہ ——

"افغان شال" کے نام سے موسوم تھا۔ افغانستان کے نامور مورخ اور محقق عبدالحی حبیبی اس بارے میں کہتا ہے کہ

"نام افغان" کے بارے میں جہاں تک مجھے معلوم ہے تاریخی لحاظ سے بہت قدیم ہے۔ کیونکہ دریائے ہلمند اور دریائے سندھ کے درمیان اسی نام سے لوگ زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ بیس سال پہلے مشرقی شکاگو کے آثار قدیمہ کے ماہرین کی ایک جماعت نے نقش رستم شیراز میں وہاں کعبۂ زرتشت کے سنگی نوشتوں میں پہلوی اشکانی (پارتی) اور یونانی دو زبانوں میں ایک کتبہ دریافت کیا۔ جوکہ خاندانِ ساسانی کے دوسرے بادشاہ شاہ پور اوّل نے ۲۶۰ م کے بعد جنگ اڈیسہ میں شہنشاہ روم والیرین کی شکست اور گرفتاری کے بعد کعبۂ زرتشت کے دیوار کے پتھروں پر لکھا ہے۔ چونکہ شاہ پور اوّل ۲۷۲ء میں مرا ہے۔ اس لئے اس کتبے کے لکھنے کی تاریخ ۲۶۰ء سے ۲۷۲ء تک مقرر کی جا سکتی ہے۔

(اس کتبے کا ناقص فارسی ترجمہ گزارش ھای باستان شناسی جلد اوّل ص ۱۸۱ کے بعد طبع شیراز ۱۳۳۸ ش ملاحظہ کی جائے۔)

اس کتبے کے دوسرے بند (سطر) میں پشکابور شہر کا نام کوشان خشاتر یعنی مملکت کوشان خشاتر کی مشرقی سرحد کی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے جسے باکسیا پورس یونانی نے دیوہ۔ لو۔ شا۔ پو اور لوھیون تسنگ چینی (سیاح) نے ویہ شاپور اور اسلامی دور کے مورخین نے ویہ شاور کے نام سے موسوم کیا ہے۔

اس کتبے کے چھٹے حصے میں سلطنت شاپور کے رجال کے ناموں میں ایک

---

(۱) مقالہ محقق عبدالحی حبیبی مجلہ آریانا ص ۱ - ۲ مئی جون ۱۹۶۹ء

نام "فرن اپگان رزمہ دو" لکھا گیا ہے۔ محقق سپرنگ لبنگ نے پہلی مرتبہ یہ کتبہ پڑھا اور ۱۹۴۰ء میں امریکہ کے ایک سامی رسالے (مجلہ) میں مقالے لکھے اور لفظ ابگان کو موجودہ افغان کے ساتھ تطبیق دی۔ اس کے علاوہ یہ بھی لکھا کہ ساسانی بادشاہ شاہ پور سوئم جس نے ۳۰۹ سے ۳۷۹ م تک ۷۰ سال حکومت کی کے نام کے ساتھ بطور صفت یا لقب "اپگان" لکھا گیا ہے۔ یہ لفظ بھی وہی ابگان ہے جس کا ذکر کیا گیا ہو سکتا ہے کہ دلیری نجیب واصیل کے معنی میں استعمال کیا گیا ہو گا۔

فردوسی فریدوں کی داستان میں ایک جگہ یوں کہتا ہے

ہمہ گردیذان دو رویہ سپاہ
بزرین گرد و یہ زرین کلاہ
بہدار چون قارن کاوگان
بہ پیش سپاہ اندرون آوگان

تیسرے مصرعے میں قارن کا ذکر آیا ہے جوکہ اشکانی دور کے اشراقی (رخسا تمذس) کا ایک خاندان تھا اور ۵۰ء میلادی میں بین النہرین کے ایک بادشاہ کا نام قارنس (CARENES) تھا یہ آوگان بھی ساسانی دور کا وہی اوگان ہے۔ جوکہ قدیم روایات میں فریدون کے جیالوں میں سے تھا اور جسے "کاوہ" سے منسوب کیا ہے۔ جوکہ سمگنان کے ایک پہلوان کے بیٹے کا نام تھا۔[1] جرمن مورخ دلوستی اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ یہ ایرانی نام ہے یعنی اصل اوستائی ہے جس کے معنی مہربان اور دستگیر کے ہیں[2]۔

---

(۱) شاہنامہ فردوسی طبع ماسکو جلد اوّل میں ص ۱۱۶ (۲) فرہنگ شاہنامہ ص ۱۲ طبع تہران۔

آدگان - ابگان - اپگان جو کہ آریائی لہجوں میں زیادہ "اوغان" آیا ہے۔
اور اب عوامی زبان میں افغان نہیں بلکہ اوغان بولا جاتا ہے۔ افغان زیادہ تر
تحریروں میں آتا ہے۔ ایک شخص آدہ سے منسوب کرنا قرین عقل معلوم نہیں ہوتا
میرا خیال یہ ہے کہ یہ نام اجتماعی حیثیت رکھتا ہے۔ اور ایک بڑے گروہ
کے لئے قدیم زمانے سے استعمال ہوا ہے۔ محقق حبیبی خود یہ بات تسلیم کرتا ہے
کہ ہند اور سندھ کے درمیان علاقوں میں افغان زندگی بسر کرتے تھے۔ جیسا کہ
میں پہلے عرض کر چکا کہ غزنی سے کوئٹہ تک یہ علاقہ افغان شال کے نام سے
یاد کیا جاتا تھا۔ ابوالفضل بیہقی (اصل نام محمد بن حسین) جو کہ ۳۸۵ - ۴۷۰ھ
سلطان محمود غزنوی کے دور سے پھر سلطان ابراہیم کے دور تک غزنوی دربار کا
مشہور مورخ تھا۔ جمادی الآخر ۴۲۲ھ جب سلطان مسعود غزنی آتا ہے اور
اپنے دادا کے مزار پر جو کہ بیب کے ایک باغ میں تھا۔ حاضری دیتا ہے
اور یہ واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے۔ کہ

"از آن باغ بیرون آمد و راہ صحرا گرفت ...... بہ
افغان شال در آمد و بہ تربت امیر عادل سبکتگین رضی اللہ عنہ
فرود آمد و زیارت کرد"

ظہیر الدین بابر نے بھی لوگر کے تذکرہ میں (لوگر کابل کے جنوب میں واقع ہے)
افغان شال کا نام لیا ہے۔ اور کہتا ہے

"صحاوند از مواضع لوگر است۔ و مردم او از افغان شال اند"۔

شال کا لفظ دیگر بہت سی جگہوں میں بھی جغرافیائی حیثیت سے آیا ہے
مثلاً کوئٹہ کا پرانا نام شالکوٹ ہے۔ اب بھی جنوبی بلوچستان کے بڑے بوڑھے
اس شہر کو شال کوٹ کہتے ہیں۔ اگرچہ کہا جاتا ہے کہ یہ شہر احمد شاہ ابدالی نے

[...]خان نوری کی والدہ کو بطور دوپٹہ دیا تھا۔ اس وجہ سے شال کوٹ مشہور ہوا
[...] با ایں ہمہ احمد شاہ ابدالی سے پہلے اس شہر کو شال کوٹ کہتے تھے۔ آئین اکبری
[...] شال کوٹ کے نام سے یاد ہوا ہے۔ تاریخ معصومی (مؤلف کا اصل نام سید
[...]الدین اور تخلص نامی تھا۔) ۹۴۴ تا ۱۰۰۷ھ میں بھی شال اور سیوستان
[...] عنوان کے تحت کوئٹہ کا علاقہ شال کے نام سے یاد ہوا ہے۔ مؤلف نے لکھا ہے
[...] بابر اور اکبر کے زمانہ میں جب میر ذوالنون ارغون سبی پر حملہ آور ہوا تو اس
[...] پہلا پڑاؤ شال تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ "شال" کے ساتھ "کوٹ" بعد میں مربوط
ہوا ہے۔ اصلاً یہ خطہ یعنی غزنی سے درہ بولان تک یہ تمام علاقہ شال یا
افغان شال کے نام سے یاد ہوتا تھا۔ اور کوہ کوژک سے بولان کے درے
[...]کولپور تک کوئٹہ پشین کی وادی شال درے سے یاد کی جاتی تھی۔ اب بھی اس
[...] راستہ کو جو کوئٹہ شہر سے بولان کی طرف نکلتا ہے شال درہ کہا جاتا ہے
اور کوئٹہ شہر کے جنوب میں نئی اور پرانی آبادی جس میں کئی پشتون آباد ہیں
[...] ہے شال درہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کوئٹہ چھاؤنی میں چہلدو
اور کریم داد کے نام سے پہلو بہ پہلو دو قبریں ہیں جو شال پیران کے نام سے بہت
عرصہ سے مشہور ہیں مشرقی افغانستان کے بالائی کوئٹہ کی وادی میں ایک جگہ شال
کے نام سے موجود ہے اور بلوچستان کے الوزئی افورد سند کمین ایس شالیزئی
کے نام سے ایک قبیلہ بھی ہے

شال کی وجہ تسمیہ:۔

مرحوم سعید نفیسی تاریخ بیہقی کے جلد اول میں اپنی تعلیقات میں کہتا ہے کہ شال
لفظ شالی سے نکلا ہے اور افغان شالی شاید غزنی کے ایک محلے کا نام ہو جہاں

---

(۱) تاریخ بیہقی ص ۲۰۲ (۲) تزک بابری طبع بمبئی ص ۸۷ -

چاول پیدا ہوتا تھا ۔ اس لئے شالی زار کہتے ہوں گے ۔ سبکتگین بھی دہی دفن ہے لیکن محقق حبیبی کو اس سے اختلاف ہے ۔ ان کا کہنا ہے کہ یہاں پر چاول کی کاشت نہیں ہوتی تھی ۔ اور نہ کی جا سکتی ہے ۔ اس لئے کہ چاول کو زیادہ پانی کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اور یہ جگہ ایک پہاڑی واقع ہے ۔ جب کہ وہاں پانی کی رسد نہیں ہو سکتی ۔

محقق حبیبی کہتا ہے کہ بغلان کے سُرخ کوتل میں کوشانیوں کے قدیم معبد کے کھنڈرات سے قدیم دری (تخاری) کا جو کتبہ دریافت ہوا ہے ۔ اور جس کی تاریخ ۱۴۰ م کے لگ بھگ ہے ۔ یہ مندر (معبد) مہا لیز (مہاراجہ) نے بنایا ۔ کنشکا کو دو مرتبہ نوشال کہا ہے جو بعد میں دری ادبیات میں یہ لفظ نوشاد میں تبدیل ہوا ہے ۔ آریائی زبان میں "ل" اور "د" بدلتے ہیں ۔ محقق حبیبی اس لفظ کا ناطہ پشتو کے درشل یا درشال سے بھی جوڑتے ہیں ۔ جو اب بھی ظرفیت (دروازے کے چوکٹھے) کے مفہوم مکانی ہے[1]

محقق حبیبی کی یہ تحقیق کہ شال ظرفیت کے معنی میں پشتو میں استعمال ہوتا ہے ۔ یعنی اشتقاق دراوشال کی ہے ۔ نہایت معقول معلوم ہوتا ہے ۔ کیونکہ یہ لفظ سنسکرت میں مختلف معنی رکھتا ہے ۔ جن میں کہ ظرف مکان بھی شامل ہے ۔ مثلاً [illegible] (سال) ایک لکڑی کا نام جس کو سنسکرت میں (SHOREA ROBUSTA) کہتے ہیں ۔ غالباً کانوٹس کا کچا ہے ۔ اس سے شالہ یا شالا ([illegible]) بنا ہے بہ معنی جگہ یا مدرسے کے[2]
اسی طرح شال ([illegible] SHAL) یا (SHAWL) ([illegible])

(۱) [illegible] ۔ ۔ ۔ ۔ چ اپریل ۱۹۷۰ء صفحہ ۲
(۲) ہندوستانی اینڈ انگلش ڈکشنری جان شکسپیر صفحہ [illegible]

بھی یہی معنی رکھتا ہے ۔[1]
سنسکرت میں ایک دوسرا لفظ دھرم سالا [illegible] وہ جگہ جہاں پر محتاجوں اور غریبوں کو خیرات دی جاتی ہے ۔ دھرم سنسکرت میں مذہب کو کہتے ہیں ۔ اور سالا کے معنی جگہ کے ہیں ۔[2]

جیسا کہ آپ نے سال اور شال میں دیکھا کہ ان میں کوئی خاص فرق نہیں ہے ۔ یہ اس لئے کہ ہندی زبان میں س اور ش بدلتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دھرم سالی ۔ دھرم شال ۔ دھرم سالہ ۔ دھرم شالہ اور گاؤشالہ جس میں کہ گائیں رکھی جاتی ہیں ۔ عام مستعمل ہیں ۔

غرضیکہ "شال" بہ معنی جگہ کے استعمال ہوا ہے ۔ اور "افغان شال" کے معنی افغانوں کی جگہ اور اس جگہ کی وسعت غزنی (افغان شال) سے موجودہ کوئٹہ (شال کوٹ) یا رشالدرہ) تک پھیلی ہوئی ہے ۔ کیونکہ یہ نام افغان کے ساتھ منسلک آیا ہے ۔ اس وجہ سے قدیم معلوم ہوتا ہے ۔ لالہ ہتورام نے "تاریخ بلوچستان" میں کوئٹہ کو بار بار شال کہا ہے[3]

ورھا میہیرا (VARAHA MIHIRA) جو ۵۰۵ء میں ہندوستان کے راجین نام کی جگہ میں پیدا ہوا تھا ۔ اور ۵۸۷ء میں ہندی شاعری اور علم نجوم میں کافی شہرت پائی تھی ۔ اور برہت سمہیتا کے نام سے نجوم کی کتاب لکھی تھی ہندی زبان میں ایک منظوم کتاب علم نجوم کے متعلق لکھی ہے ۔ اور ہندوستان کے جغرافیہ

---

[1] ہندوستانی اینڈ انگلش ڈکشنری جان شکسپیر صفحہ ۵۰۹
[2] " " " " صفحہ ۴۰۱
[3] تاریخ بلوچستان مصنفہ لالہ ہتورام دیکھو صفحہ ۲۷۵ سے ۲۷۷ تک ۔

اور خوبصورت پتھروں کے بارے میں بھی بحث کی ہے ۔ یہ کتاب "بھارتیہ سہنیتا" اس کتاب میں چار جگہ یعنی اشعار کے ۱۱ - ۱۲ - ۳۱ - ۶۱ مصرعوں میں افغان نام " اوگانہ " کی شکل میں آیا ہے ۔ کیونکہ ہندی زبان میں "غ" نہیں اس لیے "گ" استعمال کیا گیا ہے ۔ یعنی اوغانہ سے اوگانہ بنایا گیا ہے ۔ فرانسیسی محقق فوشہ کہتا ہے کہ یہ شخص ۵۸۷ء میں انتقال کر چکا ہے ۔ اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ "افغان" نام چھٹی صدی میں ہو ۔ وراہا مہیرا کی دو کتابوں کا ابوریحان البیرونی نے عربی میں ترجمہ کیا ہے ۔ اگر محقق فوشہ کی تحقیق تسلیم کی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ افغان کا نام ہندوستان میں چودہ سو سال جانا پہچانا نام ہے ۔ جنرل کننگھم جنہوں نے جغرافیہ قدیم ہند کے نام سے کتاب لکھی ہے صفحہ ۸۹ پر لکھتا ہے کہ اوگان اور افغان ایک ہے مزید کہتا ہے کہ چینی سیاح ہیون تسنگ کا کہنا ہے کہ ان کی زبان ہندی نہیں ہے ۔ البتہ کچھ مطابقت ہندی زبان سے رکھتی ہے ۔ شاید اس سے مراد پشتو زبان ہو ۔ گذشتہ صفحات میں یہ کہا جا چکا ہے کہ سن ۲۰۰۰ ق م کے لگ بھگ سائبیریا اور اورال کے سرد علاقوں سے مختلف اوقات میں یکے بعد دیگرے جو ہجرتیں جنوب مشرق اور جنوب کی سمت شروع ہو گئی تھیں ان میں کچھ وہ تھے جو کیسپین (خزر) کے وسیع علاقے پر پھیل گئے تھے ، اور پھر سن ۲۵۰۰ ق م کے لگ بھگ یہ لوگ بین النہرین (موجودہ عراق) کردستان ۔ مغربی ایران اور لیڈیا (ایشائے کوچک کا مغربی اور شمالی حصہ) کے علاقوں میں پھیل گئے ۔ مورخین اور محققین نے ان کا ہند یورپین قبائل یا اقوام کے نام سے ذکر کیا ہے ۔ ان میں ایک وہ قوم تھی جس نے سارگن یا سرجون یا شرغلی کی سربراہی میں[1] ۲۲۵۰ ق م کے لگ بھگ بابل پر قبضہ

(۱) فلپ حتی سرجون کا زمانہ سن ۲۵۰۰ ق م بتاتا ہے ۔

کر لیا کہا جاتا ہے کہ سارگن اکادیوں کا سربراہ تھا ۔ جیسے کہ علامہ سید سلیمان ندوی کے حوالے سے کہا گیا کہ اکادی غیر سامی تھے ۔ غیر سامی سے مراد یہ اخذ کی جا سکتی ہے کہ ہند یورپین تھے ۔ سارگن کی حکومت بحیرہ اسود سے مالابار تک پھیلی ہوئی تھی ۔ یعنی موجودہ ایران ۔ افغانستان اور پاکستان بھی اس میں شامل تھے سارگن یا سرجون یا شرغلی کے باقیات یا آثار بلوچستان میں تین جگہوں ڈکی (لورالائی) فورٹ سنڈیمن (البوزی) یعنی ژوب اور برشلور پشین میں اب بھی کھنڈرات اور دیہات کی شکل میں موجود ہے ۔ کیونکہ سارگن سے قریباً چھ سو سال بعد بابل پر کاسی قوم کی حکومت قائم ہوئی تھی ۔ اور اس قوم نے ۵۷۶ سال حکومت کی بعد میں نہ صرف یہ کہ زوال سے سامنا ہوا بلکہ بابل سے نکل گئے ۔ پہلے پہل خلیج فارس اور پھر سن ۱۱۰۰ ق م میں ایران چلے آگئے اور پھر وہاں سے بلوچستان چلے آگئے ۔ اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ یا تو اس وقت جبکہ سارگن کا گھرانہ برسر اقتدار تھا ۔ یونانیوں کی طرح ان کے فوجی بھی یہاں رہ گئے ۔ جیسا کہ زیادہ امکان اسی بات کا ہے اور بعد میں کاسی آگئے ہوں یا یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کاسیوں کے ہمراہ بین النہرین سے اس وقت آگئے ہیں جس وقت ایلامیوں نے کاسیوں کو شکست دی ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شرغلیوں اور کاسیوں کی زبان ایک تھی ۔ کیونکہ ایک تو یہ شروع سے ہند یورپین تھے ۔ دوسرا یہ کہ دونوں کافی عرصہ بابل میں مل جل کر رہے تھے ۔ کاسی بادشاہوں کی فہرست میں تیرھویں بادشاہ کا نام کوری گالزو ہے پھر سترھویں بادشاہ کا نام کوری گالزو ہے ۔ اور پھر بائیسویں بادشاہ کا نام کوری گالزو ہے ۔ عربی میں چونکہ لفظ گ ۔ غ میں بدلتا ہے ۔ اس وجہ سے کوری غلزو لکھا جاتا ہے ۔ بالکل اسی طرح جیسے کہ سرغون یا سرجون سے سارگن اور شاروکن بنایا

گیا ہے ۔ کوری غلزد اوّل سے کوری غلزد سوئم تک کاسیوں کے نو بادشاہ
میں آئے ہیں ۔ اور عرصہ ۲۳۰ سال اندازاً ہوتا ہے اگر ہم تیس اور بھی کم
کر دیں اور کوری غلزد اوّل سے سوئم تک دو سو سال متعین کریں تو اس کا مطلب
یہ ہوگا کہ کوری غلزد کے گھرانہ نے دو سو سال میں ایک بڑے قبیلے کی شکل اختیار
کی تھی ۔ اور غلزد کے نام سے یاد کئے جاتے تھے یا یہ ہو سکتا ہے کہ جس وقت
بابل کے مہاجر ایران آئے کیونکہ وہ خلیج فارس کی طرف سے آئے تھے ایرانی
انہیں خلیج کی نسبت سے خلجی کہتے تھے جو بعد میں لہجہ میں خ ۔ غ میں تبدیل ہوا
اور خلجی قرار پائے لیکن یہاں پر جو سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ نہیں کہ خلجی یا
غلزئی یا خلجی تو بیٹ کی شاخ ہے اور کاسی سڑبن کی کیونکہ بیٹ اور سڑبن
بلکہ غور غشت کو بھی شجرہ نویسوں نے قیس عبدالرشید کی نسل قرار دیا ہے جبکہ یہ
آج کل ایک افسانے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا سوال دراصل یہ ہے
کہ سارگن یا شرغون یا شرغلی قبائل کاسیوں سے کیا رابطہ رکھتے ہیں!
یوں معلوم ہوتا ہے کہ شرغلی کاسیوں سے بہت پہلے اس وقت بلوچستان آئے
ہیں ۔ جب سارگن نے یہ علاقے فتح کئے تھے ۔ اور کم از کم دو صدی تک ان
علاقوں پر اس خاندان کی فرمانروائی رہی ظاہر ہے کہ اس طویل عرصے میں
چھوٹے چھوٹے خاندانوں نے قبیلوں کی شکل اختیار کر لی ہوگی ۔ ایسا معلوم ہوتا
ہے ۔ جب کاسی ان کے کافی عرصہ بعد بابل سے آئے تو سب کے سب بلوچستان
نہیں آئے کچھ ایران کے راستے افغانستان کی جانب نکل گئے اور کچھ بلوچستان
آئے کیونکہ مالدار یا کوچی بن گئے تھے ۔ لہذا پانی اور چراگاہوں کی تلاش میں
ان کے چھوٹے چھوٹے قبیلے ایک دوسرے سے الگ ہو گئے کچھ مکران کچھ توران
(موجودہ جھالاوان) اور کچھ شمالی علاقوں میں پھیل گئے ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ ان میں لسانی اختلاف بہت زیادہ نہیں تھا ۔ البتہ ان کے اعتقادات میں
اختلاف موجود تھا جیسا کہ اب بھی یہاں کے بڑے بوڑھے کہتے ہیں کہ کاسیوں
نے کوئٹہ کے قریب کیتر (جو کاسیوں کی ایک شاخ ہے) میں جنت و دوزخ بنائے
تھے اگر کبھی کوئی کاکڑ ہاتھ آجاتا تو اسے اپنے دوزخ میں ڈال دیتے تھے خدا جانے
کہاں تک درست ہے بہر حال ایک قدیم روایت ہے ۔ لیکن یہاں پر دو
تین باتیں قابل غور ہیں ۔ پہلی بات زبان کی ہے ۔ کاسی اور شرغلی جو ان
سے پہلے یہاں سارگن یا سرجیون کے عہد میں وارد ہوئے مدت دراز
سے ایک ہی زبان بولتے آئے ہیں ۔ یعنی پشتو ۔ دوسری بات یہ ہے کہ دونوں کا
نسلی تعلق شرغون یا خرشبون سے جسے کیرو صاحب سرجیون یا شرکھون
کہتا ہے اور علامہ ندوی مرحوم شرغون ۔ سرجون یا شرغلی کہتا ہے جوڑا جاتا ہے
یا بہ الفاظ دیگر بقول شجرہ نویساں دونوں کو سڑبن کی اولاد بتاتے ہیں ۔ اور
تیسری بات یہ ہے کہ دونوں ابتداء ہی سے اپنے کو افغان کہتے چلے آرہے ہیں
جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا کہ فتح اور غور یہ غیل جو کند کی شاخیں بتائی جاتی ہیں
اور جن سے یوسف زئی نکلے ہیں ۔ بلوچستان کے علاقوں سے پہلے کندھار اور
ہلمند کے علاقوں کی جانب گئے اور پھر وہاں سے کابل اور پھر وہاں جہاں
اب ہیں یعنی پشاور ۔ مردان اور سوات کی طرف اور بقول کیرو صاحب کے
اب بھی جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تم کون ہو؟ تو کہتے ہیں کہ "افغان"!
مطلب یہ ہوا کہ افغانوں کا اصل مرکز جس کی تائید حبیبی صاحب بھی
کرتے ہیں ہلمند اور دریائے سندھ کا درمیانی علاقہ تھا ۔ اور ہے جس کی مزید
تائید فردوسی کے شاہنامہ سے بھی ہوتی ہے ۔

نژادش زادغان سپاہش بلوچ
ابردشت, خرگاہ بگزید کوچ

لانگورتھ ڈیمز کہتا ہے "کک" غالباً[1] افغانوں کے مشہور خانہ بدوش قبیلہ ترک (TARIK) میں سے تھا اس کی نسل کے لوگ اب بھی کک ترک کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ لوگ موسم سرما میں مال چرائی کے لئے چاغی اور خاران کے علاقہ میں آتے رہتے ہیں[1]۔

مسٹر ڈیمز نے کک کہزاد کو جس "ترک" کے ساتھ منسوب کیا ہے۔ دراصل غلزئی یا غلجی قبیلے کی ایک مشہور شاخ ہے، علاوہ ازیں ہم نے پہلی مرتبہ مسٹر ڈیمز کی تحریر میں یہ پڑھا کہ ترک کے ساتھ کک لفظ بھی لگتا ہے۔ میں خود غلجی قبیلے سے ہوں نہ میں نے خود یہاں نہ افغانستان میں اور نہ اپنے بزرگوں سے اور نہ خود ترک قبیلے (اصل میں لفظ ترک نہیں ترکی ہے) کے کسی فرد سے لفظ کک ترک سنا ہے پتہ نہیں ڈیمز صاحب کو کس نے بتایا۔

بہرحال کک کے بارے میں میرا گمان یہ ہے کہ یہ وہی کاک ہے۔ جسے کاکڑ اپنا جد اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ اور کاک نیکہ کے نام سے یاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی قبر ہرات میں ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کی قبر ہرات میں ہو کیونکہ بلوچستان میں اب تک اس کے کوئی آثار نہیں ملے ہیں۔

مسٹر ڈیمز کہتے ہیں کہ کوہ چلتن (یہ پہاڑ کوئٹہ شہر کے مغرب میں واقع ہے) کی اونچی چوٹی پر اس قلعہ کے جس میں کک کہزاد رہا کرتا تھا۔ آثار اب بھی پائے جاتے ہیں۔ اور چلتن کے جنوبی دامن میں عین لب سڑک پر کوشک کک

---

[1] کوچ و بلوچ لانگورتھ ڈیمز تالیف و ترجمہ گل خان نصیر صفحہ ۱۶ - ۱۷

ان نام سے وہ مقام بھی موجود ہے جہاں پر رستم نے کک کو شکست دی تھی۔"
مسٹر ڈیمز ایک جانب تو کہتے ہیں کہ وہ خانہ بدوش تھے پھر کہتے ہیں کہ وہ ... میں بھی رہتا تھا اور پھر رستم سے لڑا بھی تھا۔ یعنی یہ کہ اس علاقے کا ایک ... ایران تھا جب کہ لڑا ورنہ خانہ بدوش ہوتا کا رستم کے ساتھ لڑنے کا سوال ہی پیدا ... ہوتا کیونکہ وہ تو خود بقول ڈیمز کے کوچی لوگ تھے سرما میں آتے تھے گرما ... چلے جاتے تھے چنانچہ ان وجوہات کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ مسٹر ڈیمز کے نظریات ... قابل قبول نہیں ہیں۔

جہاں تک کاسی۔ کند اور تمند کی بات ہے بلوچستان میں ان کی آمد براستہ ایران یعنی ساحل کے ساتھ ساتھ ہوئی ہے اور سب سے پہلے یہ لوگ مکران وارد ہوتے ہیں۔ اور پھر توران (جھالاوان) اور کیر تھر کے کوہستانی علاقوں میں ... پھر اس کے بعد شمالی بلوچستان کی جانب پھیلتے رہے تا آنکہ شالکوٹ ... اور پھر علاقہ ژوب دلورالائی سے ہوتے ہوئے شمال مشرقی علاقوں تک ... کر کشمیر تک پہنچ گئے اور جہاں تک مشرغلیوں کا تعلق ہے چونکہ ایک تو ان کے نمایاں آثار جھروشیا (جنوبی بلوچستان) میں نہیں پائے جاتے۔ دوسرے یہ کہ مشرغلی ان سے پہلے سرگون قدیم کے دور میں اندازاً ۲۳۰۰ ق م میں شمالی بلوچستان میں دکھائی دیتے ہیں۔ لہذا یہی کہا جا سکتا ہے کہ مشرغلی کا گیتیا ... سے جو سیتھین قبائل کا مسکن تھا کیسپین کو عبور کرنے کے بعد براستہ پارتھیا آرکوزیا اور بکتریا کے علاقوں میں داخل ہوئے ہوں گے۔

یاد رہے کہ ایک سارگون یا سرگون جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ تیگلت پلیسار سوئم (۷۲۷ - ۷۴۵ ق م) آشوری بادشاہ کا جرنیل تھا۔ اور بعد میں خود بادشاہ بن بیٹھا بھی بابل اور گرد و نواح کے علاقوں پر حکومت کر چکا ہے

لیکن اس سارگوں کے قلمرو میں آراکوزیا اور جیدروشیا کے علاقے سا
نہیں تھے۔

کیونکہ سارگون یا سرجون قدیم کی سلطنت الیشیائے کوچک سے
سندھ اور پنجاب تک پھیلی ہوئی تھی ظاہر ہے کہ ان تمام علاقوں کو تصرف
رکھنے کے لئے اسے وہاں ہی سے فوجیں بھیجنی تھیں لہذا یہ بعید از قیاس
نہیں ہے کہ ان میں لیدیا کے لوگ بھی پہنچے ہوں گے۔ جنہیں عرف عام میں لودی
جاتا ہے۔ سائرس جیسے ذوالقرنین بھی کہتے ہیں کو تخت نشینی کے بعد سب سے
لیدیا والوں سے جنگ کرنی پڑی تھی۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ لیدیا سے مراد
الیشیائے کوچک کا مغربی و شمالی علاقہ ہے چنانچہ اس کے سارے مغربی
ساحل پر چھوٹے چھوٹے خلیج واقع ہیں۔ اور پھر ان علاقوں میں لودیوں کے سا
ترک بھی آباد تھے۔ لودی کون تھے اس سلسلہ میں علامہ سید سلیمان ندوی اپنی
تالیف ارض القرآن (ص ۱۰۴) میں مختلف تاریخوں کے حوالوں سے کہتا ہے

۱۔ حام کی چار اولادیں تھیں کوش (پدر حبش) مصرائیم (پدر مصر)
کنعان۔ فنیقیہ اور لوط۔

۲۔ مصرائیم سے لودی۔ انامی۔ لیبی۔ نافوتی۔ نطروسی۔ کفتوری اور
کسلوحی سے فلسطین کا خاندان پیدا ہوا۔"

پھر اسی صفحہ پر بنو سام کے بارے میں کہتا ہے :۔
"سام کے پانچ بیٹے تھے۔ عیلام۔ ارفخشد۔ لود۔ اشور۔ لاسیریا
اور آرام۔"

آگے چل کر صفحہ ۱۰۶ پر لکھتے ہیں :۔
" بنو سام اور امم سامیہ کی اصطلاح میں صرف اتنا فرق ہوگا کہ

بنو سام صرف ان قبائل و اقوام پر مشتمل ہے جن کو تورات سام کی اولاد بتاتی
ہے لیکن امم سامیہ کا اطلاق ان تمام قبائل و اقوام پر ہے جو سامی زبان
بولتے تھے یا بولتے ہیں۔ اس خصوصیت کی بناء پر عیلام (ایلام) جس کا مسکن
خلیج فارس کے فارسی ساحل سسینیا جس کو سوستستان بھی کہتے ہیں۔ اور لود
جس کا مسکن اس کے پاس لودیا میں ہے امم سامیہ سے خارج
ہوں گے کہ ان کی زبان بھی سامی نہ تھی۔"

ڈاکٹر ہنش اپنی تالیف (تاریخ قدیم ملل آسیائی غربی صفحہ ۳۱۲) میں لکھتے
ہیں:۔

"لیدیا کے لوگ ہند و اور پائی ہے ۲۵۰۰ ق م میں الیشیائے
کوچک میں وارد ہوئے اور وہاں سامی عناصر کے ساتھ
خلط ہو گئے جنگجوئی اور فعال ہونے کی وجہ سے مشرق میں
شہرت پائی۔"

لیڈیا کا پہلا نام لودی (Loddi) تھا جو بعد میں بگڑ کر لیڈیا
(L y D i A) بن گیا۔ استرابو کہتا ہے کہ ماڑلیس (لیڈیا کے دارالحکومت)
کے ایک ضلع کا نام تھا۔ ہیروڈوٹس کہتا ہے کہ آتیس (ATTiS) کے بیٹے لیڈس
کے نام سے لیڈیا بن گیا ہے بعض کہتے ہیں کہ پہلے آشوری بادشاہ آشور بانی پال
کے وقت میں لیڈیا کے نام نے شدت پائی۔
اٹلی کے صوبہ میلان میں شہر میلان سے قریباً بیس میل جنوب مشرق

لہ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا Vol 17 صفحہ ۱۵-۱۲ -

میں بھی ایک قدیم آبادی لودی (LODI) کے نام سے موجود ہے۔

لوڈزیا لودزیا (LODZIA) پولینڈ میں وارسا سے ۸۲ میل جنوب مشرق میں ایک مقام کا نام ہے۔

الغرض لود۔ لودی۔ لیدی۔ اور لیڈیا نے تاریخی قدامت کے اعتبار سے مغربی ایشیا خصوصاً ایشیائے کوچک میں ایک ترقی یافتہ تہذیب کے ساتھ ساتھ مغرب و مشرق دونوں جانب گہرے نسلی، لسانی۔ جغرافیائی اور ثقافتی نقوش چھوڑے ہیں۔ کیونکہ لیڈیا یونانی تمدن کا مرکز بن گیا تھا۔ اور یہیں سے علم و حکمت کے وہ سرچشمے پھوٹے جو آج بھی یونان کا سرمایۂ افتخار ہیں۔

لیدیا (لودیا) کا منطقہ ابتدا میں مایونی (MAIONIE) کے نام سے یاد کیا جاتا تھا یہ علاقہ ایشیائے کوچک کے شمال مغربی ساحل پر واقع ہے اور ایشیا کے اس حصے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہیروڈوٹس نے لیڈیا کے حکمرانوں یا کوندل کا زوال ژیژش اور اس کے جانشینوں کے بارے میں بہت سی معلومات فراہم کی ہیں۔ لودیا کا قدیم دارالسلطنت سارڈیس تھا۔ اُن دو کتبات کے حوالے سے جو آرامی اور لیدی یا لودی زبانوں میں دریافت ہوئے ہیں سارڈیس کا قدیم نام ساپاردا تھا۔ تورات میں اس کا ذکر سپارد آیا ہے۔ یہ شہر سونے کی بہتات کی وجہ سے جو پاکتول کے ندو خانوں سے نکالا جاتا تھا بہت مشہور تھا۔ لیدیا (لودی) کی مملکت کا دو راستوں کا پارس اور بین النہرین سے رابطہ تھا ایک راستے کا گذر مملکت ہاتی پر سے ہوتا تھا۔ جو ایک بڑی سلطنت تھی۔ اور دوسرے راستے کا گذر شمالی شام میں سے تھا۔ جس کی

---

۱ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا ۱۶ Vol صفحہ ۸۶۱ ۔ ۲ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا Vol ۱۶ صفحہ ۸۶۱

رسائی فرات کے بالائی حصوں تک تھی۔ آشور اور بابل کی حکومتوں کا اس علاقے کے ساتھ کچھ زیادہ ارتباط نہیں تھا۔ البتہ ھیتی کمیاب لکڑی اور زرو جواہرات کی وجہ سے لیدیا کے تصرف کی طرف مائل تھے کیونکہ لیدیا کی آب و ہوا معتدل تھی۔ اور ملک امیر تھا۔ اس وجہ سے لودی بہت آسودہ اور خوش تھے۔ لودیوں کا یونانیوں خصوصیت سے ایونی ساحلوں کے لوگوں کے ساتھ بڑے اچھے روابط تھے۔

سن ۱۲۰۰ ق م میں جب دریائی قوموں کے ہاتھوں ایشیائے کوچک میں انقلابات آئے اور ھاتی قوم کی سلطنت زوال پذیر ہوئی تو لودیوں نے انقلابات سے استفادہ کر کے ایشیائے کوچک کے مغرب میں اپنی حکومت قائم کی جس نے کچھ عرصہ میں بڑی شہرت حاصل کی لیڈیا کے لوگ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا سندھ لور ہی تھے اور [illegible] ق م میں ایشیائے کوچک چلے گئے تھے اور وہاں سامی عناصر کے ساتھ گھل مل گئے تھے کیونکہ یہ جھگڑالو اور فعال لوگ تھے، اس وجہ سے مشرق میں بڑی شہرت حاصل کر لی تھی۔

اس سرزمین پر تین حکمرانوں نے حکومت کی ایک گھرانہ اتیاد (ATYADES) اور دوسرا آتیس (ATYS) کے نام سے موسوم تھا اور تیسرا سلسلہ ہراکلید (HERACLIDES) جس کا آخری بادشاہ کاندول (کوندل) تھا کوندل کے زمانے میں ژیژس نام کے ایک شخص نے جو ملک کے ایک معتبر گھرانے سے تھا ۶۸۷ ق م میں ان کے خلاف انقلاب لا کر ان کو قتل کر کے اور خود حکومت پر قبضہ کر لیا ہیروڈوٹس کہتا ہے کہ ژیژس کے پاس ایک طلائی انگوٹھی تھی جس وقت وہ انگوٹھی انگلی میں ڈالتا تو غائب ہو جاتا اور پھر کسی کو نظر نہیں آتا تھا۔ اور جب وقت وہ کوندل کے دربار کا وزیر بنا تو اُن کو قتل کر کے خود تخت نشین ہوا۔ بہر حال ژیژس مرتاد

کے گھرانے کا موس تھا۔ جس نے ڈیڑھ سو سال لیدیا پر حکومت کی ہر چند کہ ان کو مشکلات درپیش ہوئیں مگر پھر بھی یونانیوں کے تعاون سے جو ان کے تصرف میں تھے ایشیائے کوچک میں بہت سی فتوحات کر کے ملک کو بڑی تمدنی اور اقتصادی ترقی دی ژیژس بڑا سخت اور آمر حکمران ہونے کے علاوہ بڑا مدبر اور جنگجو شخص بھی تھا۔ اقتصادی امور میں اسے بڑی مہارت حاصل تھی قبائلی سربراہ جو بڑے اثر و رسوخ والے تھے ان کے تابع تھے۔ خارجی سیاست میں وہ دو باتوں کو بڑی اہمیت دیتا تھا ایک یونانیوں سے اچھے روابط رکھنا اور دوسرا سمیریوں کے ساتھ چشمکانہ برتاؤ کرتا تھا۔ وہ یونانی جو ان کے قلمرو ایشیائے کوچک میں سکونت پذیر تھے اور وہ یونانی جو ان کے قلمرو میں یورپ کی طرف رہتے تھے ان سے بڑی مہربانی سے پیش آتا تھا۔ یونانیوں کے بڑے اور مرکزی معبد "دلف" سے بڑے اچھے دوستانہ روابط ہونے کے ساتھ ان کی بڑی مدد کرتا تھا۔

سیمری جو [illegible] ق م کے آخر میں ایشیائے کوچک میں وارد ہوئے۔ ایشیائے کوچک کے شمالی علاقے پر قابض ہو کر سینوپ میں مضبوط مراکز قائم کر کے وہاں سے ایشیائے کوچک کے وسطی علاقوں میں مار دھاڑ کے لئے اپنے لوگوں کو بھیجتے رہے۔ [illegible] ق م میں آسار ھادون نے ان کے بادشاہ کو کاپا روس میں شکست دی ان پر اس راستے جانا محال ہو گیا۔ جبکہ بعد میں یہ ایشیائے کوچک کے مغربی علاقوں کی طرف متوجہ ہوئے یعنی فریژی لیدیا اور (مدیترانے) (MEDITERRANEAN)[1] کے ساحل یونانیوں

---

[1] (MEDITERRANEAN)

کے مستعمرات کی طرف جن کی معیشت بڑی اچھی تھی۔ کوچ کر کے فریژی کے علاقہ پر قابض ہوئے لیدیا کے حکمران ژیژس کو جب اپنے ملک کی آزادی کا خطرہ لاحق ہوا تو اس نے اسی وقت مقتدر ترین بادشاہ یعنی آشور بانی پال کے دربار کو ایک نمائندہ بھیجا اور ان سے کہا کہ تمہاری اطاعت تسلیم کرتا ہوں لیکن سیمریوں کے حملے سے نجات دلا دو۔ ژیژس (لدی) کا نمائندہ کسی بھی ایک ایشیائی زبان سے بلد نہ تھا۔ کافی تگ و دو کے بعد ایک مترجم ڈھونڈا گیا۔ جس کے ذریعے دونوں میں بات چیت ہوئی آشور کا بادشاہ ان کی مدد کے لئے آمادہ ہوا۔ جیسا کہ آشور کے سالناموں میں درج ہے۔ ژیژس نے آشور کے اتحاد سے سیمریوں کو شکست دے کر سیمریوں کے ایک بڑے منصب دار کو گرفتار کر کے قفس میں ڈال کر آشور بانی پال کے پاس بھیجا ژیژس جو آشور بانی پال کی اطاعت کے نتیجہ میں اپنا استقلال کھو بیٹھا تھا اس حملے کی کامیابی کی وجہ سے ایشیائے کوچک کے مہاجر یونانیوں میں بڑا مقبول ہوا اور انہوں نے ان کو نجات دہندہ کا لقب عطا کیا۔[1]

سیمری سفید فام لوگ تھے، سر منڈواتے تھے، صرف بادشاہ عورتوں کی طرح بڑے لمبے بال چوٹیاں بنا کر رکھتا تھا۔ بادشاہ کی داڑھی بھی ہوتی تھی۔ مرد بڑی بڑی پگڑی باندھتے تھے عورتوں کا لباس پاؤں کے ٹخنوں تک ہوا کرتا تھا۔ پردے کے سخت پابند تھے۔ عورتیں بغیر پردہ کے گلی کوچوں اور بازاروں میں گھوم نہیں سکتی تھیں۔ ابتداء میں

---

[1] اقتباس از تاریخ ملل قدیم آسیای غربی صفحہ ۳۱۳ - ۳۱۴

سیمیریوں نے بھی مصریوں کی طرح تصویری تحریر شروع کی مگر بعد میں
ایک خاص طریقہ ایجاد کرنے میں کامیاب ہو گئے ان کا یہ طریقہ بعد
میں میخی خط کے نام سے مشہور ہوا۔[1]

زرکسیز کے دور میں لیبیا نے اقتصادی اور زرعی لحاظ سے بڑی
ترقی کی اور دوسرے کاموں کے علاوہ انہوں نے ایک بڑا اہم کام یہ
کیا کہ سکہ بنایا۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ جس حد تک پتہ چلتا ہے لودی
پہلے لوگ تھے جنہوں نے ۸۰۰ ق م میں سونے چاندی کے سکے بنائے
اور جیسا کہ ظاہر ہے کہ ہیروڈوٹس کے وقت تک اس کی شہرت تھی۔
چونکہ خود بھی اسی گھرانے سے تھا کیونکہ زرکسیز سیمیریوں کو شکست دینے
کے بعد آشور بانی پال کی بالادستی سے نکلنے کی فکر میں تھا۔ چونکہ فراعنہ
مصر بھی اسی فکر میں تھے۔ اور انہوں نے آشور بانی پال کے خلاف
لودیوں سے مدد طلب کی۔ چونکہ مقصد ایک ہی تھا اس لئے لودیوں نے
موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً مصریوں کی درخواست قبول کی۔

آشور بانی پال نے جو مصر سے لڑائی جھگڑے میں مصروف تھا سیمیریوں
کو لودیوں کے خلاف اکسایا۔ چونکہ ایک مرتبہ سیمیریوں کو شکست ہو چکی تھی اس
وجہ سے اس مرتبہ انہوں نے ایشیائے کوچک کے جنوب مغرب میں کاری
قوم سے مدد حاصل کی کاریوں نے سیمیریوں کی پوری مدد کر کے لیدیا پر حملہ
کر دیا۔ کیونکہ زرکسیز نے اپنی فوج کا ایک بڑا حصہ مصر کو آشور بانی پال

---

[1] پرانی تہذیبیں طبع فیروز سنز صفحہ ۴۷

کے خلاف مدد کے لئے بھیجا تھا۔ لہذا اس جھگڑے میں وہ اس قابل نہیں تھا کہ سیمیریوں
اور کاریوں کے مشترکہ حملے کا مقابلہ کر سکے شکست کھا کر خود بھی میدان جنگ میں
۶۵۲ ق م میں مارا گیا۔

زرکسیز کی موت کے بعد سیمیریوں کو ایشیائے کوچک میں اتنی قدرت حاصل ہوئی
کہ آس پاس کے تمام ممالک پر قبضہ کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد زرکسیز کے بیٹے آردیس نے
آشور بانی پال کی مدد سے جو کہ سیمیریوں سے خوف محسوس کرتا تھا ایک مرتبہ پھر
سیمیریوں کو شکست دی اور ان کے سربراہ لیگدامس کو سیلیسی میں مار ڈالا۔
سیلیسی ایشیائے کوچک کے جنوب مغرب میں مدیترانے (بحیرہ روم) کے ساحل
کے قریب رہتے تھے، جس وقت آردیس نے لیبیا میں دوبارہ اپنی حکومت قائم
کی تو کہا کہ مصر نے ماد کے بادشاہ فراؤرتس کی مدد سے آشور بانی پال کی
بالادستی سے نجات حاصل کر لی۔ اور اسی زمانہ میں ایشیائے کوچک کے ساحل پر
سکونت پذیر یونانیوں پر غلبہ حاصل کر کے پرین کے بندر پر قبضہ کرنے کے لئے
ملیت کے شہر پر حملہ کر دیا۔ شہر پر قبضہ کرنے میں ناکام ہوا البتہ یہ محاصرہ
۱۱ سال جاری رہا۔ آردیس کے بعد اس کا ایک جانشین جن کا نام آلیات
(۶۱۷ تا ۵۶۰ ق م) تھا کے دور میں صلح ہوئی اور اس طرح مدیترانہ کا یہ ساحلی
علاقہ بھی لیبیا کے تصرف میں آیا۔ سیمیریوں کو اس علاقے سے نکال دیا
البتہ یونانیوں سے اچھا سلوک کرتا تھا۔ اور ان کے بڑے مرکزی معبد
دلف کو تحائف، نذرانے بھیجا کرتا تھا۔ یہاں یہ وضاحت کر دیں کہ مدیترانے
کے ساحل پر اس وقت چھوٹی چھوٹی ساحلی ریاستیں قائم تھیں۔ آلیات لیبیا
کے اقتصادی اور تجارتی ترقی کے مقصد کے تحت ان سے اچھے تعلقات قائم
رکھنا ضروری سمجھتا تھا۔ اس نے اس نے ایک ساحلی ریاست جسے الونی کہتے

لات پیش آئیں کیونکہ ایک تو لیدیا کے ایک طبقے اور پھر ساتھ میں یونانیوں
خواہش تھی کہ ان کی جگہ ان کے بھائی پانتالئون (PANTA LEON)
نشین کیا جائے۔ دوسری طرف بیرونی خطرات درپیش تھے۔ لیکن
وش ان تمام مشکلات پر قابو پانے میں کامیاب ہوا۔ یونانی کرچیوں
مثلاً افز، میلیت، اور لامپساک قبائل نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ اس کی ایک
بھی ہے۔ کہ کردِس ان پہ جبر نہیں کرتا تھا۔ وہ اپنے داخلی معاملات میں مکمل
آزاد تھے۔ البتہ اُن سے یہ سمجھوتہ کر لیا کہ وہ اپنے فوجی مراکز ختم کریں گے۔ اور
ان کی جگہ لیدیا کے فوجی مراکز قائم کئے جائیں گے۔ سالانہ خراج بھی لیدیا
کی حکومت کو دینا پڑے گا۔ اور اقتصادی لحاظ سے لودیوں کو ساحلی علاقوں
میں تجارت کے مواقع فراہم کریں گے۔ چونکہ یہ نرم شرائط تھیں لہٰذا اس وجہ
سے لودیوں اور یونانیوں کے درمیان ہر طرح کے شکوک و شبہات ختم ہو گئے۔
اور ان کے درمیان برادرانہ تعلقات اور اچھے روابط قائم ہو گئے۔ یہی وجہ تھی
جس وقت ایران اور لیدیا کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ تو یونانیوں نے لودیوں
کے ساتھ مل کر گورش (سائرس) کا مقابلہ کیا۔ لودیوں اور یونانیوں کے
اتحاد کے نتیجے میں کردِس کو یہ قدرت حاصل ہوئی کہ اس نے [illegible]
میں بحری بیڑہ قائم کیا اور ایجین کے جزیرے لسبوس (LESBOS) کیوس
(CHIOS) اور ساموس (SAMOS) کو اپنے تصرف میں لے آیا کردِس
نے یونان کی حکومت سے بڑے مستحکم اور دوستانہ مراسم قائم کئے تھے۔ ان
سے باقاعدہ دفاعی معاہدہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ ماد اور بابل کی حکومتوں
کے ساتھ بھی دوستانہ روابط روا رکھے تھے۔ اس وجہ سے ان کو یہ موقع حاصل
تھا۔ کہ ایشیائے کوچک میں لیدیا کا دائرہ وسیع کرلے سوائے لیبی اور

تھے کہ ایک بڑے معتبر گھرانے کی عورت سے شادی کی ا
اپنی بیٹی کی شادی ایک دوسرے ساحلی ریاست افز کے بادشاہ سے کردی اور
طرح چند یونانی تاجر، ہنرمند اور دانشوروں کو اپنے دربار میں جمع کر کے لیدیا کے سا
ساحل کی ریاستوں سے بہتر تعلقات قائم کئے اور دوسری طرف مشرق میں ماد کے
بادشاہ ہووخشتر جو ان دنوں کا پاروس ( ) تک قابض ہو
تھا۔ لودیوں کی پیش قدمی کے لئے رکاوٹ بن گیا تھا۔ دست و گریباں ہوا۔
ہیروڈوٹس کی روایت کے مطابق یہ جنگ پانچ سال تک جاری رہی۔ کبھی
ایک کو سبقت حاصل ہوتی تھی اور کبھی دوسرے کو چھٹے سال عین جنگ کے
دوران سورج گرہن ہوا یہ ۸ مئی ۵۸۵ ق م کا واقعہ ہے اتنا مکمل گرہن تھا
کہ دن کو تارے نظر آنے لگے۔ چنانچہ طرفین نے اسے بدشگونی سمجھ کر جنگ بند
کی سیلیسی اور بابل کے بادشاہوں نے مداخلت کر کے ان کی صلح کرائی آلیات نے
اپنی بیٹی آریانیس (ARYENIS) ماد کے بادشاہ ہووخشتر کے بیٹے
ایختو ویگو کو دے دی دونوں کے درمیان معاہدہ ہوا اور ھالیس کا رودخانہ
سرحد مقرر کیا گیا۔ اس معاہدے کے نتیجے میں تیس سال تک ایشیائے کوچک
کے اس منطقہ میں امن و امان قائم رہا۔
لیدیا کا آخری بادشاہ کرزوس (KROISOS) کہا جاتا ہے۔ جب
۵۶۰ ق م میں آلیات کی جگہ تخت نشین ہوا اور پندرہ سال حکومت کی تو
اس دوران لیدیا نے زندگی کے ہر شعبے میں بڑی ترقی کی کرزوس یا کردِس
ارادے کا پکا بڑا عقلمند اور موقع شناس انسان تھا۔ چونکہ لیدیا طلائی
ذخائر کی وجہ سے ایک خوشحال۔ امیر اور متمدن ملک تھا لہٰذا اس وجہ سے
آس پاس کے ممالک کی نگاہیں اُن پر بھی ہوئی تھیں۔ کردِس کو ابتداء میں

اور سلیسی کے جنوب اور مغرب کی تمام اقوام اُن کی تابع ہو گئیں۔ ایشیائے کوچک
اسستی تو روس سے بحیرۂ ایجین تک پونٹ اور اوکسن سے خلیج یا مفیلی تک کے علاقے
لیڈیا کے فرمان کے تسلط ہو گئے۔ ان تمام علاقوں میں کوچی لودی پھیل کر آباد
اور اسی طرح ہر جگہ اپنی حاکمیت مستحکم کر لی۔ خود لیدیا میں کرولس نے اچھی صنعتی
اور زرعی اصلاحات کیں۔ خصوصاً معدنیات کے نکالنے اور اُن سے استفادہ
کرنے کے لئے اچھے مفید اقدامات کئے۔ اس وجہ سے لیدیا کے قلمرو میں شامل
تمام لوگوں نے ترقی کے کاموں میں حصّہ لیا۔ سکہ جو ٹریژس کے زمانے سے
جاری تھا اور مستحکم ہوا۔ اور قدر و قیمت کی زیادتی کے ساتھ اقتصادی ترقی
کا باعث بنا۔ لیدیا کا دار الخلافہ سارد ایک بڑا تجارتی مرکز بنا خصوصاً سونے
کی منڈی کے نام سے شہرت حاصل کر لی تھی۔ یونانیوں کے لئے لیدیا کا
ملک باعثِ رحمت بنا۔ کیونکہ سب اسی طرف کوچ کر گئے۔ جیسا کہ آج کل پسماندہ
ملکوں کے لوگ روزگار کی تلاش میں خلیج فارس کی ریاستوں کی طرف جاتے ہیں
اسی طرح اُس وقت آس پاس کے ملکوں خصوصاً یونانی لیدیا کی طرف چلے
گئے۔ لیدیا اور یونان ایک دوسرے کے اس قدر قریب ہو گئے تھے۔ جن پر کہ دو
(علیحدہ) ملکوں کا گمان نہیں ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ لیدیا کے چند منصب دار
یونانیوں کے بڑے معبد "دلف" گئے تا کہ اس معبد کے سربراہ مگاکلس
سے مشورہ کر لیں۔ اُن کے بیٹے الکمئون نے ان کے آرام و آسائش کی بڑی خدمت
کی۔ کرولس کو جب اس کا علم ہوا ان کو اپنے دربار میں طلب کر کے کہا کہ تم کو
فقط ایک مرتبہ سلطنت کے خزانے میں بھیجتا ہوں۔ جس قدر اُٹھا سکتے ہو لے لو۔
الکمئون اس مقصد کے لئے کشادہ لباس بنا کر خزانہ کی طرف چلا گیا۔ اس مقصد
کے لئے بنائی ہوئی بڑی بڑی جیبیں بھرنے کے علاوہ جھولی بھی بھر لی دونوں مٹھیاں

بھی بھر لیں۔ حتیٰ کہ منہ بھی بھر لیا۔ کرولس نے جب اس کی یہ حالت دیکھی
تو ہنس کر کہا کہ "تم نے تو بڑی زحمت اٹھائی۔ پھر اُسے اور بیش بہا تحائف دے
کر اور بھی نوازا۔ اس واقع کی خبر جب یونان کے لوگوں کو ہوئی تو کرولس سے
ان کی محبت اور بھی بڑھ گئی۔ اور ان کے درمیان روابط اور بھی مستحکم ہو گئے۔[1]

مولانا ابوالکلام آزاد سائرس یا ذوالقرنین ۵۴۹ ق م کا شاہ لیڈیا
کرولس کے ساتھ جنگ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ کہ (لیڈیا) یونانی
تمدن کا ایشیائی مرکز بن گیا تھا۔ اور اس کی حکومت بھی اپنے تمام خصائص
میں ایک یونانی حکومت تھی[2]

اب ایک اور بیان ملاحظہ فرمائیں

"یونانی مورخ گزنفون (زینوفن) لکھتا ہے کہ ہخامنشی شہنشاہ گوروش
اعظم (سائرس) حکومت ہندوستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر لئے
تھے اس وقت جب اس شہریار تامدار (سائرس) نے سرزمین لیدی (لودی۔
لیدیا) کے ثروت مند و مشہور بادشاہ کرزوس (کرولس) کے ساتھ جنگ کرنے
کا ارادہ کر لیا۔ تو ہندوستان کے بادشاہ نے اپنے نمائندے گوروش کے
پاس بھیجے گزنفون کہتا ہے۔ اس موقع پر ہندوستان کے سفیر پیسے ساتھ
لائے تھے۔ اور گوروش کو اپنے بادشاہ کی طرف سے یہ کہا۔ کہ

"گوروش میں بہت خوش قسمت ہوں آپ نے مجھے اپنی ضروریات سے آگاہ کیا چاہتا ہوں
آپ کا میزبان بنوں اور آپ کو روپے بھیج دوں اگر اور روپیہ چاہئیں۔ تو مجھ سے مانگ بھیجئے

---

[1] کتاب ملل قدیم آسیائی عربی چھاپ طہران صفحہ ۳۱۸ تا ۳۲۰

[2] اصحاب کہف صفحہ ۸۴ -

سفیروں کو ہدایت کی ہے کہ جس طرح آپ حکم کریں وُہ بجا لائیں۔ گوروش نے جواب دیا کہ میں حکم دیتا ہوں کہ باقی تمام سفیر خیموں میں رہیں اور ردیوں کی حفاظت کریں۔ خوشی کے ساتھ اپنا وقت گزاریں۔ تین آدمی تم لوگوں میں سے ہمارے دشمنوں کے پاس جائیں اور ظاہر یہ کریں کہ ہم اُن (لودیوں) کے اور ہندوستان کے بادشاہ کے درمیان تعلقات قائم کرنے آئے ہیں۔ لیکن اصل میں یہ دیکھیں کہ دشمن کیا کہتا ہے اور کیا کرتا ہے اور پھر تمام حالات سے مجھے آگاہ کیا جائے اگر ان لوگوں نے یہ کام بخوبی انجام دیا تو جتنی دولت تم لوگ لائے ہو اس سے بھی زیادہ میں پیش کروں گا۔ کیونکہ میرے آدمی پہچانے جاتے ہیں۔ اور وُہ اس سے زیادہ معلومات حاصل نہیں کر سکتے۔ جتنے کے عام لوگوں کو معلوم ہوتے ہیں۔ البتہ تم جیسے لوگ کر سکتے ہو۔ کہ دشمن کے خیالات معلوم کر سکو۔ سفیروں نے فوراً بخوشی اس حکم کی تعمیل کی گوروش نے ان کی اچھی مہمان نوازی کی پھر اُن کے لئے سفر کے لوازمات فراہم کئے اور وُہ اپنے مقصد کے پیچھے چل پڑے جاتے وقت انہوں نے کہا کہ جیسے ہی دشمن کے مقاصد سے آگاہ ہوئے ہم لوٹ کر آئیں گے۔ چنانچہ جب یہ لوگ وہاں سے واپس آئے تو یہ خبر لائے کہ لیدیا کا بادشاہ کرزوس فوجوں کا سردار منتخب اور مقرر ہو چکا ہے اور اس نے تمام بادشاہوں کو کہا ہے کہ ایک جگہ جمع ہو جائیں اور رقم جمع کریں

(کتاب دوئم فصل ۴ ص ۴)

سائرس نے ابھی فارس اور میڈیا کا تاج سر پر رکھا ہی تھا کہ ایشیائے کوچک

---

[1] مجلہ برہانی۔ تاریخی اکتوبر۔ نومبر ۱۹۷۱ء صفحہ (۱۱۷)

کے بادشاہ کروئس نے حملہ کر دیا۔ ایشیائے کوچک کی یہ بادشاہت جو لیڈیا کے نام سے مشہور ہوئی پہلی صدی کے اندر ابھری تھی۔ اس کا دارالحکومت سارڈیس (SARDIS) تھا۔ سائرس کی تخت نشینی سے پہلے میڈیا اور لیڈیا میں کئی جنگیں ہو چکی تھیں۔ بالآخر کروئس کے باپ نے سائرس کے دادا استیاگس کے باپ سے صلح کر لی اور باہمی اتحاد کے استحکام کے لئے باہمی ازدواج کا رشتہ بھی قائم ہو گیا۔ لیکن کروئس نے یہ تمام عہد پیمان اور باہمی علائق بھلا دیئے۔ وہ سائرس کی یہ کامرانی برداشت نہ کر سکا کہ فارس اور میڈیا کی مملکتیں متحد ہو کر ایک عظیم الشان مملکت کی حیثیت اختیار کر رہی ہیں۔ اس نے پہلے بابل۔ مصر اور اسپارٹا کی مملکتوں کو اس کے خلاف ابھارا اور پھر اچانک حملہ کر کے سرحدی شہر پیٹریا (PTERIA) پر قبضہ کر لیا۔

اب سائرس مجبور ہو گیا کہ بلاتوقف وُہ اس کا مقابلہ کرے۔ وُہ میڈیا کے دارالحکومت حکمتانہ (موجودہ ہمدان) سے نکلا اور اس تیزی کے ساتھ بڑھا کہ صرف دو جنگوں کے بعد جو پیٹریا اور سارڈیس کے قریب واقع ہوئی تھیں لیڈیا کی تمام مملکت پر قابض ہو گیا۔ بحر شام سے لے کر بحر اسود تک تمام ایشیائے کوچک اور بحر روم تک سارا علاقہ سائرس کے زیر نگیں ہو گیا۔

(اصحاب کہف صفحہ ۶۱)

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا کہ لیدیا کے بادشاہ آلیات نے میڈیا کے بادشاہ ہوخشتر کے بیٹے ایختودیگو کو اپنی بیٹی دی تھی۔ اور اسی طرح یونانیوں کے ساتھ بھی گہرے دوستانہ اور قریبی مراسم قائم کئے تھے۔ اس بنا پر میدیوں اور یونانیوں نے جو بالترتیب لیدیا کے مشرق و مغرب میں آباد ہو گئے تھے لیدیا

بہ دولت مند ملک تھا۔ ان کی کافی آمد و رفت تھی۔ اور بے شمار مِیدی اور یونانی لیدیا میں مستقلاً آباد ہو گئے۔ چنانچہ جس وقت ہخامنشی بادشاہ سائرس کے ساتھ لیدیا کی جنگ چھڑ گئی تو لیدیا کے میڈیوں اور یونانیوں نے بھی لودیوں کے ساتھ مل کر جنگ میں حصّہ لیا۔ ہرچند کہ سائرس اُن پر غالب ہُوا۔ لیکن سائرس کی وفات کے بعد ہخامنشی کی حکومت کی باگ ڈور سست پڑ گئی۔

احمد علی کہزاد لکھتا ہے:۔

" مادیوں کے ساتھ جو بابل اور لیدی (لیدیا) میں تھے ہخامنشیوں کی بہت لڑائیاں ہوئیں ....

یہاں اتنا کہہ سکتے ہیں کہ سیروس اُن تمام پر غالب ہُوا ہے اور اُن سے تمام مربوط زمینیں بھی ہخامنشیوں کے ہاتھ لگی ہیں۔ اس دوران میں سیروس مشرق کی جانب آریانہ کی سرزمین کی طرف متوجہ ہُوا اور ۵۴۵ سے ۵۳۹ تک پانچ چھ سال افغانستان کے قومی لشکروں سے جھگڑوں میں مصروف رہا۔

بالآخر اسی سرزمین میں مارا گیا۔ سیروس کی بادشاہت کے بعد کے واقعات ہنگاموں سے پُر اور بہت اضطراب ناک تھے۔ اگرچہ ہخامنشی خاندان کا بانی بالآخر افغانستان میں مارا جاتا ہے۔ لیکن جزئیات پوری طرح معلوم نہیں کہ آریانا کے کس خطہ میں مارا گیا ہے[1]۔

فلپ حتی تاریخ لبنان (صفحہ ۱۵۷) میں لکھتا ہے کہ سائرس[2]

---

[1] افغانستان کی قدیم تاریخ صفحہ ۲۲۸

[2] تورات میں خورس اور عربوں نے کیخسرو کے نام سے یاد کیا ہے۔

۵۲۹ ق م میں وسطی ایشیا کی ایک جنگ میں مارا گیا۔

ستیزیاس (CETESIAS) کہتا ہے کہ سائرس (دربیکیوں) کی جنگ میں جن کا بادشاہ امو... تھا مارا گیا اور وہ اسطرح کہ سائرس کی سوار فوج نے جب ان پر حملہ کر دیا یا ان کو قتل ... لیا تو ان میں سے کسی شخص نے سائرس کو تیر کا نشانہ بنا کر مار ڈالا۔

رابپس (RAPSAN) کہتا ہے کہ ڈربیکی جو قوم تھی جو افغانستان اور ہندوستان کی سرحد پر ...
ہیروڈوٹس کہتا ہے کہ سائرس اکسس کے شمال میں ساجتیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد تاریخ ذوالقرنین میں قرآن حکیم اور یونانی مورخین ہیروڈوٹس اور ٹی سیاز کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ جس وقت وہ (سائرس) مشرق کی طرف گیا (لشکر کشی) تو ایک ایسی قوم ملی جو سورج کے لئے کوئی آڑ نہیں رکھتی تھی یعنی خانہ بدوش وحشی اور قبائل بستے تھے۔ یہ خانہ بدوش قبائل کون تھے ان مورخین کی صراحت کے مطابق بکتریا یعنی بلخ کے قبائل تھے اگر نقشہ پر نگاہ ڈالیں تو صاف دکھائی دیگا کہ بکتریا ایران کیلئے ... مشرقی وحشی کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کے سامنے پہاڑ ہیں اور انہوں نے راہ روک دی ہے اسکا اشارہ بھی ملتا ہے کہ گیڈروسیا کے وحشی قبیلوں نے انکی مشرقی سرحدیں بڑھانی پھیلائی تھی اور انکو شمالی خیلے نکلنا پڑا۔ گیڈروسیا سے مراد وہی علاقہ ہے۔ جس کو آج کل مکران کہا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا قیاس کہتا ہے کہ مکران سے نیچے انکے قدم نہیں اترے ہونگے اگر اترے ہونگے تو دریائے سندھ سے آگے نہیں بڑھے ہونگے کیونکہ دارا کے زمانہ میں بھی اس کی جنوب مشرقی سرحد دریائے سندھ ہی تک معلوم ہوتی ہے۔ سائرس کی شمالی مہم چونکہ انہی علاقوں میں تھی۔ جو ہمارے دانشور تحقیق میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا اس سلسلے میں مولانا ابوالکلام آزاد کی تالیف اصحاب کہف میں ذوالقرنین کے باب سے پوری عبارت نقل کی جاتی ہے۔ تاکہ گزشتہ بیانات کی مزید توضیح ہو سکے اور بات کو آسانی سے آگے بڑھایا جا سکے

تیسری لشکر کشی اس نے ایسے علاقہ تک کی جہاں یاجوج

...ملہ کیا کرتے تھے۔ یہ یقیناً اس کی شمالی مہم تھی جس میں وہ بحر خزر (کیسپین) کو دہنی طرف چھوڑتا ہوا کاکیشیا (CAVCA SUS) کے سلسلہ کوہ تک پہنچ گیا تھا اور وہاں اسے ایک درہ ملا تھا۔ جو دو پہاڑی دیواروں کے درمیان تھا۔ اسی راہ سے یاجوج ماجوج آ کر اس طرف کے علاقے میں تاخت و تاراج کیا کرتے تھے۔ اور یہی اس نے سد تعمیر کی۔

قرآن مجید نے اس مہم کا حال ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔

حتیٰ اذا بلغ بین السدین وجد من دونھما قوما لا یکادون یفقھون قولاً (۹۳)

یہاں تک کہ وہ دو (پہاڑی) دیواروں کے درمیان پہنچ گیا۔ ان کے اس طرف اسے ایک قوم ملی۔ جو کوئی بات بھی سمجھ نہیں سکتی تھی۔ پس صاف معلوم ہوتا ہے "سدین" سے مراد کاکیشیا کا پہاڑی درہ ہے کیونکہ اس کے داہنی طرف بحر خزر ہے جس نے شمال اور مشرق کی راہ روک دی ہے بائیں جانب بحر اسود ہے۔ جو شمال مغرب کے لئے قدرتی روک ہے۔ درمیانی علاقے میں اس کا سربلند سلسلہ کوہ ایک قدرتی دیوار کا کام دے رہا ہے پس اگر شمالی قبائل کے حملوں کے لئے کوئی راہ باقی رہی تھی۔ تو وہ صرف اس سلسلہ کوہ کا ایک عریض درہ یا وسطی وادی تھی۔ اور یقیناً وہیں سے یاجوج ماجوج کو دوسری طرف پہنچنے کا موقع ملتا تھا۔ اس راہ کے بند ہو جانے کے بعد نہ صرف بحر خزر سے لے کر بحر اسود تک کا علاقہ محفوظ ہو گیا۔ بلکہ سمندروں اور پہاڑوں کی ایک ایسی دیوار قائم ہو گئی جس نے تمام مغربی ایشیا کو اپنی پاسبانی میں لے لیا، اور شمال کی طرف سے حملے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہا۔ اب ایران۔ شام۔ عراق، عرب۔ ایشیائے کوچک بلکہ مصر بھی شمال کی طرف سے بالکل محفوظ

ہوگیا تھا۔

نقشہ میں یہ مقام دیکھو، تمام مغربی ایشیا نیچے ہے۔ اوپر شمال میں بحر خزر ہے۔ اس سے بائیں جانب شمال مغرب میں بحر اسود ہے۔ درمیان بحر خزر کے مغربی ساحل سے بحر اسود کے مشرقی ساحل تک کاکیشیا کا سلسلہ کوہ چلا گیا ہے۔ ان دو سمندروں اور درمیان کے سلسلہ کوہ نے مل کر سینکڑوں میلوں تک ایک قدرتی روک پیدا کر دی ہے۔ اب اس روک میں اگر کوئی شگاف رہ گیا تھا جہاں سے شمالی اقوام کے قدم اس روک کو لانگ سکتے تھے تو وہ صرف یہی دو پہاڑوں کی درمیانی راہ تھی۔ ذوالقرنین (سائرس) نے اسے بھی بند کر دیا۔ اور اس طرح شمال اور مغربی ایشیا کا درمیانی پھاٹک پوری طرح مقفل ہوگیا۔

باقی رہا یہ سوال کہ وہاں جو قوم ذوالقرنین کو ملی تھی اور جو بالکل ناسمجھ تھی۔ وہ کون سی قوم تھی؟ تو اس سلسلہ میں دو قومیں نمایاں ہوتی ہیں۔ اور دونوں کا اس زمانے میں وہاں قریب قریب آباد ہونا تاریخ کی روشنی میں آچکا ہے۔ پہلی قوم وہ ہے جو بحر خزر کے مشرقی ساحل پر آباد تھی۔ اسے یونانی مورخوں نے "کاسپین" کے نام سے پکارا ہے اور اس کے نام سے بحر خزر کا نام بھی بحر کاسپین" (کیسپین) پڑ گیا ہے۔ دوسری قوم وہ ہے جو اس مقام سے آگے بڑھ کر عین کاکیشیا کے دامن میں آباد تھی۔ یونانیوں نے اسے "کولچی" یا کول شی" کے نام سے پکارا ہے اور دارا کے کتبہ اصطخر میں اس کا نام "کوشیہ" کیا ہے۔ ان ہی دو قوموں میں سے کسی نے یا دونوں قوموں نے ذوالقرنین سے یاجوج ماجوج کی شکایت کی ہوگی اور چونکہ یہ غیر متمدن قومیں تھیں اس لئے ان کی نسبت فرمایا کہ — لا یکادون یفقہون قولا —!

قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے مغرب میں جو قوم ملی تھی۔ اس کی نسبت

علم الٰہی یہ تھا۔

یا ذالقرنین ! اما ان تعذب ، واما ان تتخذ فیھم حسنا ۵

(۸۶) یعنی یہ قوم اب تیرے بس میں ہے۔ جس طرح چاہے تو ان کے ساتھ سلوک کر سکتا ہے۔ خواہ سزا دے خواہ انہیں اپنا دوست بنا لے۔ یقیناً یہ لیڈیا کی یونانی قوم تھی۔ اس کے بادشاہ کروسس نے تمام عہد و پیمان اور باہمی رشتہ داریاں بھلا کر بلا وجہ سائرس پر حملہ کر دیا تھا۔[1]

آزاد مرحوم آگے چل کر کہتے ہیں :۔

زرتشت کے ظہور سے پہلے فارس اور میڈیا کے باشندوں کے عقائد کی بھی نوعیت وہی تھی جو انڈو یورپین آریاؤں کی تمام دوسری شاخوں کی ہو چکی ہے[2]

آپ نے گذشتہ صفحوں میں دیکھا کہ لیڈیا کے لوگ بھی انڈو یورپین ہیں اور یہ بھی بتایا گیا کہ پٹھوٹانی بھی انڈو یورپین تھے۔ جنہیں بعد میں پشتو لہجہ میں "دوتانی" کہا گیا۔ اب آیئے اس کی مزید توضیح و تشریح مولانا آزاد مرحوم سے سنیں۔

" یاجوج اور ماجوج کے لئے یورپ کی زبانوں میں (GOG) (گاگ) اور (MAGOG) (ماگاگ) اور مے گاگ) کے نام مشہور ہو گئے ہیں۔ اور شارحین تورات کہتے ہیں کہ یہ نام سب سے پہلے تورات کے ترجمہ سبعینی میں اختیار کئے گئے تھے۔ لیکن کیا اس لئے اختیار کئے گئے تھے۔ کہ یاجوج اور ماجوج کا یونانی تلفظ یہی ہو سکتا

---

[1] مولانا مرحوم کی اس تصریح سے ثابت ہو جاتا ہے کہ مادی۔ لودی اور یونانی اختلاط سے لیڈیا میں یونانیوں کے نام سے ایک متمدن قوم آباد تھی جو در حقیقت خالص یونانی نہیں تھی بلکہ ان میں مادی اور ۔۔۔ عنصر بھی شامل ہوگیا تھا (۲) اصحاب کہف ص ۱۲ تا ۲۲ ۔ ۳۰ اصحاب کہف صفحہ ۴

تھا[1]۔ یا خود یونانی میں پہلے سے یہ نام موجود تھے؟ اس بارے میں شارحین کی رائیں مختلف ہیں۔ لیکن زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے۔ کہ یہ دونوں نام اسی طرح یا اس کے قریب قریب یونانیوں میں بھی مشہور تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کون قوم تھی؟ تمام تاریخی قرائن متفق طور پر شہادت دے رہے ہیں۔ کہ اس سے مقصود صرف ایک ہی قوم ہو سکتی ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں۔ یعنی شمال مشرقی میدانوں کے وہ وحشی مگر طاقتور قبائل جن کا سیلاب قبل از تاریخ عہد سے لے کر نویں صدی مسیح تک برابر مغرب کی طرف امنڈتا رہا۔ جن کی مشرقی حملوں کی روک تھام کے لئے چینیوں کو سینکڑوں میل لمبی دیوار بنانی پڑی تھی۔ جن کی مختلف شاخیں تاریخ میں مختلف ناموں سے پکاری گئی ہیں۔ اور جن کا آخری قبیلہ یورپ میں مسگو کے نام سے روشناس ہوا۔ اور ایشیا میں تاتاریوں کے نام سے اسی قوم کی ایک شاخ تھی جسے یونانیوں نے سیتھین (SEYTHIAN) کے نام سے پکارا ہے اور اسی کے حملوں کی روک تھام کے لئے سائرس نے سد تعمیر کی تھی۔

شمال مشرق کے اس علاقے کا بڑا حصہ اب "منگولیا" کہلاتا ہے لیکن "منگول" لفظ کی ابتدائی شکل کیا تھی؟ اس کے لئے جب ہم چین کے تاریخی مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم نام

---

[1] ترجمہ سبعینی سے مقصد تورات کا وہ پہلا یونانی ترجمہ ہے جو اسکندریہ میں شاہی حکم سے ہوا تھا۔ اور جس میں ستر علمائے یہود شامل تھے۔

"موگ" تھا یقیناً یہی "موگ" ہے جو چھ سو برس قبل مسیح یونانیوں میں "میگ" اور اسے "گاگ" پکارا جاتا ہوگا۔ اور یہی عبرانی میں "ماجوج" ہوگیا۔

چین کی تاریخ میں ہمیں اس علاقہ کے ایک اور قبیلہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جو "یوچی" (YUEH-CHI) کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہی "یوچی" جس نے مختلف قوموں کے مخارج و تلفظ سے گذر کر کوئی ایسی شکل اختیار کرلی تھی کہ عبرانی میں "یاجوج" ہوگیا۔

اس امر کی وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ ان نتائج پر ایک اجمالی نظر ڈالی جائے جو مختلف قوموں کے نسلی۔ جغرافیائی اور لغوی علائق کی بحث و تنقیب سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور جو موجودہ زمانے میں "تاریخ اقوام" کے طے شدہ مبادیات ہیں۔ کرہ ارضی کی بلند سطح کا وہ حصہ جو شمال مشرق میں واقع ہے۔ اور جسے آج کل منگولیا اور چینی ترکستان کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ تاریخ قدیم کے بے شمار قوموں کا ابتدائی گہوارہ رہ چکا ہے۔ یہ نسل انسانی کا ایک ایسا سرچشمہ تھا۔ جہاں پانی برابر ابلتا اور جمع ہوتا رہتا اور جب بہت بڑھ جاتا تو مشرق و مغرب کی طرف امنڈتا جاتا تھا۔ اس کے مشرق میں چین تھا۔ مغرب و جنوب میں مغربی و جنوبی ایشیا اور شمال مغرب میں یورپ چنانچہ یکے بعد دیگرے قوموں اور قبیلوں کے سیلاب امنڈتے رہے کچھ وسط ایشیا میں آباد ہوگئے کچھ آگے بڑھے اور شمالی یورپ تک پہنچ گئے کچھ وسط ایشیا سے نیچے اتر گئے اور جنوبی و مغربی ایشیا پر قابض ہوگئے۔ یہ قبائل جو اس علاقہ سے نکلتے تھے مختلف ملکوں میں بس کر وہاں کی خصوصیات اختیار کر لیتے تھے۔ اور رفتہ رفتہ ایک مقامی قوم بن جاتے تھے۔ لیکن ان کا وطنی سرچشمہ اپنی اصلی حالت پر باقی رہتا۔ جہاں سے پھر قبائل کا ایک نیا سیلاب اٹھتا۔ اور کسی نئے علاقے میں

پہنچ کر نئی مقامی قومیت کی تخلیق کر دینا۔

یہ علاقہ صدیوں تک اپنی اصلی وحشیانہ حالت پر باقی رہا لیکن جو قبائل یہاں سے نکل نکل کر مختلف ملکوں میں بستے گئے انہوں نے مقامی خصوصیات اختیار کر کے تہذیب و تمدن کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ چند صدیوں کے بعد ان کی حالت اس درجہ مختلف ہو گئی کہ ان میں اور ان کے قدیم ہم وطنوں میں کوئی بات بھی مشترک باقی نہیں رہی۔ وہ اب مہذب ہو رہے تھے یہ بدستور وحشی تھے۔ وہ تہذیب کے صناعی ہتھیاروں سے لڑتے تھے۔ یہ وحشت کی قدرتی ہمجیت اور درندگی سے۔ ان میں زراعت۔ صناعت اور ذہنی ترقی کی مختلف شاخیں ابھر رہی تھیں۔ وہ ان سب سے نا آشنا تھے۔ بہرحال علاقہ کی صحرائی زندگی اور وحشیانہ خصائل کی خشونت نے انہیں وقت کی شائستہ اقوام کے لئے ایک خوفناک ہستی بنا دیا تھا۔

قبل اس کے کہ تاریخی عہد کی صبح طلوع ہو، شمال مغربی قبائل کی یہ مہاجرت شروع ہو چکی تھی۔ اور اس کا سلسلہ تاریخی عہد میں بھی بدستور جاری رہا۔ انہی قبائل کا ایک ابتدائی گروہ وہ تھا جو آرین نسل کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اس کا ایک حصہ وسط ایشیا سے یورپ کی طرف بڑھ گیا۔ ایک نیچے اتر کر پنجاب میں آباد ہو گیا۔ ایک مغرب کی طرف بڑھا اور فارس اور میڈیا اور اناطولیا میں بس گیا۔ اسے اب انڈو یورپین آریا کے نام سے شناخت کیا جاتا ہے۔ یہ ہندوستان اور یورپ دونوں کی آریائی اقوام کے مورث اعلیٰ تھے۔ ان کا جو حصہ شمالی ہند میں بس گیا تھا اس نے اپنا نسلی خطاب برابر یاد رکھا اور اپنے کو آریا ورت کہتا رہا۔ جو فارس اور میڈیا میں بسا اس نے اپنی ابتدائی قیام گاہ کو ایریانہ کے نام سے موسوم کیا۔ جسے اوستا میں

ایریانہ ویگو کہا گیا ہے) اور یہی ایریانہ ایران ہو گیا۔ جو قبائل اناطولیا تک پہنچ گئے وہ (غالباً) ہِتّی یا (HITTITE) کے نام سے پکارے گئے جنہیں توراۃ کی کتاب پیدائش میں "حتی" کہا گیا ہے اور مصر کے قدیم نوشتوں میں "ختتی" پایا جاتا ہے۔ جو قبائل یورپ میں پہنچے وہ گوتھ۔ فرانک۔ الامان۔ وندال۔ ٹیوٹان اور ان کے نام سے مشہور ہوئے اور ان ہی کی ایک وسیع شاخ وہ تھی جو بحر اسود سے گزر کر دریائے ڈینیوب کی بالائی وادی تک پھیل گئی اور سیتھین کے نام سے پکاری گئی۔ وسط ایشیا کے مشرقی قبائل بھی جو بکتریا (بلخ) پر تاخت و تاراج کرتے رہتے تھے سیتھین ہی تسلیم کئے گئے ہیں۔ اور خود دارا نے اپنے کتبہ استخر میں انہیں اسی نام سے پکارا ہے۔ ان قبائل کی جو تین شاخیں شمالی ہند اناطولیا (ایشیائے کوچک) اور ایران میں بس گئی تھیں انہیں ایسا ماحول ملا۔ جو زراعت کے لئے موزوں تھا۔ اس لئے بہت جلد انہوں نے زراعتی زندگی اختیار کر لی اور پھر تہذیب و مدنیت کی طرف بڑھنے لگیں۔ لیکن جو شاخیں یورپ کی طرف بڑھیں۔ انہیں ایسا ماحول میسر نہیں آیا اس لئے صحرائی زندگی کی تمام خصوصیات ان میں بدستور باقی رہیں اور صدیوں تک متغیر نہ ہوئیں اب گویا ان قبائل کی تین حالتیں ہو گئی تھیں۔ اولاً منگولیا کے اصلی باشندے جو بدستور وحشی اور صحرائی تھے اور ان کی یہ حالت بغیر کسی تغیر کے برابر قائم رہی ثانیاً بحر اسود کے شمالی ساحل اور شمالی یورپ کے قبائل جو گو اپنے مولد اصلی سے الگ ہو گئے تھے، لیکن ان کی وحشیانہ خصوصیات نہیں بدلی تھیں۔

ثالثاً ہندوستان، ایران اور اناطولیا کے قبائل جو بتدریج شہریت و مدنیت میں ترقی کرنے لگی اور پھر آگے چل کر تین قدیم تہذیبوں کے بانی ہوئے۔[1]

[1] ذوالقرنین صفحہ ۱۱۴ تا ۱۱۸۔

مذکورہ حوالوں اور بیانات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ لیڈیا میں لودیوں اور یونانیوں کی شمولیت سے بلکہ سمیریوں اور اشوریوں کی آمیزش بھی ساتھ ہی شامل تھی جس سے کہ ایک نئی قوم وجود میں آئی اگرچہ اس قوم نے یونانی نام سے اس وقت شہرت پائی جبکہ باگ ڈور سکندر اعظم کے ہاتھ آگئی۔ لیکن پھر بھی اکثریت لودیوں پر مشتمل تھی۔ کیونکہ وہ لیڈیا کے مقامی اور قدیم آبادی باشندے تھے۔ البتہ خاص یونانی منطقہ میں یونانی نسل زیادہ تھی۔ جس وقت سکندر اعظم نے ایران کے دارا کو شکست دی تب لودیوں اور یونانیوں پر مشتمل ایسی مملکت قائم ہوئی جیسی کہ سائرس نے میڈیا اور پارس کے اتحاد سے بنائی تھی اسی طرح نہ صرف لودیوں اور یونانیوں کے درمیان خون کی آمیزش ہوئی بلکہ ایک دوسرے پر ثقافتی اور تہذیبی اثرات بھی مرتب کئے۔ قدیم لودیوں کے ثقافتی اثرات اب بھی یونانیوں میں خدوخال رسم و رواج اور تہذیبی روایات کی شکل میں زندہ ہیں۔ اس بارے میں اگر میں اپنے رفیق عبدالفتح جو اس وقت پشتو اکیڈیمی بلوچستان کے صدر، میرے ہمکار اور اس کتاب کے مترجم ہیں کے ذاتی مشاہدات یہاں پر قلمبند کردوں تو بہتر ہوگا۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ عبدالفتح نسلی اعتبار سے بلوچی ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے تقریباً لندن میں سوا چھ سال کا عرصہ گزارا اور اس دوران میرا زیادہ تر اٹھنا بیٹھنا یونانیوں کے ساتھ تھا۔ خصوصاً نکولس نام کا یونانی میرا اچھا دوست تھا جن سے میرے گہرے مراسم تھے، ایک دن میں نے ان سے ہیئر ڈریسنگ سیکھنے کا ذکر کیا۔ وہ مجھے اپنے کسی یونانی دوست کے دفتر لے گیا جس وقت ہم دفتر میں داخل ہوئے تو وہاں ایک تین چار دیگر یونانی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

انہوں نے مجھ سے یونانی زبان میں گفتگو شروع کی اس پر میں نے ہنس کر
کہا کہ مجھے یونانی زبان نہیں آتی ۔ پھر میرے ساتھی نکولس نے ان سے کہا
خدوخال کے لحاظ سے یونانی معلوم ہوتا ہے لیکن یونانی نہیں ہے ۔ انہوں
نے مسکرا کر کہا کہ ہم تو تم کو یونانی سمجھنے لگے ۔ اسی طرح ایک دفعہ پہلی مرتبہ میں
میں نکولس کے ساتھ اُن کی والدہ کے گھر گیا جوں ہی میں نکولس کے پیچھے
کمرے میں داخل ہوا ۔ تو اس کی والدہ بالکل سامنے کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی ۔ مجھے
دیکھ کر سخت حیران ہو گئی اور حیرت و استعجاب کی نظروں سے گھورتی رہی ۔ پھر اپنے
بیٹے کو مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ مجھے تمہارے دوست کو دیکھ کر اس قدر تعجب اور
مغالطہ ہوا کہ میں نے ان پر تمہارے فوت شدہ بہنوئی کا گمان کیا ۔
اور حیران ہوئی کہ مردہ کیسے زندہ ہوا ۔ بعد میں نکولس کی ماں نے
بڑی خاطر مدارات کے ساتھ یہ کہہ کر مجھے رخصت کیا کہ تم ضرور کبھی کبھار
میرے پاس آیا کرو مطلب یہ کہ وہ اپنے داماد کی تشنگی بجھانا چاہتی تھی
اسی طرح کے گمان کا ایک اور واقعہ ہے وہ یہ کہ ہر صبح میں کام کو بس
پر سے جایا کرتا تھا ۔ اور اسی کوچہ میں ایک انگریز بھی جن سے ہمسایہ اور
ہمراہ ہونے کی بناء پر علیک سلیک ہوئی تھی ۔ اسی بس سے جایا کرتے
تھے ۔ کافی عرصہ بعد ایک دن بس میں قریب بیٹھے ہوئے دوران گفتگو
وہ مجھ کو یونانی تصور کرتے ہوئے مخاطب ہوئے جس کے جواب میں مجھے
وہی کہنا پڑا کہ میں یونانی نہیں بلکہ پشتون ہوں اس پر بھی انہوں نے
یہی کہا کہ میں تو آپ کو یونانی سمجھتا تھا الغرض میں بذات خود بھی جب انگلستان
میں یونانیوں کے خدوخال عادات، حرکات و سکنات کو دیکھتا تھا تو مجھے
بھی ان میں پشتونوں کی جھلک نظر آتی تھی ۔ مثلاً بہ نسبت دوسرے یورپین

کے وہ زیادہ مہمان نواز تھے ۔ ایسے معاشرے میں جہاں نفسا نفسی ہو
مہمان نوازی کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے ۔ اسی طرح یونانیوں میں دیگر
یورپین کے مقابلہ میں شرم و حیا زیادہ تھی ۔ ان کے مزاج میں بھی
پشتونوں کی طرح گرمی پائی جاتی تھی ۔ اور بڑے وقار لہجے میں بات کرتے
تھے ۔ یونان میں دیہاتی عورتوں کا لباس عورتوں کی چوٹیوں کی بناوٹ
بڑی گول دائرے والی قمیص ——— ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ایک
پشتون کوچی عورت سامنے کھڑی ہے ، ان کی خوراک بھی پشتونوں سے
ملتی جلتی تھی ۔ مثلاً گندنہ ۔ ترمیرہ (رشیزی) اور بلوشکی) ایک طرح
کی صحرائی سبزی جو اب تک پشتونوں کی ایک دل پسند خوراک ہے
اسی طرح گرمیوں میں لسی میں رشین شوبی) جو ایک پہاڑی پودینہ ہے
کا استعمال آج بھی پشتونوں کی طرح کرتے ہیں ۔ یونان کے دیہات
میں آج بھی دیہاتی لڑکے اور لڑکی کی شادی والدین کی مرضی پر کرتے
ہیں ۔ اسی طرح یونانی اخلاقی لحاظ سے بھی دیگر اردیانیوں سے منفرد
ہیں ۔ مثلاً لندن جیسے آزاد ماحول اور فضا میں بھی کسی یونانی
دوشیزہ سے مراسم قائم کرنا بہ نسبت دوسروں کے مشکل ہے ۔"
مذکورہ بیان جو شک و شبہ سے بالاتر ہے اور شخصی مشاہدے پر
مبنی ہے سے یہ ظاہر ہوا کہ خون کی آمیزش کے ساتھ لودی تہذیب اور
ثقافت نے یونانیوں پر گہرے اثرات چھوڑے تھے بلکہ اس علاقہ میں
جو سیدیا کے نام سے پکارا جاتا تھا جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ۔ میری
اور آشوری قومیں بھی ایک دوسرے میں ضم ہو چکی تھیں ۔ جیسا کہ
"لبغانہ کوئی" کے قدیم حضریات سے جو کتبوں کی شکل میں ظاہر ہوئے ہیں

انہوں نے مجھ سے یونانی زبان میں گفتگو شروع کی اس پر میں نے انہیں کہا کہ مجھے یونانی زبان نہیں آتی۔ پھر میرے ساتھی نکولس نے ان سے کہا خدوخال کے لحاظ سے یونانی معلوم ہوتا ہے لیکن یونانی نہیں ہے۔ انہوں نے مسکرا کر کہا کہ ہم تو تم کو یونانی سمجھنے لگے۔ اسی طرح ایک دفعہ پہلی مرتبہ میں نکولس کے ساتھ اُن کی والدہ کے گھر گیا جوں ہی میں نکولس کے کمرے میں داخل ہوا۔ تو اس کی والدہ بالکل سامنے کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی دیکھ کر سخت حیران ہوگئی اور حیرت و استعجاب کی نظروں سے گھورتی رہی پھر اپنے بیٹے کو مخاطب ہوکر کہنے لگی کہ مجھے تمہارے دوست کو دیکھ کر اس قدر تعجب اور مغالطہ ہوا کہ میں نے ان پر تمہارے فوت شدہ بہنوئی کا گمان کیا اور حیران ہوئی کہ مردہ کیسے زندہ ہوا۔ بعد میں نکولس کی ماں نے بڑی خاطر مدارات کے ساتھ یہ کہہ کر مجھے رخصت کیا کہ تم ضرور کبھی کبھار میرے پاس آیا کرو مطلب یہ کہ وہ اپنے داماد کی تشنگی بجھانا چاہتی تھی اسی طرح کے گمان کا ایک اور واقعہ ہے وہ یہ کہ ہر صبح میں کام کو بس پہ سے جایا کرتا تھا۔ اور اسی کوچہ میں ایک انگریز بھی جن سے ہمسایہ اور ہمراہ ہونے کی بناء پر علیک سلیک ہوئی تھی۔ اسی بس سے جایا کرتے تھے۔ کافی عرصہ بعد ایک دن بس میں قریب بیٹھے ہوئے دوران گفتگو وہ مجھ کو یونانی تصور کرتے ہوئے مخاطب ہوئے جس کے جواب میں مجھے وہی کہنا پڑا کہ میں یونانی نہیں بلکہ پشتون ہوں اس پر بھی انہوں نے یہی کہا کہ میں تو آپ کو یونانی سمجھتا تھا الغرض میں بذات خود بھی جب انگلستان میں یونانیوں کے خدوخال عادات، وحرکات وسکنات کو دیکھتا تھا تو مجھے بھی ان میں پشتونوں کی جھلک نظر آتی تھی۔ مثلاً بہ نسبت دوسرے یورپین

کہ وہ زیادہ مہمان نواز تھے۔ ایسے معاشرے میں جہاں نفسا نفسی ہو مہمان نوازی کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح یونانیوں میں دیگر یورپین کے مقابلہ میں شرم وحیا زیادہ تھی۔ ان کے مزاج میں بھی پشتونوں کی طرح گرمی پائی جاتی تھی۔ اور پُر وقار لہجے میں بات کرتے تھے۔ یونان میں دیہاتی عورتوں کا لباس عورتوں کی چوٹیوں کی بناوٹ بڑی گول دائرے والی قمیص ——— ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ایک پشتون کوچی عورت سامنے کھڑی ہے، ان کی خوراک بھی پشتونوں سے ملتی جلتی تھی۔ مثلاً گندنہ۔ ترمیرہ (شیزی) اور (بوشکی) ایک طرح کی صحرائی سبزی جو اب تک پشتونوں کی ایک دل پسند خوراک ہے اسی طرح گرمیوں میں لسی میں (شین شوبی) جو ایک پہاڑی پودینہ ہے کا استعمال آج بھی پشتونوں کی طرح کرتے ہیں۔ یونان کے دیہات میں آج بھی دیہاتی لڑکے اور لڑکی کی شادی والدین کی مرضی پر کرتے ہیں۔ اسی طرح یونانی اخلاقی لحاظ سے بھی دیگر اور یورپیوں سے منفرد ہیں۔ مثلاً لندن جیسے آزاد ماحول اور فضا میں بھی کسی یونانی دوشیزہ سے مراسم قائم کرنا بہ نسبت دوسروں کے مشکل ہے۔"

مذکورہ بیان جو شک وشبہ سے بالاتر ہے اور شخصی مشاہدے پر مبنی ہے سے یہ ظاہر ہوا کہ خون کی آمیزش کے ساتھ لودی تہذیب اور ثقافت نے یونانیوں پر گہرے اثرات چھوڑے تھے بلکہ اس علاقہ میں جو میدیا کے نام سے پکارا جاتا تھا جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے۔ میری اور آشوری قومیں بھی ایک دوسرے میں ضم ہو چکی تھیں۔ جیسا کہ مدبغانہ کوئی ۵ کے قدیم حضریات سے جو کتبوں کی شکل میں ظاہر ہوئے ہیں

ثابت ہو چکا ہے کہ اس علاقہ میں مختلف زبانیں بولی جاتی تھیں اور یہ بھی آپ پڑھ چکے کہ سیمری سر منڈواتے تھے صرف ان کا قومی رہنما لمبے بال رکھتا تھا۔ جب کہ دوسروں کو بال رکھنے کی اجازت نہیں تھی اور یہ کہ وہ بڑی بڑی پگڑیاں باندھتے تھے۔ کشادہ لباس پہنتے تھے ان کی عورتیں پردہ کی سخت پابند تھیں اور بغیر پردہ ان کا گھومنا پھرنا ممنوع تھا۔ ان کی عورتیں بھی کشادہ قمیصیں اور پاؤں کے ٹخنے تک تنگ موری والی شلوار پہنتی تھیں یہ لباس آج بھی کوئٹہ سے غزنی تک تمام دیہاتی علاقوں میں مروج ہے۔ جنوبی روس کی تاریخ میں سب سے پہلے سیمریوں کا ذکر آتا ہے۔ جو [illegible] ق م میں قفقاز کے علاقوں سے ایشیائے کوچک میں وارد ہوئے تھے، غالباً سیتیوں کے جز تھے ایشیا کے نقشے پر نظر ڈالیں (بحر اسود) کے شمال میں تھوڑا سا مشرق کی جانب سیتین قبائل دکھائی دیتے ہیں۔ اور شمال میں اسی قدر مغرب کی طرف ٹیوٹانی (ردتانی)، نظر آتے ہیں۔ اور جنوب میں لودیوں کا علاقہ لیدیا بحر ایجین کے ساحلوں تک پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے ٹیوٹانی وہ لوگ تھے جنہوں نے پہلی مرتبہ رومانیہ کی سرزمین پر قبضہ کر لیا اور بعد میں جرمنی پر چڑھائی کر کے اپنی زبان اور روایات ان پر مسلط کر لیں۔

مورخین اور محققین اب اس بات پر کاملاً متفق ہو گئے ہیں کہ کیسپین اور بحر اسود کے آس پاس کشادہ علاقوں میں [illegible] ق م میں جو قومیں

لہ دائرۃ المعارف طبع کابل باب اریا صفحہ ۸۱۱

آباد تھیں اور پھر قدیم صدیوں میں ایک دوسرے میں مدغم ادھر ادھر پھیل گئے۔ وہ تمام ہند و ایرانی عناصر پر مشتمل تھے۔ اور یہ وہ لوگ تھے جو بعد میں مشرق میں آرین کے نام سے مشہور ہوئے اور کچھ لوگ ان پر تورانیوں کا بھی گمان کرتے تھے۔ بغاز کوئی کے حفریات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی ہے۔ کہ ایشیائے کوچک میں ایک زبان نہیں بولی جاتی تھی بلکہ کچھ ایسی زبانیں تھیں جن کے ترجمے قدیم کتبات کی نوشتوں پر دریافت ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے لباس، خدوخال اور بالوں کی بناوٹ میں بھی کافی تضاد تھا۔ مثلاً سیمری اگرچہ بال منڈواتے تھے۔ لیکن ٹیوٹانی جو موجودہ رومانیہ میں رہتے تھے سر کا درمیانی حصہ استرے سے صاف کراتے تھے۔ اور سر کے ارد گرد دو تین انگل قدر بال رکھتے تھے کشادہ لباس پہنتے تھے بالخصوص قدر اور لگے تھے اور اسی طرح سر کا درمیانی حصہ منڈوانا اور ارد گرد کر بال چھوڑنے والے لوگ اب بھی پشتونوں میں موجود ہیں اور یہ اچکزئی۔ نورزئی۔ ترین اور پشین کے علاقے کے دیگر پشتونوں پر مشتمل ہیں اگرچہ شہری علاقوں میں اس طرح کے بال بنانے کا رواج اب نہیں لیکن پھر بھی دور افتادہ دیہات اور پہاڑی علاقوں میں اب بھی زیادہ تر لوگ پرانے رواج پر قائم ہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ دوتا جیو سا سے خونی اور زبانی رشتہ میں منسلک تھے اس وقت بھی قبیلوں کی شکل میں رہتے تھے۔ جیسے کہ اب بھی ایک نسل اور ایک زبان کے قبیلے ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کے لئے دنیا کے مختلف پسماندہ ملکوں میں لڑتے بھڑتے رہتے ہیں۔ اس زمانہ میں جب قبائلیت اپنے عروج پر تھی اور فیوڈل نظام (سرداری اور نوابی نظام) کافی مضبوط تھا اور جنگیں

بھی زیادہ ہوتی تھیں اگر ایک سردار دوسرے قبیلے کے علاقے پر قابض ہوتا تو اپنے آپ کو بادشاہ کہلانے لگتا اور پھر اپنی سلطنت کو وسیع تر کرنے کے لئے آس پاس کے علاقوں پر حملہ آور ہوتا تھا۔ مار دھاڑ کا یہ سلسلہ وسطی ایشیا اور ایشیائے کوچک میں ہزارہا سال چلتا رہا اور اس دوران کبھی ایک زبان اور نسل کے قبائل متحد ہوئے ہیں۔ اور کبھی منتشر ہو کر انتشار کی حالت میں کچھ مغرب کی طرف کوچ کر گئے ہیں۔ اور کچھ مشرق کی جانب چلے گئے ہیں۔ لیکن مختلف وقتوں میں اور مختلف راستوں پر جس کی وجہ سے ان کے زمانے اور راستے اب تک محققین کے درمیان کافی اختلافات کے باعث بنے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کے نام مختلف زبانوں میں مختلف طور سے بیان ہوئے ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ صفحوں میں آپ پڑھ چکے۔ اکثر محققین کہتے ہیں کہ ہندو یورپین سخت سردی کی وجہ سے سائبیریا کے علاقوں سے قفقاز یعنی اورال اور خزر (بحر کیسپین) کے علاقوں میں وارد ہوئے ایران۔ افغانستان اور ایشیائے کوچک کے علاقوں سے بحر روم تک پھیل گئے۔ چینی اور روسی ترکستان (یہاں یہ وضاحت کر دیں کہ روسی ترکستان ایشیائے کوچک کے زیادہ حصہ پر مشتمل ہے) میں نویں اور دسویں میلادی میں چونکہ ہندو یورپین لہجوں میں لوگ گفتگو کرتے تھے۔ لہٰذا محققین نے کہا کہ ہندو یورپین کا اصل منبع چینی ترکستان یا روسی ترکستان ہے۔ اور تخاری لہجے جو (قرہ زبان)، قرہ شہر۔ کوچا) مشرقی ایران اور کاشغر و ختن میں بولے جاتے ہیں۔ قدیم ہندو یورپین کے باقیات ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ۲۰۰۰ ق م میں آرین ہندوکش کے

[illegible] ۲۳۰۰ ق م میں سرجون (شرغون) [illegible]ل علاقے پر قابض تھے لیکن یوں معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] کے دور میں انہوں نے یہ علاقے سندھ اور پنجاب تک کاملاً قبضہ کر لئے تھے سرجن [illegible] سارگن (سرجون) کی مملکت کا دائرہ مالا بار تک وسیع تھا اور پھر کم و بیش ۲۰۰۰ ق م میں کاسی جن کے ہمراہ کند اور ژمند بھی تھے ایران کے راستے بلوچستان میں داخل ہوئے اور پھر کاسیوں کے کچھ قبیلے بلوچستان میں رہ گئے اور کچھ پشاور کے راستے کشمیر چلے گئے جیسا کہ گزشتہ بیانات کی روشنی میں کہا گیا کند و ژمند افغانستان کی طرف چلے گئے جس وقت کاسی کشمیر میں داخل ہوئے اس وقت کشمیر کا نام ستی سارس (SATISARAS) تھا۔ کاسیوں نے اس جنت نظیر علاقے پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے نام سے موسوم کیا یعنی کاس میر (کاسیوں کا پہاڑ) جو بعد میں لہجے کے تضاد کی بنا پر س ش میں بدل گیا۔ اور کاس میر کاشمیر بنا بعض کہتے ہیں کہ "کاس" اور "میر" پراکرت زبان کے لغت ہیں۔ کاس کے معنی پانی کی گذرگاہ اور میر کے معنی پہاڑ۔ بعض کہتے ہیں کہ کاس ایک سامی قبیلے کا نام تھا۔ جو قدیم زمانے میں یہاں آیا تھا۔ اور ان کے نام سے کاش۔ کاشان اور کاشغر موسوم ہیں ایک نظریہ یہ ہے کہ یہ کاشغر سے کشمیر آئے تھے اور کشمیر پر قبضہ کر لیا تھا۔ جب کہ بعد میں یہ علاقہ کاس میر کے نام سے موسوم ہوا [1]

یہاں یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ پشتو زبان میں پہاڑ کو "غر" کہتے ہیں۔ غالباً کشمیر کے پرانے لوگ "میر" کہتے تھے)

---

[1] (KASH HIR BING A HISTORY P - ۱۲ - ۱۳ OF KASHMIR)

...یہ تضاد پیدا ہوتا ہے۔ کہ سارگن یا (سرجون) جو اکاد کا بادشاہ تھا ...نہیں بلکہ اکثریت ان کو سامی نژاد قرار دیتے ہیں بعض ترکی الاصل سمجھتے ہیں۔ لیکن علامہ سلیمان ندوی کا کہنا ہے کہ وہ غیر سامی تھے۔ کیونکہ ان کی ...سامی نہیں تھی۔ دوسرا تضاد جو محققین کی نظریات میں پایا جاتا ہے ...یہ کہ آرین بھی نژادی اعتبار سے منگول ہیں جیسا کہ آپ پڑھ چکے مولانا ...الکلام آزاد بھی [illegible] لیکن خدوخال کے اعتبار ...آرین اور منگول میں [illegible] فرق ہے۔ منگول کا چہرہ گول اور کشادہ چپٹی ناک آنکھ کی ...کی طرف کا حصہ گول۔ داڑھی ندارد ہے یا بر بلکہ ٹھوڑی پر ایک آدھ بال ...داڑھی۔ آرین کی ناک لمبی۔ گھنے بال آنکھیں لمبی اور بڑی ہیں۔ چونکہ ...اعتبار سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ سرجون (شرکین) نے ۲۳۰۰ ق م ...روم سے مالا بار تک ایک بڑی وسیع سلطنت قائم کی تھی[1] سرجون کے بعد ان کے تین جانشین گذرے ہیں۔ اگر اس خاندان کے اقتدار کا دور سو سال ...تسلیم کیا جائے تو اس کے بعد نمرود کا دور ۲۲۰۰ ق م میں شروع ہوتا ہے ...نمرود آشوری نژاد سامی تھا اور سامیوں کی غیر سامیوں سے سخت دشمنی تھی۔ اس بناء پر غیر سامی لوگوں نے ان کے جبر و استبداد کی وجہ سے دور افتادہ علاقوں کو ہجرت کی خصوصاً اکثریت مشرق کی طرف چلی گئی۔ نمرود کے بعد ۱۹۶۰ ق م میں حمورابی کا دور شروع ہوا۔ یہ بھی آموری نژاد سامی بادشاہ تھا انہوں نے ہند یورپین کو محکوم بنانے کے لئے یلغار شروع کی تھوڑے بہت جو ہند یورپین رہ گئے تھے وہ ان کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہجرت کر گئے ۱۴۳۶ ق م میں

[1] یاد رہے کہ سرجون اکادی کے بعد آشوری [illegible] میں بھی ایک سرجون گزرا ہے

ونسنٹ کہتے ہیں :-

" زمانہ تاریخ کے شروع میں کاسی یا بنارس کی چھوٹی سی سلطنت کی خود مختاری سلب ہوئی اور وہ کوسل سے ایسا ملحق ہوا تھا کہ تمام روابط انہی کے ساتھ تھے۔ یہ مختصر سی سلطنت صرف اسی بناء پر مشہور نہیں تھی کہ کوسل کے عظیم الشان ہمسایہ سلطنت سے تعلق تھا۔ بلکہ اس وجہ سے بھی مشہور تھی کہ بدھ مذہب کی تاریخ میں سب سے پاک مقام سمجھا جاتا تھا۔ اور یہ وہ جگہ تھی جہاں بدھ نے مذہب کی تسلیم شروع کی تھی!

یہاں اس بات کی بھی وضاحت کر دیں کہ ۲۰۰۰ ق م کے لگ بھگ جب کاسی بحر خزر کے جنوب مغربی علاقوں سے زاگرس کے علاقوں کو کوچ کر گئے تو اس وقت وہ "کاشو" نام کے خدا کی عبادت کرتے تھے۔ اور بابل کے ارباب للانواع شاماش اور نیبوزتا کے مقابلہ میں شوریاش اور مار... کے نام سے بھی دو معبودوں کو مانتے تھے۔ مگر ان کو کاشو کے مقابلہ میں کم درجہ سمجھتے تھے۔ یہ تینوں ہندومت میں بھی موجود تھے۔ کاسی بابل میں اپنے زمانہ اقتدار میں اور معبود بھی رکھتے تھے۔ لیکن ان کا احترام کاسیوں کی حکمرانی تک ہوتا تھا۔ جس وقت ان کی حکمرانی ختم ہو گئی تو ان کے تمام معبودوں کا احترام بھی جاتا رہا۔

مذکورہ بیانات کی روشنی میں یہ بات بالکل ثابت ہو چکی ہے کہ ۲۳۰۰ ق م میں سرجون قدیم یا شرغل یا شرخبون ہندوکش کے جنوبی علاقے بحر عرب اور بحر ہند تک جس میں موجودہ افغانستان اور پاکستان شامل ہیں پر قابض تھا۔ یہاں

[1] تاریخ قدیم سندھ صفحہ ۲۰۸

جب زاگرس کے کاسیوں نے اپنے رہنما گنداش کی سربراہی میں سامیوں سے اقتدار کی باگ ڈور لے لی تو تقریباً چھ سو سال بین النہرین اور ایشائے کوچک میں متواتر تغیر و تبدل کا سلسلہ جاری تھا یہاں تک کہ آخر کار ایلامیوں نے کاسیوں سے اقتدار کی باگ ڈور چھین لی اور کاسی مشرق کی طرف ہجرت کر گئے۔

جس وقت کاسی کندا اور ژمند کے ساتھ آراکوزیا اور جدروزیا کے علاقوں کو چلے گئے تو ان سے پیشتر ان علاقوں میں دو پشتون موجود تھے جو اپنے آپ کو سرجو (سڑ خبون) سے منسوب کرتے تھے۔ غالباً کاسی کندا اور ژمند کے آنے سے ان علاقوں میں گھوڑے پالنے کا رواج شروع ہوا لیکن ہندوکش کے شمال میں رہنے والے اس سے پیشتر نہ صرف گھوڑے پالتے تھے بلکہ اچھے اچھے گھوڑے پالنے کا اس قدر شوق رکھتے تھے کہ اس بہ خاندان کے نام سے ایک بڑا شاہی خاندان پیدا ہوا۔ جیسا کہ کرساسپہ (دبلے گھوڑے کا مالک) اروت اسپہ (تیز گھوڑے کا مالک) پوروسپہ (پرانے گھوڑے کا مالک) ارجیت اسپہ (قیمتی گھوڑے کا مالک) خواسپہ (اچھے گھوڑے کا مالک) اسی طرح بلخ (بکتریا) کے قریب ایک شہر تھا جو زر اسپہ کے نام سے پکارا جاتا تھا اس شہر کے نام کی شہرت کلاسیکی مؤرخین اور جغرافیہ دانوں کے زمانے تک باقی تھی۔

یہ بادشاہ جو اسپہ خاندان کے نام سے پکارے جاتے ہیں درحقیقت بلخ کے کاوی (کیانی) بادشاہوں کے آخری افراد اس سلسلے سے بادشاہت کو پہنچے تھے کاوی کا لقب "اُوستا" کا عطا کردہ ہے۔ اور دیگر ذرائع نے کیانی اور ارکی اکے نام سے یاد کیا ہے۔ اگرچہ براہ راست رشتے اور پیوند کے نقطۂ نظر سے ان میں تضاد پایا جاتا تھا۔

اوستا کے زمیا دلیشت اور فرور دین لیشت میں کاوی (کیانی) کا سلسلہ ہوسراوا یعنی کیخسرو کو پہنچتا ہے۔ اور بعض محققین اوستا کے اسناد (کاوی) کے گھرانے کا شجرہ بھی اس بادشاہ سے منسوب کرتے ہیں۔ لہٰذا "اوستا" کی ایک طرف ظاہری شہادت اور دوسری طرف ان کے ناموں کے ساتھ اسپ (گھوڑے) کا اشتقاق، ان کا اور دیگر کاوی (کیانی) بادشاہوں کی جدائی کا عامل قرار پایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ محققین نے ان سے ایک گروہ کو اسپہ بادشاہوں سے علیحدہ کیا ہے۔ اور اگر یہ ایک گھرانہ ہوتا تو پھر چاہیے تھا کہ کیانوں کو اسپہ گھرانہ کہا جاتا۔(۱)

یاد رہے کہ جس وقت کندا اور ژمند موجودہ بلوچستان (اس زمانے میں شمالی حصے کو آراکوزیا اور جنوبی حصے کو جدروشیا کے نام سے پکارا جاتا تھا) سے اور آگے شمال کی طرف چلے گئے اور کاسی شمال مشرق یعنی تخت سلیمان (کوہ سلیمان) کی طرف چلے گئے ایک تو اس زمانہ میں ان علاقوں میں پیشتر پشتون موجود تھے اور دوسرے یہ کہ تجدی (بلخ) پر شاہ گشتاسپ جیسا دلیر اور مدبر بادشاہ فرمانروا تھا۔ جس کی شہرت کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے دور میں زرتشت بلخ میں پیدا ہوا تھا۔ اور انہوں نے نہ صرف زرتشت کا دین تسلیم کیا تھا۔ بلکہ انہی کی کوششوں سے زرتشتی مذہب تمام آریانہ میں پھیل گیا۔

زرتشتی مذہب کے اثرات اب بھی آراکوزیا میں خصوصیت سے پشتونوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً پشتون آگ میں نہیں تھوکتے اسے گناہ

---

(۱) DUNCKER HISTORY OF ANTIQUITY EVELYN ABBOT ۲۵-۲

سمجھتے ہیں۔ سلواسیتکا کا نشان ✠ جو بعد میں اس شکل [illegible] میں تبدیل ہُوا بھی زردشتی مذہب کے واسطے سے ان میں آیا اور اب تک بلوچستان کے دیہات کے پشتونوں میں مروّج ہے۔ زچگی کے دوران خوراکی نیل پانی میں حل کرکے عورت کے پیٹ پر یہ نشان بنایا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ نشان کمرے کی دیواروں پر بھی بنایا جاتا ہے۔ اور یہی نشان موجودہ پارسی ہر صبح گھر کے دروازے کے چوکھٹے کے باہر بناتے ہیں۔ آراکوزیا کے جنوب مشرقی علاقوں ژوب اور لورالائی میں قدیم ہندومت کے اثرات بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً بچوں کے سر منڈوانا اور درمیان میں قدیم مذہبی ہندوؤں کی طرح چوٹی جس کو پشتو میں (شکرئی) کہتے ہیں۔ رکھنا یا یہ کہ سر کے ہر دو جانب کان سے اوپر تھوڑے بال چھوڑنا۔ ان چوٹیوں پر نیلے نگینے جوڑنا دین مقدس اسلام سے مشرف ہونے کے بعد بھی اب تک یہ رسم دور افتادہ دیہات میں جاری ہے۔ البتہ اب نیلے اور سبز نگینوں کے ساتھ اسلام کی تاثیر کیوجہ سے چاندی کے تعویزات بھی آویزاں کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زرتشت کے مذہب سے قبل یہ علاقے ہندومت کے اثر ونفوذ کے تحت آئے تھے جیسا کہ "شال" کے نام سے ظاہر ہوتا ہے۔ البتہ بدھ کے اثرات یہاں پر اچھی طرح واضح نہیں ہوئے ہیں۔

بہرحال جیسا کہ کند اور ژمند پشین کے راستے کندھارا اور ہلمند کے زرخیز و شاداب وادی کی طرف کوچ کر گئے تو اس وقت تک کندھار کے نام سے کوئی شہر موجود نہ تھا (کم از کم تاریخ میں ذکر نہیں) البتہ گندھارا کا نام رگ وید کے سرود میں آیا ہے اور کابل کے درہ سے انڈس تک کا علاقہ متواتر گندھارا کے نام سے یاد ہوا ہے۔ بعض لوگوں کو کندھار کے کلمہ میں بھی

گندھارا کا قدیم نام نظر آتا ہے۔ محقق احمد علی کہزاد کا کہنا ہے کہ یہ نظریہ بھی کسی حد تک معقول ہے۔ کیونکہ گندھارا کے رہنے والے کئی مرتبہ دریائے کابل کے مشرقی علاقوں سے ارغنداب کی وادیوں کو گئے ہیں۔ اور ان ہجرتوں سے ایک پانچویں اور چھٹی عیسوی صدی کی وہ ہجرت ہے جو ہندوکش کے شمالی حصوں سے کوشانیوں کی آمد تک اور جنوبی حصوں اور آریانا کے مشرقی دریائی کے کنارے ان کے قیام کی وجہ سے ہوئی ہے۔ پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ کندھار کا موجودہ نام (گندوفار) پہلوا کے مستقل گھرانے کے بڑے بادشاہ کے نام سے پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے نام پر ارغنداب کی وادی میں ایک شہر (گندوفار) کے نام سے یا اس سے قدر مشابہہ نام سے آباد کیا تھا گندوفارس کے زمانہ میں ایک عیسائی مبلغ (سنت توماس) جنہوں نے کابل کے آس پاس علاقوں کی سیاحت کی تھی ارغنداب کی وادی میں گندوفار کے نام سے ایک شہر کا ذکر کیا ہے [1]

لیکن یوں معلوم ہوتا ہے کہ کندھار کا نام "کند" اور اری کے اشتقاق سے بنا ہے۔ یعنی کند کے رہنے والے کنداری یا کنداریوں کے نام سے جیسے پشاوری اور کابلی کہا جاتا ہے مشتق ہے۔ البتہ کلاسی افغانستان میں نہیں دیکھے گئے ہیں ژمند کے باب میں ذکر کیا جا چکا کہ کابل اور پشاور کے راستے پنجاب گئے ہیں۔ الغرض جس وقت "کند" کندھارا اور ہلمند کے آس پاس آباد ہو گئے۔ اس وقت بلخ میں زردشتی دین کی تبلیغ شروع ہو چکی تھیں۔ گشتاسپ (ویشتاسپ) زرتشت کا زمانہ [illegible] ق م معین کیا جاتا ہے اگر یہ صحیح ہو تو

---

[1] افغانستان کی قدیم تاریخ جلد اول صفحہ ۱۲۱ - ۱۲۲

توپھر زرتشت اور حضرت داؤد علیہ السلام کو ہمعصر کہا جائے گا۔ اس لئے کہ حضرت داؤد علیہ السلام ۱۰۰۰ ق م میں فلسطین میں بادشاہ تھا۔ کیونکہ غالباً حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ ۹۵۰ ق م یا ہو سکتا ہے کہ اس سے بھی کچھ زمانہ بعد کندھار اور ارغنداب یا ہلمند کے علاقوں کی طرف کوچ کر گئے ہوں لیکن اس وقت جب کاوی (کیانی) خاندان کی سیستان میں بادشاہت تھی۔[1]

بہرحال تاریخ کا تعین مشکل ہے۔ بعض محققین جیسا کہ اس سے پیشتر ان کے بیانات کا ذکر کیا جا چکا اوستا اور زرتشت کا زمانہ ہزار سال قبل مسیح سے کم قرار دیتے ہیں۔ خصوصاً ابوالکلام آزاد زرتشت کو سائرس کا معاصر قرار دیتے ہیں۔ اگر یہ قیاس درست ہو تو یہ وہ زمانہ ہے جس وقت بابل کے بادشاہ بخت نصر نے یہود کی سلطنت پر حملہ کر دیا۔ آگ اور خون کا بازار گرم کیا۔ لاتعداد یہودیوں کو مار ڈالا۔ اور بہتوں کو قید کر کے بابل لے گیا بخت نصر نے عراق میں (ابلہ) کے قریب "برلیسا" کی وادی میں اپنا کتبہ نصب کیا۔[2]

برلیسا یا بڑیچ پشتونوں کا وہ قبیلہ ہے۔ جسے محققین نے برلیسایا (BRiSAYA) کے نام سے یاد کیا ہے۔ اور رگ وید کے سرودوں میں (دی وو داسا) نام کے شہزادے کے ساتھ ان کی جنگوں کا ذکر آیا ہے۔ ہلبرانٹ کہتا ہے کہ اس جنگ کا میدان آراکوزیا میں تھا یہ بات درست بھی ہے۔ کیونکہ یہ قبیلہ اُس وقت سے اِس وقت تک اس علاقہ

[1] یہاں اس کی وضاحت کر دیں کہ کیانی (کیالسی) کے نام سے بھی یاد ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی کیالسی پر (کاسی) کا گمان کرے۔ لیکن یہ صرف ایک گمان ہو گا۔ حقیقت نہیں (مؤلف)

میں رہا اور اب بھی مقیم ہے۔ اور اسی قدیم نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ وضاحت کر دیں کہ ایک تو آریائی زبانوں میں "ر" اور "ڑ" ایک دوسرے میں تبدیل ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ پشتو "چ" کی صوت سنسکرت اور دیگر ہندی لہجوں میں "ج" اور "ش" سے بدل جاتے ہیں۔ مثلاً ہندوستان میں "برڑائچہ" کے نام سے ایک قبیلہ اب بھی یاد کیا جاتا ہے۔ وہ بڑیچا کی تبدیل شدہ شکل ہے "شیخ" بتے خان کی مشہور داستان محمد گل نوری کی کتاب (ملی ہنداره) عوامی ادب ولہجہ میں اب بھی محفوظ ہے۔ بڑیچ (برلیسا) قبیلے کے قیام کی جگہ کو لہت قرار دیتے ہیں۔ جسے پشتون کلابس یا کلابیز کہتے ہیں۔ یہ عوامی داستان (افسانہ) جو ابتدا سے پشتو فوکلوری ادب میں کافی شہرت رکھتا ہے۔ اور تمام پشتونوں میں ایک ہی طرح سے اپنے مخصوص گیتوں کے ساتھ چلا آرہا ہے۔ ان گیتوں میں ایک گیت کا مطلع یوں ہے۔

کہ دوے دی دوے دی وکلابیز دروازے دوے دی
پر یوه ی بتے وزی پہ بل ئے ژړور سوی نارے دی۔

یعنی اگر کلابیز کے دروازے دو ہیں تو ان میں ایک سے بتے (بتے خان) نکلتا ہے اور دوسرے سے ان کی ماں کی چیخ و پکار کی آواز آرہی ہے۔

بڑیچ خان کس زمانے میں تھا۔ اور کن سے جنگیں لڑیں، اس بارے میں صحیح حالات معلوم نہیں تاریخ میں بڑیچوں کی دو جنگوں کا ذکر آیا ہے ایک وہ جنگ ہے جو انہوں نے ویدی زمانہ میں (دی وو داسا) کے شہزادہ سے لڑی ہے۔ اور دوسری وہ جنگ ہے جس کا اس داستان میں ذکر ہے

(۱) تاریخ لبنان، فلپ حتی صفحہ ۱۵۱

کر بڑیچ پتے خان اپنے ساٹھ ساتھیوں کے ساتھ بُرت کے شہر (جس
آثار کندھار کی ولایت میں اب بھی موجود ہیں) سے نکلا اور مندل
کے مغل کوٹ[1] " میں (گواریان) کا علاقہ مغلوں سے لے لیا ان دونوں
کے درمیان تاریخ اور زمانہ کے اعتبار سے کافی تضاد معلوم ہوتا ہے
بہر حال لیت کا شہر کم از کم ۳۰۰ ق م میں آباد تھا ۔ اور اس شہر میں
بڑیچ رہتے تھے ۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ بڑیچ کم از کم
میں آراکوزیا میں ایک بڑے اور جیالے قبیلے کی شکل میں موجود تھے
"جی پی ٹیٹ"[2] (G.P. TATE) جنہوں نے سیستان کی قوموں اور
کھنڈرات کے متعلق کافی تحقیق کی ہے ۔ اپنی کتاب کی چوتھویں جلد میں (BAR-
ECH) بڑیچ کے بارے میں لکھتا ہے کہ یہ قبیلہ چخنسور کے علاقہ ملمند
ڈیلٹا میں (نادعلی) کے قریب مقیم تھا ۔ مگر اب ملمند کی وادی کے اس علاقہ
میں جو لنڈی بڑیچ) اور (پلالک) کہلاتے جاتے ہیں اور دوسرے علاقوں میں
قیام رکھتے ہیں وہ ان علاقوں سے شیرانیوں کے ساتھ دوسرے علاقے
شوراوک کہلاتا ہے کو چلے گئے ۔ بڑیچ کندھار کی ولایت کے مرطوبات
جیسے "خانشن" کے علاقہ میں بھی دیکھے جاتے ہیں ۔ اس قبیلے کے زیادہ تر
لوگ کھیتی باڑی اور زمینداری کرتے ہیں ۔ شوراوک اور ملمند میں بھی بڑیچ
اونٹ ہانکتے ہیں ۔

اس زمانہ سے جبکہ زیادہ تر تجارت بلوچستان کے ساتھ میدانوں ...

---

[1] یہ مغل کوٹ ضلع ژوب میں فورٹ سنڈیمن سے ۵۲ میل کے فاصلے
پر شمال مغرب میں بھی واقع ہے ۔ [2] SEISTAN A MEMOIR ON
THE HISTORY. TOPOGRAPHY, RUINS AND PEOPLE OF
THE COUNTRY.

... لشوں کے ذریعے کی جاتی تھی ۔ تو ان کے حیوانات اور مویشی قوت اور
... سری میں مشہور تھے ۔ ۱۸۸۶ ۔ ۱۸۸۷ ء میں شوراوک میں مجھے بتایا
گیا کہ بڑیچ بہت قدیم زمانے میں مغرب کی جانب سے یہاں آئے تھے افغان
... خان کے قومی لشکر میں کافی بڑیچ شامل تھے ۔ اور مردانگی سے لڑتے
تھے ۔ اگرچہ یہ کوچی نہیں لیکن طرز زندگی مالداروں جیسی ہے ۔ زیادہ تر
... بکری اور مویشی پالتے ہیں ۔ اگر یہ بات درست ہے کہ وہ مغرب کی
جانب سے ملمند کے علاقوں کو چلے آئے تھے تو پھر یہ قرین قیاس
ہے کہ وہ بخت نصر کے زمانہ ۵۵۰ ق م کے لگ بھگ یا اس سے بھی
... بعد ہرات کے راستے آئے ہوں یا ہو سکتا ہے کہ اس سے بھی پیشتر
آئے ہوں کیونکہ رنگ و بلد کے سرودوں کے اعتبار سے یہ قبیلہ ویدی زمانہ
میں بخت نصر کے دور سے چند سال قبل سے ۔ ان کا ذکر ارغنداب اور
ملمند کے علاقوں میں ہوا ہے ۔ اور سیستان کے قدیم دار السلطنت (زرنج)
کے اس پاس بھی (ٹیٹ) کے بیان کے مطابق قیام پذیر تھے ۔ اور کچھ
اب بھی رہتے ہیں ۔ جس وقت چنگیز کی اولاد کے ہاتھوں یہ خوبصورت
علاقہ سیستان جو کہ (باغ ایشیا) کے نام سے پکارا جاتا تھا برباد
ہوا تو یہ علاقہ انہوں نے چھوڑ دیا اور دوبارہ اپنی قدیم قیام گاہ
یعنی ملمند اور ارغنداب کی طرف کوچ کر گئے ۔ قلعہ لُبت اور شوراوک
اور اس پاس کے علاقوں میں آباد ہو گئے ۔ یہاں یہ بھی وضاحت کر
دیں کہ اس قبیلے کے لوگ پنجاب اور راجپوتانہ میں بھی ہیں ۔ البتہ
سندی یا پنجابی زبانوں اور لہجوں کی وجہ سے پنجاب کے ملتان کے بڑیچ
... اور راجپوتانہ کے بڑیچ بڑاچہ کے نام سے پکارے جاتے تھے ۔

...ی تضاد پیدا ہوتا ہے۔ کہ سارگن یا (سرجون) جو اکاد کا بادشاہ تھا ...ہیں بلکہ اکثریت ان کو سامی نژاد قرار دیتے ہیں بعض ترکی الاصل سمجھتے ...۔ لیکن علامہ سلیمان ندوی کا کہنا ہے کہ وُہ غیر سامی تھے۔ کیونکہ ان کی ...سامی نہیں تھی۔ دوسرا تضاد جو محققین کی نظریات میں پایا جاتا ہے ...ہ کہ آرین بھی نژادی اعتبار سے منگول ہیں جیسا کہ آپ پڑھ چکے مولانا ...الکلام آزاد بھی ان کا نژاد منگول اور منگول سے ہوتے ہیں لیکن خدوخال کے اعتبار ...آرین اور منگول میں فرق ہے۔ منگول کا چہرہ گول اور کشادہ چپٹی ناک آنکھ کی ...ان کی طرف کا حصہ گول۔ داڑھی نہ ہونے کے برابر بلکہ ٹھوڑی پر ایک آدھ بال ...گھنی داڑھی۔ آرین کی ناک لمبی۔ گھنے بال آنکھیں لمبی اور بڑی ہیں۔ چونکہ ...اریخی اعتبار سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ سرجون (سرگون) نے ۲۳۰۰ ق م ...بحر روم سے ملا بار تک ایک بڑی وسیع سلطنت قائم کی تھی[1] سرجون کے بعد ان کے تین جانشین گذرے ہیں۔ اگر اس خاندان کے اقتدار کا دور سو سال ...تسلیم کیا جائے تو اس کے بعد نمرود کا دور ۲۲۰۰ ق م میں شروع ہوتا ہے ...کیونکہ نمرود آشوری نژاد سامی تھا اور سامیوں کی غیر سامیوں سے سخت دشمنی تھی۔ اس بنا پر غیر سامی لوگوں نے ان کے جبر و استبداد کی وجہ سے دور افتادہ علاقوں کو ہجرت کی خصوصاً اکثریت مشرق کی طرف چلی گئی۔ نمرود کے بعد ۱۹۶۰ ق م میں حمورابی کا دور شروع ہوا۔ یہ بھی آموری نژاد سامی بادشاہ تھا انہوں نے ہند و یورپین کو محکوم بنانے کے لئے یلغار شروع کی تھوڑے بہت جو ہند و یورپین رہ گئے تھے وُہ ان کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہجرت کر گئے ۱۷۴۶ ق م میں

---

[1] یاد رہے کہ سرجون اکادی کے بعد آشوری دور میں بھی ایک سرجون گزرا ہے

ولسنت لکھتے ہیں :-

" زمانہ تاریخ کے شروع میں کاسی یا بنارس کی چھوٹی سی سلطنت کی خود مختاری سلب ہوئی اور وہ کوسل سے ایسا ملحق ہوا تھا کہ تمام روابط انہی کے ساتھ تھے۔ یہ مختصر سی سلطنت صرف اسی بنا پر مشہور نہیں تھی کہ کوسل کے عظیم الشان ہمسایہ سلطنت سے تعلق تھا۔ بلکہ اس وجہ سے بھی مشہور تھی کہ بدھ مذہب کی تاریخ میں سب سے پاک مقام سمجھا جاتا تھا۔ اور وہ جگہ تھی جہاں بدھ نے مذہب کی تعلیم شروع کی تھی !

یہاں اس بات کی پھر وضاحت کر دیں کہ ۲۰۰۰ ق م کے لگ بھگ جب کاسی بحر خزر کے جنوب مغربی علاقوں سے زاگرس کے علاقوں کو کوچ کر گئے تو اس وقت وُہ " کاشو " نام کے خدا کی عبادت کرتے تھے۔ اور بابل کے ارباب الانواع شاماش اور نیبوزتا کے مقابلہ میں شدریاش اور ماریاش کے نام سے بھی دو معبودوں کو مانتے تھے۔ مگر ان کو کاشو کے مقابلہ میں کم درجہ سمجھتے تھے۔ یہ تینوں ہندومت میں بھی موجود تھے۔ کاسی بابل میں اپنے زمانۂ اقتدار میں اور معبود بھی رکھتے تھے۔ لیکن ان کا احترام کاسیوں کی حکمرانی تک ہوتا تھا۔ جس وقت ان کی حکمرانی ختم ہوگئی تو ان کے تمام معبودوں کا احترام بھی جاتا رہا۔

مذکورہ بیانات کی روشنی میں یہ بات بالکل ثابت ہو چکی ہے کہ ۲۳۰۰ ق م میں سرجون قدیم یا سشرغل یا سشرخون ہندوکش کے جنوبی علاقے بحر عرب اور بحر ہند تک جس میں موجودہ افغانستان اور پاکستان شامل ہیں پر قابض تھا۔ یہاں

---

[1] تاریخ قدیم سندھ صفحہ ۳۰۸

جب زگرس کے کاسیوں نے اپنے رہنما گانداش کی سربراہی میں سامیوں سے اقتدار کی باگ ڈور لے لی تو تقریباً چھ سو سال بین النہرین اور ایشائے کوچک میں متواتر تغیر و تبدل کا سلسلہ جاری تھا یہاں تک کہ آخر کار ایلامیوں نے کاسیوں سے اقتدار کی باگ ڈور چھین لی اور کاسی مشرق کی طرف ہجرت کر گئے۔

جس وقت کاسی کند اور ژمند کے ساتھ آراکوزیا اور جدروزیا کے علاقوں کی طرف چلے گئے تو ان سے پیشتر ان علاقوں میں وہ پشتون موجود تھے جو اپنے آپ کو سرہ دشر خبون سے منسوب کرتے تھے۔ غالباً کاسی کند اور ژمند کے آنے سے ان علاقوں میں گھوڑے پالنے کا رواج شروع ہوا لیکن ہندوکش کے شمال میں رہنے والے اس سے پیشتر نہ صرف گھوڑے پالتے تھے بلکہ اچھے اچھے گھوڑے پالنے کا اس قدر شوق رکھتے تھے کہ اسپ خاندان کے نام سے ایک بڑا شاہی خاندان پیدا ہوا۔ جیسا کہ کرساسپ (دبلے گھوڑے کا مالک) اروت اسپ (تیز گھوڑے کا مالک) پوروسپ (پرانے گھوڑے کا مالک) ارجیت اسپ (قیمتی گھوڑے کا مالک) خواسپ (اچھے گھوڑے کا مالک) اسی طرح بلخ (بکتریا) کے قریب ایک شہر تھا جو زر اسپ کے نام سے پکارا جاتا تھا اس شہر کے نام کی شہرت کلاسیکی مورخین اور جغرافیہ دانوں کے زمانے تک باقی تھی۔

یہ بادشاہ جو اسپ خاندان کے نام سے پکارے جاتے ہیں درحقیقت بلخ کے کاوی (کیانی) بادشاہوں کے آخری افراد اس سلسلے سے بادشاہت کو پہنچتے تھے کاوی کا لقب "اوستا" کا عطا کردہ ہے۔ اور دیگر ذرائع نے کیانی اور کی اکے نام سے یاد کیا ہے۔ اگرچہ براہ راست رشتے اور پیوند کے نقطہ نظر سے ان میں تضاد پایا جاتا تھا۔

اوستا کے زمیاد یشت اور فروردین یشت میں کاوی (کیانی) کا سلسلہ ہوسراوا یعنی کیخسرو کو پہنچتا ہے۔ اور بعض محققین اوستا کے اسناد سے کاوی) کے گھرانے کا شجرہ بھی اس بادشاہ سے منسوب کرتے ہیں۔ لہذا "اوستا" کی ایک طرف ظاہری شہادت اور دوسری طرف ان کے ناموں کے ساتھ اسپ (گھوڑے) کا اشتقاق۔ ان کا اور دیگر کاوی (کیانی) بادشاہوں کی جدائی کا عامل قرار پایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ محققین نے ان سے ایک گروہ کو اسپ بادشاہوں سے علیحدہ کیا ہے۔ اور اگر یہ ایک گھرانہ ہوتا تو پھر چاہیے تھا کہ کیانوں کو اسپ گھرانہ کہا جاتا۔[1]

یاد رہے کہ جس وقت کند اور ژمند موجودہ بلوچستان (اس زمانے میں شمالی حصے کو آراکوزیا اور جنوبی حصے کو جدروشیا کے نام سے پکارا جاتا تھا) سے اور آگے شمال کی طرف چلے گئے اور کاسی شمال مشرق یعنی کسے غر (کوہ سلیمان) کی طرف چلے گئے ایک تو اس زمانہ میں ان علاقوں میں پیشتر پشتون موجود تھے اور دوسرے یہ کہ بخدی (بلخ) پر شاہ گشتاسپ جیسا دلیر اور مدبر بادشاہ فرمانروا تھا۔ جس کی شہرت کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے دور میں زرتشت بلخ میں پیدا ہوا تھا۔ اور انہوں نے نہ صرف زرتشت کا دین تسلیم کیا تھا۔ بلکہ انہی کی کوششوں سے زرتشتی مذہب تمام آریانہ میں پھیل گیا۔

زرتشتی مذہب کے اثرات اب بھی آراکوزیا میں خصوصیت سے پشتونوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً پشتون آگ میں نہیں تھوکتے اسے گناہ

---

(۱) DUNCKER HISTORY OF ANTIQUITY EVELYN ABBOT ۷۵-۲

سمجھتے ہیں۔ سواستیکا کا نشان 卐 جو بعد میں اس شکل 卍 میں تبدیل ہوا بھی زردشتی مذہب کے واسطے سے ان میں آیا اور اب تک بلوچستان کے دیہات کے پشتونوں میں مروج ہے زچگی کے دوران خوراکی نیل پانی میں حل کر کے عورت کے پیٹ پر یہ نشان بنایا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ نشان گھر کی دیواروں پر بھی بنایا جاتا ہے۔ اور یہی نشان موجودہ پارسی ہر صبح گھر کے دروازے کے چوکھٹے کے باہر بناتے ہیں۔ آراکوزیا کے جنوب مشرقی علاقوں ژوب اور لورالائی میں قدیم ہندومت کے اثرات بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً بچوں کے سر منڈوانا اور درمیان میں قدیم مذہبی ہندوؤں کی طرح چوٹی جس کو پشتو میں (شکرئی) کہتے ہیں۔ رکھنا یا یہ کہ سر کے ہر دو جانب کان سے اوپر ضرورت بال چھوڑنا۔ ان چوٹیوں پر نیلے نگینے جوڑنا دین مقدس اسلام سے مشرف ہونے کے بعد بھی اب تک یہ رسم دور افتادہ دیہات میں جاری ہے۔ البتہ اب نیلے اور سبز نگینوں کے ساتھ اسلام کی تاثیر کی وجہ سے چاندی کے تعویزات بھی آویزاں کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زرتشت کے مذہب سے قبل یہ علاقے ہندومت کے اثر و نفوذ کے تحت آئے تھے جیسا کہ "شال" کے نام سے ظاہر ہوتا ہے۔ البتہ بدھ کے اثرات یہاں پر اچھی طرح واضح نہیں ہوئے ہیں۔

بہر حال جیسا کہ کنداؤ ژمند پشین کے راستے کندھار اور ہلمند کے زرخیز و شاداب وادی کی طرف کوچ کر گئے تو اس وقت تک کندھار کے نام سے کوئی شہر موجود نہ تھا (کم از کم تاریخ میں ذکر نہیں) البتہ گندھارا کا نام رگ وید کے سرود میں آیا ہے اور کابل کے درہ سے اٹک تک کا علاقہ متواتر گندھارا کے نام سے یاد ہوا ہے۔ بعض لوگوں کو کندھار کے کلمہ میں بھی

گندھارا کا قدیم نام نظر آتا ہے۔ محقق احمد علی کہزاد کا کہنا ہے کہ یہ نظریہ بھی کسی حد تک معقول ہے۔ کیونکہ گندھارا کے رہنے والے کئی مرتبہ دریائے کابل کے مشرقی علاقوں سے ارغنداب کی وادیوں کو گئے ہیں۔ اور ان ہجرتوں سے ایک پانچویں اور چھٹی عیسوی صدی کی وہ ہجرت ہے جو ہندوکش کے شمالی حصوں سے کوشانیوں کی آمد تک اور جنوبی حصوں اور آریانا کے مشرقی دریاؤں کے کنارے ان کے قیام کی وجہ سے ہوئی ہے۔ پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ کندھار کا موجودہ نام (گندوفار) پہلوا کے مستقل گھرانے کے بڑے بادشاہ کے نام سے پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے نام پر ارغنداب کی وادی میں ایک شہر (گندوفار) کے نام سے یا اس سے قدر مشابہہ نام سے آباد کیا تھا گندوفارس کے زمانہ میں ایک عیسائی مبلغ (سنت توماس) جنہوں نے کابل کے آس پاس علاقوں کی سیاحت کی تھی ارغنداب کی وادی میں گندوفار کے نام سے ایک شہر کا ذکر کیا ہے [1]

لیکن یوں معلوم ہوتا ہے کہ کندھار کا نام "کند" اور اری کے اشتقاق سے بنا ہے۔ یعنی کند کے رہنے والے کنداری یا کنداریوں کے نام سے ہے جیسے پشاوری اور کابلی کہا جاتا ہے مشتق ہے۔ البتہ کاسی افغانستان میں نہیں دیکھے گئے ہیں ژمند کے باب میں ذکر کیا جا چکا کہ کابل اور پشاور کے راستے پنجاب گئے ہیں

الغرض جس وقت "کند" کندھار اور ہلمند کے آس پاس آباد ہو گئے۔ اس وقت بلخ میں زردشتی دین کی تبلیغ شروع ہو چکی تھیں۔ گشتاسپ (ویشتاسپ) زرتشت کا زمانہ ۶۰۰ق م معین کیا جاتا ہے اگر یہ صحیح ہو تو

---

[1] افغانستان کی قدیم تاریخ جلد اول صفحہ ۱۲۱ - ۱۲۲

توپھر زرتشت اور حضرت داؤد علیہ السلام کو ہمعصر کہا جائے گا۔ اس لئے کہ حضرت داؤد علیہ السلام ۱۰۱۳ ق م میں فلسطین میں بادشاہ تھا۔ کند غالباً حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ ۹۷۵ ق م یا ہو سکتا ہے کہ اس سے بھی کم زمانہ بعد کندھار اور ارغنداب یا ہلمند کے علاقوں کی طرف کوچ کر گئے ہوں یعنی اس وقت جب کاوی (کیانی) خاندان کی سیستان میں بادشاہت تھی۔[1] بہرحال تاریخ کا تعین مشکل ہے۔ بعض محققین جیسا کہ اس سے پیشتر ان کے بیانات کا ذکر کیا جا چکا اوستا اور زرتشت کا زمانہ ہزار سال قبل مسیح سے کم قرار دیتے ہیں۔ خصوصاً ابوالکلام آزاد زرتشت کو سائرس کا معاصر قرار دیتے ہیں۔ اگر یہ قیاس درست ہو تو یہ وہ زمانہ ہے جس وقت بابل کے بادشاہ بخت نصر نے یہودا کی سلطنت پر حملہ کر دیا۔ آگ اور خون کا بازار گرم کیا۔ لاتعداد یہودیوں کو مار ڈالا۔ اور بہتوں کو قید کر کے بابل لے گیا بخت نصر نے عراق میں (ابلہ) کے قریب "برلیسا" کی وادی میں اپنا کتبہ نصب کیا[1]

برلیسا یا بڑیچ پشتونوں کا وہ قبیلہ ہے۔ جسے محققین نے برلیسایا۔ (BRiSAYA) کے نام سے یاد کیا ہے۔ اور رگ وید کے سرودوں میں (دی وو داسا) نام کے شہزادے کے ساتھ ان کی جنگوں کا ذکر آیا ہے۔ ہلبرانٹ کہتا ہے کہ اس جنگ کا میدان آراکوزیا میں تھا یہ بات درست بھی ہے۔ کیونکہ یہ قبیلہ اس وقت سے اس وقت تک اس علاقہ

---

[1] یہاں اس کی وضاحت کر دیں کہ کیانی (کیانسی) کے نام سے بھی یاد ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی کیانسی پر (کاسی) کا گمان کرے۔ لیکن یہ صرف ایک گمان ہو گا۔ حقیقت نہیں (مؤلف)

میں رہا اور اب بھی مقیم ہے۔ اور اسی قدیم نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ وضاحت [کرتا] ہوں کہ ایک تو آریائی زبانوں میں "ر" اور "ڑ" ایک دوسرے میں تبدیل ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ پشتو "ج" کی صوت سنسکرت اور دیگر ہندی لہجوں میں "چ" اور "ش" سے بدل جاتے ہیں۔ مثلاً ہندوستان میں "برڑانچہ" کے نام سے ایک قبیلہ اب بھی یاد کیا جاتا ہے۔ وہ بڑیچا کی تبدیل شدہ شکل ہے "بشیچ" پتے خان کی مشہور داستان محمد گل نوری کی کتاب (ملی ہنداره) عوامی لب و لہجہ میں اب بھی محفوظ ہے۔ بڑیچ (برلیسا) قبیلے کے قیام کی جگہ علاقہ بُست قرار دیتے ہیں۔ جسے پشتون کلابس یا کلا بیز کہتے ہیں۔ یہ عوامی داستان (افسانہ) جو ابتدا سے پشتو فوکلوری ادب میں کافی شہرت رکھتا ہے۔ اور تمام پشتونوں میں ایک ہی طرح سے اپنے مخصوص گیتوں کے ساتھ چلا آرہا ہے۔ ان گیتوں میں ایک گیت کا مطلع یوں ہے۔

کہ دوے دی دوے دی وکلا بیز دروازے دوے دی
پہ یوہ کی پتے وزی پہ بل ئے دمور سوی نارے دی۔

یعنی اگر کلا بیز کے دروازے دو ہیں تو ان میں ایک سے پتے (پتے خان) نکلتا ہے اور دوسرے سے ان کی ماں کی چیخ و پکار کی آواز آرہی ہے۔

بڑیچ خان کس زمانے میں تھا۔ اور کن سے جنگیں لڑیں، اس بارے میں صحیح حالات معلوم نہیں تاریخ میں بڑیچوں کی دو جنگوں کا ذکر آیا ہے ایک وہ جنگ ہے جو انہوں نے ویدی زمانہ میں (دی وو داسا) کے شہزادہ سے لڑی ہے۔ اور دوسری وہ جنگ ہے۔ جس کا اس داستان میں ذکر ہے

---

(۱) تاریخ لبنان، فلپ حتی صفحہ ۱۵۴

کر بڑیچ پتے خان اپنے ساٹھ ساتھیوں کے ساتھ لبت کے شہر (جس
آثار گندھار کی ولایت میں اب بھی موجود ہیں) سے نکلا اور ہند
کے مغل کوٹ" میں (گوماریان) کا علاقہ مغلوں سے لے لیا ان دونوں
کے درمیان تاریخ اور زمانہ کے اعتبار سے کافی تضاد معلوم ہوتا ہے
بہر حال لبت کا شہر کم از کم ۲۰۰ ق م میں آباد تھا ۔ اور اس شہر میں
بڑیچ رہتے تھے ۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ بڑیچ کم از کم
میں آراکوزیا میں ایک بڑے اور جیالے قبیلے کی شکل میں موجود تھے
"جی پی ٹیٹ" (G.P. TATE) جنہوں نے سیستان کی قوموں اور
کھنڈرات کے متعلق کافی تحقیق کی ہے ۔ اپنی کتاب کی چوتھی جلد میں (BAR-
ECH) بڑیچ کے بارے میں لکھتا ہے کہ یہ قبیلہ چخنسور کے علاقہ ہلمند
ڈیلٹا میں (نادعلی) کے قریب مقیم تھا ۔ مگر اب ہلمند کی وادی کے اس علاقہ
میں جو لنڈی بڑیچ) اور (پلانگ) کہلاتے جاتے ہیں اور دوسرے علاقوں میں
قیام رکھتے ہیں وہ اِن علاقوں سے شیرانیوں کے ساتھ دوسرے علاقے
شوراوک کہلاتا ہے کو چلے گئے ۔ بڑیچ گندھار کی ولایت کے مربوطات
جیسے "خاشش" کے علاقہ میں بھی دیکھے جاتے ہیں ۔ اس قبیلے کے زیادہ
لوگ کھیتی باڑی اور زمینداری کرتے ہیں ۔ شوراوک اور ہلمند میں بھی
اونٹ پالتے ہیں ۔

اس زمانہ سے جبکہ زیادہ تر تجارت بلوچستان کے ساتھ حیوانوں در

۱؎ یہ مغل کوٹ ضلع ژوب میں فورٹ سنڈیمن سے ۵۲ میل کے فاصلے
پر شمال مغرب میں بھی واقع ہے ۔ ۲؎ SEISTAN A MEMOIR ON
THE HISTORY, TOPOGRAPHY, RUINS AND PEOPLE OF
THE COUNTRY.

اور مویشیوں کے ذریعے کی جاتی تھی ۔ تو ان کے حیوانات اور مویشی قوت اور
نسل سری میں مشہور تھے ۔ ۱۸۸۶ء - ۱۸۸۷ء میں شوراوک میں مجھے بتایا
گیا کہ بڑیچ بہت قدیم زمانے میں مغرب کی جانب سے یہاں آئے تھے افغان
احمد خان کے قومی لشکر میں کافی بڑیچ شامل تھے ۔ اور مردانگی سے لڑتے
تھے ۔ اگرچہ یہ کوچی نہیں لیکن طرز زندگی مالداروں جیسی ہے ۔ زیادہ تر
بھیڑ بکری اور مویشی پالتے ہیں ۔ اگر یہ بات درست ہے کہ وہ مغرب کی
جانب سے ہلمند کے علاقوں کو چلے آئے تھے تو پھر یہ قرین قیاس
ہے کہ وہ بخت نصر کے زمانہ ۵۵۰ ق م کے لگ بھگ یا اس سے بھی
کچھ عرصہ بعد ہرات کے راستے آئے ہوں یا ہو سکتا ہے کہ اس سے بھی پیشتر
آئے ہوں کیونکہ رنگ و بید کے سرودوں کے اعتبار سے یہ قبیلہ ویدی زمانہ
میں جو کہ بخت نصر کے دور سے چند سال قبل ہے ۔ ان کا ذکر ارغنداب اور
ہلمند کے علاقوں میں ہوا ہے ۔ اور سیستان کے قدیم دار السلطنت (زرنج)
کے آس پاس بھی (ٹیٹ) کے بیان کے مطابق قیام پذیر تھے ۔ اور کچھ
اب بھی رہتے ہیں ۔ جس وقت چنگیز کی اولاد کے ہاتھوں یہ خوبصورت
علاقہ سیستان جو کہ (باغ ایشیا) کے نام سے پکارا جاتا تھا برباد
ہوا تو یہ علاقہ انہوں نے چھوڑ دیا اور دوبارہ اپنی قدیم قیام گاہ
یعنی ہلمند اور ارغنداب کی طرف کوچ کر گئے ۔ قلعہ لبت اور شوراوک
اور اس پاس کے علاقوں میں آباد ہو گئے ۔ یہاں یہ بھی وضاحت کر
دیں کہ اس قبیلے کے لوگ پنجاب اور راجپوتانہ میں بھی ہیں ۔ البتہ
ہندی یا پنجابی زبانوں اور لہجوں کی وجہ سے پنجاب کے ملتان کے بڑیچ
ڈڈائچ اور راجپوتانہ کے بڑیچ بڑائچہ کے نام سے پکارے جاتے تھے ۔

برٹیچ پتے خان کی داستان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلطان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان گئے تھے۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ سلطان جلال الدین فیروز شاہ کے زمانہ میں ہندوستان گئے تھے۔ بڑیچ زیادہ تر شوراوک کے علاقہ میں رہتے ہیں۔ ان کے شمال میں دوتانی جنوب میں بلوچ مشرق میں خواجہ عمران کے پہاڑ اور مغرب کی جانب ایک بڑا صحرا ہے۔ کوئٹہ پشین کی بالائی ندیوں کا پانی گلستان کے جنوب میں سے شوراوک کو نکلتا ہے۔ اور وہاں بڑیچ اور دوسرے لوگ اس سے کھیتی باڑی کرتے ہیں بڑیچوں کا علاقہ اندازاً ساٹھ مربع میل ہے[1]

چونکہ ہلمند پشتونوں کی تاریخ میں کافی اہمیت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس بنا پر ضروری ہے۔ کہ اس دریا کے جغرافیائی موقعیت اور قبائل کے متعلق ذکر کیا جائے۔

دریائے ہلمند مشرق کے بڑے دریاؤں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ دریا ہندوکش کے جنوبی حصہ سے نکلتا ہے۔ اور جس وقت ہزارہ جات کے پرپیچ دروں سے گذرتا ہوا زمینداور کے علاقہ میں ہموار زمینوں کو پہنچتا ہے تو پھر لشکر گاہ سے تقریباً چار میل دور بست کے پرانے قلعہ کے ساتھ دریائے ارغنداب اس میں شامل ہو کر یہاں سے رُخ شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف کر لیتا ہے۔ اور گرمسیل کے علاقہ میں خواجہ علی علیا کے حصہ میں سیدھا صابری ہامون کی جانب نکلتے ہوئے ہامون کے کھڑے پانی (آب ایستادہ) میں شامل ہوتا ہے۔ آب ایستادہ

---

[1] پشتون (د تاریخ پیژوہنہ اکیڈمی) صفحہ ۱۲۸۳

ایک ستر مربع کیلومیٹر چھوٹی سی جھیل غزنی کے جنوب میں واقع ہے۔ دریائے ہلمند کی کل لمبائی شروع سے آخر تک ۱۱۰۰ کیلومیٹر ہے۔

ہلمند کے مشرق میں کندھار - شمال میں روزگان اور غورات کا علاقہ مغرب میں فراہ اور خاشرود اور جنوب میں بلوچستان ہے۔ اس دریا کا بڑا معاون دریائے ارغنداب ہے اور ارغنداب کے معاون ارغستان - لنگ اور ڈوری کے دریا ہیں۔ اسی طرح شمالی حصہ میں موسیٰ قلعہ اور نوزاد کے دریا بھی ہلمند میں شامل ہوتے ہیں - علاوہ اس کے دیگر بڑی اور چھوٹی بارانی ندیاں بھی ہلمند میں جا ملتی ہیں۔ خصوصاً موسم بہار میں بارشوں کی وجہ سے ہلمند کے پانی کی سطح کافی بلند ہو جاتی ہے - اس سال تو اس دریا نے کافی تباہی مچائی قریباً ایک لاکھ آدمی بے گھر ہوگئے ہیں ہزاروں مویشی ہلاک ہوگئے۔ ہلمند کے وسطی اور جنوبی علاقے دو بڑے بیابانوں پر مشتمل ہیں۔ اور ہر علاقہ اپنے لئے ایک بڑا صحرا ہے - بلکہ افغانستان کے بڑے صحراؤں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان صحراؤں میں سے ایک ریگو کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جو دریائے ہلمند کے مغربی اور شمالی حصہ کے اردگرد واقع ہے۔ "ریگو" کی دشت خاشرود سے لے کر کوا کی دشت اور ماچی تک وسیع ہے۔ دوسری وہ تاریخی "لکان" دشت ہے۔ جس میں لشکر گاہ کا شہر آباد ہے۔ اور اس میں قدیم وقتوں میں اور شہر بھی آباد تھے۔ یہ دشت ہلمند کے درمیانی علاقے میں مشرق کی جانب واقع ہے۔ دریائے ہلمند کے جنوبی ساحلوں سے ریگستان تک گرمسیل کی دشت بھی بڑی دشت سمجھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ گرشک کے شمال میں بھی چند چھوٹے چھوٹے دشت ہیں۔ ہلمند کے شمالی حصے مرکزی

ریرلیسیا) کا ذکر ویدی سرودوں میں بھی آیا ہے۔ سنسکرت کے مشہور جرمن عالم میکس ملر (۱۸۲۳ - ۱۹۰۰ء) نے ویدی سرودوں کو چار زمانوں میں تقسیم کیا ہے

۱۔ سوترا عہایا عبادات و تشریحات کا مجموعہ ۶۰۰ سے ۲۰۰ ق م تک

۲۔ برھمانا یا مذہبی کتاب کے تعبیرات ۸۰۰ سے ۲۰۰ ق م تک

۳۔ مانتراس (MANTRAS) کا زمانہ یا رگ وید کا نیا دور ۱۰۰۰ سے ۸۰۰ تک۔

۴۔ چانداس یا شانداس (CHADAS) کا زمانہ یا رگ وید کا قدیم زمانہ ۱۲۰۰ سے ۱۰۰۰ ق م تک

ونٹنٹز (WINTENITZ) اس بارے میں کہتا ہے کہ :۔ "اشوک کے کتبوں اور تحریروں سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ آرین سنہ ۳۰۰ ق م میں ہند کے جنوبی علاقوں میں وارد ہوئے۔ باندایانہ (BANDHAYANA) اور رگ ویدی مدرسے ہند کے جنوبی خطے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آرین ان علاقوں پر سنہ ۔۔۔ ق م یا سنہ ۔۔۔ ق م میں قابض ہوئے تھے۔ لہذا امکان نہیں کہ سنہ ۱۲۰۰ ق م اور حتیٰ سنہ ۱۵۰۰ ق م کے لگ بھگ ہند اور افغانستان کے شمال مغرب میں آرین متعین کئے جائیں۔ چنانچہ بیولر (BUHLER) کہتا ہے کہ :۔ "اس مسئلے کا فرض کر لینا کہ آرین قبائل باوجود اس کے کہ ان کے درمیان اندرونی اور داخلی مخالفت موجود تھی۔

(۵ یا ۶ یا ۸ ق م صدی میں) ہند کی اس قدر وسیع زمین پر قابض ہوئے ہوں اور ان پر حکومتیں قائم کر لی ہوں بے عقلی اور ہنسی والی بات ہے

ہولڈنبرگ (OLDNBERG) کہتا ہے کہ یہ درست ہے۔ ان صدی کافی عرصہ ہے۔ اور چار صدیوں میں امریکہ میں کافی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ مگر ان دونوں کا مقابلہ کوئی تناسب نہیں رکھتا۔ اس لئے ہم جانتے ہیں کہ آرین آپس میں لڑتے تھے ان کا طرز رفتار بہت سست تھا۔ رگ وید کے زمانہ میں مشرقی افغانستان اور ہند کے آخری شمال مغربی حصہ میں رہتے تھے۔ اور اس جگہ میں سرودوں کی ترکیب اور جمع کرنے میں کافی صدیاں گذریں۔ زیادہ قدیم سرودوں کے بولنے اور الفاظ کے زمانے اور کافی نئے سرودوں کے درمیان اور بھر نئے سرودوں اور برہمانا کے درمیان کافی صدیاں گذری تھی۔ برہمانا کے متعلق مدرسوں کی تقسیم اور ان علماء کا طویل سلسلہ جن سے یہ مدرسے تعلق رکھتے ہیں۔ اور گذشتہ زمانوں کے علماء کی یادیں اور ذکر ہر ایک اپنی جگہ واضح کرتا ہے کہ یہ تمام کام کافی صدیوں میں تکمیل کو پہنچا ہے۔ آخر میں اپو پانیشادیاں بھی علماء اور دانشوروں کے ایک طویل سلسلے پر بحث کرتا ہے۔ اور اسی عصر زمان میں جب اپو پانیشادیاں کہے گئے اور انشا ہوئے ہیں۔ آرین ہند کے صرف ایک چھوٹے حصے پر قابض تھے۔ لہذا ان تمام کاموں کے لئے سات سو سال بہت کم عرصہ ہے چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ ویدی زمانہ ۵۰۰ سے یا بہت سی نئی تحقیقات کی بناء پر سنہ ۔۔۔ ق م سے قبل ایک مجہول اور نامعلوم زمانہ میں انبساط اور فروغ حاصل کر رہا تھا۔ اگرچہ معمولاً یہ عصر (۵۰۰ - ۱۲۰۰) یا (۵۰۰ - ۱۵۰۰) یا (۵۰۰ سے ۲۰۰۰) کے درمیان معین کیا جاتا ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی اپنے لئے کوئی دلیل و برہان نہیں رکھتا۔ جو چیز واضح ہے وہ اس عصر کی آخری تاریخ ہے۔

جو ۵۰۰ یا ۸۰۰ ق م میں ختم ہوتی ہے ۔ پہلا مرحلہ ۲۰۰۰ یا ۳۰۰۰ ق م سے منسلک کرنا چاہیئے ۔

پروفیسر کیتھ (KEITH) مذکورہ بیانات کی روشنی میں ویدی کا بہت نیا اور تازہ بتاتا ہے کہتا ہے کہ برہمانا کی ابتداء ۸۰۰ ق م میں اور کافی قدیم سرود مثال کے طور پر جو (شفق کے سرود) سے عبارت ہیں ۱۲۰۰ ق م میں بولے گئے ہیں ۔ اس سے پیشتر ویدی سرود نہیں تھے کیونکہ اگر اوستا کا زمانہ ۶۰۰ ق م تو زبان کے لحاظ سے اوستا کے متن اور رگ وید کے سرودوں کے درمیان بہت زیادہ مشابہت ہے [1]

مذکورہ بیانات سے ہم اس نتیجہ کو پہنچتے ہیں کہ ویدی سرود ۱۴۰۰ ق م سے ۶۰۰ ق م تک جو کہ سائرس اور بخت نصر کا زمانہ ہے میں بولے اور جمع کئے گئے ہیں چنانچہ اگر (ابرلیسا) یعنی برٹیچوں کا ذکر ویدی سرودوں میں آیا ہو ۔ تب ممکن ہے کہ یہ ذکر ۶۰۰ ق م سے تعلق رکھتا ہو اور برٹیچ شاید ۵۵۰ ق م اور ۵۰۰ ق م کے درمیانی عرصہ میں عراق سے ہرات کے راستے ہمند اور سیستان کے علاقے میں وارد ہوئے ہوں ۔ البتہ یہ بات مشکوک ہے کہ یہ بخت نصر کے جبر و استبداد سے عراق سے نکلے تھے یا اس وقت جب سائرس نے عراق پر حملہ کرکے بعد بیل شازار کے ظلم سے لوگوں کو نجات دلائی بہر حال زمانہ ایک ہے اور اس زمانہ میں جب سائرس نے لیڈیا پر حملہ کر دیا تو اس جنگ میں لیڈیا سے بھی کافی لودی اور دیگر مشرق کی جانب چلے آئے جن میں

---

[1] تاریخ ایران سر پرسی سائیکس جلد اول صفحہ ۱۲۶

اہل لیڈیا کے یونانی اور مادی شامل تھے ۔ جیساکہ اس سے بیشتر ذکر کیا جا چکا ان لوگوں نے جدا جدا راستوں سے مشرق کی طرف کوچ کیا جہاں (پارتھیا) اور میڈیا میں اپنے دوسرے ہم نژاد آرین بھائیوں سے مل گئے ۔ [illegible] پر زنگاہ ڈالیے شمال مشرق سے جنوب مغرب کو بکتریا (بلخ) پارتھیا اور میڈیا ہمکنار ہیں ۔ پارتھیا کا علاقہ ہرات سے لے کر کیسپین کے کنارے تک پھیلا ہوا ہے یہاں سے میڈیا کی سرحد شروع ہوتی تھی ۔ میڈیا موجودہ ایران کا شمال مغربی علاقہ تھا ۔ جسے سائرس نے بعد میں اس میں شامل کر لیا ۔ اور ایران کی بڑی سلطنت قائم کر لی ۔ اور پھر پارتھیا پر جو بقول استرابو کے آریانا کا ایک حصہ تھا ۔ چڑھائی کر کے خوارزم تک کا تمام علاقہ قبضہ کر لیا اور پھر پارتھیا کے جنوب مشرق آراکوزیا اور کرمانیا پر بھی قابض ہو کر اپنے ایک بیٹے (باردیا) جو کمبوچیہ سے کم عمر تھا اور کلاسیکی مورخین نے (سمردلیس) کے نام سے یاد کیا ہے کو آراکوزیا کرمانیا اور خوارزم کا حکمران مقرر کیا ۔ جیساکہ پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ سائرس ایسی جھگڑوں میں دربکیوں کے ہاتھوں مارا گیا ۔ اور ان کے بیٹے کمبوچیہ یا کمبیز نے جو باپ کی زندگی میں بھی وزیر اعظم کی حیثیت رکھتا تھا ہخامنشی کا شاہی تاج سر پر رکھا ۔ پارتھیا ۔ خوارزم ۔ اور کرمانیا پر سمردلیس ہی حکمران تھا ۔ لیکن دونوں بھائیوں کا ایک دوسرے پر اعتماد نہیں تھا ۔ ایک دوسرے سے خوف محسوس کرتے تھے ۔ جس وقت کمبوچیہ نے مصر پر حملے کا ارادہ کیا تو اس ڈر سے کہ کہیں ان کی غیر موجودگی میں سمردلیس مشرق کی مقبوضات پر اپنی بادشاہی کا اعلان نہ کر دے لہذا ۵۲۶ ق م میں نہایت مخفی طریقہ سے مار ڈالا ۔ حتیٰ کہ اس کی ماں اور بہن تک کو اس

کی خبر نہ ہوئی بعد میں پورے اطمینان کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوا
ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ ایک شخص جو گو ماتا (GAU MATA) کہلاتا تھا اور باردیا (سمردیس) سے کافی مشابہت رکھتا تھا۔ مصر پر کمبوجیہ کی مصروفیت اور خفیہ طور پر باردیا کے قتل سے استفادہ کرکے باردیا کے نام سے بادشاہی کا اعلان کردیا۔ کمبوجیہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو اسقدر دل برداشتہ ہوا کہ خودکشی کرلی۔ گو ماتا نے کچھ عرصہ حکومت کی لیکن جلد ہی لوگوں کو حقیقت معلوم ہوگئی وہ اسقدر برافروختہ ہوئے کہ اُسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اس کے بعد سائرس کا بھتیجا گشتاسپ کا بیٹا دارلیوش ۵۲۲ ق م میں تخت پر بیٹھا کیونکہ اس وقت مملکت میں گو ماتا کے ہاتھوں بڑی بے قراری پھیلی ہوئی تھی مقبوضہ علاقوں کے لوگوں میں خودمختاری اور آزادی کے احساسات پیدا ہو گئے تھے، دارلیوش نے ان لوگوں کو خوش رکھنے کی کوشش شروع کردی۔

دارلیوش (اوّل) نے ۵۱۲ ق م میں ارادہ کیا کہ سندھ اور پنجاب کی زرخیز و شاداب زمین حاصل کرے اس مقصد کے لئے ہند کے شمال مغربی علاقوں پر لشکر کشی کرلی۔ ہند کی جغرافیائی وضعیت معلوم کرنے کے لئے پانی کے راستے یونانی دریا نورد اسکیلاکس کی قیادت میں ایک جماعت بھیج دی۔ ہیروڈوٹس اس سلسلہ میں لکھتا ہے کہ دارلیوش چاہتا تھا کہ اسے معلوم ہو کہ سندھ کا دریا کہاں پر سمندر میں گرتا ہے۔ اسکیلاکس جو کاریاندا کے لوگوں میں سے تھا ان لوگوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھا انہوں نے کاسپاتیروس کے شہر سے اور

پاکتیوں (پشتونوں) کے علاقوں سے دریاؤں کے ذریعے مشرق کی طرف حرکت کی جب دریائے سندھ کو پہنچا تو پھر اس دریا میں مغرب کی طرف روانہ ہوا۔ تین ماہ بعد اس جگہ پہنچا جہاں فنیقی شاہ مصر کے فرمان کے مطابق افریقہ کے اردگرد گردش میں مصروف تھے۔ پس ان معلومات سے دارلیوش نے ہندیوں کو مطیع کرکے اس دریا سے استفادہ کیا[1]

اس بیان سے واضح ہے کہ سائرس اور دارلیوش کے زمانہ یعنی ۵۶۰ - ۵۱۲ ق م میں پشتون بہت بڑی تعداد میں موجودہ علاقوں میں رہتے تھے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا کہ ۲۳۰۰ ق م کے لگ بھگ ہندوکش کے جنوبی علاقے جو آراکوزیا۔ پکتیا اور افغان شمال کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ پر قابض تھے۔ جو پارتیا کا ایک بڑا حصہ تھا[2]

جیسا کہ اس سے پیشتر استرابو کے حوالہ سے آریانا کی حدود کی نشاندہی کی گئی کہ آریانا کے شمال مغرب میں پارتیا آخری صوبہ تھا۔ میڈیا اور فارس آریانا کی حدود سے باہر تھے۔ لہٰذا اس بناء پر ہیروڈوٹس نے اپنی تیسری کتاب ۹۳ اور ۱۱۷ پیراگراف میں پارتیوں کو خوارزموں کے ساتھ سغدیوں۔ ہری رود کی وادی کے آرین، گرگان کے ہیراگانیوں -

---

[1] ہیروڈوٹس کی چوتھی کتاب ۴۴ پیراگراف
[2] اشکانی سلطنت کی حدود میں پارتیا یعنی خراسان بھی شامل تھا۔ تاریخ ایران تالیف پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی جلد اول صفحہ (۱)

زرنجیوں ۔ تینوں کو ایک ہی جگہ آریانہ کے رہنے والوں میں شمار کیا ہے اور داریوش نے بھی فارس کی سرزمین سے باہر اپنی فتوحات کے بعد ان کو جدا جدا ناموں سے پکارا ہے ۔ اور پارتیوں کو زرنجیون ۔ سگرتیون ۔ ھیراگانیوں سے منسوب کیا ہے ۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہوا کہ ان تمام لوگوں کا حسب و نسب اور زبان ایک تھی جیسا کہ استرابو بھی اس کی تائید کرتا ہے ۔ دوسرے یہ کہ پارتی بھی زرنج ۔ ھاموں اور ہری رود کے علاقوں کے جز تھے ۔

یہاں یہ وضاحت کردیں کہ درمیانی صدیوں میں موجودہ افغانستان خراسان کے نام سے پکارا جاتا تھا ۔ اور موجودہ ایران عراق عجم کے نام سے یاد کیا گیا تھا ۔ عراق دراصل دو حصوں پر مشتمل تھا ۔ مغربی اور جنوبی علاقے عراق عرب اور مشرقی و شمالی علاقے عراق عجم کے نام سے پکارے جاتے تھے جبکہ بعد میں عراق عجم کے اکثر علاقے فارس اور میڈیا کے علاقوں میں ضم کردیئے گئے ۔ اور ایران کے نام سے ہخامنشی دور میں ایک بڑی مملکت قائم ہوئی ۔ ان زمانوں میں بھی پارتیا کے علاقے یعنی انزک ، طوس اور نیشاپور کے منطقے خراسان کے جز تھے ۔ جو عراق کی حدود میں نہیں آتے تھے ۔ بلکہ جس وقت اسلام کی روشنی ایران تک پہنچی تب بھی خراسان ایک علیحدہ حیثیت رکھتا تھا ۔

پروفیسر ڈاکٹر طس ۔ ا ۔ حسن لکھتا ہے کہ اگرچہ ایران حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران تسخیر ہوا ۔ مگر خراسان امویوں کی ابتدائی حکومت میں مسلمانوں کے تصرف میں نہیں آیا تھا ۔ جس وقت خراسان کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مقصد موجودہ خراسان نہیں بلکہ قدیم خراسان ہے ۔

یعنی ایران کی تاریخ کے درمیانی زمانہ میں مشرقی سرزمین جو شمال مشرق میں تمام ماوراءالنہر جنوب میں سیستان اور کوہستان اور خارجی سرحدات وسطی ایشیا اور چین کے صحرا اور پامیر کے دامن تک پھیلے ہوئے تھے ۔ اسلامی دور میں خراسان چار حصوں میں منقسم تھا ۔ اور ہر حصے کو ایک ربع کہا جاتا تھا ۔ اور ہر حصہ کو چار شہروں جیسے مرو ۔ ھرات ۔ بلخ اور نیشاپور میں تقسیم کیا گیا تھا ۔ اس وسیع و عریض خراسان کو عرب ہمیشہ ایران کے بعد ایک جدا اور واحد ملک کی حیثیت سے جانتے تھے ۔ ساسانیوں کی شہنشاہیت کے تمام دور میں خراسان اس شہنشاہیت کا ایک حصہ تھا ۔ اور اسلام کے بعض نامور محققین نے خراسان کی حد خوارزم تک بتایا ہے ۔ بلخ عظیم خراسان کے شہروں میں سے ایک شہر تھا ۔ خراسان اور ماوراءالنہر کے درمیان طبعی سرحد دریائے جیحون ہونا چاہیئے [1]

(مرو) جیحون کے مغرب میں خراسان میں ہے اور ترمذ مشرق میں ماوراءالنہر میں ہے ۔ اس وقت جب عرب مشرق کی طرف بڑھتے ہوئے خراسان پہنچے تو کسی بھی جگہ قابل ذکر مقتدر حکومت کا وجود نہیں تھا ۔ بلکہ اس سارے منطقہ میں کابل سے تخارستان ۔ ختل ۔ صغانیاں ۔ سغد ۔ (بخارا و سمرقند) بلخ اور خوارزم اور دیگر بہت سے شہر خود مختار تھے اور اس قابل نہیں تھے کہ کسی بڑی سلطنت کا مقابلہ کرسکیں ۔ درحقیقت کوشانی شہنشاہیت کے خاتمہ کے بعد وسطی ایشیا میں اسی قسم کے حالات

---

[1] جیحون کو آمو دریا بھی کہتے ہیں آمو ۔ آمول ۔ آمو یہ ایک شہر کا نام ہے ۔ یورپی زبانوں میں آکس (Oxus) کہتے ہیں دائرۃ المعارف اسلام ۔

تھے۔ ان تمام جگہوں میں مقامی حکومتیں قائم تھیں۔ اور پہلوانوں جنگجو سرداروں۔ زمینداروں اور سوداگروں کی حاکمیت تھی۔ مشرق کی بڑی سلطنتوں جن میں چین بھی شامل تھا۔ سے تجارت کرنے کی وجہ سے ثروت مند تھے۔ مذہبی رہنما عام لوگوں میں کافی اثر و نفوذ رکھتے تھے۔ اور حکمرانوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت (۲۵ - ۲۲ھ) میں عبداللہ بن عامر کو خراسان کی تسخیر کے لئے روانہ کیا گیا ان اسناد اور دستاویزات کی رو سے جو بعد کے وقتوں چین میں دریافت ہوئے ہیں۔ عبداللہ نے جب آمو (جیحوں) پار کر لیا ماوراء النہر کے لوگوں نے جب خراسان کی فتح کی خبر سنی۔ تو بغیر کسی مقابلے کے اطاعت قبول کر لی [1]

اس بیان سے یہ واضح ہوا کہ خراسان[2] دراصل وہی منطقہ تھا جو آریانا کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جو بعد میں پارتیا پھر خراسان اور آخر میں افغانستان کے نام سے یاد کیا گیا لیکن اب بھی زیادہ تر دیہاتی خصوصاً غزنی۔ پکتیا اور ژوب کے لوگ خراسان کا نام استعمال کرتے ہیں اور ایک چھوٹا سا خراسان جو کاکڑ خراسان کے نام سے پکارا جاتا ہے اور مسلم باغ (ہندو باغ) اور قلعہ سیف اللہ کے شمالی علاقوں

---

[1] مقالہ پروفیسر ڈاکٹر س۔ ا۔ حسن صدر و استاد مرکز مطالعات اسلام۔ ملایا یونیورسٹی۔ برسیبا ی تاریخی شمارہ ۴۔

[2] ابتداء میں باختر کا مغربی علاقہ بحر کیسپین تک پارتیا کہلاتا تھا۔

میں بھی وجود رکھتا ہے۔ اور اس علاقہ میں سلیمان خیل کاکڑ۔ جلال زئی کاکڑ، مردان زئی اور دیگر قبائل آباد ہیں۔ کاکڑ خراسان سے مراد وہ خراسان جس میں کاکڑ پشتون بستے ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ دارایوش نے پنجاب اور سندھ کے سرسبز و شاداب علاقوں کی معلومات کے لئے اسکیلاکس کو بھیجا تھا۔ تو وہ اور ہیروڈوٹس پاکیتوں کے علاقے سے گذرا تھا۔ جو پارتیا اور پکتیا کے نام سے بھی پکارا گیا ہے۔ اور پختی اور پختی کے نام سے بھی لیکن پشتو زبان اور لہجہ میں پشتیا ہے۔ چونکہ پشتو کا س ۔ش میں اور خ ک میں بدل جاتے ہیں۔ مثلاً پشتو۔ پختو چنانچہ اس صوتی تبدیلی کی وجہ سے ہیروڈوٹس اور بعض بعد میں محققین نے اپنی زبانوں کے مطابق پکت اور پارت لکھا ہے اور ان کی جگہ کا نام پکتیا اور پارتیا لکھا ہے۔

پکت - پارت جو دراصل پشت اور پشتون ہے تمام محققین اور ماہرین لسانیات اس پر متفق ہیں۔ کہ یہ وہ قدیم آریائی ہیں جو ہندوکش کے شمالی علاقوں سے جنوب کی طرف چلے آئے۔ اور یہ زمانہ محققین نے ۳۰۰۰ ق م سے قبل کا معین کیا ہے۔ یہ وہی زمانہ ہے جب کہ سرجون قدیم ۲۳۰۰ ق م میں نہ صرف تمام ریاستوں پر قابض ہوا بلکہ اپنی مملکت کا دائرہ مالابار کے ساحل تک وسیع کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سرجون کا لشکر آریا کوزیا کے راستے سندھ کے علاقے تک گیا۔ اور پھر سمندر کے ذریعے مالابار تک پہنچا ہو۔ اور وہ شاید لولان کے راستے نکلے ہوں

---

[1] خراسان، خور اور آسان سے مشتق ہے۔ خور کے معنی خورشید (سورج) اور آسان کے معنی چمکتا ہوا یعنی چڑھتے ہوئے سورج کا ملک۔ مادہ خراسان ضد ہے (خربان) جس کے معنی ہیں مغرب۔ دائرۃ المعارف اسلامی اردو جلد ۷۔

یا یہ کہ دکی اور پھر بسی کے راستے سندھ گئے ہوں۔ کیونکہ سرجون کے زمانہ
کے آثار جنوبی بلوچستان میں کشف نہیں ہوئے پہلے تین کا الپوزئی (ژوب) درگی
(لورالائی) میں شرنئی اور کودان کے نام سے موجود ہیں۔

ہندو یورپین کا اصلی مسکن یا یہ کہ وہ کہاں سے آئے اس بارے میں علماء
کے درمیان کافی اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ پامیر کی طرف سے آئے ہیں اور شمال
سے مغرب کی جانب گئے ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ سائبریا کی طرف سے آئے
ہیں۔ اسی طرح بعض کا کہنا ہے کہ یہ کاکیشیا کے قبائل تھے۔ علاوہ ازیں یہ
یہ ابتداء میں قبائلی اور کوچی لوگ تھے۔ اس بناء پر ہر وقت گردش
میں رہتے تھے اور اسی گردش کی وجہ سے ان کی زبانوں اور رسومات
میں کافی اختلاط پیدا ہوا۔ سامی زبان میں غیر سامی الفاظ مو گئے اور
- - - - - - غیر سامی زبانوں میں سامی زبان کے الفاظ
آ گئے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود چونکہ یہ ایک سرداری نظام کے
تحت زندگی گذار رہے تھے۔ اس لئے ان کی قبائلی انفرادیت اپنی جگہ برقرار
اور زبان صرف و نحو کے اعتبار سے محفوظ رہ گئی۔ اسی بناء پر ان کے قبائلی نام
بھی محفوظ رہ گئے۔ اور ایشیائے کوچک اور بین النہرین کی تاریخ میں نام اب
تک زندہ ہیں۔ انہی ناموں کی بدولت اپنی اقامت گاہ پر علی حکومتیں قائم
کرتے تھے۔ یعنی ہر شہر کی اپنی حکومت تھی۔ یہ حکومتیں آپس میں لڑتی جھگڑتی
تھیں۔ ایک دوسرے کے علاقوں پر وحشیانہ حملے کرتے تھے۔ اسی طرح

لہ الپوزئی کا موجودہ نام فورٹ سنڈیمن سر رابرٹ سنڈیمن کے نام پر رکھا گیا ہے۔

ان مقامی حکومتوں نے بڑی بڑی سلطنتوں کی شکل بھی اختیار کر لی۔
ہندو یورپین قبائل یا اقوام کی بڑی آماجگاہ ایشیائے کوچک کا
علاقہ تھا جو اناطولیا کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ یہ علاقہ بحر اسود
بحر روم۔ کیسپین۔ (بحر خزر) اور ایران کے درمیان واقع ہے۔
اور ... ۵ ، ۲۷۵ ، ۱ (ایک کروڑ تریپن لاکھ پچھتر ہزار) مربع میل پر
مشتمل ہے۔ شمال سے کیسپین اور بحر اسود کے درمیان پہاڑی سلسلوں
میں قدیم قبائل کی آمد و رفت ہوتی تھی۔ ان ہی شاہراہوں سے ہندو یورپین
قبائل سینکڑوں سالوں میں متواتر اناطولیا (ایشیائے کوچک) میں داخل
ہوئے ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ شمال کی جانب ہندو یورپین جو خانہ
بدوشوں یا کوچیوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ ۳۰۰۰ ق م میں مشرق و مغرب
کی طرف پھیلے تھے۔ اور اولین قبائل جو ایشیائے کوچک کو پہنچے تھے اور
پھر رومانیہ۔ بلغاریہ۔ اور جرمنی کے علاقوں کو پہنچے تھے ٹیوٹانی تھے۔
اور ان کے بعد لودی تھے۔ جو بحر ایجین کے قریب لیڈیا میں آباد ہوئے
سیمری۔ اکادی۔ کاسی اور گرد وہ لوگ تھے جو خزر کے علاقوں
میں پھیل گئے۔ اور پھر یکے بعد دیگرے بین النہرین میں داخل ہو کر اپنی
حکومتیں قائم کر لیں۔ ان حکومتوں کا دائرہ کبھی چھوٹا کبھی کافی وسیع
ہوتا تھا۔ مثلاً یہ کہ سیمریوں نے اپنے سربراہ لوگال زاگیزی کی قیادت
میں ۲۳۰۰ ق م میں کافی قدرت حاصل کر لی تھی۔

فلپ حتی کا کہنا ہے کہ "ماری" ایک اولین سیمری خاندان
کی حکومت کا مرکز تھا۔ اور ان کے حکمران کا نام لوگال زاگی زی
تھا۔ ۲۵۰۰ ق م میں سرجون نے ان پر حملہ کر کے لوگال زاگی

زی کو جو آرک [۱] کا باشندہ تھا معزول کردیا - ان کا ایک سکہ [illegible] میں دریافت ہوا ہے -

لوگال زاگی زی کہتا ہے کہ میں نے چڑھتے سورج کی جگہ سے سورج غروب ہونے کی جگہ تک کی زمین مسخر کرلی اور میں نے دجلہ اور فرات کے بحر زیریں سے بحر اعلیٰ تک راہ ہموار کرلی ۔"

ایک سمیری شاعر جو [illegible] ق م قبل کا معلوم ہوتا ہے - اس زمانہ میں آموریوں نے بابل پر قبضہ کرلیا تھا - خانہ بدوش اور جانوروں کے پلنے کی بجائے استقرار اور زراعت کی زندگی اختیار کرنے کا ذکر یوں کیا ہے۔

ہتھیار آموری کا دائمی ساتھی ہے
وہ کبھی کسی کے آگے سر نہیں جھکاتا
کچا گوشت ان کی غذا ہے
وہ تمام عمر گھر کا مالک نہیں بن سکتا
اگر اس کا دوست مر جائے تو اسکو دفن نہیں کرتا
(اب) تو ہر گھر کا مالک ہے
(اب) ان کے ساتھ غلہ ہے [۲]

[۱] کوسٹہ کے شمال مشرق میں چودہ میل کے فاصلے پر ایک تفریحی خوش منظر چھوٹی سی وادی کا نام بھی ہے [۳] تازہ ترین تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرجون اور لوگال زاگی زی کا زمانہ ۲۳۰۰ ق م تھا (مولف) [illegible]

خانہ بدوش زندگی میں آموریوں کا زیادہ تر دارومدار گدھوں پر تھا کیونکہ اس وقت اونٹوں کے پالنے کا سلسلہ بڑے پیمانے پر شروع نہیں ہوا تھا [illegible] ق م تک قربانی کے لئے گدھے استعمال کرتے تھے - آموریوں نے فرات کے وسطی علاقے کے قریب ایک حکومت کی بنیاد رکھی پھر انہوں نے صرف شام بلکہ دجلہ اور فرات کے دوابہ کو بھی پامال کرکے اور وہاں پر فرمانروائی کرتے تھے - [illegible] ق م سے [illegible] ق م تک ان کے بہت سے خاندانوں نے حکومتیں کیں - جو شمال میں آشور سے جنوب میں لارسا تک پھیلی ہوئی تھیں - ان میں سب سے اہم خاندان وہ تھا جس کا مرکز بابل تھا - بابل میں غالباً یہ پہلی حکومت تھی - یعنی حمورابی کی جنہوں نے آموری کے علاقہ کو بھی بابل میں ضم کرلیا - اس کا سیاسی کے بعد "ماری" شہر کی حیثیت ختم ہوگئی - کچھ عرصہ پیشتر جب یہاں پر ایک جگہ میں جو تل الحریری کہلاتا ہے - کھدائی ہوئی تو اس دوران برقدیم آثار دریافت ہوئے ان سے معلوم ہوا کہ یہ "ماری" کے کھنڈرات تھے - (یہ کھدائی انڈری پاروت فرانسیسی نے کی) غرضیکہ چھ (ماری) بادشاہوں نے ۱۳۶ سال سومر پر حکومت کی [۱]

بعد میں اس ملک کو سرجون نے فتح کرکے اکاد میں شامل کرلیا - بلکہ سرجون جس کا اصل مقصد پانی تک رسائی تھی نے جنوب مغربی فارس کے علاقوں پر قبضہ کرکے بعد وہاں پر ایک اعوان (AWAN)

[۱] ملاحظہ کریں ایڈورڈ چیرا (CHIERA) کی کتاب -
SUMERIAN RELIGIOUS TEXTS
مطبوعہ [illegible] ص ۲۰ - ۲۱

کو اپنا گورنر مقرر کیا یہ دو خارجی خاندان تھے - جو اوان - اور ہمازی کہلاتے تھے
گذشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے کہ سیمری سفید فام لوگ تھے اور سر منڈواتے تھے - صرف ان کا بادشاہ لمبے بال رکھتا تھا - بڑی بڑی پگڑیاں باندھتے تھے - اور عورتوں پر پردے کی سخت پابندی تھی - (ان کی زبان سامی نہیں تھی) پس ظاہر ہوا کہ یہ لوگ اور وہ جو ۳۰۰۰ ق م یا اس سے پیشتر قفقاز اور اورال کی جانب مشرق کی طرف گئے تھے تمام ہند دیورپین تھے دوسری بات یہ واضح ہوئی کہ اکادی اور سیمری بین النہرین میں اکٹھے رہے ہیں - بعد کے انقلابات سے ایسا مترشح ہوتا ہے کہ یہ بین النہرین سے اکٹھے نکلے ہیں - جہاں تک ان کی باقیات کی بات ہے بلوچستان کے قبیلے (مری) اور کاکڑ ان کے بالکل مشابہ نظر آتے ہیں - سیمریوں اور اکادیوں کے سردار اور سربراہ بڑے لمبے بال رکھتے تھے - چوٹیاں سینے کے دائیں بائیں لٹکاتے تھے - اب البتہ عام لوگ بال نہیں منڈواتے - ہو سکتا ہے کہ سرداروں کے اقتدار کی کمی یا کسی اور دوسری وجہ کی بنا پر سر منڈوانے کی رسم بعد کے زمانے میں ختم ہوئی ہو جہاں تک عورتوں کے پردے اور لباس یا بڑی بڑی پگڑیاں باندھنے کی بات ہے اب بھی دونوں قبیلے وہی سیمریوں اور اکادیوں کی طرح لباس پہنتے ہیں -
سیمری اور اکادی بہت قدیم زمانہ میں دجلہ اور فرات کے بالائی اور نشیبی علاقوں میں رہتے تھے - یہ کتنے علاقے پر پھیلے ہوئے تھے

ANCIENT IRAQ GEORGES ROUX P.121.1
—— do —— P.149.2

اس کا تعین نہیں کیا گیا ہے - البتہ قدیم تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سومیریوں کے مشہور شہر (اور) اور وک یا ایرخ (غالباً عراق کا پرانا نام ہے) اور نینوہ تھا اور آکادیوں کے مشہور شہر سپار، کیش - بابل اور آکاد (یا آکادہ آگادہ یا اکد) تھے کہا جاتا ہے کہ یہ آکاد شہر اکد کی مناسبت سے آکاد کہلایا اور اس کے رہنے والے آکادیوں کے نام سے مشہور ہوئے - (ہو سکتا ہے کہ اکی کے نام سے آکاد ہوئے ہوں اس کا ذکر بعد میں آئے گا) پھر ایک زمانہ ایسا آیا جب سومیری اور آکادی ایک قوم بنے[1]
یوں معلوم ہوتا ہے کہ سومیری اور آکادی ایک زمانہ میں پارتیا (خراسان) کے راستے خصوصاً ہرات کے راستے آراکوزیا چلے آئے ہیں جیسا کہ پہلے کہا گیا کہ ضلع ژوب کے شمال مغربی علاقے کو اب بھی کاکڑ خراسان کہا جاتا ہے - پس اس سے ظاہر ہوا کہ خارزم سے ژوب تک تمام علاقہ خراسان کے نام سے پکارا جاتا تھا - (یہاں یہ وضاحت کردیں کہ ضلع لورالائی بھی انگریزوں کی آمد سے پیشتر ژوب کا حصہ تھا -
جس وقت سرجون نے بین النہرین پر قبضہ کرنے کے بعد مشرق کی جانب فتوحات شروع کیں تو آکادی جن کے ساتھ سیمری بھی شامل تھے جنوبی خراسان کو جو پارتیا اور بکتیا کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے آئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں - کیونکہ ان کے آثار ضلع لورالائی کے ڈکی میں شرغلی کے نام سے ایک بڑا ٹھیلا جس پر تین تہذیبیں گذری ہیں اب بھی موجود ہیں - یاد رہے

[1] تاریخ ایران جلد اول تالیف پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی صفحہ ۱

گرلورالائی کا پُرانا نام "بوری" ہے دار مستتر اس بارے میں لکھتا ہے کہ بوری (بابلیوں) سے عبارت ہے کیونکہ ژندی زبان میں "ل" کی ادائیگی کے لئے حرف نہیں اس وجہ سے یہ لفظ "ر" سے لکھا گیا ہے فارسی میں اسے بابیلو بھی کہتے ہیں[۱] ۔ معلوم ہوتا ہے جب آکادی اور سیمری ان علاقوں میں وارد ہوئے تو اپنی یاد تازہ رکھنے کے لئے پُرانے نام بھی استعمال کرتے تھے ۔ مذکورہ نظریات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے موجودہ لورالائی کا نام بابیلو یا بابیلون رکھا ہو ۔ اور وہ پھر رفتہ رفتہ بعد میں لہجوں کے تغیر کی وجہ سے (لوری) ہوا ہو ۔ بوری کی تحصیل موسیٰ خیل میں ایک چھوٹے مگر جیالے قبیلے کا نام (زمیری) ہے ۔ یہ لوگ لونی اور جعفر قبیلوں کے ساتھ رہتے ہیں ۔ اور کچھ گھرانے (سیبی) کے پانیزئی قبیلے کے ساتھ بھی قیام رکھتے ہیں[۲] ۔ زمیری لیم سیمرلوں کا پہلا بادشاہ تھا ۔ جس نے ۲۵۰۰ ق م کے لگ بھگ "ماری" میں سیمرلوں کی پہلی حکومت قائم کی ۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آکادی اور سیمری بلوچستان آئے تھے ۔ کیونکہ آثار و قرائن تمام اس کی گواہی دیتے ہیں کہ آکادی ، سیمری ۔ کاسی ۔ لودی ۔ غلزئی ۔ بڑیچ ۔ کرد ۔ مری ۔ [illegible] ترین ۔ کاکڑ ۔ اور ایسے دیگر مغرب اور شمال کی جانب سے آگئے ہیں ۔ البتہ مختلف شاہراؤں اور جدا جدا وقتوں میں لونده اور کوچیوں کی صورت میں بہیرہ کی رفتار سے جہاں آب و ہوا سازگار پائی اور علاقہ سرسبز نظر آیا وہاں قبیلوں کی شکل میں ڈیرے ڈالے لیکن موسموں کے ساتھ ساتھ ان کی حرکت بھی جاری

---

۱ ژند اور اوستا دوم جلد صفحہ ۵۰۷ ، ۳ دار مستتر کا فرانسیسی ترجمہ
۲ تاریخ ملل آسیائی قدیم صفحہ ۱۲۶

... البتہ جو چیز ان میں مشترک تھی وہ ایک تران کی زبان تھی دوسرے ان کی روایات اور خصوصی لباس تھا ۔ پارتیا کے رہنے والے لمبے لمبے چغے پہنتے ... ۔ اور ان میں بڑی بڑی جیبیں بناتے تھے ۔ یہ چغے رنگ برنگ ہوتے ... ۔ اور ان پر کشیدہ کاری بھی ہوتی تھی ۔ وہ بالوں سے چوٹیاں بھی بناتے ... ۔ داڑھی بھی رکھتے تھے[۱] ۔ بعد کے زمانہ کے مورخین اور شجرہ نویس تمام پشتونوں کو سٹربن ۔ غورغشت اور بیٹ (بیٹ کا مقبرہ کسی پہاڑ میں ہے) کی اولاد قرار دیتے رہے ہیں ، جو بقول ان کے شیخ عبدالرشید ۶۰۰ء کے بیٹے تھے کہا جاتا ہے کہ سٹربن کے دو بیٹے تھے ایک کا نام شرخبون (شرف الدین) اور دوسرے کا خرشبون (خیر الدین) تھا ، شرخبون کے متعلق علم نہیں البتہ خرشبون کے متعلق پٹہ خزانہ نام کی کتاب میں ذکر کیا گیا ہے کہ ۵۰۰ھ[۲] میں تولد ہوا تھا ایک ادریا سا شخص تھا ۔ اس نے شعر بھی کہے ہیں ۔

ایک اور کہانی بھی ہے وہ یہ کہ غور کے ایک معتبر گھرانہ جو اصلاً تاجک تھا کا ایک جوان جس کا نام شاہ حسین تھا گھر سے ناراض ہو کر کسی پہاڑ (کوہ سلیمان) کو چلا آیا یہاں پر بیٹ نیکہ[۳] کے ساتھ قیام کیا شیخ بیٹ کی ایک خوبصورت لڑکی تھی جس کا نام "بی بی متو" تھا ۔ شاہ حسین اور بی بی متو کے درمیان محبت ہوگئی اور اس محبت کے نتیجہ میں بی بی متو حاملہ ہوگئی ۔ جب اس کی ماں کو اس

---

(۱) تاریخ ایران جلد اول تالیف مقبول بیگ بدخشانی ، صفحہ ۲۰۹
(۲) اگر سٹربن قیس کا بیٹا ہے تو خرشبون اس کا نواسہ ہوا ۔ نواسے اور دادا کے درمیان تین سو سال سے بھی اوپر کا زمانہ بالکل ناممکن ہے ۔ مولف
(۳) نیکہ پشتو زبان میں دادا یا نانا کو کہتے ہیں ۔

علم ہوا پہلے تو وہ بہت پریشان ہوگئی لیکن بعد میں کسی طریقہ سے شیخ بیٹن کو رضامند کرکے شاہ حسین کا بی بی متو سے نکاح کرالیا۔ چند ماہ بعد بی بی کا لڑکا پیدا ہوا، جو کہ شادی کے مطابق تولد کی معیاد سے پیشتر پیدا ہوا اور غل زوئے (چوری بیٹے) کے نام سے مشہور ہوا۔ بعد میں اس لڑکے کی اولاد غلزئی کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ داستان جو قطعی فرضی اور من گھڑت ہے۔ سراولف کیرو کے علاوہ بہت سے محققین نے اس کو من گھڑت افسانہ بتایا ہے۔

سراولف کیرو اپنی کتاب "دی پٹھان" میں صفحہ ۲۵ (اردو) پر لکھتا ہے کہ:۔

"سٹربن کے دونوں بیٹوں کے ناموں خاص طور پر شرجیون اور کرشبون کی شکل میں ان کے غیر اسلامی انداز کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے ان ناموں کا اسلامی شکل اختیار کرلینا تعجب خیز نہیں ہے۔"

یہاں پر دو باتیں قابل غور ہیں ایک خرشبون کی جو کرسترغبون کا بھائی اور بیٹے کا بھتیجا کہلایا جاتا ہے اور دوسری بات یہ کہ غلزئی مخفی طریقے سے پیدا ہوا تھا لہذا اسی بناء پر غلزئی ہوا۔

گذشتہ اوراق میں کئی بار یہ وضاحت کی گئی ہے کہ ایک تو سٹربن کسی شخص کا نام نہیں تھا۔ بلکہ یہ 'ساربان' کی مسخ شدہ شکل ہے۔ فارسی زبان میں "ساربان" کوچی کو کہتے ہیں۔ اور یہی "ساربان" پشتو میں سٹربن بنا۔ دوسرے یہ کرسترغبون اور خرشبون دراصل ایک شخص کے دو نام ہیں۔

سراولف کیرو اپنی کتاب "دی پٹھان" میں صفحہ ۳۴ پر قیس عبدالرشید کے بیٹوں کے متعلق یہ بھی لکھتا ہے کہ



ڈکی ضلع لورالائی میں سٹرغلا کے کھنڈرات

سب سے بڑے بیٹے سرگون کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام شر خوران (بعض کتابوں میں شرکیون یا شرگیون یا سرجیون بھی لکھا ہے) اور دوسرے کا نام خورشیبون (یا بعض تحریروں کے مطابق کرشیون) تھا۔[1]

اب دیکھئے! سارگن یا سرجون جو سرجیون اور شرعون اور شر... کے نام سے بھی پکارا گیا ہے ایک ایسا تاریخی واقعہ ہے جو آثار قدیم اور کتابوں سے موجودہ زمانہ کے محققین کو معلوم ہو چکا ہے

"دانچه از داستانها برمیاید وی نیز مانند موسی علیه
در کودکی بدست مادر خود وسیدی ازنی قرار
گرفته و با امواج رودخانه سپرده شده بود ولی باغبانی او
را از آب گرفته بتربیت او همت گماشت۔ سارگن (شاروکن) بدون تردید
ازبزرگترین پادشاہان قدیم بوده و بر امپراطوری وسیعی حکومت کرده ولی در
تاریخ اطلاعات زیادی درباره او دیده نمیشود۔"

"جو کچھ داستانوں سے معلوم ہوتا ہے وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح بچپن میں اپنی ماں سے خفیہ طور پر پیدا ہوا اور دریا میں ڈالا گیا لیکن باغبان (مالی) نے اسے اٹھا لیا اور اس کی پرورش کرنے لگا۔ سارگن (شاروکن) بلاشبہ بزرگ ترین بادشاہان قدیم میں سے تھا۔ اور وسیع شہنشاہیت پر حکومت کی ہے۔ لیکن تاریخ میں اس کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں۔"[2]

---

[1] تاریخ ملل قدیم آسیای غربی صفحہ ۵۲ ۔
[2] ترجمہ ۔

ایک دوسری جگہ سرجون (شرخیون) کہتا ہے :-

MY MOTHER WAS A CHANGELING
MY FATHER I KNEW NOT
THE BROTHERS OF MY FATHER LOVED
THE HILLS.

MY CITY IS AZUPIRANO, WHICH
IS SITUATED ON THE BANKS OF THE
EUPHRATES. MY CHANGELING
MOTHER CONCEIVED ME IN SECRET,
SHE BORE ME SHE SET ME IN A
BASKET OF BUSHES WITH BITUMEN
SHE SEALED MY LID, SHE CAST ME
IN TO THE RIVER WHICH ROSE NOT
OVER ME THE RIVER BORE ME UP
AND CARRIED ME TO AKKI
THE DRAWER OF WATER.
AKKI THE DRAWER OF WATER TOOK
ME AS HIS SON AND REARED ME AKKI
THE DRAWER OF WATER APP-
OINTED ME AS HIS GARDNER,
WHILE I WAS A GARDNER

ISHTAR GRANTED ME HER LOVE
AND FOR FOUR AND - - - - YERS
I EXERCISED KING SHIP

ترجمہ :- میری ماں بدلی ہوئی تھی[1] ۔ میں اپنے باپ کو نہیں جانتا ہوں میرے باپ کے بھائی پہاڑوں سے محبت کرتے تھے ۔ میرا شہر ازوپیرانو ہے ۔ اور وہ الوا پرانس (فرات) کے کنارے پر واقع ہے ۔ میری بدلی ہوئی ماں نے مجھے مخفی طریقہ سے جنا ۔ مجھے نے کی ایک ٹوکری میں ڈال کر اور اس کا منہ بند کر دیا ۔ اس نے مجھے دریا میں ڈال دیا ۔ پانی مجھے اکی (باغبان کا نام) کی طرف بہا کر لے گیا ۔ اکی نے مجھے اٹھا کر اپنے بیٹے کی طرح پالا ۔

اکی (باغبان) نے مجھے باغبان مقرر کیا ۔ میں کچھ عرصہ باغبان رہا ۔ پھر اِشتار[2] نے مجھے اپنی محبت سے نوازا چار اور ..... سال بادشاہی کے اختیارات استعمال کرتا رہا ۔

مذکورہ بیان میں ایک تو غل زوئی (مخفی بیٹے) والی بات غلزئی سے مطابقت رکھتی ہے کہ سرجون (جس کو ہم سٹرخبون اور خرشبون کہتے ہیں) مخفی طریقہ سے متولد ہوا تھا ۔ وجہ معلوم نہیں ۔ دوئم یہ بات بیٹ سے مطابقت

---

[1] یہ ایک عقیدہ تھا ۔ کہ پیدائش کے وقت پریاں بچے کو لے کر اس کی جگہ دوسرا بچہ رکھ دیتی تھیں ۔ چنانچہ سرجون کی ماں کے ساتھ بھی پیدائش کے وقت یہی کچھ ہوا ۔ یعنی اسے دوسرے بچے کے بدلے میں لا کر رکھدیا ۔

[2] ISHTAR ابہاروں کا رب النوع

[3] ANCIENT IRAQ GEORES ROUX P - 121

رکھتی ہے ۔ جو کہ سٹرخبون کا چچا یعنی سٹربن کا بھائی تھا اور پہاڑوں میں رہتا تھا ۔ تیسری بات بیٹ اور سٹرخبون (یا خرشبون) سے مطابقت رکھتی ہے ۔ کہ وہ ایک نیک اور پارسا شخص تھا ۔ چہارم یہ کہ جس باغبان نے اس کی پرورش کی تھی اس کا نام "اکی" تھا اور سرجون اس کو "اکی" "یا اکا" کے نام سے پکارتا تھا ۔ پس ممکن ہے کہ اکی (یا اکا) سے "آکاد" کا نام مشہور ہوا ہو اور پھر یہی (اکی یا اکا) پشتونوں میں چچا یعنی باپ کے بھائی کے لئے مستعمل ہوا ہو ۔ جو آج تک پشتون خصوصاً مغربی پشتون استعمال کرتے ہیں ۔

اب یہاں یہ بات اچھی طرح واضح ہوئی کہ سٹرخبون یا خرشبون بہت قدیم زمانہ کی شخصیت ہے ۔ اور قدیم تاریخوں میں سوائے سرجون اور شرغون جس کے شرغلی کے نام سے شمالی بلوچستان میں تین جگہوں پشین ۔ فورٹ سنڈیمن (ژوب) اور دکی (روری ضلع موجودہ لورالائی) میں آثار موجود ہیں ۔ کسی دوسرے سے مطابقت پیدا نہیں ہوتی ۔ فورٹ سنڈیمن کا "شرغلہ" "کودان" کے نام سے بھی موسوم تھے[1] ۔

کرلانی پشتونوں کے شجرہ میں لکھا ہے کہ دلازاک اور اورکزئی منگل وغیرہ (کودے) کی نسل سے ہیں[2] ۔ جو ایک عورت تھی یہاں لورالائی میں کودے زئی کے نام سے کاکڑوں کا ایک قبیلہ موجود ہے ۔ جب کہ سٹرخبون یا خرشبون اسلام سے قبل کے نام ہیں ۔ اور پھر زمانہ بھی معلوم نہیں شاہ حسین

---

[1] ژوب گزیٹیئر صفحہ ۹۴

[2] پٹہ خزانہ ذ تاریخ پہ رونہ اکی صفحہ (۱۳۵۷)

اور بی بی متو کی داستان خود بخود باطل ہو جاتی ہے ۔

سڑبون یا سڑغون کا زمانہ کم از کم جس پر کہ زیادہ تر محققین متفق ہیں ۳۳۰۰ ق م ہے ۔ یعنی یہ شخص آج سے چار ہزار تین سو سال قبل گذرا ہے اور ضلع لورالائی کا جر یا بیلو یا بیلوں کی بگڑی ہوئی شکل ہے ۔ شرغلئی بھی اتنا ہی پرانا ہے ۔ بالکل اسی طرح قدیم جس قدر کہ پشتو زبان ہے ۔ کیونکہ پشتو کی قدامت کی تاریخ بھی اب تک کسی نے معین نہیں کی ہے ۔ اندازہ کریں کہ چار ہزار سال میں کتنی نسلیں پیدا ہوئی ہوں گی ۔ کتنے قبیلے غائب ہوئے ہوں گے ۔ اور کتنے بنے ہوں گے ۔ اور کس قدر قبیلے ایک دوسرے میں اسی طرح مدغم ہوئے ہوں گے ۔ جیسے کہ سمیری آکادی میں ضم ہو گئے تھے ۔ اور پھر جب یہ لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے اور ان میں اسلامی نام مروج ہوئے تو پھر اس میں موسیٰ خیل ۔ ابراہیم خیل ۔ عیسیٰ خیل ۔ محمد خیل ۔ داؤد زئی ۔ محمد زئی ۔ احمد زئی ۔ اور اس طرح بہت سے پیدا ہو گئے ۔ لیکن ان کی بڑی شاخیں قبل از اسلام کے واضح طور پر دکھائی دے رہی ہیں ۔

جیسے کہ بارک زئی ۔ الوزئی ۔ بڑیچ ۔ اچکزئی ۔ کرلانی ۔ زدران ۔ منگل ۔ اندڑ ۔ سہاک ۔ افریدی ۔ بنگش ۔ وردگ ۔ غلزئی ۔ اورک زئی مومند ۔ اور اس طرح اور بہت ۔

پشتونوں میں سب سے بڑا اور بہادر قبیلہ غلجیوں کا مانا گیا ہے جو خلجی غلزئی کے نام سے بھی پکارا گیا ہے ۔ لیکن غلجی خود نہ اپنے کو غلزئی کہتے ہیں اور نہ خلجی بلکہ قبیلے کے کسی بھی فرد سے جس وقت جہاں بھی اور جس زمانہ میں پوچھا گیا ہے کہ تم کون ہو ؟ تو جواب میں وہ یہی کہتا رہا ہے کہ میں غلجی ہوں اس صحیح نام وہ ہے جو نام رکھنے والا ادا کرتا ہے ۔ نہ وہ کہ ایک غیر شخص اپنی زبان

... ادا کرتا ہے ۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ غلجی نسلاً ترک ہیں ، یعنی خلج ... کی وہ شاخ ہے ۔ جو قدیم زمانہ میں غور کے عقب میں واقع سجستان ...ستان کے ضلعوں اور ہندوستان کے درمیانی علاقوں کو آئے تھے (یعنی ... بلوچستان بشمول کندھار و ہلمند) جنوبی افغانستان آئے تھے یہ مرکزی ... ہیں ۔ خدوخال ۔ لباس اور زبان کے اعتبار سے ترک معلوم ہوتے ہیں ۔ الخوارزمی کی تصنیف مفتاح العلوم (۹۷۵ء) افتالیوں کے متعلق لکھتا ... کرمیا تلا وہ قبیلہ ہے ۔ جو عظمت رکھتا تھا ۔ اور جن کا تخارستان پر ... تھا ۔ اور جو ترک خلج یا خلج کہلائے جاتے ہیں ۔ وہ ھیاطلہ کی نسل سے ہیں محمود کاشغری بھی کا روسی مستشرق بارتولڈ (BARTHOLD) بھی ... کرتے ہیں ۔ کہتا ہے کہ غلجی ترک خلج ہیں ۔ جو کہ اوغز (OGHUZ) (GHUZZ) ترکوں کے بائیس خاندانوں پر مشتمل قبیلہ میں دو خاندانوں کا ... ہے ۔ ان میں سے پہلا قبیلہ دسویں صدی میں آمو دریا کے جنوب کی ... چلا گیا اور ان کو محمود غزنوی کی فوج میں اہم حیثیت حاصل ہوئی ۔ ... یال ہے کہ انہوں نے آہستہ آہستہ افغانوں کی زبان سیکھ لی اور ان کی طرح ہو گئے ۔

یہ درست ہے کہ پہلے لوگ تاریخ میں اپنے خیالات اور قیاسیات بھی داخل کرتے تھے ۔ لیکن اس بیسویں صدی میں جب کہ ہر چیز کی تحقیق سائنسی اور عملی طور سے کی جاتی ہے اور آرکیالوجی اور فیلولوجی نے اس قدر ترقی

---

۱ اصطخری کی کتاب المسالک جو ۹۳۳ء (۳۲۱ھ) میں لکھی گئی ہے ۔

۲ دی پٹھان ۔ سر اولف کیرو صفحہ ۱۳۶

کی ہے کہ بال کی کھال اُدھیڑ کر ایک ایک لفظ کی تحقیق اور تلاش کرتے ہیں ایسے خیالات اور قیاسات پر مبنی روایات مفروضے اور داستانیں جن کے کوئی ٹھوس شواہد اور دلائل نہ ہوں کوئی تسلیم نہیں کرتا۔ اور نہ اب درباری مورخین کی باتوں کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ تعجب خیز اور حیران کن بات تو یہ ہے کہ یہ مورخین ایک طرف تو لودیوں کو غلجی قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ غلجی ترک ہیں۔ اسی طرح ایک طرف کہتے ہیں کہ پشتونوں کا سب سے بڑا قبیلہ غلجی ہے دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ یہ افغانوں میں شامل ہو گئے تھے اور انکی زبان سیکھ لی ہوتا تو یہ چاہیئے تھا کہ دوسرے ان میں شامل ہوتے۔ اور ترکی زبان سیکھتے۔ کیونکہ کل جز میں جذب نہیں ہوتا بلکہ جز کل میں جذب ہو جاتا ہے۔ اور یہ کلیہ یہاں پر زیادہ صادق آتا ہے۔ خصوصاً نسلوں اور قوموں کا فلسفہ اسی طرح کا ہے ایک قبیلے کے چند گھرانے جب دوسرے قبیلے کے ساتھ مل جل کر رہنے لگے ہیں تو شادی بیاہ اور باہمی زندگی کیوجہ سے ان میں مدغم ہو گئے ہیں۔ ان کی مثالیں اب بھی بہت ہیں۔ اور بڑے قبائل نے اپنی مخصوص حیثیت اور نام و نشان محفوظ رکھا ہے۔

مورخین نے پشتونوں کو دو بڑے حصوں میں منقسم کیا ہے۔ یعنی درانی جو (ادوال - ابدال یا ھفتال) کے نام سے بھی پکارے گئے ہیں اور دوسرا بڑا قبیلہ غلجیوں کا ہے۔ شجرہ نویسوں نے پشتونوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ یعنی قیس عبدالرشید کے بیٹے جن کو سڑبن - بیٹ اور غورغشت کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے اور چوتھا کرلان کی شاخ ہے۔ یہ تقسیم انہوں نے کیسے کی ہے اس کی حقیقت تا حال کسی نے آج تک معلوم نہیں کی ہے۔ اس لئے کہ شروع سے اُن کو اس طرح تقسیم کیا گیا ہے جب کہ وہ ایک دوسرے

صاحب اولاد لوگ تھے۔ کوئی تھی اسرائیلی تھا۔ کوئی ترک کچھ سفید فام حسن اور کچھ ایرانی تھے۔

ان اختلافات کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ پشتونوں کی تاریخ کے متعلق صحیح تحقیق بہت بعد میں کی گئی ہے۔ اور پھر سب سے بڑی رکاوٹ ان درباری مورخین نے پیدا کی ہے جنہوں نے سیاسی بنیاد پر تاریخ مرتب کی ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ نہ صرف پشتونوں بلکہ دنیا کے کسی بھی قوم کی قدیم تاریخ کی تحقیق و تدقیق بہت مشکل کام ہے۔ لہذا اس طرح کے اشتباہات ہر قوم کی تاریخ میں کافی زیادہ نظر آتے ہیں۔

آج جو تحقیق و تدقیق آثار قدیمہ کی اساس پر کی جاتی ہے۔ ان سے نئے نئے انکشافات ہوئے ہیں۔ اور محققین اب نہ صرف تورات - اوستا اور ریگ ویدوں کے ساتھ ان کا ازسر نو جائزہ لے رہے ہیں۔ بلکہ خدوخال - رسم و رواج - لباس گھر بنانے کے طور طریقے - روایات - مذہبی اعتقادات - برتن اور زیورات کا تجزیہ اور مقائسہ بھی کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ہزارہا سال میں جو بے شمار انقلابات گذرے ہیں۔ اور بھیر قبائلی اور کوچی زندگی تھی۔ آریائی زیادہ تر گلہ دار اور چرندہ تھے۔ موسم سرما کے چھ مہینے یہ جنوبی اور مشرقی آریانہ کے گرم علاقوں میں بسر کرتے تھے۔ اور گرمیوں کے چھ ماہ یہ لوگ شمالی اور مغربی آریانہ میں اپنے مویشی چرالتے تھے۔ ان کی یہ آمد و رفت پانچ ہزار سال سے لے کر آج تک جاری ہے۔ البتہ وقت گذرنے کے ساتھ ان میں تبدیلی بھی آتی رہی ہے۔ اور ایک بڑی اکثریت نے خانہ بدوشی کو ترک بھی کیا ہے۔ اب مالداری کے علاوہ کاشتکاری میں بھی مصروف ہیں۔ اور کم از کم گذشتہ ہزار سال سے تجارت میں بھی ان کی دلچسپی بڑھ گئی ہے۔ قدیم زمانے میں بھی ان میں بعض قبائل

شمال کی پیداوار جنوب مشرق کو لے جاتے تھے ۔ اور جنوب مشرق کی ضرورت کی اشیاء شمالی علاقوں کو لاتے رہے لیکن اس کے ساتھ ان کی زندگی کا نظام قبائلی طور طریقوں پر چل رہا تھا ۔

۵۰۰ قم میں داریوش کبیر نے اسکیلاکس کو سندھ اور پنجاب کی معلومات کے لئے بھیجا وہ پکتیوں (پشتونوں) کے علاقوں پر سے گذر رہا تھا اور پشتونوں کا علاقہ دیکھ رہا تھا جو آج ہے ۔ اور کلاسیکی مورخین نے آراکوزیا اور گندھارا کے نام سے بھی یاد کیا ہے ۔ جو آریانا (یا قدیم خراسان) کے جز تھے اور بقول استرابو کے آریانا کے لوگ ایک زبان میں گفتگو کرتے تھے ۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ باختر یا بلخ آریانا کا ہیرا ہے ۔

سائرس کے بعد داریوش نے (۵۲۲ – ۴۸۵ قم) آریانا کو دو حصوں میں آراکوزیا (کندھار) اور بختریا (باختر یا بلخ) میں تقسیم کیا ۔ موجودہ افغانستان کے جنوبی علاقے اور موجودہ بلوچستان کے تمام شمالی علاقے آراکوزیا میں شامل تھے ۔ آراکوزیا کے علاقوں میں سب سے آباد اور سرسبز و شاداب علاقہ ہلمند کا تھا ۔ جو سیستان اور نیمروز کے نام سے بھی پکارا گیا ہے ۔ اس علاقے کے خیالی داستانوں اور افسانوں میں کہا گیا ہے کہ سیستان (سیوستان) کی مسخ شدہ شکل ہے ۔ کہتے ہیں کہ کبھی وقت ضحاک ماران یہاں ہلمند کے علاقہ میں گرشاسپ کا مہمان تھا ۔ اس دوران زیادہ شراب پی کر بدمست ہوا ۔ اور پھر گرشاسپ سے کہا کہ شبستان (حسین عورتوں کی سرائے) چاہتا ہوں گرشاسپ کو یہ بات ناگوار گذری اور اس بیہودہ بات کے جواب میں کہا کہ یہ جگہ سیوستان (غیور اور بہادر لوگوں کا ملک) ہے ۔ یہاں شبستان نہیں ۔ لہٰذا اسی وقت سے یہ جگہ (سیوستان) کہلانے لگا ۔ جب کہ بعد میں کثرت استعمال سے سیستان

بنا ۔ ہر چند کہ یہ ایک افسانہ ہے لیکن اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانہ میں سیوا یا شیوا کی حکومت کا دائرہ ہلمند تک پھیلا ہوا تھا ۔ بہر حال اس علاقے کی زرخیزی و شادابی کی وجہ سے اکثر پشتون قبائل دریائے ہلمند کے دونوں طرف ساکن تھے ۔ یہاں اس کی وضاحت بھی کر دیں کہ قدیم وجہ سیستان یعنی وہ دونوں سیستان جو موجودہ افغانستان اور موجودہ ایران میں واقع ہیں ۔ دریائے ہلمند سے منسوب ہوتے ہیں ۔ اور اس تمام علاقے میں اور اس کے آس پاس جو لوگ سکونت پذیر چلے آرہے ہیں ان میں یہ بڑے بڑے قبائل خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

ساگزئی ۔ بارکزئی ۔ بڑیچ ۔ الکوزئی ۔ پوپلزئی ۔ نورزئی ۔ اچکزئی الیزئی ۔ سابی ۔ تاجک ۔ کاکڑ ۔ وردگ ۔ خروٹی ۔ ترکی ۔ انڈر ۔ سلیمان خیل دوتانی ۔ اور بلوچ ۔

یاد رہے کہ دوتانی ۔ خروٹی ۔ سلیمان خیل ۔ ناصر ۔ توخی ۔ ہوتک ۔ انڈر ۔ ترکی ۔ سہاک ۔ لودھی ۔ موسیٰ خیل ۔ نیازی ۔ سوری ۔ مروت ۔ سروانی یہ تمام غلجی قبائل کی شاخیں ہیں ۔

موجودہ لشکر گاہ کے جنوب میں قریباً چھ میل کے فاصلے پر قدیم شہر (بُست) کے بالمقابل ایک جگہ کا نام خلج ہے ۔ ہر جمعہ کے دن اس جگہ ہوائی میلہ لگتا ہے یعنی چھٹی کے دن لوگ یہاں نہ صرف ہلمند سے بلکہ کندھار سے بھی بڑی تعداد میں آتے ہیں ۔ جس کی وجہ سے یہ جگہ لوگوں میں کافی مشہور ہے ۔ یہاں ایک جگہ اور بھی خلاج کے نام سے ہے ۔ یہ ضلع موسیٰ قلعہ

لے تاریخچہ ہلمند تالیف م ابراہیم عطائی صفحہ ۱

میں واقع ہے لیکن ابوالفضل بیہقی اپنی کتاب تاریخ بیہقی میں جس کا ذکر کرتے ہیں ۔ وُہ غالباً یہی میلے والا خلج ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :-

"روز پنجشنبہ نوزدھم محرم بوعلی کوتوال از غزنی بالشکر برفت برجانب خلج"

"انیسویں محرم جمعرات کے دن بوعلی کوتوال غزنی سے لشکر لے کر خلج کی جانب روانہ ہُوا ۔"

آگے لکھتے ہیں :-

"و بوعلی کوتوال از خلج باز آمد و آن کار راست کردہ روز دوشنبہ غرہ ماہ ربیع الاوّل پیش امیر آمد و نواخت یافت و بازگشت"

"اور بوعلی کوتوال خلج سے واپس آیا ۔ اور وُہ کام اس نے ٹھیک کر دیا ۔ ربیع الاوّل کے مہینے کے ابتدا میں امیر کے سامنے حاضر ہُوا اور انعام لے کر واپس چلا گیا"

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ۔ کہ غلجی اپنے آپ کو خلجی یا غلزی نہیں کہتے ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ اپنے نام کے ساتھ نہ (خ) کا استعمال کرتے ہیں نہ "ز" کا بلکہ "خ" کی بجائے "غ" اور "ز" کی بجائے "ج" ادا کرتے ہیں اسکی وجہ یہ بھی نہیں کہ انکی زبان یا لہجے میں "ح" اور "ز" کی آواز نہیں ہے ۔ اگر یہ بات ہوتی تو محققین کو ایک بڑی دلیل ہاتھ آجاتی ۔ پس جب بات ایسی ہے تو پھر (غل زوئی) یا (غلزی) کا اشتقاق صحیح نہیں ہے ۔ اور نہ "اوغز" یا "غُز" اور اسی طرح جیسا کہ گذشتہ صفحوں میں بتایا گیا اس قیاس کی بھی کوئی تاریخی بنیاد نہیں ہے ۔ کہ جس وقت کاسی خلیج فارس سے ایران میں وارد ہوئے تو ایرانی انہیں خلیج کی نسبت سے خلجیان کہنے لگے ۔ یا یہ کہ کاسی بادشاہوں (کوری گالزو) جسے عربی ہجے میں (غالزدیاغلزد) لکھا گیا ہے سے نسبت رکھتے ہیں ۔ جو کہ

یا غلزئی سے خلجی یا غلجی بنے ۔

دراصل تاریخ میں بعض جگہوں میں ناموں کی مشابہت سے غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے ۔ مثلاً عربی کے (اوج) اور سنسکرت کے (اوج) معنی کے اعتبار سے ایک ہیں لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہ لفظ انہوں نے ایک دوسرے سے لیا ہوگا ۔ دراصل یہ اتفاقات ہیں جن کی کوئی اساس نہیں ۔

غلجیوں کی جن بڑی بڑی شاخوں کا ذکر کیا گیا ان میں ہر ایک شاخ سے اور کئی چھوٹی چھوٹی شاخیں بھی پھوٹی ہیں ۔ اور یہ صرف نام نہاد شاخیں نہیں ہیں ۔ بلکہ ان کی زبان لہجہ ۔ لباس ۔ مزاج ۔ رسم و رواج ۔ اعتقادات روایات غرضیکہ ہر چیز مشترک ہے ۔ اس لئے کہ ان کی تعداد زیادہ تھی ۔ لہذا اباسندے غزنی تک قندھار ۔ زابل اور ارزگان کے درمیان تمام علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں ۔ اس کے علاوہ جنوبی افغانستان یعنی پکتیا کے صوبے میں ان کی کثیر تعداد آباد ہے ۔

سیاسی مصلحت کی وجہ سے سلطان محمود کے باپ سبکتگین نے ان میں شادی کی یعنی محمود کی والدہ غلجی قبیلے سے تعلق رکھتی تھی ۔ اور محمود نے خود بھی اسی قبیلے میں شادی کی اس رشتہ داری کے نتیجے میں انہوں نے کافی تعداد میں غلجیوں کو اپنی فوج میں بھرتی کیا ۔

غلجی کون ہیں ؟ اس سوال کا جواب فقط نام کی تحقیق سے کفایت نہیں کرتا کیونکہ اگر صرف نام پر ہی اکتفا کیا جائے تو پھر یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا ۔ ورنہ نام کے اعتبار سے تو سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ کاسیوں سے موسوم کئے جائیں ۔ کیونکہ ایک تو قدیم کاسیوں میں غلزو کا خاندان تاریخ اور آثار قدیمہ سے ثابت ہے دوسرے یہ کہ کاسی پشتون ہیں ۔

نزک نہیں تیسرا یہ کہ جیسا کہ مورخین کا کہنا ہے کہ غلجی غور[1] کے عقب میں واقع سیوستان یا سیستان کے ضلعوں اور ہندوستان کے درمیانی علاقوں کو آئے تھے۔ اگر یہ بات درست ہے تو ان علاقوں میں جیسا کہ پیشتر عرض کیا جا چکا کہ "کند" کا قبیلہ بہت پہلے آیا تھا۔ اور "کمند" وہ قبیلہ ہے جو کاسی اور ژمند کے ساتھ کم از کم ۱۰۰۰ ق م میں اس علاقے میں وارد ہوا تھا۔ اور شمالی پشتونوں میں شامل ہو گیا تھا۔ جو کہ ان سے بھی ایک ہزار سال پیشتر یعنی ۲۰۰۰ ق م میں یہاں آباد تھے۔

یہاں دوبارہ یہ وضاحت کر دیں کہ جس زمانہ میں پشتون پکتیا - اراکوزیا اور شال میں جنہیں محققین سیستان یا سجستان کے عقب میں بتلاتے ہیں - آباد تھے۔ یعنی ۲۰۰۰ ق م میں جب کہ اُس وقت نہ تو تورات اور نہ ہندی وید اور اوستا پیدا ہوئے تھے۔ اور نہ ہی بدھ مذہب کا ظہور ہوا تھا۔ کیونکہ تورات کا زمانہ ۱۴۰۰ ق م ویدوں کا زمانہ بالاختلاف ۱۵۰۰-۱۰۰۰ ق م معین کیا جاتا ہے۔

مہاتما بدھ کے زمانہ میں بھی کافی اختلاف ہے۔ لیکن اس بات پر تمام متفق ہیں۔ کہ زرتشت سے کافی بعد میں ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اشوک سے پانچ سال پہلے مر چکا ہے۔ قریباً ۲۷۰ ق م میں کچھ کہتے ہیں کہ ۲۱۸ ق م میں مر چکا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں۔ ۵۶۰ ق م میں پیدا ہوا تھا۔ سیلون - برما - سیام (تھائی لینڈ) کے بدھ کہتے ہیں کہ ۶۲۳ ق م میں پیدا ہوا تھا اور ۵۴۳ ق م میں انتقال کر گیا تھا[2]۔

---

[1] غور افغانستان کا ایک صوبہ ہے جو غورات کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ہلمند اور ہراۃ کے شمال میں واقع ہے۔ [2] انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا والیم ۲۱ ص ۷۳۷۔

الغرض تورات - ویدوں - اوستا اور بدھ مت کی پیدائش سے بہت عرصہ پہلے پشتون سندھ کش کے جنوب میں سکونت پذیر تھے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ اول پشتون ۲۳۰۰-۲۰۰۰ ق م کے لگ بھگ سرجون یا شرغون کے دور میں ان علاقوں کو آئے تھے۔ اور کاسی جن کے ہمراہ کند - ژمند اور کرد بھی تھے ۹۰۰ ق م کے لگ بھگ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں بلوچستان میں آئے تھے۔ اور بڑیچ غالباً بخت نصر یا بیل شانار کے دور میں وادی برلیبا سے سیستان اور خاصاً ہلمند کی وادی میں وارد ہوئے تھے۔ بڑیچوں کا ذکر وید میں آیا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا کہ بعض محققین اوستا اور وید کو ہمعصر کہتے ہیں۔ اور اس کے لیے ۶۰۰ ق م معین کرتے ہیں۔ یہی بخت نصر اور بیل شازار کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں آریانا کو پانچ بڑے حصوں میں منقسم کیا گیا تھا۔ شمال مشرقی علاقہ باختر یا (بکتریا) کے نام سے جنوب مغربی علاقہ پارتیا کے نام سے۔ جنوب مشرقی علاقہ گندھارا کے نام سے پارتیا اور پکتیا کا وسطی علاقہ اراکوزیا کے نام سے کہلایا جاتا تھا۔ گندھارا اور باختر کے علاوہ باقی تمام علاقے مختلف زمانوں میں پارتیا اور خراسان کے نام سے بھی یاد کیے گئے ہیں۔ اور خراسان نے وسطی اور شرقی ایشیا کی تاریخ میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ قدیم صدیوں میں یہ علاقے پارتیوں کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ لیکن مورخین کا کہنا ہے کہ پارتیا کا دائرہ باختر - خوارزم اور عراق تک وسیع تھا۔ دلستنٹ لے بھی لکھتا ہے:-

"کہ پارتی قوم ایک وحشی اور جفاکش شہسواروں کی قوم تھی ان کے طور طریقے موجودہ ترکوں سے ملتے جلتے تھے۔ ان کا وطن خوارزم - سمرقند اور ہرات دارا کے دور میں یا ستارھویں صوبہ میں شامل تھا۔ باختر کے لوگوں کی طرح پارتی قوم

تمدن و تہذیب و تمدن کا اثر قبول نہیں کیا۔ اگرچہ اپنے ایرانی اور [illegible]
کے درباں بردار تھے۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنے عادات و خصائل [illegible]
نہیں کئے۔ ان کی حیثیت ہمیشہ گلہ بانوں کی رہی یہ دونوں قومیں (باختر [illegible]
اپنی طبیعت اور تاریخ کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ایک حد [illegible]
مختلف تھیں یعنی یہ کہ باختر آباد اور سرسبز و شاداب ملک تھا اور اس [illegible]
ہزاروں شہر تھے۔ مگر اس کے برعکس پارتیا کے لوگ لونڈے تھے۔ ہزاروں کی [illegible]
میں آوارہ پھرتے رہتے تھے۔ تقریباً ایک وقت میں تیسرے قبل مسیح کے [illegible]
عرصہ میں یونانی باختریوں اور سالوکس کے خاندان کی غلامی سے نجات حاصل
کرنے کے لئے آزادی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان لغاوتوں کی اصل اور
صحیح تاریخ تو معلوم نہیں۔ مگر ظاہراً باختر کی لغاوت سے پہلے معلوم ہوتی ہیں۔ [illegible]
اس بات پر اعتبار کرنے کے وجوہات بھی موجود ہیں۔ کہ پارتیا کی لغاوت سالوں
سال جاری رہی۔ پارتیوں کی لغاوت قومی تھی ان کا سرغنہ ایک شخص اشکان
تھا۔ باپ دادا کے بارے میں شبہ ہے۔ مگر اس کی دلیری اور بہادری میں
کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ یہ شخص جنگ و جدل اور مار دھاڑ کا عادی تھا
اشکان نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا اور اس طرح "پارتیا" میں
اشکانی خاندان کی بنیاد رکھی۔ جو تقریباً پانچ صدی متواتر جاری تھی باختر
کے ڈایوڈوٹس ثانی لے ان کے ساتھ اتحاد قائم کیا [1]

پروفیسر آرتھر کرسٹن سین لکھتا ہے:۔
اشکانی سلطنت (ARSACID) کا موسس ایک شخص جو اشک

[1] تاریخ قدیم ہندوستان ایف ولسنٹ اسمتھ صفحہ ۲۲۸ - ۲۲۷ - ۲۲۶

[illegible] (ARSACES) کہلاتا تھا وہ پرنوا قبیلے کا سردار تھا
[illegible] کے جنوب مشرقی علاقہ میں رہتا تھا۔ جو بعد میں خراسان کے نام سے
[illegible] لگا۔ لیکن اس علاقے کا قدیم نام بھی اسی قبیلے کے نام سے پارتیا
[illegible] نے ۲۵۰ ق م میں اس علاقہ میں اپنی آزاد حکومت قائم کی جو
[illegible] بڑھتے بڑھتے ایک بڑی سلطنت بنی اور اس کا دائرہ دریائے فرات
[illegible] دریائے سندھ کے کنارے تک پھیل گیا۔ جو تقریباً پانچ سو سال تک قائم رہی
۲۲۶ء میں ساسانی خاندان کے بانی اردشیر بابکان کے ہاتھوں زوال
[illegible] سلطنت اشکانی اور سلطنت پارتیا سے مراد ایک سلطنت ہے [1]
محقق احمد علی کہزاد لکھتا ہے:۔
"پارتیا ۶۰۰ ق م سے پہلے آریانا کے آخری مغربی صوبہ کی حیثیت
[illegible] موجود تھا۔ اور اسی بنا پر ھرودوت (ہیروڈوٹس) کی تحریروں اور
[illegible] کے مفتوحہ صوبوں کے ناموں کی فہرست میں اس کے نام کا ذکر کیا
[illegible] ہے۔ مگر اس کی سیاسی موجودیت اس وقت تک پردے میں تھی
[illegible] تک کہ (ارساس) جو بلخ کے پارتی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ ۲۵۰ ق م
[illegible] جنگ مغرب کی طرف آیا۔ اور شاہی یونانیوں کے خلاف خود مختاری کا
اعلان کیا۔
ارساس یا (اُرشک) کی بلخیت کے بارے میں زیادہ تر قدیم اور

[1] ایران بعہد ساسانی
تالیف پروفیسر آرتھر کرسٹن سین ڈنمارک صفحہ ۱۶

کلاسیکی مورخین ایک ہی نظریہ اور عقیدہ رکھتے ہیں ۔ استرابو ۱۱ کتاب
ہم کے تیسرے ... سے میں کہتا ہے ۔ کہ ارساس یا (ارشک) ایک ...
شخص تھا ۔ یہاں سے ہجرت کر کے پارتیا آیا ۔ اور لوگوں کو سلوسیون ...
اُکسایا ۔ اریان کہتا ہے کہ ارشک اور تریداتس (تیرداد) فریا پت ...
بیٹے تھے ۔ اور ارشک اول کے نواسے تھے ۔ یہ دونوں بھائی باختر سے ...
آئے ۔ اس وقت پارتیا کا یونانی حکمران فرکلس (PHERECLES) ...
کیونکہ تری داتس ایک خوش رنگ اور خوبصورت لڑکا تھا ۔ یونانی حکمران چاہتا
تھا کہ اس لڑکے کی خوبصورتی سے استفادہ کرے ۔ ارشک فرکلس کی اس ...
سے متنفر ہوا پارتیا کے حکمران کو مار ڈالا ۔ اور سلوسیوں (شامی یونانیوں) کے خلاف
اُٹھ کھڑا ہوا جوسٹن کہتا ہے کہ ارشک ایک مجہول اور بے نام و نشان شخص
تھا ۔ بعد میں جب (دیودوت) نے باختر میں جو ایک ھزار شہروں کا ملک تھا
خودمختاری کا اعلان کیا تو مشرقی علاقوں نے بھی اس کی اطاعت کی ۔
اور ارساس بھی اپنے بے شمار تابعین کے ہمراہ پارتیا آیا اور اس جگہ کے
والی (دروگرس) کو قتل کر کے گرگان پر قابض ہوا ۔ اور سلطنت کے نظام
اور مضبوط فوج بنانے میں مصروف ہوگیا ۔ پہلے سلوکس اور باختر کے بادشاہ
سے خوف محسوس کرتا تھا ۔ مگر دیودوت کی موت کی خبر سن کر مطمئن ہوگیا اور
باختر کے لئے بادشاہ کے ساتھ جس کا نام بھی دیودوت تھا ، اتحاد قائم کرلیا ۔
موئیزدہ خورن (موسیٰ خوری) ارمنی مورخ جو پانچویں صدی میں گذرا
ہے ۔ پارتیا کے حادثوں اور سلوسیوں سے ان کی جنگوں کے بیان کے ذکر میں
ارساس کو اصلاً بلخی کہتے ہیں ۔ اس ترتیب سے ارساس یا ارشک کے
باختری ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں

ارساس کے زمانے کے مسکوکات سے صرف یونانی زبان
اور رسم الخط کا پتہ چلتا ہے اور ان کے مسکوکات میں جو پارتیا کی
خاک سے مخصوص ہیں ۔ اور اس جگہ کا ضرب ، نشان اور علامت
رکھتے ہیں ۔ دوسری زبان اور رسم الخط نہیں دیکھے گئے ہیں ۔ لیکن
ایک سکہ میں جو افغانستان میں دریافت ہوا ہے ۔ اغلب گمان یہ ہے کہ
سیستان سے متعلق ہے ۔ اس پر بادشاہ کا نام اور تحریر دو زبانوں میں
لکھا (کندہ) ہوا ہے ۔ ایک طرف خروشتی زبان اور رسم الخط ہے ۔ جو
ہندوکش کے جنوبی علاقہ میں معمول تھا ۔ اشاسی خاندان کے مسکوکات کے ایک
طرف تو تحریر بادشاہ کی تصویر ہے ، اور دوسری طرف ایک ایسا بیٹھا ہوا
ھیکل ہے ۔

پارتی اپنے بادشاہ ارساس کو نہ صرف بانی سلطنت سمجھتے تھے بلکہ ایک بڑی
روحانی شخصیت کی حیثیت بھی اسے حاصل ہو چکی تھی حتیٰ کہ ایک رب النوع
کی حیثیت اختیار کر چکا تھا ۔ چنانچہ پارتیوں کے تمام مسکوکات پر ان کا نام تحریر
ہے ۔ بازیلوس یعنی (بادشاہ) اور (بازیلوس بازیلون) یعنی شہنشاہ بڑا عادل
بہت مشہور اور اس قسم کی اور تعریفیں پارتیوں کے سکوں پر ضرب (کندہ) کی گئی تھیں
الغرض پارتیا جغرافیائی لحاظ سے آریانا کا جز تھا ۔ دوسرے یہ کہ پارتی
پشتونوں کا ایک حصہ تھا ۔ جو باختر سے اس جگہ کو ہجرت کر گئے تھے جو بعد میں
ان کے نام سے منسوب ہوا ۔ اشاسس باختر کے لوگوں میں سے تھا ۔ اور باختر سے
پارتیا گیا تھا ۔ اور وہاں سلطنت قائم کی تھی ۔ اس وقت تک پارتیا کی حکومت
کا مرکز (ھکاتومپی لوس) جو دامغان کے جنوب میں آٹھ میل کے

فاصلہ پر واقع تھا لے دجلے کے کنارے کو منتقل نہیں ہوا تھا۔ پارتھیا کی حکومت شمالی اور مغربی افغانستان میں واقع تھی۔ ولونس ایک پارتی حکمران نے ۲۵۰ ق م کے لگ بھگ ہلمند اور ارغنداب کی سرزمین پر ایک مستقل اور خود مختار سلطنت قائم کر لی۔ جو پہلوا کے مستقل سلطنت کے نام سے یاد کی جاتی ہے (پہلوا پارتھیا کی مسخ شدہ شکل ہے) اور آریانا کی تاریخ کا جز ہے۔

پہلا ارساس اُرشک (۲۴۸ - ۲۴۹ ق م) یہ شخص جیسا کہ ذکر کیا گیا باختری اور ریگت کے قبیلے یا بلخ کے (داھی) خاندان سے تھا اس کے بعد جب (دیودوت) نے ۲۵۰ ق م کے لگ بھگ خود مختاری کا اعلان کر کے یونان اور باختری خود مختار سلطنت بنیاد رکھی بعض روایات کے مطابق اکیلا اور بعض مدارک کی شہادت سے اپنے بھائی تری داتس (تیرداد) نام کے شخص کے ساتھ ھری رود کی وادی کی جانب گیا۔ اور وہاں سے پارتھیا آگرا ور پارتھیوں کی خود مختاری کے طلب کرنے کے احساس سے استفادہ کرتے ہوئے سب سے پہلے اپنے بھائی اور اپنے طرف داروں اور اُن لوگوں کی مدد سے جو اس کی حمایت میں تھے۔ "مفرکلس" شام کے سلوسی حکومت کے یونانی حکمران کو پارتھیا میں قتل کر ڈالا۔ اور پھر شامی سلوسیوں کے خلاف پنجہ آزما ہوا پارتی

لے روسیوں نے جو حال ہی میں انکشافات کئے ہیں۔ ان سے ثابت ہوا ہے کہ عشق آباد پارتی حکومت کا دارالسلطنت اور مرکز تھا۔

عہ یہ جگہ طیفون کہلاتا تھا۔ دجلہ کے مشرقی کنارہ پر بغداد سے بیس میل جنوب میں آباد تھا۔

سے بعض نے پارتھیا کے یونانی حکمران کو داگا توکلس کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔ ہسٹری آف پرشیا تالیف سر پرسی سائیکس صفحہ (۳۰۸)

سلطنت کا قیام ۲۴۸ - ۲۴۹ ق م یعنی یونان اور باختری سلطنت کی خود مختاری کے اعلان کے قریباً ایک سال بعد معین کیا جاتا ہے۔ پارتی سلطنت کا مرکز ھکاتوپی لوس (HECATOMPYLUS) کا شہر تھا۔ (راولنسن) نے اس شہر کی موقعیت جاجرم (JAJORM) کے قریب متعین کیا ہے۔ اپولودورس "ارتیمس" نے پارتیوں کا دارالسلطنت (۱۲۷۰) استادیعنی ۱۳۳ میل مشرق کی جانب خزر کے ساحل میں متعین کیا ہے۔ بعض دیگر جیسے (ولیم جکسن) ھکاتومپی لوس (کے شہر لوس) (KOMIS) کو قدیم شہر کہتا ہے۔ اور اس کی موقعیت موجودہ دامغان شہر کے جنوب میں آٹھ میل کے فاصلے پر بتاتا ہے اور بعض دوسروں کا کہنا ہے کہ پارتیوں کا پہلا دارالحکومت عشق آباد تھا۔

دیودوت اوّل اور ارساس اوّل جبکہ ایک نے باختر میں اور دوسرے نے پارتھیا میں شامی سلوسیوں کے خلاف یکے بعد دیگرے ایک سال میں خود مختاری کا اعلان کیا۔ جب تک دونوں زندہ تھے اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔ پہلے تو ارساس یونان اور باختری حکومت اور سلوی سلطنت کے درمیان پارتھیا کے وجود کو مخدوش سمجھتا تھا۔ لیکن یہ پریشانی اس وقت امید میں تبدیل ہوئی جب پارتھیا اور باختر کے خود مختار بادشاہوں کے درمیان سمجھوتہ ہو گیا۔ اور سلوی آپس کی بے اتفاقی کی وجہ سے ان کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکے۔

پارتھیا کا دوسرا بادشاہ "تری داتس" ارساس کا بھائی تھا۔ جو "ارشک" دوم کے نام سے بھی مشہور ہے۔ انہوں نے پارتھیا کی حکومت اور بھی مستحکم کر لی۔ اگرچہ شروع میں رسلوکس کالی نیکوس) کے ہاتھوں شکست کھائی مگر جلد ہی اکسوس اور ایگزارت کے درمیانی علاقوں کی طرف جا کر اور وہاں سے لوگوں کو لا کر اپنی فوجی حیثیت مضبوط کر لی۔ یہ یونان اور باختری دولت کے دوسرے مختار بادشاہ دیودوت کا معاصر

تھا - اور اس کے ساتھ سلوکی شامی یونانی حکومت کے خلاف اتحاد کا معاہدہ کیا - اس تعاون سے تری داتس بہت خوش ہوا - کیونکہ اس معاہدے سے وہ مشرق کی جانب سے بےغم اور باحوصلہ رہا - بلکہ اس قابل ہوا کہ شامی سلوسیوں کے حملوں کی روک تھام کرے اس نے شامی سلوسیوں کو پے در پے شکستیں دے کر کافی علاقوں پر قبضہ کرلیا - اور اپنے آپ کو بڑا شہنشاہ کہلانے لگا - دارا یا دارئیوم (DAR E IUM) کے نام سے شہر یا قلعہ تعمیر کروایا کہتے ہیں کہ یہ جگہ گرگان کے درہ میں ابیورد کے قریب واقع ہے ۔

تری داتس کے بعد اس کا بیٹا جو ارتبان کہلاتا تھا ۲۱۲ ق م میں پارتھیا کے تخت پر بیٹھا یہ تیسرے ارساس (ارشک) کے نام سے مشہور ہے اس نے میدان فتح کیا - مگر شام کا انیتوکس سوئم نے اس کے قلعوں سے گذر کر ھیرگانیا (گرگان اور زریخ) سے ہوتے ہوئے باختر پر حملہ کر دیا - مگر بعد میں خود یوتیدم کی یونانی حکومت کی خودمختاری تسلیم کرکے واپس شام کی طرف لوٹا ۱۹۶ ق م میں جب "تری داتس" کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا فری یاتس پارتھیا یعنی خراسان" کے تخت پر بیٹھا - یہ یوتیدم اور مترلوس کا جو یونان اور باختر کے مقتدر بادشاہ تھے - ہمعصر تھا - اس وقت جب یونان اور باختری حکومتوں نے اپنی فتوحات سے ایشیا کے اس خطے میں بڑی قوت وقدرت حاصل کی پارتی حکومت سلوسیوں کے مسلسل حملوں اور جھڑپوں کی وجہ سے بہت کمزور ہو چکی تھی - چنانچہ یونان اور باختر کے دوسرے خود مختار خاندان کے بانی یوتیدم نے مغرب میں (ترا گزیان) اور تپوریا) یعنی بالائی اترک اور گرگنت رود (موجودہ مشہد اور طوس کے علاقے جو پارتیا کی سلطنت کے حصے تھے پر قبضہ کرلیا - کیونکہ یونانی باختری حکومت بہت طاقتور ہوگئی تھی - پارتیا کی حکومت اس واقعہ پر خاموش ہوگئی - جب ۱۸۱ ق م میں فری یاتس



برہنہ بچہ



ابدالی درانیکزئی



کاکڑ پشتون ←

کے بعد اس کا بھائی فرہاتس یا فرہاد بادشاہ بنا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ماردیں (MARDI) کو (تپوریا) میں محکوم کرلیا۔

پارتی بادشاہوں میں (میتھرداتس) (۱۲۶-۱۷۴ ق م) جسے مہرداد اول بھی کہتے ہیں۔ بہت مشہور ہے انہوں نے بعض جنگی اقدامات کی بدولت پارتیا کا دائرہ مشرق و مغرب کی جانب پھیلا دیا۔ اس وقت باختریہ "اوکراتیدس" کی حکومت تھی۔ اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ مشرق اور مغرب کی طرف دائرہ وسیع کرنے کے لئے حالات بہت سازگار تھے۔ کیونکہ مشرق میں یونانی اور باختری ہند (غالباً سندھ اور پنجاب) کی زمینوں پر قبضہ جمانے میں مصروف تھیں۔ اور مغرب میں شام کی سلوی حکومت روم کے لڑائی جھگڑوں سے اُکتا چکی تھی۔ بہرحال اس وقت جب یونان اور باختر کا بادشاہ اوکراتید سندھ کی سرحدات پر جیسا کہ کہا جاتا ہے پنجاب میں مصروف تھا۔ پارتیا کے بادشاہ میترداتس "نے یونان اور باختر کی حکومت کے مشرقی صوبوں پر حملہ کرکے تراگزیان اور تپوریا کے صوبے جو اوتیدم کے وقت میں پارتیا سے جدا کئے گئے تھے پر دوبارہ قبضہ کرکے پارتیا میں شامل کرلئے چنانچہ اسکائیوں نے اور اسی زمانہ میں یونان کی باختری حکومت پر دباؤ ڈالا تھا۔ اور "الواکرتید" بھی اسی زمانہ میں مارا گیا۔ جس کی وجہ سے پارت کے بادشاہ میترداتس" کا حوصلہ اور بھی بڑھ گیا۔ اور "مروہ" کے علاقے پر قابض ہوا۔ اس وقت ھلیوکلس نے فوراً باپ کی جگہ بادشاہت کا اعلان کردیا۔ مگر میترداتس (خراسان یا پارتیا کا بادشاہ) باختر کی طرف بڑھا اور اسے شکست دینے کے بعد درانجیان (سیستان) اور آراکوزیا کی طرف متوجہ ہوا۔ ھیلوکلس نے اپنی قوت اکٹھی کرلی کچھ عرصہ باختر ہی میں رہا مگر اسکائیوں نے باختر پر چڑھائی کرکے اُسے ہندوکش کے جنوب کی طرف بھگا دیا پارتیا کا بادشاہ میترداتس باختر کے یونانیوں (جو مخلوط یونانی تھے) کی بدنظمی

سے زیادہ استفادہ کرکے آراکوزیا کے راستے کابل کے بالائی اور سندھ کے زیریں علاقوں
پر بھی قابض ہو گیا۔ اور ان علاقوں میں شامی سلوسیوں کے ساتھ لڑائی جھگڑوں میں
برسرپیکار رہا۔ اس کے بعد ان کے جانشینوں فرھاتس دوئم اور ارتبان دوئم کی بھی
ان لڑائی جھگڑوں سے گلوخلاصی نہیں ہوئی۔ آخر ان کی توجہ مشرق سے مغرب کی
طرف ہٹ گئی۔ اس وقت باختر کی یونانی حکومت جسے اسکائیوں نے جنوب کی طرف بھگایا
تھا۔ ہندوکش کے جنوب مشرقی علاقوں میں اپنی قوت مجتمع کرنے کی جدوجہد شروع
کی۔ وہاں شمال میں اسکائی اور تخاری جو باختر میں داخل ہو چکے تھے اور ہندوکش میں
باختری یونانیوں نے جنوب کی جانب ان کا راستہ روکا تھا۔ تو یہ باختر کے مغربی
جانب ھری رود کی وادی اور اس پاس کے مغربی علاقوں کی طرف متوجہ ہوئے اور
پارتیا کی سرحدوں تک پہنچ گئے۔

اس طویل بیان کا مقصد صرف یہ تھا کہ ہم پشتونوں کے اس بڑے اور بنیادی
قبیلے کے متعلق معلومات حاصل کریں جو غلجی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس بیان میں
اور اس سے مربوط دیگر بیانوں میں ہمیں یہ چند باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) پارت یا پارتیاں دراصل پخت اور پشتیا یا پکتیا یا پختیا یعنی پشتونوں
اور ان کے علاقوں کا نام تھا۔ جمع پسنتو، پرتو اور پختو کے ساتھ "تون" اور "یا" لاحقے
لگا۔ تو سے پختون - پشتون - پختون - پشتیا - پختیا - پارتیا بن گیا۔

۲ - پارتیا اور خراسان ایک چیز ہے۔

۳ - بقول ہیروڈوٹس کے ۵۰۰ ق م اس علاقہ میں پشتون رہتے تھے۔

۴ - بقول یونانی جغرافیہ دان اسٹرابو ۶۳ ق م جو دوسرے یونانی مورخ
زاراکوس تسی) کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ پارتیا کے لوگ ایک زبان بولتے
تھے۔

۵ - پارتیوں کا پہلا مقام آریانا کے انتہائی مغرب میں تھا۔ اور خزر کے
ساحل تک پھیلا ہوا تھا۔

جہاں تک پارتیا یا پختیا یا پکتیا یا خراسان کی بات ہے۔ تو اس پر سب
متفق ہیں کہ پشتو بولنے والے پشتون تھے اور آج بھی پشتونوں کو خراسانی کہا جاتا ہے
لیکن یہاں پر جو بات قابل تحقیق ہے یا جس میں کہ ہمارا مقصد مضمر ہے وہ یہ کہ خراسانی
یا پارتی اصلاً کون سے پشتون تھے؟

ہم گذشتہ اوراق میں ذکر کر چکے کہ ۲۳۰۰ ق م کے لگ بھگ سرجون (قدیم)
اشرعون یا اشرغل کے دور میں آراکوزیا اور جیدروزیا کے وسطی علاقوں (موجودہ
بلوچستان کا شمالی علاقہ) کو بین النہرین (موجودہ عراق) سے جو لوگ آئے تھے ان کے
پرانے آثار - دکی - ایونزئی (فورٹ سنڈیمن) اور پشین کے پرشور میں اب بھی موجود ہیں
ہم نے یہ بھی کہا تھا کہ مشر جون اور خرشبون دراصل ایک شخص ہے۔ اور سرجون وہ
تھا جس نے ایشیائے کوچک سے مالابار تک ایک بڑی حکومت قائم کی تھی۔

دوسری بات جو ہم نے گذشتہ اوراق میں کی تھی وہ یہ بھی کہ شرغلیوں سے تقریباً بارہ
سو سال بعد یعنی ۱۰۰۰ ق م کے لگ بھگ میں کند - ترمند - لرد اور [illegible] سی
ایران کے راستے پہلے جدروزیا (جنوبی بلوچستان یا مکران) کو آئے تھے۔ اور پھر کند اور
ترمند کندھار کی طرف گئے کرد درہ بولان کے آس پاس رہ گئے کاسی کچھ تو درہ
شال میں جو شال کوٹ کے نام سے پکارا گیا ہے (QUETTA) اب کوئٹہ کہتے
ہیں میں آباد ہیں - اور کچھ دیگر کاکڑستان (ژوب اور لورالائی کا علاقہ) کے راستے
کوہ سلیمان کے دامن میں آباد ہو گئے۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ کافی عرصہ کوہ سلیمان (بعد میں ان کے نام سے کسے پہاڑ
ہوا) کے دامن میں نہیں رہے - زیادہ تر پشاور کے راستے کشمیر اور پنجاب کی طرف چلے

گئے۔ کوہ سلیمان میں ان کا ایک قبیلہ جو کیتر یا کیتر تھا رہ گیا جو اب بھی کھیتران کے نام سے بارکھسان (بارخان) کی تحصیل میں آباد ہے۔ پشاور میں چارسدے کی تحصیل اور ہشت نگر میں ان کے کچھ گھرانے ہیں۔ وہ جو کشمیر چلے گئے۔ اور کشمیر کو اپنے نام سے موسوم کیا اور اب بھی کشمیر میں کاش کے نام سے رہ رہے ہیں۔ اگر کبھی آپ نے ریڈیو کشمیر سے ان کے گیت سنے ہوں جب ابتداء میں ساز شروع ہونے کے ساتھ گیت کی الاپ شروع ہوتی ہے۔ تو اس پر پشتو گیت کا گمان ہوتا ہے۔ جب کہ بعد میں معلوم ہو جاتا ہے کہ کشمیری زبان ہے۔ البتہ طرز اب بھی پشتو ہے۔ بہرحال کاسی کشمیر کے راستے ہندوستان کو بھی گئے ہیں۔ جیسا کہ پیشتر ذکر کیا گیا۔ وہ کند اور ژمند جو کندھار کی طرف گئے تھے وہاں بھی کافی عرصہ نہیں رہے۔ کیونکہ ان کے کوئی آثار اور باقیات معلوم نہیں ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی ننگرھار (مشرقی افغانستان) کے راستے پشاور اور پھر پنجاب گئے ہیں۔ جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا کہ وہ خصوصاً ژمند "قصور" کے علاقے میں پائے جاتے ہیں۔

پس یہ بات ثابت ہوئی کہ شمالی بلوچستان میں جو شرنی رہتے تھے یعنی شرخبون یا خرشبون (جو ہمارے نزدیک ایک شخص تھا۔) سے منسوب وہی پشتون ہیں جو اب بھی اسی علاقہ میں آباد ہیں۔ اور ان میں سے بعض وہ تھے جو کندھار اور کابل کے راستے پشاور اور سوات کو چلے گئے۔ ان پشتونوں میں جو شمالی بلوچستان میں آباد ہیں سب سے قدیم کاکڑ ہے جن کے ساتھ بعد میں دوسرے پشتون بھی شامل ہوئے ہیں۔ اس وقت جب مغرور دیوتون یعنی پارتی آریانا کے مغرب میں یونانی باختری شاہی سلوسیوں اور اسکائیوں سے لڑتے تھے۔ یہ علاقہ ایک تو بہت پسماندہ تھا دوسرے یہ کہ اس علاقے میں آبادی بہت کم تھی۔ علاوہ اس کے موجودہ شمالی بلوچستان کا علاقہ یعنی زیرین ژوب اور لورالائی کا علاقہ ایک گوشہ میں تھا۔ اس لئے اس علاقے کو لوگوں کا ان

پارتیوں کے ساتھ جنہوں نے آریانا کے مغرب میں حکومت قائم کی۔ اور پھر اکوریا اور کابل پر قبضہ کرنے کے لئے پیش قدمی کی کوئی خاص رابطہ معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے سوچنا پڑتا ہے کہ آخر وہ کون سے پشتون تھے۔ جنہوں نے پارتیا کے نام سے چار پانچ سو سال حکومت کی۔

محقق احمد علی کہزاد لکھتا ہے کہ:۔

(۱) اپارتی وہ قوم ہے جو احتمالاً کوہ سفید کے جنوب میں (بعض لوگوں نے ان کا بطلیوس[1] کے پارتیوں (PARYETAE) سے ناطہ جوڑتا ہے) رہتے تھے ان کے نام کے معنی پہاڑی ہیں کیونکہ (زند) اور سنسکرت میں پہاڑ پوریو (PUARU) اور پاریو (PARUU) کی طرح بھی آیا ہے۔ اپارتی آریانا کے جنوب مشرقی حصہ میں آباد تھے۔ ویلو (افغانستان کی نسلوں کی کتاب میں ہیروڈوٹس کے حوالے سے انہیں پکتیا کے علاقہ میں قرار دیتے ہیں۔

"بیلو" اپنی کتاب میں اپارتیان کو (اپریدی) یا اپریدی (آفریدی) قرار دیتے ہیں۔ یہ پشتونوں کے بڑے اور مشہور قبیلوں سے ایک قبیلہ ہے۔ یہ تشخیص لغوی تحقیق (فقہ اللغت) کی رو سے بھی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ (اپارتی) کے لفظ سے آسانی کے ساتھ اپریتی۔ اپریدی۔ آفریدی کا اشتقاق پیدا ہوتا ہے اور ان کے قیام کی موجودہ جگہ گندھارا کے مشرقی علاقوں میں ظاہر کرتا ہے کہ یہ کم از کم ہیروڈوٹس کے زمانے سے اسی جگہ مقیم ہیں۔[2]

مذکورہ بیان سے دو باتیں واضح ہوئیں ایک یہ کہ جس وقت پارتی آریانا کے مغرب

---

[1] بطلیوس ۱۵۰ء میں اسکندریہ میں رہتا تھا۔ انہوں نے عربوں اور آریانا کا جغرافیہ تصنیف کیا ہے لیکن بذات خود ان جگہوں کو نہیں دیکھا ہے۔ (مؤلف)

[2] افغانستان کی قدیم تاریخ تالیف جلد اول صفحہ (۱۲۳)

اور شمال پر یونانی باختریوں کے ساتھ لڑائی جھگڑوں میں مصروف تھے۔ یا اپنی خود مختار سلطنت بنا رہے تھے تو اس وقت آفریدی باختری یونانی حکومت کے قلمرو میں شامل تھے۔ اور اُس جانب سے باختری یونانی حکومت کے خلاف کسی قسم کی شورش یا بغاوت نہیں ہوئی ہے۔ دوسری بات یہ بھی مشکوک ہوئی کہ آفریدی یونانی النسل ہیں اس لئے کہ ہیروڈوٹس سکندر کی آمد سے قریباً سو سال پہلے گذرا ہے۔ اگر ان کا یہ بیان موجودہ آفریدیوں کے متعلق ہے۔ جیسا کہ "بیلو" کہتا ہے اور محقق بزادہ اسے صحیح سمجھتا ہے۔ تو پھر یہ قیاس غلط نہیں ہوگا کہ آفریدی ہیروڈوٹس سے بھی کم از کم دو سو سال یعنی سائرس کے زمانہ ۵۵۰ ق م میں کوہ سفید کے جنوبی خطہ میں رہتے تھے اور اُسی وقت سے جو زبان بولتے ہیں اب تک بول رہے ہیں۔ لہذا یہ بات درست نہیں کہ وہ یونانی النسل ہیں۔ اس بیان سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ آپریدیوں نے بھی مغربی پارتیوں کے ساتھ لڑائی جھگڑوں میں حصہ نہیں لیا ہے۔ بلکہ وہ دوسرے پشتون تھے جنہوں نے پارتیا کے نام سے حکومتیں بنائی تھیں اور یہ یقیناً وہ پشتون تھے جو غلجی اور ابدالی کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ غلجی اور ابدالی کون تھے؟ اور کس سمت سے یہاں آئے تھے۔ وہ سب کچھ جو شروع میں عرض کیا جا چکا ہے یہ ہے کہ جس پر زیادہ تر محققین کا اتفاق ہے کہ ہند و یورپین کا اصل مقام مرکزی روس کے ولگا اور کاما کے علاقے تھے گلہ بانی کی زندگی بسر کرتے تھے، یعنی بھیڑ۔ بکری اور دیگر مویشی پالتے تھے۔ اور اپنی ضرورت کے مطابق کھیتی باڑی بھی کرتے تھے۔ لہذا اس بناء پر ایک جگہ سے دوسری جگہ آسانی سے سفر کرتے تھے۔ انہوں نے گھوڑوں کو سدایا تھا۔ جیلوں کی طرح گاڑیوں میں باندھتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بین النہرین مصر اور کرت کے لوگ گھوڑوں سے نا آشنا تھے۔ ہند و یورپین نے شمال سے مشرق

جنوب اور مغرب کی طرف ۳۰۰۰–۲۵۰۰ ق م کے لگ بھگ ہجرت شروع کی تھی۔ اگرچہ یہ بھی ہے کہ موجودہ پرندہ جو اُن قدیم ہند و یورپین کے باقیات ہیں۔ کی طرح قبیلوں کی شکل میں علیحدہ علیحدہ اپنے ملکوں اور سربراہوں کے تحت زندگی گذارتے تھے۔ مگر جو چیز ان کی وجہ وحدت تھی۔ وہ ان کی زبان تھی۔ جس میں کافی عرصہ بعد جب وہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے بعض مشرق کی طرف کوچ کر گئے۔ کچھ مغرب کی طرف چلے گئے اور کچھ جنوب کی طرف چل پڑے۔ لہذا ان کے لہجوں میں فرق آیا۔ اور پھر آہستہ آہستہ سینکڑوں سال بعد ان علیحدہ علیحدہ لہجوں نے زبانوں کی شکل اختیار کر لی۔ اگر بطور ان زبانوں کا جائزہ لیا جائے اور ان کے درمیان موازنہ کریں۔ تو ان زبانوں کے محاوروں۔ عوامی داستانوں۔ گیتوں۔ سازوں اور ضرب الامثالوں میں آپ کو وہ تمام چہرے صاف دکھائی دیں گے۔ جو کبھی ایک زبان میں باتیں کیا کرتے تھے۔ ان کے دیہات میں اب بھی وہی قدیم رسم ورواج نظر آتا ہے۔ مثلاً "سپین ژیرکے"[1] سپین کے معنی سفید اور "ژیرک" کے معنی داڑھی جو پشتونوں کی ایک قدیم ثقافتی رسم ہے۔ یورپ کے بہت سے علاقوں میں اب بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ ہر چند کہ وہ مغرب میں ہیں یا مشرق اور جنوب میں یہ ہند و یورپین جو تین حصوں میں منقسم ہوئے بعض تو وہ تھے جو ماوراء ایجین اور پروپونٹس[2] سے بحیرہ روم کے مشرقی جزیروں اور اناطولیہ (ایشیائے کوچک) کی جانب اتر گئے۔ اور

---

[1] جب بارشیں نہیں ہوتیں اور سال خشک ہو تو بچے اور جوان اکٹھے ہو کر ایک کو بوڑھا بنا لیتے ہیں۔ جس کو حضرت خضر کہتے ہیں۔ ایک شیطان بن جاتا ہے شام کو لوگوں کے گھروں میں جا کر بھیک مانگتے ہیں۔ اور پھر تین دن بعد اس کو خیرات کر دیتے ہیں [2] (PROPONTIBEI) دریائے مرمرہ کا قدیم نام

سپتانیوں اور سارماتیوں کے باپ دادا تھے۔ ۲۰۰۰ ق م کے لگ بھگ زیرین النہرین پر گوتیوں اور ۱۸۰۰ ق م میں کاسیوں کی یورش بھی انہی آرین گروہ سے ہی آئی تھی۔ جو غیر سامی قومیں تھیں۔ انہی میں گوتی اور لولوبی دو قومیں زاگرس[۱] کے مغربی علاقہ میں رہتے تھے۔ سرجون کے نواسے نارام سین نے ان سے بہت جنگیں لڑی تھیں۔ اور لولوبیوں کو شکست دی تھی۔ لیکن گوتیوں پر برتری حاصل نہ کر سکا۔ دیار بکر میں جو سنگی نوشتہ دریافت ہوا ہے۔ اس سے ان کا کچھ پتہ چلا ہے۔ گوتی اور لولوبی چاہتے تھے کہ آکاد پر قبضہ کر لیں۔ لیکن اس وقت تک ان کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی تا آنکہ آکاد کی حکومت ختم ہوئی۔ اور اس کی باگ ڈور اوروک کے جو تھے گھرانے کے ہاتھ لگی اور پھر گوتیوں نے ۲۲ سال بعد یہ اقتدار ان کے ہاتھ سے چھین کر ۱۲۵ سال تک سومر اور آکاد کی سرزمین پر حکومت کی۔

بہر حال مقصد یہ تھا کہ ہند و یورپین جو بہت سے مختلف ناموں کے ساتھ بڑے بڑے قبائل کی شکل میں بعض کے خیال میں مرکزی روس سے بعض کا کہنا کہ سائبیریا سے اور بعض انہیں پامیر کے باشندے بتلاتے ہیں۔ مغرب کی طرف زیادہ تعداد میں پھیل گئے اور استیدار میں کیسپین کے اس پاس کے منطقوں میں آباد ہوئے اور پھر مسلسل بین النہرین اور ایشیائے کوچک کے مغربی خطوں و بحر روم کے ساحلوں تک پہنچ گئے تھے۔ اور جنوب میں سرزمین ایران کو روند ڈالا۔ کیونکہ یہ حرکت اور عمل ہزار ہا سال سے جاری تھا۔ چنانچہ یہ سلسلہ یہ ظاہر کرتا ہے

---

[۱] زاگرس کے پہاڑی سلسلوں کی لمبائی تقریباً ایک ہزار کیلومیٹر اور چوڑائی تقریباً دو سو کیلومیٹر ہے۔

یونان[۱] تک پہنچ گئے اور کچھ مئانڈر[۲] کے ساحلوں پر آباد ہو گئے۔ جنہیں بعد میں یونانیوں نے فریژی کے نام سے پکارا یونانیوں نے جو اس وقت اپنے اصل مسکن سے سوائے مبہم روایات کے باخبر نہیں تھے۔ ڈیڑھ ہزار سال بعد آکئی[۳] کے نام سے پکارا الیکن بھی اور مصری تحریروں میں آکئی یا آکئش صرف ایک مہاجر قبیلہ تھا بہر حال اسی زمانہ میں ہند و یورپین کے دیگر قبیلے جو بحر اسود کے شمال اور قفقاز اور خزر (کیسپین) کے مشرقی علاقوں میں سکونت پذیر تھے۔ فعالیت اور حرکت کی حالت میں تھے۔ انہی لوگوں میں سے جن کی ایک بڑی تعداد کو آرین کہا جاتا ہے اکثر محققین کے عقیدے کے مطابق پہلے یہ ترکستان گئے تھے۔ اور پھر وہاں سے ایران اور ہند کو چلے گئے۔ بعض محققین کا کہنا ہے۔ کہ ہندی اور ایرانی آرین یورپ سے ایشیا آئے ہیں۔ اور ان کا اصل مقام قفقاز اور خزر کا وسطی علاقہ "باکو" تھا۔ جہاں انہوں نے کچھ عرصہ آریانا دیجو (آرین کی قدیم جگہ جو بعد میں پارت اور خراسان کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔) میں توقف کی پھر ایران اور ہند کی طرف چلے گئے۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ اناطولیا کے راستے ایران آئے تھے۔ وہ دیگر قبائل جنہوں نے قفقاز یا خزر کے شمال سے حرکت کی تھی بالکان سے گذر کر دجلہ اور فرات کے راستے اناطولیا پہنچے تھے۔ یہ مہاجرین مادیوں۔ پارسیوں۔ باختریوں۔ سغدیوں۔ ہندی آرین۔ میتانیوں اور اسی طرح

---

[۱] یونان کا قدیم نام ھلاد - (HELLADE) تھا۔

[۲] (MEANDRE) ترکی کا ایک رود خانہ

[۳] PEUPLES ET CIVILISATIONS

[۴] راینیشئے کوچک جواب منتشر ہے) صفحہ ۲۰۴ - ۲۰۵

کہ ہندو یورپین مثلاً آکادی - سومری - ٹیوٹانی - لودی وغیرہ سب سے پہلے
مغرب اور جنوب کی طرف گئے ہیں - یہ جہاں بھی آباد ہوتے وہاں اپنی علیحدہ
بڑی حکومتیں اپنے سربراہوں کی قیادت کے تحت قائم کرتے رہے - کیونکہ ہجرت
کا سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا - اس لئے بعد میں آنے والے قبائل آبادیوں
پر حملہ آور ہوتے رہے - اور ہر نیا پرانے کو اقتدار سے محروم کرتا رہا - اور
اپنی حکومت اور روایات زبردستی ان پر مسلط کرتا رہا - ان میں بعض قومیں
ایسی بھی تھیں جو زیادہ تعداد میں مغرب کی جانب چلی گئیں - اور ان کی جگہ پر دوسری
قابض ہو گئیں - اور بعض ایسی بھی تھیں جنہوں نے مغلوبانہ زندگی کے سامنے سر تسلیم
خم کر لیا اس طرح سے نئے اور پرانے گھل مل بھی گئے جس کے نتیجے میں ایک نئی
مخلوط مدنیت سامنے آئی مثلاً بین النہرین (عراق) میں آکاد اور سومر کے اشتراک
سے ایک نئی قوم بنی اور لیسڈیا میں یونانیوں اور لودیوں کے اشتراک سے ایک نئی
تہذیب سامنے آئی - یہی وہ لوگ تھے جو سائرس کے بعد داریوش کی فوجوں
میں داخل ہوئے - اور پھر اس نے ان بہادر لوگوں کو شمال اور مشرق کی فتوحات میں
استعمال کیا - اور یہ وہی مخلوط لودی تھے - جن کو سکندر مقدونی نے اپنا آلۂ کار
بنایا - نسلوں کے اس اختلاط کی نشانیاں آثار قدیمہ کے ان کتبات سے
بھی ظاہر ہوتے ہیں - جو ان علاقوں میں خصوصاً الفترہ کے قریب لغاز کوئی اور
شوشن - بابل - بلخ - گندھارا - اور بعض دوسرے مقامات میں آثار قدیمہ کے
ماہرین نے دریافت کی ہیں - ماہرین لسانیات نے ان تحریروں کے پڑھنے سے یہ
معلوم کر لیا ہے کہ سامی اور ہندو یورپین کے علاوہ بھی دیگر زبانیں قدیم زمانہ میں
بولی گئی ہیں - اور ایک دوسرے سے ترجمہ ہوئی ہیں - اور یہی وجہ ہے کہ آکادیوں اور
سومریوں کے متعلق بعض دانشور کہتے ہیں - کہ ان کی زبان سامی نہیں تھی - اس لئے

یہ سامی نہ تھے - اگرچہ اکثر محققین کہتے ہیں - کہ آکادی سامی تھے البتہ سومریوں
کے مسئلہ کو پیچیدہ قرار دیا ہے - فرانسیسی محقق گروسی کہتا ہے کہ اکسوس (آموں)
اور ترکستان کے لوگ تھے [1]

یہی کیفیت ایلامیوں کی ہے - یہ بھی ایک مرکب قوم تھی - اگرچہ سومریوں اور
آکادیوں کے ساتھ ایک شریک مدنیت رکھتے تھے - مگر اعتقادات اور زبان کے اعتبار
سے نہ تو سامی تھے نہ سومری بعض مورخین لکھتے ہیں کہ آشوری بابل کے آکادیوں کا
ایک گروہ تھا نژادی لحاظ سے سامی اور آرامی تمدنی لحاظ سے کلدانی تھے - یہ کوتاہ قد
لوگ تھے - بڑے جبڑے طوطے کی چونچ کی طرح ٹیڑھی ناک بڑی بڑی ابھری ہوئی آنکھیں
بہت سخت سر - کینہ ور - سنگدل اور ظالم لوگ تھے - ظاہر ہے کہ نہ تو پشتونوں کا
قد ایسا ہے نہ پشتون سنگدل اور ظالم ہیں - ایک تو پشتونوں میں کوتاہ قد لوگ
شاذ و نادر ہی دیکھے جاتے ہیں دوئم یہ کہ پشتونوں کی ناک ٹیڑھی نہیں ہے اور نہ
ہی آنکھیں ابھری ہیں - اور نہ ہی آکادی اس طرح کا قیافہ رکھتے تھے - دوسری بات
یہ کہ آکادیوں اور آشوریوں کی زبانیں بھی مختلف تھیں کیونکہ آشوری نژاداً سامی تھے
اور آکادی غیر سامی بین النہرین کا وسطی علاقہ (موجودہ بغداد) ان کا مرکز تھا - اس زمانہ
میں اسے آکاد کہتے تھے - کیونکہ اس شہر کے کھنڈرات اب تک دریافت نہیں ہوئے ہیں
البتہ جو حفریات دانشوروں کے ہاتھ لگے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ بین النہرین

---

[1] تاریخ ایشیا جلد اول صفحہ ۱ تالیف رینے گروسی فرانسیسی (RENE GROUSSET)

[2] یہ کلدان بھی سے نسبتی ہے - کلدا ایک قبیلہ تھا -

بعض محققین کا کہنا ہے کہ یہ آریہ نسل سے تھے اور افغانستان کی قدیم تاریخ

(صفحہ ۴۴)

کے قدیم تمدن کے بانی آکادی تھے۔ اور سامی جو قدیم زمانہ سے ان سے تعلق رکھتے تھے زندگی کے معاملات میں ان کی پیروی کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کی زبان کو ایک علمی اور مقدس زبان کی حیثیت سے سیکھتے تھے [1]

جس وقت آشوریوں نے آکاد اور سومر کے اقتدار کا سلسلہ ختم کر دیا تو ۲۱۳۲ ق م سے ۶۱۲ ق م تک ربوزور آشور اوّل سے دوئم آشور اُبالٹ تک ان کے ایک سو اکسٹھ (۱۶۱) بادشاہوں نے حکومت کی اور اس طویل عرصہ میں انہوں نے شام سے بالخصوص اور ایشیا کے لیڈیا تک گہرے لسانی اور ثقافتی اثرات چھوڑے۔ اسی وجہ سے بعض محققین کہتے ہیں کہ آشوریا آشورہ کی نسبت سے آسوریہ اور سوریہ (مملکت شام) بنا ہے غلب (؟) کہتا ہے کہ وادی فرات کے ایک شمالی ضلع کو بابل کے لوگ سوری کہتے تھے "سوریہ" اور "آشوریہ" کے درمیان غالباً کسی قسم کا اشتقاقی تعلق نہیں یونانیوں کے دَور اور اس کے بعد کے زمانہ میں اس نام کے اطلاق کا دائرہ وسیع ہوگیا۔ "سوریہ" اور "سوریین" اصطلاحات اصل عبرانی تحریروں میں نہیں آئی ہیں۔ بلکہ یہ ترجمہ سپٹینہ [3] میں آرام اور آرامیوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ کلاسیکی دَور کے بعض مصنفین غلطی سے سوری اور آشوری ایک سمجھتے تھے عربوں نے اس ملک کا نام "الشام" رکھا [2]

یہاں یہ وضاحت کردیں کہ سنسکرت میں سور کے اشتقاق سے سورج بنا ہے اور "سور" کے معنی ہیرو (بطل جلیل، عظیم شخصیت) کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ جیسا جیالے اور جنگجو شخص کو سورما کہا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے ناموں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

---

[1] تاریخ ملل عربی آسیائے قدیم صفحہ ۲۸

[2] تاریخ شام فلپ حتی صفحہ ۶۰ (۳) تورات کا وہ پہلا یونانی ترجمہ جو اسکندریہ میں بہ شاہی حکمت ہوا تھا۔ جس میں یہودیوں کے ستر علماء شریک تھے۔

مثلاً سوروداس یعنی "سور" کا غلام [1] "سوریا" (دیوتا)

"سور" ژوب کے علاقہ میں ایک مقام کا نام "سوری" پشتونوں کے ایک مشہور قبیلے کا نام سرادلف کیرو کہتا ہے کہ سوری لودی قبیلے کی ایک شاخ ہے [2]

چنانچہ واضح ہوا کہ نہ تو سوریہ کا آشوریا آسور جو ایک سامی قوم تھی کوئی نژادی تعلق تھا اور نہ سوری آشوریوں سے کوئی واسطہ رکھتے ہیں۔ بلکہ محققین اور شجرہ نویس تمام اس پر متفق ہیں۔ کہ لودی غلزی ہیں۔ پس جب سوری لودیوں کی شاخ ہے تو غلزی ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے دوتانی بھی غلزی ہیں۔

کچھ ہلمند میں بعض (دامان) میں اور کچھ بلوچستان کے زیارت کے علاقہ میں رہتے ہیں۔ "نیازی" بھی غلزی ہیں۔ یہ لودیوں کی ایک شاخ ہے یہ خاص کر غزنی کے شہر میں رہتے ہیں۔ کابل۔ کوئٹہ۔ پشاور۔ راولپنڈی اور پنجاب کے دیگر اضلاع میں بھی پائے جاتے ہیں "خیسور" ایک چھوٹا سا قبیلہ ہے انہیں عمرخیل بھی کہتے ہیں۔ یہ انڈس (اباسین) کے مغرب میں ڈیرہ اسماعیل کے ضلع میں آباد ہیں۔

شام (سوریہ) جس میں کبھی فلسطین اور لبنان کا علاقہ بھی شامل تھا۔ جغرافیائی لحاظ سے مغربی ایشیا اور افریقہ کے درمیان ایک اچھی تجارتی گزرگاہ تھی۔ اور خود شام کا علاقہ بہت آباد اور دلکش تھا۔ اس وجہ سے مغربی ایشیا کی اکثر قوموں نے مسلسل اس ملک پر حکومتیں کیں۔ مغربی ایشیا اور افریقہ خصوصاً مصر کے درمیان تمام تجارتی قافلے شام سے گذرتے تھے۔ چنانچہ اقتصادی لحاظ سے بھی یہ ملک بہت خوشحال تھا۔ تجارتی منڈی ہونے کی وجہ سے روزگار کے مواقع بھی

---

[1] ہندوستانی اینڈ انگلش ڈکشنری جان شکسپیر صفحہ ۴۹۵ - ۴۷۰۰

[2] - "دی پٹھان" اردو ترجمہ صفحہ ۱۹۸ -

کافی تھے۔ خصوصاً دمشق کافی آباد تھا۔ اسی لئے اس سرزمین پر قبضہ کرنے اور تصرف میں رکھنے کے لئے مختلف قوموں نے بہت سی جنگیں لڑیں۔ شمالی شام اس زمانہ میں نہرین کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس جگہ کے لوگوں کی اکثریت آرامی پر مشتمل تھی۔ آشوری اسے آمورو یعنی مغرب کے نام سے پکارتے تھے۔ اس سے قبل جب اس علاقے پر مغربی ایشیا کی جانب سے کسی بڑی حکومت کا اقتدار قائم نہیں ہوا تھا۔ تو سامی نژاد آرامی اس میں آباد ہوئے۔ یہ عبرانیوں کے عزیز تھے تورات کے (سفر پیدائش) میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ البتہ اصل مسکن صحیح طور سے معلوم نہیں۔ قدیم کتبات سے اتنا ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وسطی بین النہرین میں (حران) نام کی ایک جگہ میں نہر بالیک جو فرات سے علیحدہ ہوتا تھا کنارے رہ چکے تھے۔ اور پھر شام ہجرت کر گئے ہیں۔ آرامی اپنی تحریر الیبی الفبا سے لکھتے تھے جو کہ فنیقی سے مشتق تھی یہ ایک بڑی سادہ تحریر تھی۔ وہ اسے حیوانات کے چمڑوں اور مچھلیوں کی ہڈیوں پر لکھتے تھے۔

آشوریوں کے دور میں آرامی ان کے درباروں میں دبیروں کی حیثیت سے خدمات سرانجام دینے لگے۔ اس لئے کہ ایک تو حکمران ان سے سیاسی اور ملکی خطرہ محسوس نہیں کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ان کی تحریر بڑی سادہ اور آسان تھی چنانچہ یہ رسم الخط یعنی (آرامی) آشوریوں کے دور میں ان کے تمام قلمرو میں مستقل ہو گئی۔ آشوریوں کے بعد ھخامنشیوں نے بھی اس زبان کو اپنی سرکاری زبان قرار دیا۔ اس طرح آرامی تحریر کا رواج شام سے باختر اور لیبیا سے گندھارا تک سرکاری سطح پر پھیل گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آرامی رسم الخط کے کتبات اور آثار بہت سی جگہوں میں دریافت ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ گندھارا میں بھی دریافت ہوئے ہیں۔ لیکن اس زبان کو عوامی زبانوں اور لہجوں نے

بہت جلد ختم کر دیا اگرچہ تورات کے بعض ابواب آرامی میں تحریر تھے دانیال نبی کی کتاب بھی اسی زبان میں لکھی گئی تھی۔ لیکن بعد میں یہودیوں نے عبرانی زبان میں ترجمہ کر لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواری بھی آرامی زبان میں وعظ اور تبلیغ کرتے تھے۔ سوری زبان جو کافی عرصہ شام اور زیریں بین النہرین کے لوگوں کی زبان تھی۔ اسی زبان کے اشتقاق سے بنی تھی۔ لیکن بعد میں عربوں کی فتوحات کی وجہ سے یہ زبان وہاں ہمیشہ کیلئے ختم ہو گئی ھرد زنی کہتا ہے کہ خاص بین النہرین جو بابل کے شمال مغرب میں واقع تھا۔ اور فرات اور دجلہ کے وسطی علاقوں میں محدود تھا۔ بہت قدیم زمانہ میں سومری زبان میں سوبار کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اور آکادی اسے سوبار تو کہتے تھے۔ ظاہراً "سوریہ" کا لفظ اسی نام سے مشتق ہے [1]

یہاں یہ بات واضح کر دیں کہ ایشیائے کوچک (اناطولیہ) اور بین النہرین (عراق) اگر ایکطرف بڑی عظیم الشان تاریخ کے مالک رہے ہیں۔ تو دوسری طرف مختلف اوقات میں ایشیا۔ یورپ اور افریقہ کی تاریخ پر بھی کافی اثرات مرتب کئے ہیں۔ اور ان میں بہت سی قومیں تہ و بالا ہونے کے ساتھ ساتھ یہاں جنگیں بھی زیادہ ہوئی ہیں۔ لیکن بایں ہمہ بہت سی تہذیبوں اور مدنیتوں کو جنم بھی دیا ہے۔ اور ان تہذیبوں نے پھر اس پاس کے رہنے والوں پر بھی اپنا رنگ چڑھایا ہے۔ اس لئے اس خطہ کی تاریخ کافی پیچیدہ ہے۔ یہی وجہ محققین کے درمیان اختلاف کا باعث بنی ہے۔ مگر اس کے باوجود ایک بات واضح اور جس پر تمام کو اتفاق ہے کہ آریین نہ صرف یہ کہ ان علاقوں کو کافی تعداد میں گئے تھے بلکہ یہ کہ

---

[1] ایشیائے قدیم تالیف ھرد زنی صفحہ ۱۲ و ۱۴

بحیثیت فاتح کے گزرے تھے۔ اور کافی عرصہ تک اثر و نفوذ کے مالک رہے۔ ہماری دانست میں یہ آرین بھی وہ لوگ تھے جن کا تاریخ میں سیتھی اقوام و قبائل یعنی اسکائی۔ مادی۔ ھُن۔ برلیا۔ ٹیوٹانی۔ لودی، اور سوری کے نام سے ذکر آیا ہے۔ جو عمومی طور پر افغانی اور غلجی کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اور دیگر کافی شاخیں رکھتے ہیں۔

غرضیکہ غلجی یا افغانی یہی لوگ ہیں اور تاریخ سے کسی نے آج تک یہ ثابت نہیں کیا ہے کہ لودی۔ سوری۔ اور دوتانی (ٹیوٹانی) ترکی النسل لوگ تھے۔

اس وقت جب "ماد" کے بادشاہ ھودخشترہ جس کا اس سے پیشتر ذکر ہو چکا نے مانیوں۔ سکائیوں (اشکوزہ)[۱] اور سمیریوں کے تعاون سے ۶۱۲ ق م میں آشور کے شہر پر قبضہ کر لیا اور بابل کے بادشاہ "نابوپولاسار" کے تعاون سے ۶۱۲ ق م میں نینوا کے شہر میں داخل ہوا تو پھر بین النہرین کے قریب حدود میں آشور کے آخری بادشاہ آشور اوبالٹ کو شکست دے کر آشور کی جگہ "ماد" کی حکومت قائم کی اس سے قبل سارگن آشوری نے ماد کو شکست دی تھی اور ان کے علاقے میں بنی اسرائیل بسیجے تھے لیکن دوسری جنگ میں "ماد" نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا۔

اصل مقصد کی طرف لوٹ آنے سے قبل چاہیئے کہ "ماد" اور سکائیوں کے متعلق کچھ مختصراً عرض کروں۔ جیسا کہ گذشتہ اوراق میں ذکر کیا گیا کہ آرین۔ وید۔ اوستا اور تورات کے زمانہ سے کافی پیشتر ہندوکش کے شمالی اور

---

(۱) ساکا اشکوزئی (ISHKOU ZAI) کے نام سے بھی پکارا گیا ہے۔ تاریخ علل آسیائی عزنی صفحہ ۳۲۶

ملحقہ خطوں میں پھیل گئے تھے۔ اور ویدی زمانہ میں سندھ اور پنجاب کی سرزمین میں کو چلے آئے تھے۔ اور شمالی بلوچستان سے مشرق میں ٹیکسلا اور جنوب میں ہڑپہ اور موہنجوڈیرو۔ مکران اور خاران تک ان کے قدیم آثار دریافت ہوئے ہیں۔ آثار قدیمہ کے ماہر پروفیسر اسٹیورٹ پیگٹ جنہوں نے سندھ کی وادی میں بھی بہترین کام سرانجام دیا ہے۔ ژوب کے قدیم آثار کے متعلق کہتا ہے کہ یہ تمدن سندھ کے بڑے تمدن سے بھی کافی قدیم ہے۔ (جیسا کہ اس سے پہلے [illegible]علی کا ذکر کیا گیا)

بہر حال اس وقت جب باختری جو بختی۔ بختی اور پارتی کے ناموں سے بھی یاد کئے جاتے ہیں۔ ہندوکش کے شمال سے جنوب کی طرف پھیل گئے جیسے کہ موجودہ پونده بعض مشرق کی طرف چلے گئے اور ان منطقوں پر پھیل گئے جس پر تاحال مقیم ہیں۔ یعنی ننگرہار سے سوات۔ دیر۔ چترال۔ باجوڑ اور اسی طرح پشاور کے راستے پنجاب تک پہنچے۔ دوسرا حصہ جنوب میں ارغنداب کندھار۔ کاکڑستان پکتیا۔ وزیرستان۔ ڈیرہ اسماعیل خان۔ اور شمال کے پہاڑی علاقوں کی طرف چلا گیا۔ تیسرا گروہ ہندوکش کے جنوب مغرب میں ہلمند اور سیستان کی وادی میں پھیل گیا وہ آرین قبائل جو مغرب کی جانب چلے گئے ماد اور پارس کے نام سے پکارے جاتے ہیں جنہیں کلاسیکی مؤرخین نے آمادی اور پارسوا کے نام سے یاد کیا ہے جیسا کہ پہلے کہا جا چکا کہ یہ وہ آرین ہیں جو [illegible] کے لگ بھگ خزر (کیسپین) کے جنوبی خطوں میں نظر آتے ہیں۔ ایک خاص تمدن اور مخصوص زبان رکھتے تھے۔ کلاسیکی مؤرخین نے ان کو "پردتو ایلامیوں" کے نام سے بھی پکارا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سامی مشرق کی جانب چلے آئے اور بابل کی سرزمین پر قابض ہوئے۔ اس وقت [illegible] فارس کے کنارے دیگر سفید فام

بھی رہتے تھے۔ جن کی اصلیت واضح طور سے معلوم نہیں۔ آشوری جو نژادی اعتبار سے سامی تھے۔ ان خطوں پر جو بعد میں مدیا اور فارس کے نام سے مشہور ہوا ہیں۔ آباد ہونے کی صدیاں ان علاقوں میں مدنی حاکمیت اور سیاسی تسلط رکھا تھے۔ چنانچہ ان علاقوں میں سامی عناصر کافی عرصہ تک چھائے رہے۔ یہاں تک کہ ۲۰۰۰ ق م کے لگ بھگ مشرق کی جانب سے آئے ہوئے آریوں سے ان کا سامنا ہوا۔ ان تحقیقات کی رو سے جو قبل التاریخ کے متعلق کاشان اور فارس کے دیگر علاقوں میں ہوئی ہیں۔ ان سے ایک نئی قوم کے وجود کا جنہیں زیادہ تر محققین آرین کہتے ہیں۔ جو ۲۰۰۰ ق م سے تعلق رکھتے ہیں۔ کا پتہ لگ گیا ہے یہ آرین اُن زمینوں پر سے نہیں گذرے جو بین النہرین اور عربستان کے جزیروں سے متصل تھیں۔ اور سامی اثر و نفوذ اور مدنی اثرات کے تحت تھیں۔ یعنی یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ یہ سوریہ شام سے آگے نہیں گذرے ہیں۔ بلکہ جیسا کہ آئین۔ عقیدہ۔ زبان۔ عادات اور دیگر ہزاروں چیزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ باختر سے بعض آرین شاخیں ۲۰۰۰ ق م میں علیحدہ ہو کر طبعی راستے یعنی دریاؤں کے لمبے کناروں پر جو آریانا سے مشرق کی طرف بہتے ہیں۔ سفر کرتے رہے اور آہستہ آہستہ دشت لوط کی اس جانب کی زمینوں پر پھیل گئے۔ البتہ باختر سے ان کی روانگی کی تاریخ میں فرق ہے۔ ماد کے قبیلے نے باختر سے پیشتر حرکت کی ہے۔ اور پارسوا نے کچھ عرصہ بعد میں لیکن مدت صحیح طور سے معلوم نہیں کہ کتنے عرصے کے بعد ماد پہلے خزر (کیسپین) کی جنوبی سرزمین پر آباد ہو گئے لیکن اکثریت وہاں سے مغرب کی جانب کوچ کر گئی۔ اور وہاں پر سامیوں سے خصوصاً آشوریوں کے ساتھ تعلق پیدا کیا اور مسلسل چند صدیاں اُن کے سیاسی۔ مذہبی اور لسانی و ثقافتی اثر کے ساتھ زندگی بسر کی پارسوا قبائل جو ان کے بعد باختر سے

الا کیونکہ شمالی علاقے پر مادی قبیلہ قابض تھا۔ اور مشرق کا راستہ سامیوں نے بند کر دیا تھا۔ لہٰذا بحر اوقیانوس کے ساحلوں میں آباد ہو گئے اور وہاں پر اس وقت تک سامیوں کی حاکمیت کے تحت رہے۔ کیونکہ سامیوں کے مقابل میں ان کی تعداد کم تھی۔ اس لئے اکثریت کی تہذیب و ثقافت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ آرین خصائل خالص نہ رہے۔ یہی وجہ تھی کہ مدققین کافی عرصہ مادیوں کی اصلیت کے بارے میں مشتبہ تھے۔ بعض کہتے تھے کہ یہ آشوریوں سے نکلے ہیں۔ جیسا کہ آشوریوں کے بارے میں اب بھی بعض مدققین کہتے ہیں کہ یہ آکادیوں سے نکلے ہیں۔ فرانسیسی محقق اوپرت (OPPERT) کا یہ نظریہ ہے کہ یہ تورانی اور طیطانی تورانی ہیں لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ مادی آرین ہیں۔ لیکن باختری آریاؤں سے دُوری کی بناء پر اور سامیوں سے قرابت کی وجہ سے ان کے خون اور ثقافت میں اختلاط پیدا ہوا [1]

وہ آرین جو مغرب میں آشوریوں کے ساتھ گھل مل گئے سامی اثر و نفوذ کے تحت ان کے خون۔ زبان اور دیگر ثقافتی روایات میں تبدیلی آ گئی۔ اور وہ جو مشرق میں سرزمین سِندھ کو چلے گئے تھے اور ہندوؤں کے ساتھ گھل مل گئے تھے۔ بھی اپنی اصلی حالت میں نہ رہ سکے۔ البتہ وہ آرین جو ان دونوں مدنیتوں کے درمیان رہ گئے غیر عناصر کے اثرات سے محفوظ رہے۔ اور اب تک باقی ہیں۔ اور یہی علاقہ جس کو ہیرو ڈوٹس نے بکتیا کے نام سے پکارا ہے اور استرابو نے اس کی حدود معین کی ہیں۔ بعد کے وقتوں میں پھر پارتیا (قدیم خراسان) کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ (بعد کے وقتوں میں ایرانی اور افغانی خراسان میں منقسم ہوا)

---

[1] ایران باستان جلد اوّل تالیف حسن پرنیا صفحہ ۱۲۸

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا کہ مادا اور پارسوا کے آباد اجداد آرین
تھے۔ ابتدا میں ہندو یورپین کے متعلق مؤرخین کے نظریات یہ تھے۔ کہ مشرق کی قدیم
تاریخ میں زیادہ کردار مادیوں اور خصوصاً پارسیوں نے ادا کیا ہے۔ اور ایک خاص
تمدن کے بانی ہیں۔ اس سے قبل ہندو یورپین کے بارے میں خاص معلومات
کوئی نہیں رکھتا تھا۔ کیونکہ بعد کے دنوں میں جب قدیم زمانہ کی دنوں کی تحریریں
پڑھی گئیں اور زبان کی پہچان ہو گئی تو بیشتر تاریخی عقائد میں بڑی زبردست تبدیلی
آگئی۔ اور نئی نئی باتیں سامنے آئیں۔ اور اس منطقے کے ثبت سے ہندو یورپین
پہچانے گئے۔ اور ان کے تمدنی آثار نمودار ہو گئے۔ ان سب میں اہم ہیتی قوم
ہیں۔ جنہوں نے سب سے پیشتر ہند و یورپین کے نمائندوں کی حیثیت سے مشرق
کی تاریخ میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ ایشیائے کوچک اور مدمقابل ملکوں میں …
فاتحین اور مشرق کے قدیم لوگوں کے درمیان کافی چپقلش اور جنگیں ہوئی ہیں۔ ان
قوموں کا جو مشرق کے قدیم ترین ہند و یورپین مہاجر کہلاتے ہیں۔ گذرنے کی شاہراہ
قفقاز۔ ایشیائے کوچک۔ سلوریہ اور کیپین (خزر) کے ساحل تھے۔ اور اسی
بنا پر ان کے اصل مقام جس کے بارے میں پیشتر بھی اشارہ کیا جا چکا ہے
بحر اسود کا شمال۔ قفقاز۔ بحر خزر اور ترکستان کہلایا جاتا ہے۔

"مادی" یا "ماد" کا نام سب سے پہلے ویدی اور اوستائی سرودوں
میں یاد کیا گیا ہے۔ اور انہوں نے موجودہ بوندہ یا کوچی کی صورت میں جدا جدا
قبیلوں کی شکل میں کافی صدیاں زندگی بسر کی ہے۔ ان کے مشہور قبیلے بوسیان
(BOSAE) بودیاں (BODii) اور ماجی (MAGi) کے
نام سے پکارے گئے ہیں۔ ہیرو ڈوٹس کہتا ہے کہ یہ مادی قبیلے …
ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ دیہاتوں میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اور کسی …

ایسی قوت اور قوانین نہیں رکھتے تھے[1]
اس علاقہ آشوری (سامی) بڑے بے رحم اور ناترس لوگ تھے اور مادی ان
کے ظلم و جور سے تنگ آکر اس بات پہ مجبور ہوئے کہ تمام اکٹھے ہو کر آشوریوں سے
آزادی حاصل کریں۔ اس مقصد کے لئے ان کے تمام قبیلے زاگرس کے پہاڑوں
کے مشرقی علاقوں میں جمع ہوئے اور اپنے سربراہ مقرر کر لئے اور اس کے بعد اپنی حکومت
بنانے کے لئے اقدام کیا اور پہلا مرکز اکبتانا (ہمدان) میں قائم کیا اور پھر آہستہ آہستہ
اپنے اثر و نفوذ کو شمال میں کیسپین کے ساحلوں تک پھیلا کر آذربائیجان کے
شمال مغرب کی جانب بھی دائرہ وسیع کر دیا۔ اور مشرق کی جانب "الیپی"
(ELLiPi) اور خرخر (KHARKHAR) کے صوبوں کے ساتھ سلطنت آشور
کے ساتھ رابطہ قائم کیا اس کے بعد ان کا علاقہ تین حصوں میں منقسم کیا گیا۔ ایک
(مادیکتا) یا موجودہ عراق عجم دوئم (مدیا اتروپاتنہ آذربائیجان) اور سوئم
(مدیا رگیانا) یعنی موجودہ طہران کا صوبہ اس ترتیب سے شمالی سرحد اراکس
کا دریا اور مغربی سرحد خزر کی گذرگاہ اور جنوبی سرحد پارس اور پہاڑ
کی پشت (رائیت کوہ) تھا "بد دیوکس" ماد کا پہلا قبائلی سربراہ تھا جو بہت جلد
بادشاہ بنا۔ پہلے وہ اپنے گاؤں میں ایک صاحب اثر شخصیت کی حیثیت سے
زندگی گذارتا تھا۔ دیہات اور قبیلے کے لوگوں کے درمیان لڑائی جھگڑے کا
فیصلہ کیا کرتا تھا۔ آخر جب ایک امانت دار اور انصاف پسند شخص کی حیثیت
سے مشہور ہوا۔ مگر ان کاموں سے ان کو اتنی فرصت نہیں تھی۔ جس سے کہ وہ

---

[1] ہیرو ڈوٹس۔ کتاب ۱۸۶۲ لندن میں راولسن کی نئی اشاعت
صفحہ ۱۸۹۔

اپنے نجی کاموں اور معاشی معاملوں کی طرف متوجہ ہوتا - آخر مجبور ہو کر لوگوں کو جواب دیدیا - کہ مجھے اور فرصت نہیں - اس لئے تم اپنے لئے کوئی اور سربراہ منتخب کرلو - چونکہ قانون - عدالت - اور دوسرا کوئی اداری نظام نہیں تھا اور ان کے مقابل کا دوسرا شخص بھی ان کی نظر میں نہیں تھا - اور پھر قبائیلوں میں آئے دن جھگڑے فساد ہوتے رہتے تھے - لہذا تمام قبائل اکٹھے ہوئے اور کافی غور و اور سوچ بچار کے بعد فیصلہ ہوا کہ پہلے اپنے لئے ایک نظام بنائیں - پھر ایک شخص کو بحیثیت بادشاہ کے مقرر کریں - چونکہ دیوکس ان میں بہت مشہور اور مقبول تھا - لہذا انہوں نے متفقہ طور پر ان کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا - دیوکس ابھی نظام مملکت بنانے میں مصروف تھا کہ سارگون آشوری نے اُن پر حملہ کرکے اسے مع ساتھیوں کے سنہ ۷۱۵ ق م میں قید کرا کر امات (AMAT) نام کی ایک جگہ بھیج دیا۔

ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ "دیوکس" سنہ ۷۰۸ ق م میں بادشاہت کو پہنچا تھا - اور سنہ ۶۵۵ ق م تک حکومت کی ہے - یعنی ۵۳ سال لیکن سارگون کے کتبوں اور ہیروڈوٹس کے نوشتوں میں فرق ہے - اس لئے بعض محققین کا کہنا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ "دیوکس" ایک خاندان کا نام ہو اور اس میں دو یا تین افراد سربراہ رہے ہوں - اور پھر ایک بادشاہ تک پہنچا ہو۔

بہرحال جیسا کہ عرض کیا گیا اس کے بعد مادی - مانی - سکائی اور سیمری جو تمام آرین تھے - ان کی مدد سے اور بابل کے بادشاہ "نابوپولاسار" کے تعاون سے آشوریوں کو شکست دے کر نینوا کے شہر کا محاصرہ کرلیا اس وقت اسکائی اچانک مادیوں کی سرزمین آذربائیجان پر سیلاب کی مانند ٹوٹ پڑے اور ان دونوں حریفوں کی وضعیت بالکل تبدیل کردی یہ آکر یا

کے شمالی علاقوں سے چل پڑے تھے - مادی جو ایک طرف سے آشوریوں کے دست و گریبان تھے - اور دوسری جانب اسکائیوں کا سیلاب اُمنڈ پڑا اپنا وجود کو خطرے میں دیکھ کر نینوا کے محاصرے سے کنارہ کشی کرلی اور اپنے گھر میں مبتلا ہوگئے - اسکائی سوار کاروں نے جنہوں نے بڑی قوت کے ساتھ ان پر حملہ کیا مادیوں کے نظام کو درہم برہم کردیا - اس وقت جب آشوریوں کی حالت بھی کمزور ہوگئی تھی تو آشور بانی پال کو بھی معطل کرکے اور بحیرہ روم تک آگے چلے گئے - مادی جو صدیوں سے یہ کوشش کرتے رہے کہ آشوریوں کے تسلط سے نجات حاصل کرلیں - سکائیوں کی حاکمیت سے بھی بے زار ہوگئے اور یہ فکر لاحق ہوگئی - کہ ممکن ہے اسکائی بھی ان پر کافی عرصہ حکمرانی کرلیں مگر انہوں نے تنگی اور چالبازی سے کام لے کر ان سے نجات حاصل کرلی -

تفصیل یوں ہے کہ ماد کا بادشاہ "سیاگزارس" نے اسکائیوں کے بادشاہ "ادبیں" کو بمعہ دیگر اسکائی سرداروں کے دعوت دے کر بہت سی شراب پلائی جس سے کہ وہ بدمست ہوگئے - اسی دوران میں ان کو قتل کرکے اسکائیوں کو بے سر و قائد کردیا - اسی دوران سنہ ۶۳۳ ق م میں آشوریوں کا بادشاہ آشور بانی پال انتقال کرگئے اور ماد کے بادشاہ سیاگزارس نے سنہ ۶۲۰ ق م میں ان اسکائیوں پر حملہ کرکے مطیع کرلیا - جو مدیا میں رہ گئے تھے پھر اسی راہ سے استفادہ کرکے جو اسکائیوں نے اختیار کرلی تھی مغرب کی جانب "حالیس" تک جا پہنچا - "نابوپولاسار" جو اصلاً بابلی تھا اور آشوریوں کی طرف سے بابل میں گورنر تھا - ماد کے بادشاہ کے ساتھ متحد ہوا - ایشیائے کوچک میں لودی امراء اور مادیوں کے درمیان جنگیں ہوگئیں - جو پانچ سال تک جاری رہیں - آخر میں "نابوپولاسار" نے اس

اُمید پر کہ مادیوں کو نینوا کی طرف متوجہ کرلیں۔ ان کے اور لودیوں کے درمیان صلح کرالی بعد میں بھر دونوں نے مل کر نینوا پر حملہ کر دیا۔ یہ آشور ایدل ال (ASSUR - IDIL - ILI) کا زمانہ تھا۔ نینوا پر قابض ہو کے جنگ مادی اور بابلی متحد ہو گئے۔ چنانچہ ماد کے خون اور ثقافت میں اختلاط پیدا ہوا۔

ماد کا آخری بادشاہ جو ۵۸۵ ق م میں سیاگزارس کی جگہ تخت نشین ہوا۔ "استیاک" کہلاتا تھا۔ اگرچہ ان کے دورِ حکومت کے دوران کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی لیکن پھر بھی عوام خصوصاً پارسوی عناصر ان سے خوش نہیں تھے۔ مادسے پارسواتک حکومت اور سلطنت کی منتقلی کا موضوع واضح معلوم نہیں سوائے اس افسانے اور داستان کے جو ہیروڈوٹس نے نقل کی ہے اور زیادہ تر کتابوں میں اس کو دہرایا گیا ہے۔ اسی افسانے کے ساتھ اس خواب کی وجہ سے جو استیاک نے دیکھا تھا۔ کہ ان کی بیٹی کے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ تمام اقتدار اور سلطنت اس کے ہاتھ لگے گی۔ اس وجہ سے استیاک نہیں چاہتا تھا۔ کہ اپنی بیٹی کا بیاہ ماد کے کسی جری اور معتبر شخص سے کرے۔ بلکہ اس فکر میں تھا کہ پارسوا کے شکست عنصر قبائل میں ایک نرم دمتین شخص ڈھونڈے تاکہ اس سے کوئی اہم شخصیت پیدا نہ ہو۔

غرضیکہ پارسی کمبوجیہ یا کمبیز کو ڈھونڈا اور اپنی بیٹی کی شادی اُن سے کردی۔ اس سے جو لڑکا متولد ہوا۔ بعد میں اس سے بھی اندیشہ لاحق تھا۔ اور اس لڑکے کو "ہرپاژ" نام کے ایک خاندانی اور قابل اعتماد شخص کے حوالے کردیا۔ تاکہ وہ اسے مخفی طریقے سے مار ڈالے لیکن

اُس رات ہرپاژ کی بیوی نے ایک مردہ بچے کو جنم دیا ہرپاژ نے استیاک کے نواسے کو گھر لے جا کر اپنے مردہ بیٹے کو جنگل میں دفن کر دیا چنانچہ اسی طرح استیاک کا نواسہ بچپن کے بعد کورش کی شکل میں اُبھرا انہوں نے مادیوں کی مدد سے ان کی سلطنت کو ختم کرکے ماد اور پارس پر مشتمل ایران کی بڑی شہنشاہیت قائم کرلی اور پھر مشرق و مغرب میں بہت سی فتوحات کرلیں۔ جوج وماجوج کے سیلاب کو روکنے کے لئے کاکیشیا میں سد تعمیر کی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا اسکائی ہندو یورپین قوموں کی ایک شاخ تھی جو سیتی کے نام سے بھی شہرت رکھتی ہے، اسکائی آمو اور سر دریا (جیحون اور سیحون) کی بالائی وادی میں زندگی بسر کرتے تھے۔ جہاں دیگر ہندو یورپین قبائل بھی سکونت رکھتے تھے۔ تاریخی قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع زمانہ میں دیگر ہندو یورپین قوموں اور قبائل نے جب مغرب اور جنوب کی طرف ہجرت شروع کی تو اسکائی اپنی جگہ پر رہ گئے۔ لاطینی۔ سلت۔ جرمنی اور اسلاؤ کی شاخوں اور بعض بہت سے دیگر چھوٹے چھوٹے قبائل یورپ کے علاقوں پر قابض ہو گئے اور جو جنوب کی جانب گئے وہ پامیر میں آباد ہو گئے اور آریون کے نام سے مشہور ہو گئے اور ... کے دوران جنوب ہند اور فارس تک پھیل گئے ہندو یورپین کی بڑی ہجرت کے دوران بعض آرین قبیلے جو ایک جانب سے یورپ کے سیتیون اور اسکائیوں کے ساتھ اور دوسری طرف ہندو ایرانی قبیلوں کے ساتھ ارتباط اور رشتہ رکھتے تھے۔ روس کے جنوبی علاقوں کو چھوڑ کر بعض اورال کے پہاڑوں کی طرف پھیل گئے۔ اور دوسرا حصہ سر دریا کی جانب چلا گیا۔ تیانشان کے پہاڑوں کو عبور کرکے کاشغر کی وادیوں میں پھیل گیا۔ اور یہاں سے تمام مشرقی ترکستان کو گئی۔ قرہ چار۔ اور تو ئن ھوانگ کی وادی سے کانسو تک قابض ہو کر چین کی سرزمین سے ملحق ہو گئے[1] محققین اس نظریے کی توضیح یوں

[1] تاریخ الفنیا جلد دوم صفحہ ۱۱ تالیف رینے گروسی۔

گویا کہ سیتھی شاخ ہند یورپین قوموں کے ساتھ آمو اور سر دریا کے بالائی منطقوں میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس وقت جب بڑی ہجرتیں شروع ہوگئیں اور قبائل گروہ در گروہ کی شکل میں یکے بعد دیگرے یورپ کی طرف پھیل گئے۔ اور ایک شاخ جنوب کی جانب باختر کو چلی گئی۔ اور اپنے آپ کو آریا کا نام دیا اور سیتھی (اسکالا) قبیلے کچھ عرصہ کے لئے اپنی جگہ رہ گئے۔ کیونکہ دیگر ہند یورپین قبائل کے جانے کے بعد علاقہ نسبتاً وسیع ہوگیا۔ تب سیتھی قبائل کو پاؤں پھیلانے کا موقع مل گیا۔ سر دریا کی وادیوں کے مشرق میں تیان شیان پہاڑوں کے دونوں طرف اور سنکیانگ کے علاقے (مشرقی ترکستان) پر قابض ہوگئے۔ اور مغرب میں بحر اسود اور بحر کیسپین کی شمالی زمینوں پر بھی قبضہ کر کے اورال کے پہاڑوں سے ہوتے ہوئے مشرقی یورپ کے ساتھ رابطہ قائم کر لیا۔ روس کا جنوبی علاقہ ان کے نام کی مناسبت سے "سیتھیا" مشہور ہوا۔ اس وسیع علاقہ میں ہند یورپین کی یہ آخری ہجرت سمجھی جاتی ہے کیونکہ علاقہ کافی وسیع سرسبز و شاداب تھا۔ اس وجہ سے انہوں نے خانہ بدوش پوندوں کی صورت میں جدا جدا منطقوں پر سکونت اختیار کرلی۔ چونکہ یہ لوگ دور دور تک مویشی چرانے کے لئے گھوڑے بھی استعمال کرتے رہتے۔ اس بنا پر سوار کاروں کے نام سے بھی پکارے جانے لگے۔ اس وقت جب باختر کے آرین قبائل نے ہندوکش کے شمال میں پہلا آریائی سلطنتی نظام اور تہذیب و تمدن پیدا کیا اور پھر نسبتاً تازہ زمانہ تک جب آشوری بین النہرین اور فارس کے مغرب میں برسر اقتدار تھے۔ حتیٰ کہ ان زمانوں میں جب مادی اور پارسی ہر ایک باری باری آشوریوں کے تسلط اور اقتدار سے آزاد ہوئے اور حکومتوں کی تشکیل

پہیل کی سیتھی قومیں مار دھاڑ اور لڑائی جھگڑوں میں معروف تھیں۔ اور پوندوں کی زندگی گذارتے رہتے۔ دائمی مراکز اور شہر نہیں رکھتے تھے۔ شام کو ایک جگہ پر ہوتے تھے۔ تو صبح دوسری جگہ دکھائی دیتے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد اپنی کتاب اصحاب کہف میں جس کا اس سے قبل تفصیل سے ذکر ہوا کہتا ہے کہ یہ وہی لوگ تھے۔ جن کو روکنے کے لیے سائرس بقول مولانا (ذوالقرنین) نے سد بنائی اور چینیوں نے سینکڑوں میل لمبی دیوار بنائی آشوری کتبوں میں ان کا ذکر "اشکوزی" (ASHKUZAi) کے نام سے آیا ہے اور یونانیوں نے سکوتو (SKUTHOi) کے نام سے یاد کیا ہے اور داریوش کے کتبوں میں ساکا (SAKA) کے نام سے پکارے گئے ہیں۔ چینیوں نے سائی (SAi) کے نام سے یاد کیا ہے۔ جیسا کہ یونان اور سیتھی (کُل اوبہ (KOUL-OBA) اور ورونیج (VORONEJ) کی تصویر سے ظاہر ہوتا ہے "سیتھی" داڑھی رکھنے والے لوگ تھے اور اسکائیوں کی طرح ان کی دوسری شاخ جو (پرشیپولیس) کے دفتوں میں دیکھی جاتی ہے۔ مخروطی نوکدار ٹوپیاں پہنتے تھے۔ جن میں کان چھپ جاتے تھے[2]۔ یہ ٹوپی وہ سرد ہوا اور سردی سے کانوں کو بچانے کے لئے استعمال کرتے تھے۔ بلوچ علاقہ یعنی جنوبی بلوچستان (صحرائے ...) علاوہ مخصوص تلات کے باقی تمام گرم علاقہ ہے۔ لہذا کہا جا سکتا ہے کہ

ے مغربی پشتون اسے گرشکہ کہتے ہیں۔ اب بھی دیہات میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔ بلوچ زیادہ استعمال کرتے ہیں اور اس پر رنگ برنگ کشیدہ کاری کی جاتی ہے بلوچستان میں استعمال زیادہ ہے بلوچی ٹوپی سے مشہور ہے۔

یہ ٹوپی شمالی علاقہ کے لوگوں (پشتونوں) سے تعلق رکھتی ہے ۔ ساکیان اور سیستان (دونوں اصلاً ایک قوم ہے) تمام کشادہ لباس پہنتے تھے۔ یعنی بڑی بڑی قمیضیں اور بڑی بڑی شلواریں ۔ گھوڑے ان کی زندگی کے دائمی ساتھی تھے ۔ وہ ہمیشہ تیر و کمان لئے پھرتے تھے فرانسیسی مصنف اپنے گروسے اپنی کتاب چمنی شہنشاہیت — EMPIREDES STEPPES) میں لکھتا ہے کہ ان تیر کمان والوں کے شہر نہیں ہوتے تھے اور اگر ہوتے تھے تو وہ متحرک شہر تھے ۔ جو گاڑیوں میں گھومتے رہتے تھے ۔ اپنے بال بچوں اور مال و اسباب کو ان گاڑیوں کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے رہتے تھے ۔ ان کا مال و متاع موسم بہار کے لوازم اور زیورات ہوتے تھے ۔ ستلنہ قوم سے ستلنہ قوم تک اس دیس علاقے کے جنوب میں رہتے تھے جو تیان شان اور التائی تک پھیلا ہوا تھا یا کہ ذکر کیا گیا کہ وسطی علاقے کے مشرقی قبائل جو باختر (بلخ) پر حملہ آور ہوتے تھے یہی سیتی تھے ۔ خود داریوش نے اصطخر کے کتبہ میں بھی اسی نام سے ذکر کیا ہے ۔ اور یہ ان ہند و یورپین بڑے قبائل کی ایک شاخ ہے ۔ جو بہت پہلے یورپ کو پہنچے اور گوت ، فرانک ، الامان ، ونڈال ، ٹیوٹن اور ھن کے نام سے مشہور ہوئے ۔

گذشتہ اوراق میں کہا گیا تھا کہ ٹیوٹانی وہ لوگ ہیں جن کو پشتو میں " دوتانی " کہا جاتا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایک بڑا حصہ بڑی ہجرتوں کے دوران شمال سے ایشیائے کوچک کے راستے مغرب کی جانب گیا تھا اور بحر اسود کے شمال مغرب اور رومانیہ اور بلغاریہ کے جنوب مشرقی علاقوں میں آباد ہو گیا تھا اور پھر یورپ کی جانب رومانیہ ، بلغاریہ ، ہنگری ، آسٹریا

اور جرمنی تک پہنچ کر ان کے تمام قوانین منسوخ کر کے اپنی روایات بزور ان پر مسلط کر دی تھیں ۔

سر اولف کیرو اپنی کتاب " پٹھان " (اردو) کے ۱۲۵ - ۱۲۶ صفحات پر لکھتا ہے ۔

ہخامنشی خاندان کے بعد جن لوگوں نے چوتھی صدی عیسوی کے آخر تک گندھارا پر حملے کئے وہ ایرانی تھے یا تو خاص ایران کے رہنے والے یا دنیائے ایران کے سرحدات پر آباد خانہ بدوش قبائل مثلاً پارتی ، ساکا ، درکستان ۔ یہ وحشی قبائل نام نہاد سفید ہن ہیں جنہیں یونانی اور رومی مصنفین نے افتالائس (EPHTHALITES) یا کیونائٹس (CHIONITES) کے نام سے یاد کیا ہے ۔ یہ کرک نام درحقیقت چینی زبان ای تی آئی لی ڈو (YE, TI, I, LI, DO) اور قرون وسطیٰ کے فارسی خیون (KHION) کا یونانی زبان میں مسخ شدہ اشکال ہیں ۔ چینی اور فارسی کے مذکورہ الفاظ ہن کے لئے استعمال ہوتے ہیں قدیم عرب اور ایرانی وقائع نگاروں اور جغرافیہ نویسوں نے ان کو ھیتال (HAYTAL) یا ہیاطلہ (HAYATILA) کے نام سے پکارا ہے ۔ کیرو آگے لکھتا ہے جب تک یہ ہندوکش سے اس پار نہیں ہوئے تھے کلاسیکی یا عربی اور فارسی تصنیفات میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہوا ہے ۔ اگرچہ ولسنٹ سمتھ ان قبائل اور (انیلا) کے ہن کو ایک سمجھتے ہیں لیکن چینی مصنف بڑی احتیاط سے ای تی آئی لی ڈو یا افتالی اور ہیونگ نو (HIUNG NIU) یعنی اصل ہن کا فرق واضح کرتے ہیں اس زمانے کا ایک مصنف پروکوپئیس (PROCOPIUS) اپنی کتاب " ڈی بیلو پرسکو " میں لکھتا ہے کہ یہ

حملہ آور ان ہنوں سے بالکل مختلف ہیں جنہیں رومی پہچانتے تھے ان کا
چہرہ اور کشادہ خدوخال مابہ الامتیاز ہیں چینی تحریروں سے معلوم ہوتا
ہے کہ یہ تو منگولی زبان بولتے تھے نہ ترکی۔ میک گورن کہتا ہے کہ
ایک چینی مصنف نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ یہ لوگ بھی اپنے اصل
کے اعتبار سے یوچی (YUEH- CHI) یعنی ماکشان ، تھے کیونکہ
اس پر شبہ کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان متضاد دعووں اور
قیاسیات سے جو بہترین نتیجہ نکل سکتا ہے وہ یہ ہے کہ افتالیوں کا
علاقہ ترکی النسل ہن کے ساتھ ملحق تھا۔ اس وجہ سے دونوں میں
بڑے پیمانے پر نسلی اور لسانی اختلاط ہوا ہوگا اور وہ اس بات پر
بھی فخر محسوس کرتے تھے کہ وہ ہن خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

یاد رہے کہ موجودہ محققین افتھال، ہیتال، ہیاطلہ، اودال اور ابدال
ایک بتاتے ہیں۔ کیرو کے حوالہ میں یہ بھی کہا گیا کہ یہ لوگ ہن تھے اور یہ
سیتھیوں کی شاخ تھی۔ ونسنٹ سمتھ لکھتا ہے کہ اٹیلا کے ہن اور یہ
ہن ایک ہیں آپ گزشتہ اوراق میں یہ دیکھ چکے ہیں کہ اسکائی بھی
سیتھی ہیں۔ رہا یہ کہ سیتھیوں کی ایک بڑی شاخ تھی جیسا کہ ایک پوپلزئی
یا سدوزئی درانی کے نام سے یا ایک سلیمان خیل یا خروٹی غلجی کے نام سے
پکارا گیا اسی طرح اسکائی سیتھیوں کے بڑے نام سے اور کبھی اسکائی اور
ساکان کے چھوٹے نام سے یاد کئے گئے ہیں اور یہ اسکائی جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں اشکوزئی

(۱) ISHKOZAI تاریخ آسیای ملل غربی ص ۳۵۶

اور اشکوزئی کے نام سے بھی پکارے گئے ہیں، کیونکہ ہر مورخ اور محقق نے
ان کے ناموں کی ہجے اپنی اصوات کے مطابق کی ہے۔ بہرحال لسانی قاعدے
کے مطابق آریائی لہجوں کی اصوات کے مطابق "اشکوزئی" کا "ش" پشتو
کے "خ" اور "ج" میں تبدیل ہوتے ہیں۔ اور آریائی لہجوں میں ان
کی مثالیں بہت زیادہ ہیں، اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اصل نام
اچکزئی تھا جسے شروع میں اشکوزئی یا اسکائی کے نام سے پکارا اور
اب جو لوگ "خ" کا تلفظ نہیں کر سکتے وہ اچکزئی کے نام سے پکارتے
ہیں، دوسری دلیل یہ ہے کہ اتک یا اٹک کے ساتھ "زئی" خالص پشتو
الحاق ہے، جو معنی "بیٹا" کے تمام پشتون قبائل کے ساتھ پہلے بھی
اور اب بھی مستعمل ہے ایک اور دلیل یہ ہے کہ قدیم یا موجودہ دیہاتی اچکزئی
سر کا درمیانی حصہ منڈواتے ہیں۔ اور سر کے ارد گرد دو انگل کے قریب بال
چھوڑتے ہیں بڑی بڑی شلواریں اور قمیضیں پہننا، چہرے کی سفیدی اور کشادہ
خدوخال کی وجہ سے بھی ہن جو سیتھیوں کی ایک شاخ تھی یعنی اشکوزوں
(اسکائیوں) کے عزیز تھے جو بالکل ان سے مشابہت رکھتے ہیں ونسنٹ سمتھ
کہتا ہے کہ "اٹیلا" کا ہن اور یہ ہن دونوں ایک ہیں" نسل، اصل، خدوخال لباس اور
عادات کے اعتبار سے معقول نظریہ ہے اس طرح کا لباس یا سر صرف اچکزئی
نہیں بناتے تھے بلکہ ترین بھی بناتے تھے اور وہ ہیوطانی (دتانی) بھی
جو مشرقی یورپ کی طرف گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت انہوں
نے یورپ میں اپنی روایات رائج کیں تو وہاں بھی اسی طرح کا لباس اور

(۱) (ASHKOZAI تاریخ افغانستان قدیم جلد دوئم ص ۱۳۵

سر منڈوانا رواج ہوگیا ۔ یہ ایک زندہ تاریخی ثبوت ہے کہ رومن بلکہ جولیس سیزر خود بھی اور ان کے درباری وہی لباس پہنتے تھے جو آراکوزیا میں اچکزئی، الکوزئی، بارکزئی اور ترین پہنتے تھے یا اب بھی دیہاتی پہنتے ہیں ۔ آج سے پچاس سال پہلے تک آفریدی بھی اس قسم کا لباس پہنتے تھے البتہ شلوار نسبتاً چھوٹی ہوتی تھی ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پشتونوں نے چار قسم کے بال بنائے ہیں (سر منڈوانا) کے ارد گرد بال رکھنا اور درمیانی حصہ منڈوانا جیسے کہ اچکزئی ۔ ۔ ۔ سر منڈوانا جیسے آفریدی گردن اور کانوں تک بال رکھنا جیسے غلجی، خٹک، یوسف زئی بڑتمع وزیر، مسعود (مسید) زردان اور اس طرح کے دیگر ۔ لمبے بال رکھنا اور دو چوٹی بنا کر سینے کے دائیں بائیں لٹکانا جیسے کاکڑوں کے بال جسے وہ پیکی ۔ (لٹ) کہتے ہیں یہ غالباً سیتی قبائل کی وہ شاخ تھی جنہیں تاریخ میں دربیکیوں یا درپیکیوں کے نام سے یاد کیا گیا اور جیسا کہ پیشتر ذکر ہو چکا ہے کہ سائرس بھی بالآخر انہی کے ہاتھوں مارا گیا تھا ۔ اصل نام "توربیکیان" تھا اس لئے کہ "ت" اور "د" کا تبادلہ عام ہے جیسا کہ اب بھی اچکزئی الکوزئی اور بارکزئی ت کو د میں بدلتے ہیں مثلاً "تر ہغہ خایہ" نہیں کہتے بلکہ "در ہغہ خایہ" کہتے ہیں ۔ یاد رہے کہ پشتو میں (تر) (تک) کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اوپر کے جملے کا مطلب (اس جگہ تک) ہے یعنی "تر" کی جگہ "در" کی صورت منہ سے نکلتی ہے ۔ یہاں پر لفظ تور بمعنی کالا اور پیکیان یعنی لٹیں ہونا چاہیئے یعنی تورپیکی ہے نہ کہ درپیکی بمعنی لٹوں والے ۔ رپسن (RAPSAN) کہتا ہے کہ دربیکی وہ قوم ہے جو افغانستان اور ہند

وہ درخواست جو یاسین زئی قبیلے نے میر نصیر خان نوری کو دی تھی

کی سرحدات پر رہتے تھے خالباً مراد کاکڑ قبیلہ ہے جو لمبے لمبے بال لٹیں جنہیں یہ لوگ پکیا (زلفیں) رکھتے تھے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں ان کے بڑے کاک نیکہ کے نام سے کاکڑ مشہور ہوئے جو فردوسی کے شاہنامہ کی رو سے ایک بہادر اور جنگجو شخص تھا، اور سیستان کے بادشاہوں سے جنگیں لڑا کرتا تھا۔

یہاں یہ بات اچھی طرح واضح ہوئی کہ اسکائی (اشکوزئی) اور دریکی (آدریکی) آدرہی سیتیون کی شاخیں تھیں اور ایک دوسرے کے ایسے عزیز تھے جیسا کہ ان کی چھوٹی شاخیں اب بھی ایک دوسرے کے عزیز ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ نہ تو یہ منگولی زبان جانتے تھے اور نہ ترکی اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی اپنی زبان تھی۔ گذشتہ اوراق میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ آکادی بھی سامی زبان نہیں جانتے تھے۔ اگرچہ بعض محققین کا کہنا ہے کہ وہ سامی تھے، لیکن بعض محققین کہتے ہیں کہ وہ غیر سامی تھے۔ دائرۃ المعارف فارسی میں لکھا گیا ہے کہ پانچ چھ ہزار سال قبل تاریخ میں ایک ترک نژاد قبیلے نے وسطی ایشیا سے مہاجرت کی اور (مسوپوٹامیا) نام کے علاقہ میں جو مغرب کی جانب سے فارس کے پہاڑوں اور جنوب میں اناطولیا کے پہاڑوں کی دامن تک پھیلا ہوا تھا۔ اور جن کے دوسری دو جانب عربستان کے بے آب وگیاہ صحرا اور خلیج فارس واقع تھا رہتا تھا۔ تاریخی تحقیق سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان ترکوں کا ایک حصہ دجلہ اور فرات کے وسطی علاقوں میں آباد تھا۔ جو (کلدے) کے شمالی حصہ میں ان کا نام واکاد سے پکارا جاتا تھا (۱)۔ اس بیان میں کہا گیا ہے کہ آکاد سامی نہیں تھے بلکہ

(۱) دائرۃ المعارف۔ بزبان فارسی۔ چھاپ کابل جلد اول ص ۴۱۶

ترک نژاد تھے۔ جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو زبان کی بنیاد پر یہ صحیح ہے کہ وہ سامی نہیں تھے، لیکن ترک نژاد کی بات ہے تو وہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ آکاد نہ صرف یہ کہ ترکی زبان نہیں بولتے تھے بلکہ جانتے تک نہیں تھے ان کی اور سومیریوں کی زبان مشابہ تھی۔ کیونکہ انہوں نے بہت جلد ایک قوم کی شکل اختیار کرلی قدیم محققین ان کے بارے میں قیاسات سے کام لیتے تھے۔ لیکن بعد کے زمانہ میں جب خوش قسمتی سے "اوروک" میں قدیم حفریات دریافت ہوئے تب اصل حقیقت ظاہر ہوگئی اور یہ معلوم ہوا کہ آکاد اور سومری نہ لمبے بال اور بڑی بڑی داڑھیاں رکھتے تھے اور یہ رواج سامی قوموں میں نہیں تھا، اور نہ ترکوں میں تھا۔ پس ظاہر ہوا کہ آکادی جس وقت سومیریوں میں شامل ہو گئے اور جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ ان سے ایک قوم بنی اور یہ بھی غالباً اپنی مشترکہ بالوں اور لباس کی وجہ سے کہا گیا ہے، اور اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ لمبے بال سومیریوں کا رواج تھا جو آکادیوں میں بھی مروج ہوا البتہ سومری یا آکادی زبان میں سے کسی ایک نئی زبان کے آثار معلوم نہیں ہوتے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک نے اپنی زبان آخر تک محفوظ رکھی اور یہ وہ زبانیں ہیں، جو آج بھی بلوچستان کے شمال مشرق میں مری اور کاکڑ بولتے ہیں اور اسی کے ساتھ ایک دوسرے کی زبان بھی جانتے ہیں انکے بال مردانہ زنانہ لباس بھی ایک جیسے ہیں، اگرچہ کلاسیکی مورخین نے آکادیوں کے متعلق متضاد نظریات ظاہر کئے ہیں، لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ لباس، زبان اور بال بنانے کے اعتبار سے ہند یورپین تھے اور ہند یورپین میں بھی زیادہ تر آرین کے قریب تھے، کیونکہ یہ سنہ ۲۳۰۰ ق م

(۱) جلد اول CIVILISATION [illegible] کے مجموعہ پیرس ۱۹۵۱ء

کے لگ بھگ اپنے عظیم راہنما سرجون قدیم کی قیادت کے تحت اقتدار کو پہنچے
تھے۔ اغلب گمان یہ ہے کہ یہ ۲۵۰۰ ق م کے لگ بھگ یا اس سے بھی کچھ
پیشتر پوندہ کی شکل میں بین النہرین میں وارد ہوئے تھے یا یہ کہ اس زمانہ میں یہاں
کی جانب آہستہ آہستہ چلے آئے تھے، اور پھر اقتدار کو پہنچے تھے جیسا کہ حالیہ
تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ یہ بحر روم سے ملابار تک اپنی حکمرانی کے زمانہ
میں سائرس اور سکندر کی طرح فوجی مہمات کے دوران پھیل گئے ایشیائے کوچک
اور بین النہرین پر ہند و یورپین کا ہجوم ہزارہا سال سے جاری تھا۔ انہوں نے
کو چھوٹے اور پوندوں کی شکل میں مسلسل یکے بعد دیگرے طویل عرصہ میں یہاں
کی ہیں۔ اور مشہور راستوں سے مغرب اور جنوب کی طرف کے ہیں ان میں لیڈیا،
لودی، ابرتو بیتھنی مادی اور اسکازئی (اشکوزئی) شامل تھے جو سندیں ہیں کہ نام
یاد کئے جاتے ہیں۔ یہاں چونکہ بیتھنیوں کا ذکر بھی آیا ہے لہٰذا چاہتے ہیں کہ ان
کے متعلق بھی اپنی معلومات کے مطابق کچھ ذکر کریں، کیونکہ پشتونوں کی ایک
بڑی شاخ ہے اور ان سے بہت سے قبائل منسلک ہیں بحر اسود اور دریائے
مرمرہ کے ساحلوں پر تین علاقے بی ٹی نی (بیتھنی) یا فلاگونی اور پونٹس کے
نام سے موسوم تھے بیتھنی کا علاقہ سانگاریوس (SANGARIOS) کے
رود خانے سے سیراب ہوتا تھا جو بحیرہ اسود اور کوہستانی جنگلوں کے درمیان
ایشیائے کوچک میں واقع ہے، ہیروڈوٹس کہتا ہے کہ اس وادی کے لوگ
تراس سے آئے تھے ایک شاخ بیتھنی اور دوسری کا نام تھی نی تھا یہ علاقہ ایک
طرف سے لیڈیا کے ساتھ اور دوسری گالاسی کی حکومت کے ساتھ جس کا دارالحکومت انگورہ

(۱) تاریخ ملل آسیائی غربی صفحہ ۳۴۳، ۳۲۱

(موجودہ انقرہ) سے ملحق تھا۔
یہاں یہ وضاحت کر دیں کہ بیتھنی قبائل بیٹ نیکہ (نیکہ یعنی دادا) کو منسوب
اور شجروں کے اعتبار سے غلطی بیٹ نیکہ کی بیٹی بی بی متو کی نسل سے منسوب کئے جاتے ہیں۔
اور لودی بھی غلجی ہیں۔ مذکورہ بیان سے واضح ہوا کہ تاریخ کے قدیم دور
میں بیتھنی لیڈیا کے قریب آباد تھے معلوم ہوتا ہے کہ بیتھنی لودی اور دوتانی
الگ الگ پوندہ کی شکل میں ایک ہی دور میں یکے بعد دیگرے ایشیائے کوچک
کے مغربی کناروں کو غالباً قدیم سرجون کے زمانہ میں گئے تھے۔ ۲۵۰۰ ق م
اور ۱۰۰۰ ق م تک ایشیائے کوچک کی تاریخ بہت پیچیدہ ہے کیونکہ
اس ڈیڑھ ہزار سال کے درمیانی عرصہ میں ہند و یورپین اور سامی شمال اور
جنوب سے مسلسل ان علاقوں میں آکر ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے
کے لئے لڑتے بھی رہے اور ایک دوسرے میں گھل مل بھی گئے ہیں جیسے
کہ افغانستان ہندی اور ایرانی مذہبوں کے زیر اثر آیا تھا۔ اسی طرح بین النہرین
بھی شمالی اور جنوبی اقوام یعنی ہند و یورپین اور سامی اثر و نفوذ کے تحت تھا
اس بنا پر ان کی زبانوں، لباس اور دیگر تہذیبی روایات نے ایک دوسرے
پر گہرا اثر ڈالا اور کلاسیکی مورخین کو ان کی پہچان میں بڑی مشکل پیش آئی
لیکن گذشتہ سو سال میں خصوصاً گذشتہ پچاس سال میں آثار قدیمہ کی
اساس پر محققین اور مدققین نے جو بہتر اور قابل قدر تحقیقات کیں ان کی
بدولت بہت سی نئی باتیں معلوم ہو گئیں اور یہ بات اب واضح ہو گئی کہ
ہیتی نہ تو ترکی زبان جانتے تھے اور نہ منگولی بلکہ ان کی اپنی ایک خاص زبان
تھی جو عرب قبائل کی زبان کی طرح بہت وسیع تھی چونکہ قبائل کبھی منتشر
اور کبھی یکجا ہوتے تھے اس لئے ان کے لہجوں میں بھی کافی فرق پیدا ہوا لیکن

بایں ہمہ اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ سیتھیوں کی زبان پشتو تھی۔ جو بعد میں کئی ان کے ساتھ کئی صدیوں میں مغربی ملکوں تک پہنچی اور وہاں دیگر ہند یورپین زبانوں اور لہجوں میں تتر بتر ہو گئی۔ الفاظ بدل کر مسخ ہوئے لیکن بعض علاقوں میں پھر بھی عزیزوں کو بو آجاتی ہے اور یورپ کے گلستان زبانوں اپنے باپ دادا کے بوئے ہوئے پھولوں کو پہچان لیتے ہیں جیسا کہ جرمنی میں نشت (نہیں) انگریزی میں نو (نہیں) انگریزی میں اوکے (ٹھیک) انگریزی میں دائی (دلی۔ کیوں) میجن (مشین) اکس (ہاتھی) می ۔ تا م محاورہ اسی طرح کے دیگر بے شمار الفاظ جو مشرقی یورپ کی زبانوں اور لہجوں میں اب بھی دوگور سے اپنے عظیم اور نامور آبا و اجداد کی فتوحات کی نشاندہی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

گذشتہ اوراق میں آپ کی نظر سے گزرا ہے کہ محققین نے آکادی اور غلجی کو بھی ترکی شاخیں قرار دی ہیں۔ جبکہ اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ نہ تو ترکی زبان جانتے تھے، نہ منگولی اور نہ سامی۔ اس سے واضح طور پر ظاہر ہوا۔ بالواسطہ طور پر تسلیم کیا گیا کہ یہ لوگ نہ ترکی تھے نہ منگول اور نہ سامی بلکہ آریائی تھے اور دوسری زبان بولتے تھے ہمارا مقصد بھی یہی ہے کہ یہ بات واضح اور ثابت ہو کہ وہ اپنی زبان بولتے تھے اور اپنا طرز زندگی رکھتے تھے دوسری بات یہ بھی واضح ہوئی کہ یہ افغانیوں اور غلجیوں کا فرق بھی نہیں کر سکتے اور آخر کار پھر اسی بات کی طرف آتے ہیں کہ افغانی اور غلجی دراصل ایک ہیں۔ جیسے کہ الخوارزمی نے اپنی تصنیف مفتاح العلوم (۹۷۵ء) میں لکھا ہے کہ ہیاطلہ (افغان) وہ قبیلہ ہے جو عظمت کا مالک تھا اور تخارستان پر قابض تھا جن ترکوں کو غلج یا

غلج کہا جاتا ہے وہ ہیاطلہ کی نسل سے ہیں سر اولف کیرو کہتا ہے کہ یہی افغانی غلجی ہیں اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے اسلاف بھی سفید ہن تھے۔ جو اس وقت ہندوستان کے شمال میں دیگر عظیم قوموں کے بھی اسلاف تھے۔ اسی طرح مشہور سیاح میسن جس نے قریباً سو سال قبل کتاب لکھی ہے کہتا ہے کہ درانی بھی افغانی ہیں لکھتا ہے کہ ہندوستان اور ایران میں درانی ابدالی اور اودالی کے نام سے مشہور ہیں۔[1]

مذکورہ بیانات اور حوالوں کا حاصل یہ ہے کہ اگر غلجی غلج یا غلیج کی مناسبت سے غلجی کہلائے گئے ہیں تو وہ ہیتال (ابدال) کی ایک شاخ ہے اور ہیتال سفید ہن ہیں اور سفید ہن سیتی ہیں جس کی دیگر شاخیں بھی ہیں جن میں ایک بڑی اور مشہور شاخ اسکائیوں یا ساکاؤں کی ہے جسے اشکوزو یا اشکوزئی کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ یہ اکسوس (آمو) کی بالائی وادیوں اور سر دریا کے درمیان دیگر سیتھیوں کے ساتھ مل کر زندگی گزارتے تھے۔ جس وقت دوسرے سیتی قبائل جنوب اور مغرب کی جانب چلے گئے اور اسکائیوں کے لئے علاقہ تنگ رہ گیا پارٹی جو باختر کے لوگ تھے اور ان کے عزیز تھے مستقل قیام کے لئے جگہ ہندوکش کے جنوب کی طرف چلے آئے اور اسکائی (اشکوزئی) باختر کے علاقوں میں پھیل گئے۔ اس وقت ہندوکش کے جنوبی اور مغربی حصے پر پارتی قابض تھے۔ اور ہرات سے سوات تک تمام علاقوں پر پھیلے ہوئے تھے لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ ان کی مرکزی قیادت نہیں تھی بلکہ اپنے ملکوں

---

(۱) پٹھان - اردو صد ۱۲۷



نیازی (لودی)



کاکڑ (نواب جنگل خان)



کرلانی (وزیر)



دوتانی

یا خانوں کی قیادت کے تحت علیحدہ علیحدہ پوندہ قبائل کی صورت میں آوارہ زندگی بسر کرتے تھے البتہ جب کبھی ایک سنگین مسئلہ درپیش ہوتا تو ان کے سربراہ اکٹھے ہو کر مشترکہ طور پر اقدام کرتے تھے، یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک اشک یا ارشک جنہیں کلاسیکی مورخین ارساس کے نام سے یاد کیا ہے، ان کی قیادت کرنے کے لئے پیدا نہیں ہوا تھا، یہاں سوال یہ ہے کہ اشک یا ارشک کون تھا؟ اس کے بارے میں بعض کلاسیکی مورخین کا نظریہ یہ ہے کہ ارشک باختر (بلخ) کا رہنے والا تھا استرابوگیرپیا کتاب کے نویں باب میں لکھتا ہے کہ ارساس یا ارشک ایک باختری شخص تھا، قدیم تاریخ ہند کا مؤلف ونسنٹ سمتھ کہتا ہے کہ پارتیوں کا سرغنہ اشکانج کہلاتا تھا جس کے آباؤ اجداد کے متعلق شک ہے، مگر اس کی بہادری اور دلیری میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں، اور یہ شخص تاخت وتاراج کا عادی تھا۔

پروفیسر آرتھر کرسٹن سین (ایران بعہد ساسانیان) نام کے اپنی کتاب میں لکھتا ہے (جیسا کہ گذشتہ صفحوں میں بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے) کہ اشکانی سلطنت کا بانی اشک یا ارشک کہلاتا تھا وہ پرنوا قبیلے کا سردار تھا اور بحر خزر کے جنوب مشرقی علاقہ میں رہتا تھا، جو بعد میں پارتیان کے نام سے کہلاتا تھا، اور اس علاقے کا قدیم نام پارتیا تھا؛

ان بیانات سے واضح نہیں ہوا کہ اشک یا ارشک پارتی تھا یا سکائی البتہ یہ معلوم ہوا کہ اصلاً باختر کا رہنے والا تھا اور پارتیا چلا آیا تھا، جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ اشکوزئی پشتونوں کا ایک بڑا قبیلہ تھا جسے کلاسیکی مورخین نے اپنی زبان اور لہجے کے مطابق بھی اسکائی بھی سرکائی

اور کسی ساکا کے نام سے یاد کیا ہے اب اگر پشتو زبان کے اشتقاقات کو دیکھا جائے تو "اشک" اور "اخک" کے ساتھ "زی" کا اشتقاق خود یہ واضح کرتا ہے کہ "اشک زی" اور "الک زی" میں کوئی فرق نہیں صرف "ش" اور "خ" کا مبادلہ ہے، جو آریائی لہجوں میں عام ہے۔ یعنی جو لوگ "خ" کا تلفظ نہیں کر سکتے تو وہ ایسے "س۔ ح اور ش" بدلتے ہیں جیسے کہ ارشک سے "ارساس" بنایا گیا ہے۔ بہرحال وہ شخص جو پہلا الک کے نام سے پکارا جاتا تھا یوں معلوم ہوتا ہے کہ اصلاً اسکائی قبیلے سے تھا یعنی اشک زی تھا جنہیں اشکوزی کے نام سے یاد کیا گیا ہے اشکوزی اور دیگر پارتی الاصل جو تمام سیتی قبائل ہیں جن میں غلجی اور افغانی بھی شامل تھے۔ یا یہ کہ یہ لوگ افغانی یا غلجی کے نام سے پکارے جاتے تھے ایک بڑا قبیلہ تھا۔ جو الکوزن سے بھی قرابت رکھتا تھا۔ یہ کہنا کہ اسکائی کافی عرصہ بعد پارتی کے پیچھے چلے گئے ہیں۔ پھر جنگیں بھی ہوئیں اور پھر بہت جلد شیر و شکر بھی ہو گئے۔ بذات خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اصل میں زبان اور روایات میں شریک تھے، اسی لئے تو ایک دوسرے میں جلد اور باسانی جذب ہو گئے۔ یعنی اشکوزی اسی بڑے نام پارت یا پشت یا پشتون جو مشترک زبان اور روایات کی ترجمانی کرتا تھا میں مدغم ہو گیا اور پشتونوں کے دیگر قبیلوں کی طرح ان کا قبائلی نام زندہ رہ گیا۔

پروفیسر کرسٹن سین لکھتا ہے کہ اشکائیوں (اشکوزوں) نے داہی[1] قبیلے کے لوگوں سے جو خود بھی شمالی ایران کا باشندہ تھا۔ پارتیا کے صوبہ پر قابض ہوا اور یہ فتح ایک نئی ایرانی سلطنت کے وجود میں آنے کا باعث بنی اشکائیوں نے افغانی

---

[1] داہی سے غالباً مراد پشتونوں کا ایک قبیلہ "دادی" ہے۔ جو کاکڑ قبیلے کی ایک شاخ ہے۔

خاندان کی مملکت کے اصول نہیں چھوڑے لیکن اس کے باوجود پارتی سلطنت سے ایک خاص بات پیدا ہو گئی اور وہ یہ کہ سیاسی اقتدار ایران کے مغرب سے شمال کو منتقل ہوا ۔ اشکانی حکومت کے باوجود اس کے کہ اُن پر یونانی رنگ چڑھ گیا تھا ایرانیت میں اخامنشی سے زیادہ خالص تھی ۔ تقریباً دو سو سال تک اشکانیوں نے پارتیا کے صوبہ میں ہکاٹوم پیلوس کا شہر اپنا دارالسلطنت رکھا تھا۔

پروفیسر "آربری" کہتا ہے کہ سکندر کے انتقال کے سو سال بعد ایرانی مقبوضات ان کے سلوکی جانشینوں کے ہاتھ سے نکل گئے ۔ اس کے بعد چار پانچ سو سال تک ایران کی زمام اقتدار سیتی قوم کے ہاتھ میں تھی یہ لوگ خانہ بدوش تھے ان کے قبیلے روس اور چین کی سرحدات کے قریب گھومتے رہتے تھے ماساگوتے ان کے ایک قبیلے کا نام تھا ۔ یونانی انہیں "ساکا" کے نام سے پکارتے تھے ، اگرچہ یہ بھی ایرانی اخامنشی کی نسل سے تھے لیکن ان کی تہذیب کا معیار ان سے کچھ مختلف تھا اور اپنے طویل اقتدار کے زمانہ میں بھی اصلاً خانہ بدوش (پوندہ) تھے یہ اپنے وطن سے جو بحر خزر کے مشرق کی جانب تھا نکل آئے اور جنوب مشرقی علاقے میں آباد ہو گئے اُن دنوں اخامنشی کا صوبہ پارتھو (پرسو ۔ پہلو) میں شامل تھا یہاں یہ صوبے کے اصلی باشندوں پر یونش سے مل گئے اور شیر دشکر ہو گئے رومن اور ہم بھی انہیں پارتیا والے اور (پہلوی) کہتے ہیں لیکن اس بات سے اس حقیقت کا سراغ نہیں ملتا کہ یہ لوگ مختلف قبیلوں کے مجموعے سے عبارت ہیں ۔ بعد میں جو حملہ آور چین سے آئے اور جو غالباً ترکی النسل تھے ۔ وہ بھی پارتیا والے اور پہلوی کہلانے لگے ۔ ان کو اشکید

لہ پریوں سے غالباً مراد پشتونوں کا ایک قبیلہ پنی یا پنیٹری ہے ۔

اور اشکانی بھی کہا جاتا ہے ، کیونکہ ان کے پہلے بادشاہوں کا جدِ ارشک کہلاتا تھا ۔ پارتیوں کا فرمان روا غالباً عام خانہ بدوشوں کی طرح ان پڑھ تھا ۔ اس لئے کسی قسم کی تحریر اور دستاویز سامنے نہیں آئی ہے ۔ لیکن دیگر ماخذوں سے سلسلہ ان کی تاریخ مرتب کی جا سکتی ہے ۔ جو کہ یورپ اور مشرق بعید کے روابط اور نقطۂ نظر سے بہت اہم ہے ۔ یہ لوگ سلوکی اقتدار سے برابر نجات حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے ۔ لیکن اپنے مخالفین کی کوششوں کے باوجود کامیاب تھے ۔ اس حد تک کہ دوسری قبل مسیح صدی میں متری دادا اول نے باختر ۔ بابل ۔ سوسا میڈیا اور اخامنشیوں کا وطن فارس اپنی مقبوضات میں شامل کر کے سلطنت کا دائرہ وسیع کر دیا ۔ اس طرح پارتیا والے ایک ایسی حکومت کے قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے جو بحر خزر سے خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی متری دات اول جو اعظم کہلاتا تھا تاریخ کی اہم اور نمایاں شخصیت ہے ، اگرچہ ان کے بارے میں صحیح معلومات کم دریافت ہوئی ہیں ۔

دوسری صدی قبل مسیح کے آخر میں متری داد دوئم نے مسلسل جنگوں کے بعد شمال اور مشرق کی جانب بسنے والے قبائل کو شکست دی اور اس طرح ان کی سلطنت میں ایک طرف آرمینیا اور دوسری طرف سیستان بھی شامل ہو گئے اور اس کے ساتھ برصغیر سندھ پاک کے شمالی جانب میدانوں کا بیشتر حصہ بھی فتح کر لیا ان کامیاب جنگوں کی بدولت مغربی دنیا پارتیا کے لوگوں کی احسان مند ہے ۔ جنہوں نے خانہ بدوش اقوام کے حملوں کی روک تھام کی تھی وہ شمالی مغربی چین کے بسنے والے وہ قبائل تھے جو بڑے پیمانے پر تاخت و تاراج کے لئے نکلے تھے چین کے مذکورہ حصوں میں ھن ترکوں نے دوسری صدی میں (یوچی) قبیلے کے لوگوں کو جو زیادہ تر سندھ و یورپین تھے ۔ اپنے وطن سے نکالنے پر مجبور کیا تھا ۔ ان لوگوں کو موقع ملا اور

ان علاقوں میں آباد ہو گئے۔ جسے اب روسی ترکستان کہا جاتا ہے۔ اس جگہ کے اصلی باشندوں نے باختری سلطنت پر قبضہ کر لیا اور آگے بڑھنے کے لئے دیگر قبیلوں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر پارتیا والوں کے مقبوضات میں داخل ہو گئے۔ صوبے کے بہت سے حصوں پر قابض ہونے کے بعد ایک طرف تو مغرب کی جانب بڑھے اور دوسری جانب مشرق کی سمت سیستان کے راستے سرزمین ہندوستان تک پہنچ گئے۔ آخر کار متری دات دوئم حالات پر قابو پانے میں کامیاب ہوا۔ سیستان پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اور پارتیا کے علاقے بھی "مرو" تک واپس لے لئے۔

آیا پارتیوں کا یہ احسان مغربی تہذیب پر کم ہے جنہوں نے بڑی دلیری سے کام لے کر حملہ آوروں اور خانہ بدوشوں کی یلغار کو سنبھالا ورنہ بصورت دیگر تو یہ لوگ مشرق کو پاؤں تلے روندتے ہوئے یورپ تک جا پہنچنے کے ساتھ وہ حالات پیدا کرتے جو ایک ہزار سال بعد ہلاکو کی غارت گری سے پیدا ہوئے تھے [1]

جیسا کہ آپ دیکھ چکے پروفیسر آربری کہتا ہے کہ بعد میں جو حملہ آور چین سے آئے اور جو غالباً (غالباً کے معنی قیاس) ترکی النسل تھے وہ بھی پلتی یا پہلوی کہلائے گئے اور یہ کہ ان کو ارشکید اور اشکانی بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے بادشاہوں کے جد کا نام ارشک تھا پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پارتیا کے بادشاہ اَن پڑھ تھے لہٰذا اس بنا پر ان کی کوئی دستاویز یا تحریر ہمارے ہاتھ نہیں لگی ہے۔" اس کا مطلب یہ ہوا کہ آربری کو صحیح معلوم نہیں کہ یہ اصلاً کون تھے یہ بھی اسی طرح کی بات ہے جیسا کہ بعض محقق کہتے ہیں کہ "آکاد سامی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ ترک تھے۔

گذشتہ صفحات میں اس بات کی وضاحت ہو چکی کہ آکاد نہ تو ترکی تھے

[1] میراث ایران - پروفیسر اے جے آربری صفحہ ۳۶ - ۳۷ - ۳۸

اور نہ سامی بلکہ سندو یورپین میں سے جو سیتی یا سفید ھن کہلائے جاتے ہیں۔ کی شاخ تھی۔ جنہیں کلاسیکی مورخین نے اپنی زبان اور لہجوں کے مطابق شاردکن - ساردکی اور ساکاروئی کے نام سے یاد کیا ہے مثلاً (اپولو دو روس) نے ساکاروئی کے نام سے اور (زرد گوس) نے ساروکی کے نام سے یاد کیا ہے۔ محقق ہرزفلڈ کہتا ہے کہ اس نام میں واضح طور پر ساکا کا کلمہ موجود ہے اور یہ داریوش اول کے زمانہ میں انگزارت (سردریا) کے جنوب میں زندگی بسر کرتے تھے - بطلیوس نے ان اساکائیوں کا ساکاروکی کے نام سے ذکر کیا ہے اور ان کے قیام کی جگہ سردریا کے جنوب میں معین کی ہے - اس میں شک نہیں کہ چین کے "ھان ھائی" خاندان کا سالنامہ کہتا ہے کہ ابتداء میں اسکائیوں کے قیام کی جگہ (ددسوں) کا علاقہ تھا یہ علاقہ خود ان کے ماخذوں کی رو سے "تائیوان" کے شمال مشرق یعنی پامیر میں بتایا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چینیوں نے بھی اسکائیوں کے پہلے قیام کا مسکن انگزارت کی وادی میں معین کیا ہے ساروکی یا ساکاروئی تخاری - یوچی اور دیگر قوموں کی دباؤ کی وجہ سے سردریا کی وادی سے آہستہ آہستہ جنوب کی جانب دریائے آمو کے شمالی کناروں سے فرغانے میں اترے اور یہاں سے ایک حصہ باختر کو چلا آیا۔ اور دوسرا حصہ آمو کے دائیں کنارے نچلی وادی کی جانب "مروہ" کو چلا گیا اور رود خانے کے دو جانب سے پارتیوں سے جا ملا [1]

مذکورہ بیان سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ ساروکی یا شاروکی ایک ہے صرف کلاسیکی مؤرخین کے لہجوں کی وجہ سے س اور ش کا متبادلہ ہے۔

[1] تاریخ ہندوستان قدیم جلد دوئم صفحہ ۱۳۸ - ۱۳۹

شاروکن آکادیوں کا وہ سربراہ اور بادشاہ تھا جو شرعون ۔سرجون ۔سرگون کرشبون کے نام سے یاد ہوتا ہے ۔ اور آخر میں پشتونوں کے لہجوں میں شرخون اور خرشبون کے نام سے مشہور ہوا ۔

یہاں یہ بھی وضاحت کردیں کہ آرین لہجوں میں "خ" "ک" میں بدلتا ہے خصوصاً ہندی زبانوں میں بالخصوص سنسکرت میں "خ" نہیں ہے ۔ "خ" کی جگہ "ک" استعمال ہوتا ہے اسی بنا پر کیروئے نے شرخون کے ساتھ شرکون بھی لکھا ہے لہٰذا اس وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ آکادی یا بعض دیگر سارو کی یا شارد کی اور یا عربی قاعدہ کے مطابق شرغلی بھی اصلاً سفید ہنوں کی طرح سیتیوں کی ایک شاخ تھی جس کا ایک حصہ پہلی ہجرت میں بین النہرین (قدیم عراق) کی طرف گیا اور پھر اپنے عظیم سربراہ شرخون یا خرشبون کی قیادت کے تحت ایک بڑی سلطنت بنانے میں کامیاب ہوئے ۔ ہو سکتا ہے کہ سرجون یا شرخون کوئی شخصی نام نہ ہو بلکہ اپنے قبیلے یا قوم کے نام سے مشہور ہوا ہو ۔

"آکاد" تو اس باغبان کا نام تھا جو ان کی پرورش کرتا تھا ۔ اور یہ اُن کو "آکی" یا "آکا" پکارتا تھا ۔ ممکن ہے کہ ساروکن (سرجون یا شرخون) سارو کی کی مسخ شدہ شکلیں ہوں اور سارو کی جیسے کہ محقق کہزاد اور دیگر کہتے ہیں کہ "ساکا" ہے بہرحال یہ تمام نام مشابہہ ہیں اور ناموں کے علاوہ یہ بات حقائق سے پردہ اٹھاتی ہیں کہ ایک تو آکادی نژاد کے بارے میں مورخین اور محققین کسی خاص نتیجے کو نہیں پہنچے ہیں اور دوسرے یہ کہ ان کی باقیات شرغلی کے نام سے ہمارے علاقوں ۔ لورالائی ۔ ژوب اور پشین میں موجود ہیں اور (دبیریا تو خونلوئی) یعنی جنات کے ٹیلوں (جوئی) کے نام سے بھی یاد کئے جاتے ہیں ۔ اور اسی کے ساتھ ڈکی کے شرغلی کے پاس کوڈئی کے نام سے ایک جگہ اور ژوب کے شرغلی کودان

کے نام سے بھی پکارا گیا ہے ۔ (گزیٹیئر دیکھیے) کودے کرلانی پشتونوں کی ایک شاخ ہے ۔شجرہ کے مطابق کودے ایک عورت تھی اور ان کے بھائی کا نام ککے تھا اسی طرح کودے زئی سنزرخیل کاکڑوں کے ایک قبیلے کا نام ہے جو لورالائی میں مقیم ہے جیسا کہ پیشتر ذکر کیا گیا کہ کودے یا کودان یا کوڈی (شرغلی) تہذیب و تمدن ہڑپہ اور موہن جو ڈیرو سے بھی قدیم ہے) اس کے علاوہ بلوچستان کی مغربی سرحد ماشخیل اور سوختگان کے قریب ایرانی حدود میں ایک بہت قدیم قبرستان بھی ہے جس میں گنبد کی شکل میں قبریں بنی ہیں ۔ ان میں بڑی لمبی گیلری نما غاریں ہیں قدیم زمانہ کی ایسی تصویریں بھی دیواروں پر بنی ہوئی ہیں جو سندی تہذیب سے مشابہ نہیں ہیں ۔ بیل کے سروں کی تصویریں بھی ہیں ۔ اور بے شمار مُردوں کی ہڈیاں اور کھوپڑیاں بھی ہیں ۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ بین النہرین کی کسی قدیم تہذیب سے تعلق رکھتی ہیں ۔ معلوم نہیں کہ آثار قدیمہ کے ماہرین نے یہ جگہ دیکھی ہے یا نہیں ۔ کوئی تحقیق کی ہے یا نہیں بلوچستان میں قبل از تاریخ کے بہت سے آثار دریافت ہوئے ہیں ۔جن میں کوئٹہ میں گاؤں گل محمد ۔ زیارت کے امندوں گستان کے گاؤں حبیب زئی ۔ سبی کے لونی دیہات کی پہاڑی اور اس طرح کے دیگر مٹی کے ٹیلے جن سے متعلق مختلف قسم کے افسانے بھی تراشے گئے ہیں ۔

بہرحال ان آثار میں سب سے قدیم آثار لورالائی ۔ ژوب ۔ پشین ۔ ماشخیل نال اور کوئٹہ کے آثار ہیں ۔ البتہ یہ آثار کسی خاص زمانے سے تعلق نہیں رکھتے کیونکہ بعض ظروف بالکل سادہ ہیں ۔ جن پر کسی قسم کے نقش و نگار نہیں اور بعض منقوش لیکن ایک دوسرے سے مختلف ۔

الغرض مدعا یہ ہے کہ آکادی بھی زبان ۔ لباس اور بالوں کی بناوٹ کے اعتبار سے سیتی تھے ۔ البتہ قدیم سیتی تھے ۔ جنہوں نے ۲۵۰۰ ق م کے لگ

جھگ دیگر سندو یورپین کے ہمراہ مغرب کی جانب ان دیگر قبائل کے ساتھ ہجرت کی تھی جو قبائلی رواج کے مطابق علیحدہ علیحدہ ناموں سے پکارے جاتے تھے جیسے کہ آج بیسویں صدی میں بھی پکارے جاتے ہیں۔ کلاسیکی مورخین نے اپنی زبانوں اور لہجوں کے مطابق مختلف ادوار میں ان کے نام تبدیل کرکے مسخ کر دیئے دوتانیوں کو لوٹانیوں کے نام سے پکارا۔ بیٹنی کو "بی۔ تی۔ نی" کے نام سے یاد کیا۔ لودی کو لیدی کے نام سے "داوی" کو "داهی" کے نام سے بنڑی کو پرنی یا پرنیاں۔ اچکزئی کو اشکزئی کے نام سے یاد کیا۔ علیٰ هذا القیاس ہر کسی نے اپنی اپنی زبان کے مطابق لکھا جب کہ اسی طرح بعد میں آنے والے مورخین سے اصلیت گم ہو گئی۔ لغات کی پیچیدگیوں میں اب تک پھنسے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اس خطہ میں اب تک قدیم تہذیب و تمدن کے آثار اور زبان۔ لہجے اور لغات قدیم شکل و صورت میں موجود ہیں اور دور سے پکار پکار کر اپنی اصلیت بتا رہے ہیں۔ اب بھی اگر کوئی پانچ ہزار سال قبل کے آریائی اسی وضع و لباس یعنی اسی کشادہ لباس۔ اسی طرح سر منڈانا اور اسی طرح بڑی بڑی پگڑیاں باندھنا۔ بچوں کے سروں پر دیسی مخروطی قسم کی ٹوپیاں ایک نہیں بلکہ ہزارہا کی تعداد میں دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے رسم و رواج۔ دستور۔ عورتوں کا لباس اور ان پر پردے کی سخت پابندی اسی طرح گھر بنانا اور بہر خصوصیت کے ساتھ ایک زبان بولنا۔ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ لوگ بقول آربری، کہ مختلف قبائل کے مجموعے سے عبارت نہیں ہیں۔ اور نہ ہی اس طرح حقیقت کا سراغ لگ سکتا ہے۔ بلکہ یہ لوگ ہر اعتبار سے یعنی نژادی۔ لسانی ثقافتی اور مزاجی اعتبار سے ایک شے اور ایک نسل ہیں۔ جو تاریخ کے طویل دور میں قبائلی شکل میں زندگی بسر کرتے رہے تھے اور ہر

قبیلہ یا تو اپنے دادا کو منسوب تھا، یا اپنے سربراہ کو جیسے "زئی" اور "خیل" سے واضح ہے "زئی" کے معنی بیٹے اور خیل بمعنی لشکر وہ قبائل جو کسی کے طرفدار تھے یا لشکر میں شامل تھے۔ اُسی کے نام سے منسوب ہوتے تھے لیکن بعد کے زمانہ میں پشتونوں نے "خیل" بھی "زئی" کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

بلوچستان میں بعض علاقے اب بھی ایسے ہیں جن کے نام قدیم آریائیوں نے پرانی یادداشتوں کو تازہ رکھنے کے لئے رکھے ہیں۔ مثلاً شمال شام میں ایک شہر کا نام "ہنہ" تھا۔ اور فرات کے شمال میں ایک شہر کا نام "اوروک" تھا جس کا تورات میں "ارک" کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ اور بین النہرین کے تمدن میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ آثار قدیم کی ایک جرمن جماعت نے ڈاکٹر جورڈن کی سرکردگی میں کافی حفریات یہاں دریافت کئے ہیں۔

ان دونوں ناموں سے بلوچستان کے موجودہ دارالحکومت کوئٹہ کے شمال مشرق میں دو چھوٹے تفریحی مقامات اب بھی موسوم اور موجود ہیں۔ جو ایک ہنہ اور دوسرا اس کے ساتھ "اڑک" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس میں پانی کی ایک جھیل ہے انگریزی میں ہنہ لیک کہتے ہیں بھی موجود ہیں۔

ہنہ کوئٹہ شہر سے تقریباً چھ میل پر واقع ہے۔ اور اڑک "ہنہ" سے قریباً آٹھ میل آگے ہے۔ یعنی شہر سے چودہ میل دور ہے۔ یہ دونوں جگہ پہاڑوں کے درمیان واقع ہیں اور اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ شمالی شام سے جو کسی وقت بین النہرین کے زمام داروں کے تسلط میں تھا اور فرات کے شمالی علاقوں سے یہاں لوگ آئے تھے "ہنہ" اور "اڑک" میں کاکڑ قبیلے کی ایک شاخ جو یاسین زئی کے نام سے مشہور ہے مقیم ہے۔ یہ وادی کافی آباد اور کوئٹہ سے نسبتاً سرد ہے اس وادی میں توت۔ سیب۔ زردالو اور انار کے کافی باغات ہیں۔ یہاں گندم

کی کاشت بھی کی جاتی ہے، "آرٹک" میں ٹھنڈے پانی کے بہت چشمے ہیں۔
کوئٹہ کو اس جگہ سے پانی دستیاب ہوتا تھا۔ لیکن اب پانی کم ہوگیا ہے اور
شہر کی آبادی بھی قریباً دو لاکھ تک بڑھ گئی ہے۔

بلوچستان کی قدیم تہذیبوں میں ایسے بہت سے آثار ٹیلوں اور کھنڈرات کی
میں موجود ہیں جو گوتم بدھ اور زرتشت کے دور سے بھی قدیم ہیں۔ مثلاً
کے (منزکی) نام کے گاؤں میں اب بھی دو ایسے کھنڈرات ہیں۔ جن سے کئی
سال قدیم تاریخ پر روشنی پڑتی ہے۔ ان کھنڈرات میں ایک "راسہ" کا
ہے۔ جو پشین بازار سے گیارہ میل کے فاصلہ پر شمال کی جانب واقع ہے، اس کے
میں ایک پتھر کی گائے ایک بچھڑا اور ایک لڑکے کا مجسمہ کچھ عرصہ قبل بھی موجود تھا
جنہیں دیہات کے بچوں نے توڑ کر تتر بتر کردیا۔ اسی طرح

اس کھنڈر سے تقریباً چار فرلانگ کے فاصلے پر ایک قدیم گھر اور قلعہ کے
نشانات بھی موجود ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم زمانہ میں گائے کے
ساتھ لوگ پیار کرتے تھے۔ اسی طرح زیارت (پرانا نام غوشکی) کے
"چوتیرہ" میں بھی قدیم زمانہ کے آثار قلعہ کی شکل میں موجود ہیں۔ لیکن اس
قلعہ کی عمارت اینٹ کی نہیں بلکہ پتھروں سے بنی تھی۔ اس قلعہ میں مختلف
کی چیزوں کے علاوہ ایک بچے کو ایک مرتبہ چوکس طلائی سکہ بھی ملا تھا
جب کہ بعد میں اس کی ماں نے کوئی زیور بنایا تھا۔ لہذا سکے کی اصلیت
معلوم نہ ہو سکی کہ کس زمانے سے متعلق تھا۔ البتہ یہاں کے باشندوں کا
کہنا ہے کہ اس سکے پر مہر لگی ہوئی تھی اور اس پر تحریر بھی تھی۔ لیکن تحریر کی
پہچان نہیں ہوتی تھی۔ غرضیکہ پتھروں سے لے کر طلائی زمانے تک اس
علاقہ میں مسلسل تہذیبیں گذری ہیں۔ چوکس سکے اور مہریں بابل میں دریا

گئے ہیں۔ آثار قدیمہ کے ماہرین کا کہنا ہے کہ ان سکوں اور مہروں پر سومری
رسم الخط میں ایک بادشاہ کا نام تحریر ہے، جس کا نام کو ذر مالوک تھا۔ اور
وہ اسی کے نام سے مشہور تھا۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا کہ فورٹ سنڈیمن (ژوب) کا
علی کوداں کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ اور ڈکی کے مشرغلی کے ساتھ کودی
نام کا ایک گاؤں بھی ہے، علاوہ ازیں پشتونوں کی ایک بڑی شاخ کرلان کا شجرہ
کودے اور گگے سے شروع ہوتا ہے۔ اور کودیزی سنزرخیل کاکڑ کی ایک شاخ
بھی ہے، جو ضلع لورالائی میں سکونت پذیر ہے، چوتیر کے علاقہ میں بھی سادات
اور ترین جو ترنیژ یا دینچی لہجہ میں گفتگو کرتے ہیں۔ اکٹھے رہتے ہیں۔ اور ایک
دوسرے کی زبان جانتے ہیں۔ سادات کا کہنا ہے کہ ترنیژ اصلاً پشتو زبان ہے
البتہ الفاظ اور فقرات مختصر طور سے ادا کرتے ہیں۔ یا یہ کہ الفاظ کی اصوات میں کچھ
فرق ہے۔ مثلاً څوک (کون) کو چوک کہتے ہیں۔ شپہ رات کو شپی کہتے ہیں
راشہ (آجاؤ) کو راخہ۔ نمر (سورج) کو میراو۔ مکی (زمین) کو ځمکہ کہتے ہیں۔
یہاں یہ وضاحت کردیں کہ آفریدی اور اورکزئی بھی نمر (سورج) کو میر کہتے
ہیں۔ ځمکی کو ځمکہ راشہ کو راخہ اور درشہ کہتے ہیں۔ ڈیرہ اسماعیل خان اور
بنوں کے لوگ بھی ځ کی بجائے چ کا زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ یعنی څوک کو چوک
کہتے ہیں۔ جیسا کہ اس سے پیشتر عرض کیا گیا کہ پشتو کافی وسیع زبان ہونے
کے علاوہ کافی لہجے بھی رکھتی ہے، لیکن اساسی اعتبار سے زبان ایک ہے کیونکہ
لہجوں کے تضاد کے علاوہ بھی ایک تو مجموعی اعتبار سے تمام کی زبان پشتو کہلاتی
ہے، اور دوسری بنیادی بات یہ ہے کہ تمام ایک دوسرے کی زبان کو جانتے ہیں۔
یہ کہ اصوات۔ الفاظ۔ محاورے۔ ضرب الامثال۔ قصے اور داستانیں
لوک گیت۔ اور ان کا مزاج اور وہ چیز ہے جو مشترک تہذیب و ثقافت اور مدنیت

کی عکاسی کرتی ہیں کہ نام بھی تمام تین ایک جیسے ہیں۔ اس سے پیشتر کہ ان کی چند مثالیں پیش کی جائیں، بہتر ہوگا کہ پشتو زبان پر ایک عمومی نظر ڈالیں شروع میں عرض کیا جاچکا کہ جس زمانہ میں آریانا میں بقول استرابو کے ایک زبان بولی جاتی تھی تو اس زمانہ میں آریانا کے بڑے بڑے علاقوں یعنی پارتیا ۔ پکتیا ۔ اراکوزیا اور گندھارا میں پشتون رہتے تھے، یعنی سنہ ق م کے لگ بھگ ان زمینوں پر پشتون آباد تھے۔ چونکہ وہ قبائلی نظام کے تحت خانہ بدوشانہ زندگی بسر کرتے تھے اس لئے ہر وقت گردش میں رہتے تھے، اور زندگی کا دارومدار مویشی پالنے پر تھا اس وجہ سے سردیوں میں یہ آریانا کے مشرقی اور جنوبی علاقوں کو کوچ کرتے تھے۔ اور گرمیوں میں واپس شمالی اور مغربی منطقوں کی طرف لوٹ آتے تھے، اور اس طرح ان کا بالائی اور زیریں علاقوں میں ایک دوسرے سے مستقل رابطہ قائم تھا ۔ اسی بنا پر اگرچہ ان کے لہجوں میں تضاد تھا۔ مگر لہجے لہجوں کی حیثیت اور شکل میں باقی رہ گئے ۔ اور علیحدہ علیحدہ زبانوں کی شکل اختیار نہیں کی ہم اس بات کا نتیجہ اس طرح اخذ کر سکتے ہیں۔ کہ آریانا کے ان منطقوں میں سنہ ق م میں جو زبان بولی جاتی تھی اور اب بھی بولی جاتی ہے دراصل ایک ہے البتہ اگر کچھ فرق آیا ہے تو وہ ان نئے ناموں اور الفاظ کی وجہ سے ہے۔ جو مشرق اور مغرب کی مختلف تہذیبوں اور مدنیتوں کے ساتھ مسافروں کی حیثیت سے آکر پھر ہمیشہ کے لئے یہاں رہ گئے وہ مسافر الفاظ اور نام اب بھی پشتو میں واضح طور پر معلوم ہوتے ہیں۔ اور ایک عام پشتون ان کا صحیح تلفظ نہیں کرسکتا ۔ مثلاً ایران کو اریان کہتے ہیں۔ قورمہ کو غورمہ کہا جاتا ہے۔ حالات یا حال کو آلات اور آل کہتے ہیں ۔ عالم کو آلم کہتے ہیں ۔ علم کو الم کہتے ہیں۔ اسی طرح ہندی "کھ" کا تلفظ بھی پشتون صحیح طریقہ سے ادا نہیں کرسکتا۔ کھانے کو کانے کہتے ہیں کدھر کو

کدر ہذا القیاس ایسے دیگر ہندی اور عربی الفاظ ہیں جن کا پشتون اہل زبان کی طرح تلفظ ادا نہیں کرسکتا ۔ کیونکہ ان کے منہ میں ان الفاظ کو صحیح طور پر ادا کرنے کے لئے قدرتی مخرج نہیں البتہ تعلیم یافتہ افراد مصنوعی مخرج بنا لیتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اگر پوری توجہ نہ دیں تو غلطی کر جاتے ہیں ۔ ہم نے ابتداء میں سنسکرت اور اوستا" کے ساتھ پشتو کا کچھ مناقشہ اور تجزیہ کیا تھا اور یہ عرض کیا تھا کہ سنسکرت اور اوستا کی تولد سے پیشتر قدیم آریانا میں جو زبان بولی جاتی تھی وہ پشتو تھی اس لئے کہ صرف و نحو اور لغات کی بہتات کے اعتبار سے پشتو سنسکرت اور فارسی سے زیادہ وسیع زبان ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آج سے پانچ ہزار سال قبل یہ زبان ہندو یورپین زبانوں کی ایک بڑی شاخ تھی ٹوٹانی (دونانی) بی ۔ تی ۔ نی (بیٹنی) لودی بڑیچ ۔ آفریدی ۔ اشکوزی (اچکزئی) کاکڑ اور ترین اسی زبان میں ایک دوسرے سے بات کرتے تھے۔ یہ وہ پشتون تھے۔ جن کو کلاسیکی مورخین نے سیتیوں اسکائیوں اور سقیدھن کے نام سے پکارا ہے۔ ان کی زبانوں میں قدیم لغات اب بھی مشترکہ طور پر موجود ہیں۔ مثلاً نوزائیدہ بچے کو جس کپڑے میں لپیٹتے ہیں اس کو پشتو میں دنٹری کہتے ہیں۔ اور جس رسی سے باندھا جاتا ہے اس کو سیزنی کہا جاتا ہے، آفریدی اور اورکزئی بھی یہی نام استعمال کرتے ہیں۔ بلوچستان کے کاکڑ اور ترین بڑیچ اور غلجی ان کو دنٹری اور سیزنی کہتے ہیں ۔ حالانکہ یہ قبائل ایک دوسرے سے کافی دور رہتے ہیں۔

یہ اب تک تاریخ سے ثابت نہیں ہوا ہے کہ یہ قبیلے بعد کے زمانہ میں اکٹھے رہتے تھے۔ خصوصاً آفریدی یا اورکزئی بڑیچوں کے ساتھ کبھی بھی قریب نہیں رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود قدیم پشتو لغت دونوں قبیلے ایک

طرح استعمال کرتے ہیں - اسی طرح آفریدی اور اورکزئی کے ساتھ ترین بھی قریب نہیں رہے ہیں - مگر قدیم لغات ایک طرح استعمال کرتے ہیں . مثلاً وَنڑی اور سنیزنی کے علاوہ خونئی - بینگ - پیشرئی اس طرح کے روایاتی نام اور لغات ہیں جو قدیم زمانہ سے تمام پشتونوں میں اب تک مستعمل ہیں - اور ان سے جو افعال مربوط ہیں اُن سے قدیم تہذیب و ثقافت کا پتہ معلوم چلتا ہے - مثلاً مذکورہ ناموں کے ساتھ مربوط افعال سے ظاہر ہوتا ہے . کہ کوئی دلھن کسی گاؤں میں بیاہی جاتی تھی تو اس گاؤں کی دیگر عورتیں دلھن کے گھر جاکر مبارکباد دینے کے ساتھ مٹھائی پیش کرتی تھیں - اور اس شیرینی کو پشتو میں (خونئ) کہتے تھے اور کہتے ہیں . اس طرح شادی کے تیسرے دن ساس اور سُسر کے گھر سے دلھن کو کھانا بھیجا جاتا ہے . آج کل یہ کھانا دیگوں میں بھیجا جاتا ہے . لیکن اُس زمانے میں جب ، دیگ نہ تھی تو پشتون مٹی کے بڑے بڑے برتنوں میں گوشت پکاکر چپاتیوں سمیت گاؤں کے دو میراثیوں کے ذریعہ جنہیں (ڈوم) یا (ڈم) کہا جاتا ہے . بھیج دیتے تھے - اور ساتھ ہی دلھن کی ماں اور چند بوڑھی عورتیں بھی دولھا کے گھر چلی جاتی تھیں وہاں دلھن کی ساس یا ان کی غیر موجودگی میں گھر کی دوسری عورت گاؤں کی ایک ایک بڑی بوڑھی کو دعوت دے کر کھانے میں شریک کرتی تھیں اس رسم کو (پیشترئی) کہتے ہیں یہ رسم اب بھی تمام پشتون ادا کرتے ہیں - اسی طرح جس کے گھر لڑکا پیدا ہو تو دیہات کی عورتیں مبارکباد دینے کے ساتھ شیرینی بھی پیش کرتی ہیں . اس فعل اور رسم کو "بینگ" کہا جاتا ہے . یہ تینوں لغات جن کا یہاں ذکر کیا گیا اگر ایک طرف پشتو زبان کی انفرادی خصوصیت پر دلالت کرتے ہیں . تو دوسری طرف ان کی قدامت اور قدیم ثقافت پر بھی روشنی ڈالتے ہیں - حقیقت بھی یہی ہے کہ ایک زبان

کے بولنے والوں کی قدیم تہذیب و ثقافت کا پتہ لگانے میں سب سے آسان ذریعہ اس زبان کے قدیم لغات ہیں - جو مخصوص افعال کے لئے بنے ہیں . مثلاً اگر کسی نے کوزدہ (منگنی) کی لغت نہیں سنی اور سُن لے تو لازماً اس کے معنی اور مفہوم میں اُلجھ جائے گا - اور جب اسے اس کا مفہوم اور مطلب معلوم ہو جاتا ہے - تو خود بخود اس کے ذہن میں ایک خاص رسم کا تصور پیدا ہو جاتا ہے - اور جس قدر لغت پرانا ہوگا اسی مناسبت سے رسم بھی قدیم ہوگی . پشتو زبان میں ایسے بے شمار لغات آپ کو ملیں گے . جو پشتونوں کے رسم و رواج - تہذیب و ثقافت اور تمدنی روایات پر روشنی ڈالتے ہیں . مثلاً کوزدہ (منگنی) اور وادہ (شادی) کے علاوہ جرگہ کانفرنس ، مرکہ (ملاقات یا کسی مقصد کے لئے چند افراد کا کسی کے پاس جانا) (ننواتی) (کسی کے پاس بطور معذرت ، معافی یا پناہ کے لئے رات کے وقت چند معزز افراد جن میں گاؤں یا قبیلے کے بزرگ سادات اور علماء شامل ہوتے ہیں جانا) ایک تنازعے یا جھگڑے کا تصفیہ کرنے کے لئے جب متحارب یا مخالف فریقوں یا یکطرفہ طور پر گاؤں یا قبیلے کے لوگوں کے اجتماع کو جرگہ کہتے ہیں - اگر کسی شخص کی طرف سے کسی دوسرے شخص سے رشتہ مانگنے کے لئے چند افراد چلے جائیں تو اسے بھی مرکہ کہتے ہیں - جب کبھی ناگہانی طور پر قتل کا کوئی واقعہ پیش آتا ہے - تو قاتل کے خاندان یا قبیلے کی طرف سے جو لوگ مقتول کے پاس قتل کا تصفیہ کرنے جاتے ہیں تو ایسی جماعت کو بھی جرگہ کہتے ہیں اور ان کے فعل کو (ننواتی) کہتے ہیں - جھگڑے کا تصفیہ تین طریقوں سے کیا جاتا ہے اولاً یہ کہ مقتول کے ورثا کو بطور عوضانہ دو بالغ لڑکیاں نکاح میں دی جاتی ہیں . اس فعل سے دشمنی دوستی میں بدل جاتی ہے - دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مقتول کا معقول عوضانہ ادا کیا جائے . تیسرا طریقہ یہ ہے

دسوں سے زندہ قاتل کو بخش دیں۔ اور اگر ان میں سے کسی بھی طریقے پر تصفیہ نہیں ہوتا تو پھر دشمنی برقرار رہتی ہے۔ اور زیادہ دیر تک قتل و مقاتلے کی شکل میں رہ جاتی ہے۔ لیکن عموماً تصفیہ ہو ہی جاتا ہے۔

الغرض جرگہ۔ مرکہ اور ننواتی یہ تینوں ایسے اعمال کی علامتیں ہیں جو کہ بہت قدیم مفہوم کے ساتھ اپنی قدامت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور پشتونوں کی ہزارہا سال کی تہذیب و ثقافت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اب آیئے کہ زبان کی بنیاد پر پشتونوں کی تہذیب و ثقافت اور مدنیت کا مختصر سا جائزہ لیں سب سے پہلے پشتو زبان کے مخصوص اصوات یا بالفاظ دیگر حروف تہجی لکھ دیتے ہیں۔ پشتو زبان کے حروف تہجی کی کل تعداد اکتیس ہے۔ جو کہ اس طرح سے ہے۔

اب۔پ۔ت۔ټ۔ج۔چ۔ځ۔څ۔ح۔خ۔د۔ډ۔ر۔ړ
ز۔ژ۔ږ۔س۔ش۔ښ۔غ۔ک۔ګ۔ل۔م۔ن
ڼ۔و۔ه۔ی۔ې۔

ان حروف میں سے سولہ مذکر اور پندرہ مؤنث ہیں۔ مذکر حروف اس طرح سے ہیں۔

ا۔ج۔ځ۔د۔ډ۔س۔ش۔ښ۔غ۔ک۔ګ
ل۔م۔ن۔ڼ۔و

اور مؤنث اس طرح ہے۔

ب۔پ۔ت۔ټ۔چ۔څ۔خ۔ر۔ز۔ژ
ږ۔ړ۔ه۔ی۔ې

بعض کہتے ہیں کہ ې یے اصل میں ایک حرف ہے حرف صوت

میں حالت کے تغیر کے ساتھ اس میں تبدیلی آجاتی ہے۔ جیسے وی۔ اور ویے میں یا جیسے اردو کے آئی اور آئے میں

پشتو کے یہ مندرجہ ذیل آٹھ حروف یا آوازیں فارسی زبان میں نہیں ہیں جیسا کہ :-

ټ۔ځ۔څ۔ډ۔ږ۔ړ۔ښ۔ڼ

پشتو زبان میں عربی کے یہ دس حروف مستعار لیے گئے ہیں اور صرف عربی کلموں میں استعمال ہوتے ہیں جیسا کہ

ث۔ح۔ذ۔ص۔ض۔ط۔ظ۔ع۔ف۔ق

جس کلمہ میں یہ حروف آتے ہیں وہ اصلاً پشتو نہیں ہوتے اور اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو ہم پشتو کی قدیم شفاہی ادب اور بعد کے زمانوں کے ادب کا تجزیہ اور فرق بھی اسی کے ذریعے معلوم کر سکتے ہیں مثلاً لوک گیت ربیلی۔ ٹیکئی۔ اسکئی۔ غاڑی۔ لنڈئی اور دیگر اصناف کے گیت) ہمیں تہذیب و ثقافت کی تحقیق میں بڑی مدد دیتے ہیں۔ خصوصاً ہمیں ان سے تھوڑا بہت زمانے کا پتہ بھی چل جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ذیل کے دو شعروں میں واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اور دوسرے کے زمانوں میں فرق ہوگا پہلا شعر اس طرح سے ہے۔

"ټوټے ټوټے په ویزرا سے
چه پرهار د زړه دی ګنډمہ خلکه زکوم"

ترجمہ :- اے میرے پیارے! تم ٹکڑوں میں لت پت آجاؤ تاکہ میں تیرے زخم سیتی جاؤں اور مجھے لوگ بھی درزن جانیں۔

ان مصرعوں میں ایک لفظ بھی ... اور زبان کا نہیں چنانچہ ہم اسے قدیم ہی کہیں گے۔

اب دوسرا شعر ملاحظہ فرمائیں۔

"پاس پہ کمر ولاڑہ گلہ

نصیب د چا یے اُو بہ زہ درخیژ ومہ"

ترجمہ:۔ (اے) چٹان کے اُوپر کھڑے پھول تم کس نے نصیب ہو، پانی تو میں پلا رہی ہوں۔

چونکہ دوسرے مصرعے میں لفظ نصیب آیا ہے۔ جو کہ پشتو نہیں بلکہ عربی ہے لہٰذا ہم اسے اوّل الذکر شعر کے مقابلے میں کم عمر سمجھتے ہیں۔ اگرچہ یہ ایک قیاس ہی ہو سکتا ہے کہ دونوں شعروں کا زمانہ ایک ہو یا یہ کہ دوسرا پہلے سے عمر میں زیادہ ہو کیونکہ پشتو کے یہ اصناف عموی لحاظ سے عورتوں کو منسوب ہیں اور قدیم پشتو اب بھی عورتوں ہی کے پاس محفوظ ہے۔ اس لئے یہ اندازہ کرنا کہ کونسا شعر کس زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ بڑی مشکل بات ہے اور پھر اس کے ساتھ ہی بے شمار لوک گیت اپنے بولنے والوں کے ساتھ ہی دفن ہو چکے ہیں۔ کیونکہ تحریر نہ ہونے کی وجہ سے محفوظ نہ رہ سکیں اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ نئے نئے گیت بنتے رہے۔ جن میں کچھ تو اب بھی زندہ ہیں اور بہت زیادہ مدفون ہو چکے ہیں لیکن با ایں ہمہ زبان ثقافت تہذیب مدنیت اور تاریخ و تحقیق کے کام میں اب بھی ان سے اہم اور گرانقدر معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ نہ صرف لوک گیتوں سے بلکہ ضرب الامثال پہیلیوں اور قصے کہانیوں میں بھی بہت زیادہ مواد موجود ہے، مثال کے طور پر ثقافت کے ایک پہلو یعنی لباس کے بارے میں یہ ٹپہ ملاحظہ فرمائیں۔

"لاڑشہ پیخور تہ کمیس تور مالہ راوڑہ

تازہ تازہ گلونہ درے شلور مالہ راوڑہ

ترجمہ:۔ جاؤ پشاور کو میرے لئے قمیص سیاہ لائیے!

دو چار تازہ پھول بھی ہمراہ لائیے۔

اس ٹپے میں ایک آفریدی دوشیزہ اپنے محبوب سے کالے قمیض کا تقاضا مانگتی ہے اب دیکھئے ایک دوسرا شعر جس کا تعلق بلوچستان کے کاکڑ قبائل سے ہے، اور جس میں کاکڑ دوشیزہ کہتی ہے،

"زما ٹکریٔ دہ د تور سان

بادبے وھی د خراسان"

ترجمہ:۔ میرا دوپٹہ کالے لٹھے کا ہے جسے خراسان کی ہوا لگتی رہے گی۔ پشتو میں اس صنف کا نام غاڑی ہے اور اس میں بھی کالے دوپٹے کی طرف واضح طور پر اشارہ موجود ہے، ان دونوں شعروں سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ پشتون عورتوں میں قدیم زمانے سے کالا لباس زیادہ پسندیدہ اور مروج رہا ہے چاہے وہ مشرق میں رہتی ہیں یا مغرب میں مگر لباس ان کا مشترک ثقافت کی عکاسی کرتا ہے۔ اگرچہ بعض علاقوں خصوصاً آرا کوزیا اور پکتیا میں عورتیں سرخ لباس بھی استعمال کرتی ہیں۔ اور سبز لباس کو بھی پسند کرتی ہیں۔ لیکن کالے لباس کو عومیت حاصل ہے۔ اور ایک قومی لباس کی حیثیت رکھتا ہے،

جیسا کہ ہر انسان قدرت کی رنگینیوں سے مسرت اور روحانی سرور حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح پشتون بھی مختلف رنگوں کو نفسیاتی طور پر پسند کرتا ہے، اور ان پر اپنی زبان میں مختلف نام رکھے ہیں جو کہ عبارتوں اور شعر و سخن میں بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً صفت و کیفیت ظاہر کرنے کے لئے محاورات میں مختلف اشکال اس طرح پشتو میں آتے ہیں۔

بطور استعارہ و تشبیہ رنگوں کا استعمال

سپین ۔ سفید رنگ :۔

پہ سپینہ ورځ	۔ دن دہاڑے
پہ سپین میدان	۔ کھلے میدان میں
سپینہ خبرہ	۔ صاف بات
سپینی سترگی	۔ بے حیا آنکھیں
سپین کتاب	۔ واضح کتاب
سپین زړہ	۔ صاف دل

لال ۔ سرخ رنگ :۔

سرہ غرمہ	۔ گرم دوپہر
سرہ مځکہ	۔ گرم زمین (مځکہ سرہ دہ نہ بانډی پشپړ دہ) پریشانی یا بُرے دن کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔
سرہ ورځ	۔ جنگ و جدال کا دن
سرہ لګری	۔ سرخ سر (جنگ و جھگڑے میں جو سر ٹوٹ گیا ہو ۔)
سرہ خُلہ	۔ سُرخ منہ (نابالغ کیلئے استعمال ہوتا ہے) سرہ خُلہ ھلک دے یعنی ابھی تو چھوٹا لڑکا ہے ۔
سرے سترگی	۔ سُرخ آنکھیں (رونے والی آنکھیں)
سُور سترگے	۔ سرخ آنکھوں والا (بہادر ۔ غیور)
سرے چغی	۔ سُرخ چلاہٹ (راہ دبکا ۔ کہرام) زور زور سے چلانا ۔

سرہ زر ۔ سونا (طِلا)

شین ۔ نیلا رنگ :۔

شین	۔ اُگا ہوا (کوئی بھی بوٹی یا فصل)
شین سحار	۔ صبح سویرے
شین زړہ	۔ غم زدہ دل
شین کفر	۔ شدید کفر ۔ سخت کافری
شین خر	۔ سخت جاہل
شین غم	۔ غم و الم
پہ کاشنہ کول	۔ دشمنی کا بیج بونا
شین خال	نیلا خال
شینکی آسمان	۔ نیلا آسمان
لہ خندا شین شو	۔ (بہت ہنسنا ۔)

زرغون ۔ سبز رنگ :۔

یہ رنگ نیک شگون اور نیک بختی کے مفہوم میں زیادہ استعمال ہوتا ہے ۔

زرغونہ ملن	۔ نیک بخت دُلہن
زرغونہ سے	۔ خدا تیرا اقبال بلند کرے (مفعول مؤنث کے لئے)
بخت یے زرغون دے	۔ اس کا اقبال بلند ہے ۔

زیړ ۔ زرد رنگ :۔

زیڑیا زڑ ما ځیګر - پیلا عصر (سہ پہر جب سورج غروب ہونے سے کچھ دیر گویا آدھ گھنٹہ پہلے کا وقت)

زیړې سترګې - نادم آنکھیں

زیړ مخ - چہرے کا بیماری یا پریشانی سے پیلا پڑ جانا۔

ژړو - گندمی رنگ محبوبہ

خړ - خاکی رنگ :-

خړې وریځې - گردآلود بادل یا زور دار بادل

خړې سترګې - بوری آنکھیں ۔ نادم آنکھیں ۔

خړې کړل - شرمندہ کردیا

اوبه خړول - لفظی معنی پانی گدلہ کرنا (اصطلاحی معنی معاملہ خراب کرنا)

تور - کالا رنگ :- (رواد مجبوں کے ساتھ)

توره شپه - سیاہ رات

تور ماښام - مغرب اور عشاء کا درمیانہ وقت

تور شو - سیاہ کار ہوگیا۔

تور زړه - کالا دل

تور لګول - الزام لگانا

تور بخت - سیاہ بخت

لاس مې تور سپي شلولی دی - میرا ہاتھ کالے کتے نے چاٹا ہے۔ (یعنی جس کے ساتھ بھی نیکی کرتا ہوں بے فائدہ اور بے ثمر ہوتا ہے)

توره شپه بانډې موږ ډیدلی ده - اُس پر سیاہ رات چھائی ہے یعنی مصیبت میں ہے۔

سترګې مې توریږي - کسی گہرائی جگہ کو اُوپر سے دیکھنے والے کی آنکھوں پر سیاہی کا آجانا یا چکر کی کیفیت طاری ہونا۔

آس وتوریدی - گھوڑا بدھک گیا۔

زړه مې ځنې تور شو - میرا دل اُس سے کالا ہوگیا یعنی بیزار ہوگیا۔

پشتو زبان میں مختلف رنگ ناموں میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً شین گل۔ سور گل سپین گل۔ تور گل۔ یا زرګل (زر گل) تور خان۔ زرغون خان وغیرہ

الغرض پشتو زبان میں مختلف رنگوں کا استعمال ظاہری اور معنوی اصطلاحات میں بطور استعارات اور تشبیہات کی بھی بے شمار مثالیں موجود ہیں ۔ جن میں چند کا ذکر کیا گیا ۔ اس کے علاوہ بعض کلموں میں جانور حشرات الارض پرندے جھاڑیاں اور درخت بھی استعارات، اور تشبیہات اور ناموں کے طور پر یہ استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے کہ شیر ۔ کتا ۔ بھیڑیا ۔ گیدڑ ۔ گدھا ۔ اونٹ ۔ بیل ۔ سانپ ۔ بچھو ۔ کیڑا ډیمبو ۔ باز ۔ کبوتر ۔ ہرن بزغ ۔ چڑیا ۔ بادام ۔ انار ۔ چنار اور اسی طرح دیگر زمری (شیر) بہادر اور دلیر کے لئے ۔

سپیٔ (کتا) بے غیرت اور بے مروت کے لئے۔
بیوہ (بھیڑیا) خونخوار اور داڑھ مار کے لئے۔
گیدڑ (گیدڑ) بزدل اور ڈرپوک کے لئے۔
خر (گدھا) بے وقوف کے لئے۔
اُوښ - اونٹ (کینہ ور - ضدی کے لئے۔
غوئ (بیل) جاہل کے لئے اور گدھے کے مقابل میں نرم
مار اُو لړم (سانپ اور بچھو) بد فطرت، بے وفا اور نقصان دہ کے لئے۔
چینجی (کیڑا) ہر کام میں مداخلت کرنے والے کے لئے۔
غالبوزہ (ڈیمبو) (بھِڑ) اچھا نہ چھوڑنے والا)
باز (شکرہ) چونکہ شیر کی طرح بہادر ہے اس لئے پشتون اس نام کا استعمال اپنے ناموں میں کرتے ہیں۔ جیسے کہ باز محمد۔ باز خان۔
کبوتر - ہرن - بطخ اور چڑیا عورتوں کے ناموں میں استعمال ہوتے ہیں۔
بادام - نام کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہ سپین بادام (سفید بادام) (بادامی سترگی) بادامی آنکھیں۔

اسی طرح انار گل اور اناری شونڈی (سرخ لب) چنار خان اور چنار کا درخت - اچھی زرد قامت والے کے لئے۔

پشتو صرف ونحو یا گرامر کے لحاظ سے کافی وسیع زبان ہے۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ سنسکرت اور فارسی سے بہت پرانی اور قدیم زبان ہے، اور وہ زبان ہے جس کا استرابو ذکر کرتے ہیں۔ کہ بڑے آریانا میں ایک زبان بولی جاتی تھی مثلاً پشتو میں ایک فعل کے لئے مختلف الفاظ استعمال ہوتے ہیں اور ہر لفظ اپنے لئے خاندان اور گردان رکھتا ہے۔

لیدل - کتل - کسل (دیکھنا)
لیدل کی گردان مذکر واحد کے لئے۔

ودی لیدۀ - وی لیدۀ - دے لیدم - لیدلی ی دی
تم نے دیکھ لیا؟ میں نے اُسے دیکھا! اس نے مجھے دیکھا۔ میں نے اُسے دیکھا ہے۔
لیدلی می دۀ - لیدلی ئے یم - مالیدۀ - دہ لیدم - ما دلیدۀ
میں نے اسے دیکھا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا ہے۔ میں دیکھ رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے دیکھا
دہ دلیدۀ - تا دلیدم - حقہ دلیدم - لیدم ئے - لیدۀ ی می -
اس نے اسے دیکھا۔ تم نے مجھے دیکھا۔ اس نے مجھے دیکھا۔ وہ مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں اُسے دیکھ رہا تھا

لیدۀ ئے - لیدۀ دی
وہ اُسے دیکھ رہا تھا - تم اُسے دیکھ رہے تھے۔
مذکر جمع کے لئے

ودی لیدل - دۀ لیدل - دے لیدل - مالیدل - تا لیدل
تم نے انہیں دیکھا - میں نے انہیں دیکھا۔ اس نے انہیں دیکھا۔ میں دیکھ رہا تھا۔ تم دیکھ رہے تھے
حقہ لیدل - دوی لیدل - موز لیدل - دی دلیدل - موز دلیدل
وہ دیکھ رہے تھے - یہ - وہ دیکھ رہے تھے۔ ہم دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے انہیں دیکھ لیا۔ ہم نے دیکھ لیا
تاسی دلیدل - دے لیدو - ومو لیدو - ودی لیدو -
تم نے دیکھ لیا۔ ہیں دیکھ لیا۔ انہیں دیکھ لیا؟ ہم نے دیکھ لیا۔ تم نے دیکھ لیا ؟

کتل (مصدر)

ظاہری اعتبار سے کتل اور لیدل کا مفہوم ایک معلوم ہوتا ہے لیکن نحوی اعتبار سے معنی اور مفہوم میں فرق ہے۔ مثلاً لیدل محض کسی چیز کے نظر آنے کا عمل ہے۔

اور کتل اس چیز کو بنظر غائر دیکھنے یا بالفاظ دیگر تلاش کرنے کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ جیسا ودی لیدیا۔ ودی لیدی سوالیہ کلمہ ہے۔ یعنی کیا تم نے دیکھ لیا۔ لیکن اس کے مقابل میں ودی کوت یا ودی کتی کا مفہوم یہ ہوتا ہے۔ کہ کیا تم نے اس کا معائنہ کیا۔ یا تلاش کیا۔ یا یہ کہ "ورتہ کتل ہی" یعنی میں اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔ یہاں پر کوئی بھی پشتون "ورتہ لیدل ہی" نہیں بولے گا۔ اس فعل کا جو کہ خود مصدر بھی ہے کی گردان اس طرح سے ہے۔

مذکر واحد کے لئے واؤ مجہول کے ساتھ۔

ودی کوت - دی کوت - دے کوت - ما کوت -

تم نے دیکھا - میں نے دیکھا - اس نے دیکھا - میں دیکھ رہا تھا۔

تاکوت - دہ کوت - ھغہ کوت

تم دیکھ رہے تھے - یہ دیکھ رہا تھا - وہ دیکھ رہا تھا۔

بعض لوگ واؤ حذف کر دیتے ہیں - ملکیت کے ساتھ مربوط کر دیتے ہیں جیسے -

ودی کتی - دی کتی - وے کتی - ماکتی - تا کتی -

تم نے دیکھا - میں نے دیکھا - اس نے دیکھا - میں دیکھ رہا تھا - تم دیکھ رہے تھے

دہ کتی - ھغہ کتی

- دیکھ رہا تھا، وہ دیکھ رہا تھا۔

مفرد سے جمع بنانے کے لئے پشتو میں "ل" آخر میں لگایا جاتا ہے۔ جیسے کہ

ماکتل - ماوکتل - تاوکتل - دہ وکتل - ھغہ وکتل - ودی وکتل

میں انہیں دیکھ رہا تھا - میں نے انہیں دیکھا - تم نے انہیں دیکھا؟ اس نے انہیں دیکھا - اس نے انہیں دیکھا - انہیں اس نے انہیں دیکھا

یعنی وہ اشیاء جو ایک سے زیادہ ہوں لیکن جب ایک شخص دوسرے شخص کو

دیکھتا ہو تو پھر ان کلموں کا مفہوم اشیاء کا معائنہ یا دیکھنا نہیں ہوتا۔ بلکہ (کتل) مفرد اور جمع دونوں کے لئے حالت فاعلی اور مفعولی دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور مفہوم محض دیکھنا ہوتا ہے۔ جیسے تاسی وکتل - موږ وکتل - ھغوی کتل - ودے کتل

کسل مصدر اور فعل

کسل کے معنی بھی دیکھنے کے ہیں۔ اور گردان اس طرح ہے۔

وکسہ - دکسی - کسی می - دے کسہ - کسہ مے

یہاں یہ وضاحت کر دیں کہ یہ الفاظ

دگورہ - دگوری - گوری ی - وے گورہ کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ "تیرا" کے لوگ جیسے "آفریدی" اور اورکزئی - اکوڑہ کے خٹک بولتے ہیں۔ بلوچستان میں ہرنائی کے ترین - جو دیتی لہجہ میں بات کرتے ہیں۔ یہی الفاظ استعمال کرتے ہیں - جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ لڑکے کے لئے "میر" کا لفظ یا نام بھی ان میں مشترک ہے۔

پشتو میں لیدلو - کتلو اور کسلو کے علاوہ دو طریقے اور بھی ہیں جو ان سے بالکل مختلف ہیں۔ جن کے مصادر نہیں ہیں۔ جیسے -

گورہ - گورم - گوری - گورے یا جیسے -

دیخم - دیخے - دیخی - دیخو -

ان تمام کا تعلق نظر سے ہے چونکہ اس فعل کا تعلق آنکھوں سے ہے اور آنکھوں کے بھی تین نام ہیں جیسے کہ

سترگی - لیمہ - کشی۔

اگرچہ پشتو میں کافی لمبے ہیں۔ اور بعض قبائل ہزار ہا سال سے ایک دوسرے

سے بہت دُور دُور قیام رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ تمام نام۔ افعال اور گردانیں ان میں مشترک ہیں۔ صرف یہ نہیں کہ چھوٹے بڑے اور مرد و زن ان کو سمجھتے ہیں۔ بلکہ روزمرہ کے استعمال میں بھی آتے ہیں۔ یہ تو پشتو کے خدوخال کی ایک معمولی جھلک تھی۔ جس کا ہم نے ایک پہلو سے جائزہ لیا۔ اگر اس چہرے یا خدوخال سے ایکدم پردہ اٹھ جائیں تو ہم طرح طرح کے لغات رنگا رنگ محاورات، مختلف قسم کے ضرب الامثال۔ داستانوں۔ پیارے اور دلکش گیتوں کے ایک ایسے رنگین اور دلکش شہر میں داخل ہو جائیں گے جہاں بھیڑ بھاڑ میں صرف دیکھو ایک دوسرے سے گم ہو جائیں گے۔ دیگر تمام کا ذکر کرنے کی بجائے ہم صرف لفظ "می" کا جو کہ ضمیر کی علامت ہے ذکر کرتے ہیں۔ جو کہ ہندو آرین زبانوں میں ضمیر کے لئے بہت استعمال ہوتا ہے۔ اور جسے ماہرین لسانیات سنسکرت کا قدیم لفظ قرار دیتے ہیں۔ چونکہ ہم پشتو کے مقابل میں سنسکرت کو کم عمر سمجھتے ہیں اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ یہ علامت پشتو کی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ہر زبان سے پشتو میں اس کی ترکیبیں اور گردان زیادہ ہیں۔ مثلاً واحد متکلم

وې وئیل ۔ ومې لیدل ۔ ومې خوړل ۔ وې خندل ۔ ومې ژړل ۔

میں نے کہا ۔ میں نے دیکھا ۔ میں نے کھایا ۔ میں ہنسا ۔ میں رویا ۔

جمع متکلم و مخاطب دونوں کے لئے حالت کے مطابق

ومُو وئیل ۔ ومُو لیدل ۔ ومُو خوړل ۔ ومو خندل ۔ ومو ژړل

ہم تم نے کہا ۔ ہم تم نے دیکھا ۔ ہم تم نے کھایا ہم، تم ہنسے ہم تم روئے

اگر اپنے لئے ہو تو فعل حال ہے، ورنہ دوسری صورت میں استفہام ہے یعنی سوالیہ جملے ہیں۔

سنسکرت میں واحد متکلم کی علامت "می" ہے۔ جبکہ انگریزی میں بھی ME ہے۔ لیکن پشتو میں اس علامت کا گھرانہ بہت وسیع ہے، جس کا ہر رکن اپنا اپنا مفہوم ادا کرتا ہے، مثلاً صرف (م) بڑا کام سرانجام دیتا ہے۔ اور صرف ایک حرف کے تعاون سے ضمیر کے فعل کو اچھی طرح واضح کرتا ہے۔ جیسے

ځم ۔ خورم ۔ څښم ۔ اغوندم ۔ وړم ۔ ښیم ۔

جاتا ہوں ۔ کھاتا ہوں ۔ پیتا ہوں ۔ پہنتا ہوں ۔ لے جاتا ہوں ۔ بھگاتا ہوں

تړم ۔ لرم ۔ وینم

باندھتا ہوں ۔ رکھتا ہوں ۔ دیکھتا ہوں ۔

یعنی جب کبھی ایک جملہ یا کلمہ م پر تمام ہو، تو وہ متکلم کا فعل حال ہے۔ اور جب کبھی م کے بعد الف لگ جاتا ہے۔ اور اس سے "ما" بن جائے پہلے یہ وضاحت کر دیں کہ پشتو میں (ما۔ تا) دو ضمیر متعدی ماضی میں فاعل کی حیثیت سے اور حال مستقبل اور امر میں مفعول کی حیثیت سے آتے ہیں۔ جیسے کہ ما ډوډۍ وخوړه (میں نے روٹی کھائی) فاعلی حالت رکھتا ہے۔ اسی طرح "تا او به څښلے (تم پانی پی رہے تھے) مفعولی اور "خان تا وینی (خان تم کو دیکھ رہا ہے) مفعولی حالت رکھتا ہے۔ "ما" کا ترجمہ جب اردو میں کرتے ہیں تو "میں" کے بعد "نے" لگاتے ہیں۔ یعنی (میں نے) م کے بعد جب "ی" (معروف) لگ جاتی ہیں۔ تو واحد متکلم صیغہ بن جاتا ہے۔ درحقیقت مفہوم اور معنی کے اعتبار سے "ما" اور "می" میں کوئی فرق نہیں مثلاً ما ډوډۍ وخوړه ۔ ډوډۍ می خوړه یا یہ کہ ما ولیدہ ۔ ومی لیدہ ۔ مفہوم اور معنی کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں رکھتا البتہ "ما" میں "می" کے مقابلے میں قدرے تاکید یا یقینی کیفیت زیادہ ہے اور جملے کی ترکیب میں "می" زیادہ آسانی پیدا کرتا ہے۔

"م" کے ساتھ اگر واؤ معروف لگائیں یعنی "مُو" بنائیں تو اس سے جمع متکلمین اور مخاطبین کا صیغہ بن جائے گا۔ مثلاً دہ وہ ڈیٔ مُوڈوڈی خوڑہ (ہم نے روٹی کھائی) یہ معنی بھی دیتا ہے کہ ہم نے روٹی کھائی اور یہ معنی بھی دیتا ہے کہ آیا تم نے روٹی کھائی؟ مفہوم کا دارومدار حالت پر ہوتا ہے، اگر ہم اور تم کو شروع میں لگایا جائے تو اس سے بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ اشارہ کس طرف کو ہے، اسی طرح اگر "مُو" کے بعد "ڑ" لگایا جائے تو اس سے جمع متکلم کا صیغہ بن جاتا ہے۔ جیسے اردو کا (ہم) اور اگر "موڑ" اور "ما" سے پہلے "ز" لگایا جائے تو اس سے "زما" اور "زموڑ" اضافی ضمیریں بن جاتی ہیں۔ اور جملے میں اس طرح استعمال ہوگا۔ زما کور پہ کوئٹہ کښې دی (میرا گھر کوئٹہ میں ہے) زموڑ علاقہ بلوچستان نومیږی (ہمارے علاقے کا نام بلوچستان ہے)

الغرض م۔ ما۔ مُو۔ مي۔ موڑ۔ زموڑ جن میں سب سے اہم رکن "م" ہے۔ ہند آرین کی تمام زبانوں سے پشتو میں زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ علم اللسان کے قاعدے اور اصول کے مطابق کہہ سکتے ہیں کہ یہ علامت پہلا پشتو زبان کا ہے، اور پشتون جس معنی و مفہوم اور ترکیب میں استعمال کرتے تھے یا اب بھی اُسی طرح استعمال میں لاتے ہیں۔ تو اس سے کچھ ارکان دوسری زبانوں کو چلے گئے یا لئے گئے اس کی دلیل یا ثبوت یہ ہے، کہ دوسری زبانوں میں اس ترتیب اور اس قدر زیادہ مکمل طور پر استعمال نہیں ہوتے، یہ ہو بہو ایسا معاملہ ہے۔

لہ اردو کے "مجھ" اور پشتو کے موڑ (موڑ) دونوں متکلم کے صیغے ہیں فرق صرف جمع اور مفرد (یں - ھم) کا ہے۔

جیا کرا کے بعض لغات تو ہم نے لئے ہیں۔ لیکن ان کے خاندان کے ... ہمارے پاس نہیں ہیں۔ "د" پشتو میں ایک اشاری علامت ہے، اور "م" کی طرح زیادہ مستعمل ہے۔ البتہ بعض لہجوں میں زوَر اور بعض میں زیر کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً تمام غلجی۔ خٹک اور بنوں کے لوگ اس وقت جب جملے کی ابتدا میں آتا ہے، زیر سے ادا کرتے ہیں۔ جیسے کہ دِما۔ دِتا (یعنی زما۔ ستا) (میرا۔ تیرا) اور مغربی پشتون جیسے کاکڑ۔ ترین۔ اچکزئی اور دیگر زوَر سے ادا کرتے ہیں۔ جیسے دَچا۔ دَھغہ (کس کا۔ اس کا) یہاں یہ بھی عرض کر دیں جو لوگ اشاری ضمیروں میں دِما۔ دِتا کہتے ہیں وہ "د" کی جگہ "الف" کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ جیسے اَما۔ اَتا (میرا۔ تیرا) اور جب جمع کا صیغہ بنانا ہو تو پھر اموڑ۔ اتاسی (ہمارا۔ تمہارا) استعمال کرتے ہیں۔ لیکن یہ صرف متکلم کے علامات ہیں۔ تمام موارد میں "د" الف میں تبدیل نہیں ہوتا۔ ذیل میں "د" کے استعمال کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

دَہ۔ (مذکر) حاضر اور قریب غائب دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہ اردو میں (اِس۔ اُس) مونث کے لئے (دے) جمع کے لئے (دوی) حاضر مذکر کے لئے (دی) مونث حاضر کے لئے (دا) (دا۔ دے) جاندار اور بے جان دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، جیسے کہ دا ډیر مال دی (یہ بہت مال ہے) دے مال ہیڅ نہ کړہ (اس مال نے کمائی نہیں کی) اردو اور فارسی میں (دا) اور (دے) دونوں کا ترجمہ (یہ۔ این) ہوتا ہے۔ پشتو کے اشارہ ضمیریں ہیں جو حاضر واحد اور جمع کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ چند دیگر صیغے بھی ہیں۔ جیسے کہ دغہ۔ دغو۔ دغې۔

واحد۔ "دغہ" یعنی یہ حاضر چیز یا شخص

جمع - دغو - حاضر اشخاص یا اشیاء کے لئے

واحد - "دغی" اس عورت یا ہر مونث حاضر کے لئے

"د" جملوں میں فاعلی اور مفعولی حالتیں -

متعدی ضمیریں - دہ راتہ وُویل - دہ نرمی وویل - راتہ دیگل شے دی - ورتہ دیتلی می دی - راکری ئے دی - درکری می دی - راکری د دی ورکړلو دی -

ترجمہ:- اُس نے مجھ سے کہا - میں نے اُس سے کہا - مجھ سے کہا ہے - میں نے اُس سے کہا ہے - مجھ کو دیئے ہیں - میں نے اس کو دیئے ہیں - تم نے مجھے دیئے ہیں - تم نے اس کو دیئے ہیں -

جب "د" جمع کی ابتداء میں آتا ہے - تو مضاف کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور جب جملے کے درمیان آتا ہے تو اشاری ضمیر بنتا ہے - جیسے کہ اردو میں کا - کے - کی -

چونکہ ہمارا موضوع یہاں پر پشتو صرف نحو کے بیان سے نہیں ہے لہذا اس بنا پر چاہتے ہیں کہ مختصراً چند مثالیں پیش کریں - اور دوبارہ اپنے اصل موضوع کی طرف لوٹ آئیں -

مذکورہ بیان میں لیدل - کتل اور کسل کے مصادر میں "لیدل" جو دیکھنے کے فعل سے تعلق رکھتا ہے - جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا کہ پشتو کا "ل" فارسی میں "د" میں تبدیل ہوتا ہے - یعنی لیدل - دیدن بن جاتا ہے - لیکن فارسی میں کتل اور کسل کا متبادل نہیں ہے - تمام پشتون اچھی طرح جانتے ہیں کہ کسی کیسے کہتے ہیں - اکوڑے کے ننگ - نیراہ کے آفریدی اور اورک زئی بلوچستان کے کاکڑ اور ترین جو ایک دوسرے سے بہت دور رہتے ہوئے بھی

لفظ ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں - پشتو زبان میں الف - و - ہ - ے - ی کا استعمال از حد زیادہ ہے - افعال اور ضمائر ان میں باآسانی بنتے ہیں - مثلاً

راځہ - راشے - راځئ - راځم - راځو -

راسہ - راسے - راسی - راسئ - راسو -

درځہ - درشے - درځئ - درځم - درځو -

درسہ - درسے - درسی - درسئ - درسو -

ان الفاظ میں اشاری ضمیروں کے علاوہ فاعلی اور مفعولی حالتیں بھی موجود ہیں - اسی طرح یم - ے - یو - دئ - یئ - یاست - داست - دہ - دے - وی - بہت ہی معمولی تغیر کے ساتھ اس سے ضمیر متکلم اور ضمیر مخاطب بھی بن جاتے ہیں - اور جمع مفرد بھی اس میں واضح ہوتے ہیں - اسی طرح واضح اور مبہم فاعلی اور مفعولی ضمیریں بھی اس میں باآسانی بنتا ہیں - جیسے

وایم - وائی - وائے - ویل ئے - ویل دی - ویل می -

بعض لہجوں میں "و" "ی" میں تبدیل ہو جاتا ہے - جیسے یایم - یائی یائے - یالو - لیکن جب "ل" لفظ میں آ جاتا ہے - تو پھر واؤ نہیں بدلتا - یعنی ویل کو یئل نہیں کہا جاتا - البتہ وایم اور یایم وغیرہ کو تمام پشتون سمجھتے ہیں - اس لئے کہ مشرق سے مغرب تک تمام قبائل میں "ی" اور "و" دونوں استعمال ہوتے ہیں - یہاں تک کہ ایک قبیلہ میں دونوں طریقے بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے "زہ" اور "اہا" جس کا بیشتر ذکر کیا گیا -

پشتو میں مصادر آخر میں "ل" لگانے سے بنتا ہے - جیسے خوځیدل - بہیدل - شوئیدل اور حاصل مصدر آخر میں "ل" کے بجائے "ہ" لگانے سے بنتا ہے - جیسے خوځیدہ - بہیدہ - شوئیدہ

میں "برائیٔ" کہتے ہیں۔ بولنے میں "د" اور "ب" مبادلہ رکھتا ہے جیسے ڈیرہ اور بیرہ میں دیکھا جاتا ہے۔ البتہ یونانی وراوی میں "د" کا اضافہ ہُوا ہے۔ جو لہجے کا نتیجہ ہے۔

یونانی زبان میں بارش کو (ورشی) کہا جاتا ہے قبائلی پشتون اُوورشت کہتے ہیں۔ یونانی زبان میں بیٹھے کو (کاچی) کہتے ہیں۔ ونچی اور بنوچی میں چینہ کہتے ہیں۔ اگر ک کو چ سے ملا دیا جائے تو کچینہ بن جاتا ہے۔ جو بلوچستان کی پشتو میں کشینہ ہے۔ اور جو کاچی سے کافی مشابہت رکھتا ہے۔ یونانی زبان میں دن کو "میرہ" کہتے ہیں۔ آفریدی۔ اورک زئی۔ اور ونچی لہجوں میں سورج کو میرہ کہا جاتا ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے کہ سنسکرت میں پشتو کی لغات کافی زیادہ ہیں۔ اسی طرح پنجابی۔ سندھی اور اُردو جو انہی زبانوں سے بنی مخلوط زبان ہے۔ میں بھی کافی الفاظ داخل ہو کر مسخ ہو چکے ہیں یا انہوں نے لپنے مخارج کے سانچے میں ڈھالے ہیں۔ مثلاً

پشتو	پنجابی	سندھی	اردو
کوم	کیہڑا	کیرو	کون
تاسی	تسی	توکے	تم (تو)
دیما (زما)	ساڈا (یعنی زمادا)	سوہنجو	میرا
دِتا (ستا)	تواڈا	توہنجو	تیرا یا (تمہارا)
ھسی	ایسی	ایئڑو	ایسا
منل	منّنا	منڑ	ماننا
ځه	جا (جاؤ)	ونجو	جاؤ

پشتو	پنجابی	سندھی	اردو
منځل	مانجنا	مانجنڑ	مانجھنا
پردیٔ	پرایا	اوپرو	پرایا
ځای	جگہ	جای	جگہ
شوکہ	شوکہ	شوکہ	آئینہ
څټل	چاٹنا	چٹنڑ	چاٹنا

بلوچی اور براہوی میں بھی پشتو کے اثرات دیکھے جاتے ہیں۔ مثلاً

پشتو	بلوچی	بروھی
څه کوے	چے کنئے	انت کیسہ

ان تینوں میں حالت مفعولی "ک" نے بنائی ہے یعنی فعل بنانے میں "ک" مشترک ہے اسی طرح

څنګه ۔ پوشتین

جنځ ۔ جنگ

نغان ۔ نغن (مکئی کی روٹی)

یہاں یہ وضاحت کر دیں کہ پشتو میں نغریٔ روٹی پکانے کی جگہ کو اور نغرل کھانا کھانے کو کہتے ہیں۔

بلوچی زبان پشتو اور فارسی کے بہت قریب ہے، البتہ بروھی علیحدہ زبان ہے اور بلوچستان میں آرین کی آمد سے بہت پیشتر بولی جاتی تھی محققین اس زبان کا ناطہ دراوڑی زبان سے جوڑتے ہیں۔

بہر حال جیسا کہ اس سے پیشتر ذکر کیا گیا کہ قدیم پشتو کے کافی لغات رُوسی۔ جرمنی۔ انگریزی۔ یونانی۔ فارسی۔ سنسکرت۔ سندھی۔ بلوچی۔ بروھی اور

لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور "زہ" کا صیغہ ماضی اور مستقبل کے لئے اور "می" "ضمیر" "م" یا جیسے کہ اردو کا "ہوں" علامت ہے مثلاً

زے بازار تہ درمی یعنی زہ بازار تہ ځم (میں بازار جاتا ہوں) اسی طرح ترینو (دیمی) میں س۔ ځ۔ ښ کا مبادلہ عام ہے۔ اور ترکیب استعمال حاضر طور پر اس طرح ہے جیسے کہ ایک شخص غلط پشتو بولے مثلاً

ترینو		پشتو
(۱) ماکورتہ راسے۔ یعنی		زما کورتہ راځې؟ میرے گھر آؤ گے؟
۲۔ داکور ماغہ دہ یہ گھر میرا ہے۔	-	داکور زما دہ (دی اور دہ دونوں جائز ہیں)
۳۔ ای مُوز کوردہ یہ ہمارا گھر ہے۔	-	دا زموږ کور دی
۴۔ ای موزغہ دی یہ ہمارے ہیں	-	دا زموږ دی
۵۔ مُوز دسے درُومو ہم جاتے ہیں۔	-	مُوږ ځو یا موږ درُومو

دیمی کے پہلے اور دوسرے فقرہ میں (ما) سے (ز) حذف ہوا ہے۔ تیسرے فقرہ میں (دا) کی جگہ (ای) استعمال ہوا ہے۔ جو کہ پشتو میں مستعمل ہے۔ چوتھے فقرہ میں (مُوزغہ) آیا ہے۔ اس میں بھی (ز) حذف ہوا ہے۔ (غہ) پشتو میں اشاری ضمیروں کی علامت جیسے۔ آ۔ غہ (اغہ) دُ۔ غہ (دغہ) ستاغہ۔ زماغہ اُردو میں اس کا مطلب۔ یہ۔ اس۔ اُس۔ ادا کرتا ہے۔ جیسے میرا۔ تیرا۔ اِس کا اُس کا وغیرہ ترینو میں کبھی کبھار (خ) میں بھی بدلتا ہے۔ مثلاً (دغہ) کی بجائے

پنجابی زبانوں میں اب بھی زندہ ہیں۔ اور کچھ تغیر کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ پشتو میں ایک خاص لہجہ دیمی یا ترینو ہے۔ یہ لہجہ سبی کے تحصیل ہرنائی میں سین ترین جو پشتونوں کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔ استعمال کرتا ہے، یہ زبان دراصل پشتو ہے۔ لیکن چونکہ یہ لوگ قدیم زمانہ میں جب کہ اس علاقہ میں ہندو رہتے تھے۔ اور سیوا نام ہندو خاندان کی حکومت تھی۔ لہذا ان کے ساتھ اکٹھے رہنے کی وجہ سے ان کی پشتو اُن کی زبان سے متاثر ہوئی۔ ترینو یا دیمی کے حروف ابجد تمام وہی ہیں جو پشتو کے ہیں۔ محاورات اور لغات بھی تمام پشتو ہیں۔ البتہ لہجے کی تبدیلی کی وجہ سے اس میں معمولی تغیر آیا ہے، مثلاً متکلم کے صیغے ایسے ہیں زے خوری یعنی زے خورم۔ آخر میں "م" کی جگہ "ی" استعمال کرتے ہیں۔ یہ لفظ اپنے لئے کوئی خصوصیت نہیں رکھتا۔ بلکہ مسخ شدہ ہے، اسی طرح زے درُومی۔ زہ درُوم درمی۔ دَرمہ۔ درُمے (جاتے جاتا) یہ خالص پشتو لغت ہیں۔ جو کہ فاعلی اور مفعولی حالت ظاہر کرتے ہیں۔ زے پروسی۔ یعنی زہ پرے وزم (میں لیٹتا ہوں۔)

اس فقرہ میں پرے سے پروا اور وزم سے وسی بنایا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ ترینو میں ایک تو اسم ضمیر کی علامت "م" "ی" میں تبدیل ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ "س" کا صوتی مبادلہ "ز" سے ہوا ہے۔ جو آرین لہجوں میں عام ہے۔

زہٗ ویاړی	زہٗ ولاړم
زہ بہ ویاړسم	زہٗ بہ ولاړسم

"بہ" مستقبل کی علامت ہے۔ پشتو کے ہر فقرہ میں جب "بہ" آئے تو وہ اردو کی طرح (گا) کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے (میں چلا جاؤں گا) یہاں یہ وضاحت کر دیں کہ ترینو لہجہ میں (زے) کا صیغہ فعل جاری کے

(دُغہ) کہتے ہیں صیغہ (ما) ترہیو میں وُہ معنی دیتا ہے۔ جیسے کہ پشتو میں مثلاً مانہ اُگسہ یعنی مانہ ڈکورہ۔

مانہ راسا :- مانہ راسہ یہاں بھی حؔ کی بجائے س استعمال ہوا ہے۔ دوسرے فقرے میں ترکیب غلط ہوئی ہے۔ مانہ راسہ یعنی مانہ راځہ (مطلب کبھی کبھار آنا) "نہیں" کا صیغہ ترہیو میں اسی طرح استعمال ہوتا ہے جیسے کہ پشتو کے دیگر لہجوں میں البتہ کاکڑوں کی طرح "ی" کی جگہ "ہ" ساتھ لگا دیتے ہیں۔ جیسے

ترہیو	پشتو
لوشی مہ غا ہدے کرہ	کالی می پہ غاړہ کہڑل (دا اغوستل)
میں نے کپڑے پہن لئے۔	

اور اگر کسی جگہ (مہ) (می) آجائے تو اس کے معنی (ھم) یا اردو کے (بھی) میں بدل جاتے ہیں۔ مثلاً

ترہیو	پشتو
امی لوشی غا ہدے کرہ	ما هم کالی واغوستل
میں نے بھی کپڑے پہن لئے	

ان فقرات میں صرف ایک اسم "لوشی" غلط استعمال ہوا ہے۔ اس لئے کہ لوشی پشتو میں کھانے پینے کے برتنوں کو کہتے ہیں۔ لیکن اس طرح کی اغلاط پشتو میں بھی ہیں۔ مثلاً وزیری تو لباس کو لوشی کہتے ہیں۔ مغربی پشتون لباس کو کالی کہتے ہیں اور شرقی لباس کو جامہ یا جامے کہتے ہیں۔ اسی طرح مغربی پشتون لاغر انسان یا حیوان کو ڈنگر کہتے ہیں۔ جب کہ مشرقی پشتون ڈنگر بیل کو کہتے ہیں۔

ترہیو میں ضمیر متکلم کے صیغے اس طرح ہیں۔

زہ - زے - ماغہ - موزنہ - مُوز - دراصل صیغے ایک ہیں۔

پشتو میں بھی ضمیر متکلم کے یہی صیغے ہیں۔ البتہ لہجہ اور مختلف جگہوں میں یہی صیغے ہیں۔ البتہ لہجہ اور مختلف جگہوں میں ترکیب استعمال میں فرق ہے۔ مثلاً پشتو میں (زہ) اور (زے) دونوں استعمال ہوتے ہیں۔ (زہ) مطلق ضمیر ہے اور (زے) دراصل (زہ یُم) کا مخفف ہے۔ جو کہ ناعل فعل جاریہ کے لئے استعمال کرتا ہے۔ جیسے زے خورم۔ زے کوُم اور حالت مفعولی یہ ہے کہ تے نہ خورے۔ تے خورے رتے۔ہ) بھی (تہ یُے کا مخفف ہے) اسی طرح (ماغہ) اور (موزغہ) سے ترہیو میں (ز) حذف ہوا ہے۔ دراصل زماغہ اور زموزغہ استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہ صرف ترہیو میں نہیں۔ بلکہ دیگر لہجوں میں بھی اسی قسم کی مثالیں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر زیادہ تر مشرقی پشتون جملے کے شروع میں (پہ۔ لہ۔ ے) استعمال نہیں کرتے۔ جیسے "پہ کور کی دی م" "کوہ" کور کی دی" کہتے ہیں۔ لہ چاسرہ ولاڑ ؟ کو "چاسرہ لاڑ" کہتے ہیں۔

اسی طرح ت ۔ د ۔ل کا مبادلہ عام ہے۔ مثلاً

ترخو پوری	درخو پوری
کب تک	
لہ جیا تخہ	د جیا تخہ
کہاں سے	

ترہیو (وزیری) میں علاوہ مندرجہ ذیل لغات کے تمام فعل اور لغت پشتو ہیں۔ البتہ ان کا استعمال کسی جگہ یا تو غلط ہوتا ہے یا لہجے کی وجہ سے لفظ صحیح نہیں کہا جاتا۔ جیسے

۱ - زے لبے کی ۔ یعنی زہ لوبی کوُم (میں کھیلتا ہوں)
۲ - زہ پر لوتی ۔ یعنی زہ پریوتم (میں گر گیا)۔

۳۔ تہٕ دے ڈوڈی خورے ۔ تہٕ ڈوڈۍ خورے؟ (تم روٹی کھاتے ہو)

۴۔ تاس دے ڈوڈی خرو ۔ تاسی ڈوڈۍ خورئ؟ جمع کے لئے۔

۵۔ تانہ دے وائی ۔ تانہ وایم (تجھے کہتا ہوں)

۶۔ تاس تہ دے وائی ۔ تاسی تہ وایم (تمہیں کہتا ہوں)

جملہ ۳، ۴، ۵، ۶ میں ایک تو (دے) اضافی ہے ۔ دوئم یہ کہ حالت فاعلی اور حالت مفعولی کو تبدیل کیا گیا ہے ۔ جو کہ واضح طور پر غلط پشتو ہے

ترینو میں مبہم اور استفہامی ضمیریں جو ایک نامعلوم چیز یا شخص کے لئے استعمال ہوتی ہیں ۔ اس طرح ہیں ۔

ترینو	پشتو	اُردو
چوک	څوک	کون
چا	چا	کس نے
څہ	څہ	کیا
کم کمہ	کوم	کونسا کونسی
ہیڅ	ہیڅ	کچھ نہیں

فقروں میں

ترینو	پشتو	اردو
چوک دے کار کہ	څوک کار کوی ۔ کہ	کون کام کرتا ہے
چا اُو دیئ	چا اُو دیل ۔ او وئے	کس نے کہا
څہ ستہ	څہ ستہ	کچھ ہے؟
کم سمری سرہ ستہ	لہ ۔ کوم سړی سرہ ستہ	کس آدمی کے پاس ہے؟

ہیڅ نی ستہ	ہیڅ هم نشتہ	کچھ بھی نہیں ہے

پہلے جملہ میں (دے) اور آخری جملہ میں "نی" نے جملوں کی ترکیب غلط کی ہے اگر پہلے جملے سے (دے) نکال دیا جائے تو جملہ صحیح ہوگا ۔ اور اگر آخری جملے کا (ی) (هم) میں تبدیل ہو تو جملہ صحیح ہوگا ۔

اضافی ضمیریں

واحد مخاطب کیلئے ام

ترینو	پشتو	اُردو
۱۔ تاسرہ رُوپئ ستہ	لہ تاسرہ روپئ ستہ	تیرے پاس روپیہ ہے
۲۔ داروپئ تاغہ دہ	داروپئ ستا دہ	یہ روپیہ تیرا ہے

ترینو کے لہجے اور عام پشتو لہجے کے درمیان پہلے جملوں میں صرف اتنا فرق دکھائی دیتا ہے کہ یہ روپئ کو رُوپئ کہتے ہیں ۔ یعنی "ی" پر همزہ نہیں لگاتے واضح (ی) کہتے ہیں ۔ دوئم یہ کہ (لہ) کو بطور مضاف استعمال نہیں کرتے ۔ اور یہ صرف یہی نہیں کرتے بلکہ صوبہ سرحد کے زیادہ تر لوگ اسی طرح ادا کرتے ہیں ۔ اسی طرح مخاطب جمع کے لئے "تاق" کے بجائے تاس غہ استعمال کرتے ہیں ۔ پشتو میں (لہ) کا استعمال جملے کی ابتداء میں مضاف اور جملے کے درمیان ارتباط کے طور پر آتا ہے ۔ تاس غہ کا تلفظ مغربی پشتو میں (ستاسو غہ) اور مشرقی پشتو میں (ی) (دا دلم) میں بدلتا ہے یعنی ستاسو غہ ترینو لہجہ میں (لہ) (سے) میں بھی تبدیل ہوتا ہے ۔ جیسے

ما عیدو یہ واخست ۔ یعنی ۔ ما لہ عید د واخست

میں نے عیدو سے لے لیا ۔

(تہ) ارتباط کے طور پر اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہ عام پشتو میں۔
زہ دَگمری تہ ویاری یعنی زۂ کلی تہ ولاړم
میں گاؤں گیا۔

اس فقرہ میں (دگمری) دیہات کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور دیاری (ولاړم) کے معنی میں جہاں تک دیامری کا تلفظ ہے۔ ترینو لہجہ میں ل اور م سے اور ی میں بدلتا ہے۔ اور یہ آرین لہجوں کی ایک عام خصوصیت ہے۔ البتہ (دگمری) عام پشتو میں گاؤں کو نہیں بلکہ لوگوں کو کہتے ہیں۔ اور جب فرد واحد ہو تو (وگمریٔ) کہتے ہیں۔ ترینو میں شلومبو (لسی) کو شمز سے (لکڑی) کو سیرگی۔ دو۔ یٔ (روٹی) کو ددری یا لونده کہتے ہیں۔ مکھن کو (چُک) کہتے ہیں۔ جبکہ پشتو میں کوچ کہتے ہیں۔ اشتقاق "ک" اور "چ" کا ہے البتہ آگے پیچھے کر دیئے گئے ہیں۔ بڑی بہن کو ترینو (ونیچی) میں (اکی) کہتے ہیں۔ دراصل ترینو پشتو کا ایک ایسا لہجہ ہے۔ جو قدیم زمانہ میں ہندوؤں کی قرابت کی وجہ سے بگڑ کر مسخ ہوا ہے۔ اور اس میں بعض غیر لغات شامل ہوئے ہیں البتہ بنیادی اعتبار سے اس لہجے کے تمام افعال کامل طور سے پشتو کے عام افعال کے مطابق ہیں۔ اور پشتونوں کے مختلف لہجوں میں یہ لہجہ زیادہ تر آفریدیوں اور کاکڑوں کے لہجے کے قریب ہے اور اس میں بہت سے لغات مری زبان کے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ کیونکہ ایک تو یہ مریوں کے قریب رہتے ہیں۔ دوئم یہ کہ ۲۲۰۰ ق م میں آکاد اور سمیریوں کے ملاپ سے جیسا کہ محقق کہتے ہیں۔ کہ ان سے ایک قوم بنی لہٰذا اس وقت انہوں نے ایک دوسرے سے کافی لغات لئے ہیں۔ کافی زمانہ سے ان کی ایک دوسرے سے قرابت ایک ہی طرح کے لمبے لمبے بال رکھنا۔ اور ایک ہی طرز کا لباس پہننا۔ اور پھر ہزارہا سال سے اکٹھا رہنا بھی اس بات کی علامت ہے

کہ انہوں نے ایک دوسرے پر گہرے لسانی اور ثقافتی اثرات مرتب کئے ہیں۔

مری پشتو زبان جانتے ہیں۔ اور ان کے قریب کاکڑ مری زبان جانتے ہیں البتہ مریوں کا پشتو لہجہ ونیچیوں سے مشابہت رکھتا ہے۔ مثلاً (و) اور (ی) کا مبادلہ کرتے ہیں۔ جیسے وُر بزہ کو بیشر کہتے ہیں۔ خوک کو چوک کہتے ہیں۔ کاکڑوں کا لہجہ غلجیوں سے قریب ہے۔ ماسوائے چند اضافتوں کے جیسے (کمری) کو (کرمکی) کہتے ہیں۔ بلا کو بلیا اسی طرح ضمیر (ی) کو (ہ) ھندی میں ادا کرتے ہیں۔ یعنی (مہ) اور نفی کے لئے بھی عام پشتونوں کی طرح امر کے صیغے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ جیسے (مہ کوہ) سندی میں ت کی اضافت سے (مت) بولا جاتا ہے۔ ترینو۔ کاکڑ۔ غلجی اور مشرقی پشتونوں کے بہت سے لہجوں میں (دلتہ) اور (ھلتہ) کے علاوہ (راپی) اور (رأتری) یا إلے اور أرے بھی عام استعمال ہوتے ہیں۔ غرضیکہ پشتو ایک بہت وسیع زبان ہے۔ اوستا اور سنسکرت کے مقابلے میں اس کے صرف ونحو کا قانون بھی زیادہ وسیع ہے۔ اور یہ وسعت خود اس زبان کی قدامت کی دلیل ہے۔ اس وسعت کے باوجود جبکہ اس میں لہجوں کی بہتات ہے یہ ایک زبان ہے۔ اور ہر پشتون اس کے ہر لغت۔ محاورہ اور اصطلاحات کو اچھی طرح جانتا اور سمجھتا ہے۔ زبان کے اشتراک کے علاوہ پشتونوں کے رسم و روایات بھی مشترک ہیں۔ یعنی جرگہ۔ مرکہ۔ ننواتی۔ میلمہ پالنہ۔ غیلوئی۔ میرتی۔ ترگنی۔ عزیز ولی۔ اور خاص کر پشتونولہ۔ یعنی غیرت۔ ننگ۔ مروت۔ سیال داری۔ قول و قرار۔ جنہیں یہ اپنی اصطلاح میں (پشتو) کہتے ہیں۔ بھی ان کا سب سے بڑا مشترکہ اثاثہ ہے۔ کیونکہ یہ بہادر اور جیالے لوگ ہیں۔ اس وجہ سے مصائب و مشکلات اور صدمات کا مردانگی سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اس بنا پر یہ مزاجاً ہندوؤں اور پارسیوں سے بالکل مختلف

لوگ ہیں۔ ان کا ادب اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ پشتون محبوب کی جدائی میں ہجر اور فراق کے گیت نہیں گاتا۔ اور نہ ہی گلہ و شکوہ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اسے بے غیرتی بے ننگی تصور کرتا ہے۔ اسی طرح پشتون دوشیزہ بھی ایسے جوان کو پسند نہیں کرتی جو عورتوں کی طرح محبوبہ کے پیچھے روتا ہو۔ وہ کہتی ہے کہ آہ و فریاد عورت کا کام ہے نہ کہ مرد کا۔ مرد کو عظمت۔ بہادری۔ غیرت۔ جنگ اور ننگ و ناموس پر قربان ہونا چاہیئے۔

ته په سنگر کښې حان شهید کا
زه به خپل شال ستا په زیارت وغوړومه

تم مورچے میں اپنے کو شہید کروانا۔
— میں اپنا شال تیری زیارت پر بچھاؤنگی۔

ایک محقق یا مؤرخ یا ادیب پشتونوں کے ہر پہلو کے بارے میں اگر صحیح معلومات معلومات حاصل کرنا چاہے۔ تو لازم ہے۔ کہ پشتونوں کو ثقافت کے آئینے میں غور سے مطالعہ کرے۔ کیونکہ زبان اور اس کے محاورات ضرب الامثال گیت داستان اور قصے جنہوں نے اپنے قدیم اور جدید زبانوں میں زنجیر کی مانند ارتباط قائم رکھا ہے، جو زندگی کے تمام پہلوؤں کی ترجمانی کرتے ہیں واضح طور پر اپنے اصل و نسل اور تاریخ کی نشاندہی کرتے ہوئے اپنے لوگوں کے عقیدوں۔ رسم و رواج اور ذہنی صلاحیتوں اور نفسیاتی جذبات کی عکاسی کرتے ہیں۔ ثقافت (کلچر) جس میں زبان ایک رکن اعظم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور گذشتہ اوراق میں اس پر بحث کی گئی۔ ایک گروہ کی پہچان میں ایک اہم اور سیاسی کردار ادا کرتی ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر ہم یہاں پشتونوں کی صحیح پہچان کے لئے ان کے عقیدوں اور رسم و رواج پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔

جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا کہ پشتون آرین گروہ کا جزو اعظم یا وہ اساسی لوگ ہیں جن سے کہ دوسری بہت سی شاخوں نے دیگر ممالک میں پھیل کر نئی تہذیب و مدنیت کی اساس قائم رکھی۔ ان کے عقیدے کے بارے میں سر ولیم ہنٹر اپنی کتاب "تاریخ ہند" میں لکھتا ہے کہ:-

"آرین قوم صرف ایک خدا پر عقیدہ رکھتی تھی۔ اس بارے میں رگ وید میں ایک نظم موجود ہے":

"ابتدا ایک سنہرے بچے سے ہوئی اس نے
زمین و آسمان بنائے ہم اسی کی پرستش
کرتے ہیں۔
وہی ہے جو ہم کو زندگی اور طاقت بخشتا ہے
اس کے حکم پر تمام دیوتا جھکتے ہیں
اس کا سایہ رحمت ہے اس کا سایہ
موت ہے۔
ہم اس کی پرستش کرتے ہیں وہی
ایک بادشاہ ہے۔ جس کی طاقت سے
دنیا سانس لیتی ہے۔ اور وہ زندہ
ہے۔ وہی ہر جاندار پر حکومت کرتا ہے"[1]

— ※ —

[1] تاریخ جنوبی ہند۔ محمود شبگوری صفحہ ۲۳ - ۲۴

اس نظم سے واضح ہوا کہ آرین یعنی قدیم پشتون اسلام کے مقدس دین سے روشناس ہونے سے بہت پہلے بھی بت پرستی نہیں کرتے تھے، بلکہ ایک خدا (وحدہٗ لاشریک) پر ایمان اور عقیدہ رکھتے تھے۔ البتہ قدرت کے مناظر اور ان کے تاثرات اور اثرات سے عام انسانوں کی طرح نفسیاتی دلچسپی ضرور رکھتے تھے۔ مثلاً سورج۔ چاند۔ ستارے دن اور رات کے اوقات انسان کی زندگی اور صحت پر کیا اثر کرتے ہیں۔ لہٰذا اس بناء پر جادو اور علم نجوم پر بھی عقیدہ رکھتے تھے۔ اسی طرح دیو، جن اور پریوں کے وجود کے بھی قائل تھے۔ اس کے علاوہ بعض دوسرے توہمات بھی ان میں تھے، اگرچہ اب پہلے کی طرح نہیں لیکن دیہی اور قبائلی علاقوں میں اب بھی زیادہ ہیں۔ اور زیادہ لوگ اس کے قائل ہیں۔ مثلاً زچگی کے دوران پہلی مرتبہ کمرے میں ھرمل کا دھواں کرنا عورت کے دائیں پاؤں پر نیلے دھاگے سے سُرخ پیسہ باندھنا۔ سنگی نیل کو گھول کر بچے کے مُنہ میں ڈالنا۔ عورت کے پیٹ اور کمرے کی دیوار پر سواستیکا ([illegible]) کا نشان نیل سے بنانا۔ دس دن تک زچگی کی حالت میں زچہ عورت کو کمرے میں تنہا نہ چھوڑنا کسی چھوٹے بڑے کا موجود ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ کسی چڑیل کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ زچہ عورت دس دن بعد غسل کر کے کمرے سے نکلتی ہے۔ اور پھر چالیسویں دن کا غسل بھی کر لیتی ہے۔ اس طرح زچہ عورت اور بچے کی گردن میں ایک ٹکڑا ادرک بھی لٹکا دیتے ہیں۔ اس لئے کہ بھوت پریت ادرک سے ڈرتے ہیں۔ نزدیک نہیں آتے۔ اسی طرح بے اولاد عورت کو بھی بچے کے قریب نہیں آنے دیا جاتا کہتے ہیں کہ اس کی جھولی بھاری ہے۔ جس سے کہ بچے کو نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اگر ایسی عورت اپنا دامن بچے پر جھاڑ دے تو بچہ مر جاتا ہے۔ لیکن وہ عورت جسکی شادی کا کافی عرصہ گذرا ہو اور اس کا بانجھ پن ثابت ہو چکا ہو نئی بیاہی سے۔ بچے کو بھی چالیس دن تک کمرے میں تنہا نہیں چھوڑتے کیونکہ جن کے مارنے یا لے جانے کا خدشہ رہتا ہے۔

رَدی (چڑیل) مونث۔ مذکر رَدی کہتے ہیں کہ خبیث عورت یا خبیث مرد رات کو سوتے میں اٹھ کر ایک خوفناک چیز بن جایا کرتے ہیں۔ رات کو جو بھی اکیلا سامنے آجائے یا تنہا سویا ہوا ہو اس کو مار یا ڈرا یا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص تنہا سویا ہو، تو چڑیل اس کے پاؤں کے بڑے انگوٹھے میں دھاگہ باندھ لیتی ہے۔ اور پھر اس دھاگے کے کھینچنے سے انسان کا دل نکل جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر ادرک کمرے میں موجود ہو، تو چڑیل کمرے میں نہیں آتی۔ اور اگر ادرک نہ ہو تو سوکھی روٹی سرہانے کے نیچے رکھ لی جاتی ہے۔

بڑدی :۔ یہ وہ بلا ہے جو آدھی رات کو خوفناک آوازیں نکالتی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ بہت طاقتور اور خوفناک بلا ہے۔ اور جو اس کے ہاتھ لگے اُسے مار دیتی ہے۔ غالباً پہاڑوں کے نزگیدڑ رات کو اس طرح کی آوازیں نکالتے ہیں۔ بہرحال معلوم نہیں کہ کیا چیز ہے۔ کبھی کبھار اس طرح کی آوازیں رات کو سُنائی دیتی ہیں جس سے کہ لوگ ڈرتے ہیں۔

خپسکہ :۔ عربی میں اسکو قابوس کہتے ہیں۔ رات کو جب آدمی پیٹھ کے بل چت سویا ہوتا ہے تو کانوں میں طرح طرح کی خوفناک آوازیں آتی ہیں۔ اور ایک کالی چڑیل سرہانے کے قریب یا سینے پر بیٹھ جاتی ہے۔ تو انسان کی زبان خوف کے مارے بند ہو جاتی ہے۔ یہ کیفیت کچھ لمحہ ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی دیوار کے ساتھ برابر میں سو جائے تو اس کے ساتھ یہ حادثہ پیش آتا ہے۔ اس لئے دیوار کے ساتھ لمبا کوئی نہیں سوتا۔ اطباء کا کہنا ہے کہ در اصل یہ واقع اس وقت پیش آتا ہے جب آدمی پیٹھ کے بل سویا ہو۔ اور ہاتھ دل پہ رکھا ہو، کیونکہ دل پہ دباؤ کی وجہ سے دماغ میں اس طرح کے فتور اور فساد پیدا ہو جاتے ہیں۔ بہرحال پشتون اسے "خپسک" کہتے ہیں۔ اور اسکی وجہ سے دیوار کے ساتھ یا پیٹھ کے بل نہیں سوتے۔

مارُوزمیٔ:- یہ وُہ بلا ہے جو آدھی رات کو اکیلے آدمی کے سامنے کھڑا ہو کر کبھی گدھے کی شکل کبھی گھوڑے کی شکل کبھی کسی اور جاندار کی شکل میں سامنے آکر ڈراتا ہے۔

مما لیتی مم:- کہا جاتا ہے کہ یہ ایک انسان نما بلا ہے۔ جو مرد کی تلاش میں ہوتی ہے۔ جب اسے کوئی اکیلا مل جاتا ہے۔ اُٹھا کر لے جاتی ہے۔ اور کسی غار میں قید کر کے اس کے پاؤں چاٹتی ہے۔ جب اُس کے تل کاغذ کی مانند پتلے ہو جاتے ہیں۔ اُٹھنے اور چلنے کے قابل نہیں رہتا۔ تب یہ بلا جا کر اس کے لئے خوراک لے آتی ہے۔ اور اس کے ساتھ میاں بیوی کی طرح زندگی بسر کرتی ہے۔ لیکن وُہ شخص جلد مر جاتا ہے پھر اس بلا کو دوسرے کی تلاش ہوتی ہے۔

شگون:- شگون پشتو زبان میں اسے شاگُم کہتے ہیں۔

م اَور ن کا مبادلہ ہے۔ تور حلق یا سیاہ حلق:- پشتو میں دعا کو (دوا) کہتے ہیں۔ اور بد دُعا کو (ښیرا) کندھاری لہجہ میں (شیرا) کہتے ہیں۔ جیسے کہ خرشبون۔ اور شرخبون میں ش اور خ بدلتے ہیں۔ یہاں بھی ش اور خ کا مبادلہ ہے۔ پشتونوں کا عقیدہ ہے کہ سیاہ حلق انسان وُہ ہے۔ جس کی بد دُعا جلد قبول ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس طرح کے انسان سے احتیاط برتی جاتی ہے۔

کالے برتن یا کالی بلی کا درمیان سے گذرنا نفاق کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ آگ اور صاف پانی میں تھوکنا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ گھر سے باہر نکلتے وقت پیچھے سے آواز دینے کو بھی اچھا نہیں سمجھتے لیکن یہ شگون قدیم پشتونوں میں نہیں تھی۔ جس وقت کوئی سفر پر روانہ ہوتا ہے۔ تو جوں ہی دروازے سے نکلتا ہے تو پیچھے پانی پھینکا جاتا ہے۔ تاکہ سفر بخیر گذرے۔ اسی طرح جب کسی کی آنکھ

اُچھلتی ہو تو اسے مہمان کے آنے کی علامت سمجھتے ہیں۔ جس وقت ہچکی ہوتی ہو۔ تو کہتے ہیں کہ کوئی مجھے اس وقت یاد کر رہا ہے۔ کوّا جب گھر کے اوپر سے کائیں کائیں کرتے ہوئے گذرتا ہے تو اُسے خوشخبری کی علامت سمجھتے ہیں۔ خصوصاً مسافر کی آمد۔ پاؤں کا تلوہ یا ہاتھ کی ہتھیلی جس وقت خارش کرتے تو اسے پیسوں کی آمد کی علامت سمجھتے ہیں۔ کالے کتے کو منحوس سمجھتے ہیں۔ اور ہر اس کتے کی آواز کو منحوس سمجھتے ہیں جو رو رو کر بھونکتا ہو، مرغی کی بانگ کو بھی منحوس قرار دیتے ہیں۔ اگر مرغی اذان دے تو اُسے اسی وقت ذبح کر دیا جاتا ہے۔ اگر رات کو نیند نہیں آتی تو اِسے بھاری رات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسے کسی حادثے کی علامت سمجھتے ہیں۔ جیسے قریب میں کوئی موت ہوئی ہو۔ سورج گرہن کو انسانوں کے گناہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ خواب کی تعبیر کے قائل ہیں۔ بال اور ناخن کاٹنے کے بعد اسے گھر کے باہر کسی محفوظ جگہ میں رکھتے ہیں۔ گھر کے اندر ناخن کاٹنے کو منحوس سمجھتے ہیں۔ شام کو سورج غروب کے بعد نئے کپڑے نہیں پہنتے اسے بیماریوں کی یا کسی مصیبت کی علامت سمجھتے ہیں۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کے سر پر تلوار لٹکائی جاتی ہے۔ اس لئے کہ جب بچہ بڑا ہو تو وُہ بڑا بہادر بنے اور ساتھ میں یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔ کہ کوئی بلا اُس کے قریب نہیں آتی۔ جن کے پاس تلوار نہیں ہوتی۔ وُہ زچہ اور بچہ کے سرہانے کوئی چھُری رکھ دیتے ہیں۔ مال مویشی جب گھوڑا۔ بکری۔ بیل اور دُنبہ بیچا جاتا ہے۔ تو بیچنے سے پیشتر اس کے جسم سے ایک بال کاٹ کر گھر میں نیک شگون کے لئے رکھتے ہیں۔ تاکہ ان کے بیچنے کے بعد گھر میں ان کی برکت برقرار رہے۔ جس وقت گھی کو تل دیا جاتا ہے اور پھر اس کو کسی برتن میں ڈالا جاتا ہے۔ تو اس دوران لکڑی کا ایک چھوٹا ٹکڑا اس کے بیچ میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اگر یہ لکڑی کا

ٹکڑا موجود ہو جن ان کو نہیں چُراتا۔ جس وقت گندم صاف کر لیتے ہیں۔ تو اس کے ڈھیر میں انجیر کی ایک چھوٹی سی لکڑی رگاڑھ دیتے) ہیں۔ کیونکہ انجیر کو ایک مقدس میوہ سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس سے گندم بڑھ جائیگی اور اس میں برکت پیدا ہو گی۔ موسم بہار میں بارش کے دوران جب قوس و قزح کچھ لمحے کے لئے مشرق کی جانب پیدا ہو جاتی ہے تو پشتون اس بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر کوئی اس کے دائرے سے نکلے تو مرد عورت اور عورت مرد بن جاتی ہے پشتون اسے " دلو ودی تال " (بوڑھی کا جھولا) بھی کہتے ہیں۔ جب کبھی بارش زیادہ ہو، اور لوگ اس سے تنگ آ جاتے ہیں تو سات گنجوں کے نام ایک کاغذ پر لکھ دیتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ اس طرح کرنے سے بارش تھم جاتی ہے۔

جس وقت کوئی شخص غلہ بیچتا ہے تو غلے کے چند دانے ترازو میں چھوڑ کر گھر واپس لے آتا ہے۔ بعد میں اُسے غلے کی جگہ برکت بڑھنے کی علامت سمجھ کر رکھ دیتا ہے۔ دُلہن کو جب سسرال کے گھر لایا جاتا ہے اور جونہی وہ گھر کے اندر قدم رکھتی ہے تو ایک عدد انڈا اُس کے پاؤں کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے۔ دائیں پاؤں کے نیچے یہ انڈا ٹوٹ جانے سے اُسے نیک شگون قرار دیتے ہیں۔ بعد میں دلہن کو ایک عدد انار دیا جاتا ہے۔ جسے وہ دیوار سے مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے یہ اس لئے کہ ان سے زیادہ اولاد پیدا ہو۔ اگر کسی کی بھیڑ بکریاں پہاڑ میں گم ہو جائیں اور جب تک مویشی گھر نہیں آتے۔ تو اس صورت میں مویشی کا مالک گھر کے چولھے میں چھری یا کوئی سلاخ گاڑ دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس طرح پہاڑ میں ان کے مویشی کو کوئی دوسرا جانور کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

جب کبھی کسی کی چوری ہو جائے۔ تو ہتھیلی پر تھوک کر اسے شہادت کی اُنگلی

سے مل دیا جاتا ہے۔ اگر کسی طرف تھوک زیادہ نظر آئے تو اس سے یہ اندازہ لگایا جاتا ہے۔ کہ چور اس سمت کو گیا ہے۔ اور پھر اسی سمت پیچھا کرتے ہیں۔ جمعہ اور منگل کے دن کوئی سفر پہ روانہ نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اچھا نہیں سمجھتے۔ اگر عورت کا دوپٹہ ماتھے کی جانب کھسک جائے۔ عورت کا چہرہ چھپ جائے تو کہا جاتا ہے کہ گیا ہوا مسافر آنے کو ہے۔

ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ اگر جھبرا بچہ جنے تو وہ (براق) ہوگا۔ اور وہ قیامت کا دن ہوگا۔ جب نر مرغ ایک سال کی عمر کا ہو جاتا ہے اور انڈہ دے جاتا ہے تو اس انڈے کو گندم کے ڈھیر میں رکھ دیا جاتا ہے۔ تاکہ گندم میں برکت پیدا ہو،

پشتونوں کا عقیدہ ہے کہ جنات پہاڑوں، قبرستانوں، یا راکھ کے ڈھیر میں رہتے ہیں۔ اس لئے جب وہ پہاڑ پر چڑھتے ہیں۔ تو پتھر نہیں گراتے کہ کہیں ان کے نیچے جن یا اُس کا بچہ نہ آ جائے۔ کیونکہ ایسا ہونے پر وہ ہم سے بدلہ لیں گے۔

ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ چیونٹی جنات کی ذات سے ہے۔ اس لئے اس کو نقصان نہیں پہنچاتے۔

گائے جب بچہ دے جاتی ہے تو بُولی کسی کو نہیں دیتے۔ گھر والے کھاتے ہیں۔ اس سے ان کا عقیدہ یہ ہے کہ گائے خشک ہو جاتی ہے۔

رات کو آئینہ میں نہیں دیکھتے۔ کیونکہ اس سے بیمار ہونیکا خدشہ ہوتا ہے زیادہ ہنسی کو بھی اچھا نہیں سمجھتے۔ جس وقت آسمان میں شہاب ثاقب چھوٹ جاتا ہے۔ تو اُسے کسی بڑی شخصیت کی موت سے تعبیر کرتے ہیں۔

جس دُلہن کو گھوڑے پہ لایا جاتا ہے۔ اُس گھوڑے کے آگے مرغی ذبح

کرتے ہیں ۔ ان کا عقیدہ ہے کہ مُرغ ایک نیک پرندہ ہے ۔ لہذا بچہ بڑا ہو کر
نیک ہوگا ۔ رات ، ننگے سر ہو کر پانی نہیں پیتے ۔ ایک ہاتھ سر پر رکھ کر پانی پیتے
ہیں ۔ اس سے بھی آفت کا خدشہ ہوتا ہے ۔ اسی طرح سورج غروب ہونے کے
وقت بھی پانی نہیں پیتے ۔ ان کا کہنا ہے کہ اس وقت مُردوں کو فرشتے پانی پلاتے
ہیں ۔ اور اگر کوئی اس وقت پانی پی لے تو پھر اس کا بھائی یا کوئی اور مرا ہوا رشتہ دار
پانی پینے سے محروم ہو جاتا ہے ۔

ان توہمات میں سے اکثر ایسے ہیں ۔ جن کا تعلق صرف عورتوں سے ہے
اور ناخواندہ علاقوں میں اب بھی موجود ہیں ۔ البتہ بعض علاقوں میں کم ہیں ۔ مثلاً
دُلہن کے گھوڑے کے آگے اب مُرغ ذبح نہیں کیا جاتا ۔ پکتیا کے علاقے میں شاید
کہیں کہیں اب بھی یہ رسم ہے ۔

دین مبین اسلام کا شرف حاصل کرنے سے پہلے پشتون کسی خاص مذہب
کے قوانین کے پابند نہ تھے ۔ بلکہ اپنی روایات کے پابند تھے ۔ وہی ان کا قانون اور آئین
تھا ۔ جس کو وہ اپنی زبان میں پشتو کہتے تھے ۔ پشتو ایک ایسا جامع لفظ ہے
جو زندگی کے تمام اہم پہلوؤں پر حاوی ہے ۔ مثلاً دوستی ۔ دشمنی اپنے درمیان
ہو یا پرائے کے ساتھ غم و خوشی ۔ ایک دوسرے کے ساتھ سیانی کرنا ۔ مہمان نوازی
ہمسایہ کے ننگ و ناموس کا احترام ۔ عورت کی حُرمت کا احترام اور عزت و شرافت
کا تحفظ چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کا احترام ۔ اپنے درمیان فساد و جھگڑے کا
منصفانہ طور پر فیصلہ کرنا ۔ ہر طرح کی بدکاری سے سخت پرہیز کرنا ۔ اُٹھتے بیٹھتے
اور گفتگو کے وقت ایک دوسرے کی عزتِ نفس کا خیال رکھنا ۔ بیباکی اور گرے
ہوئے کاموں سے نفرت کرنا ۔ کسی محفل میں بے ادبی یا مسخرہ پن کا مظاہرہ کرنا پشتونوں
میں بہت معیوب سمجھا جاتا ہے ۔ صنعت و حرفت اور دیگر ہنرمندی کے کاموں

میں پشتونوں کی پسماندگی کی وجہ یہ ہے کہ یہ ابتداء سے ہی سخت مزاج اور غیور
چلے آئے ہیں ۔ لہذا اسی بناء پر ایسے کاموں سے گریز کرتے رہے ہیں ۔ جس میں کسی
کی طرف سے حکم کی حالت موجود ہو ۔ مثلاً لوہار ۔ چمار ۔ دھوبی اور حجام کا کام
نہیں کرتے ۔ کیونکہ یہ کام ان کی نظر میں ہلکا سمجھا جاتا ہے ۔ یہاں تک کہ درزی
کا کام بھی نہیں کرتے ۔ کہتے ہیں کہ یہ عورتوں کا کام ہے ۔ افلاطون کی جمہوریت
میں بھی اسی اساس پر طبقے تقسیم کئے گئے تھے ۔ پشتونوں میں اسلام کے آنے سے
پہلے بھی ایک سے زیادہ شادیاں ہوتی تھیں ۔ بیٹی اور بہن پہ "ولور" لیتے تھے
لفظ "بن" اور لفظ "ولور" ان دونوں باتوں کی تائید کرتا ہے ۔
پشتو زبان میں "بن" سوکن کو کہتے ہیں ۔ یعنی اگر ایک شخص کی دو تین بیویاں
ہوں تو یہ عورتیں آپس میں ایکدوسرے کی "بن" کہلائیں گی ۔ یعنی سوکن جیسے
اس سے پیشتر عرض کیا گیا کہ کسی زبان کے قدیم لغات خود ہی اپنا پس منظر بیان
کرتے ہوئے "تاریخی معلومات" میں بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں ۔ چنانچہ لفظ "ولور"
اور لفظ "بن" سے واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ پشتون بہن اور بیٹی پہ پیسے یا اگر
پیسے نہ ہوتے تو جنس کی صورت میں "ولور" لیتے تھے ۔ اور ایک سے زیادہ شادیاں
بھی کرتے تھے ۔ اور اسی وجہ سے تاریخ میں ایک شخص کے بہت سے بیٹوں اور
بیٹیوں کا ذکر آیا ہے ۔ البتہ ایک عورت ایک شوہر رکھتی تھی ۔ اور آخر دم تک اسی
کی وفادار رہتی تھی ۔ عورت کی عصمت و عفت ہر لحاظ مقدم ہوتی تھی ۔ البتہ پشتونوں
میں ایسا پردہ نہیں تھا ۔ جیسا کہ آج کل برقعہ کی صورت میں ہے ۔ عورتیں لمبی چوڑی
اور کُشادہ قمیص و شلوار پاؤں کے ٹخنوں تک پہنتی تھیں ۔ تنگ موری کی شلوار
پر دونوں طرف گول دائرے کی ٹکی بناتے تھے ۔ اور بڑی چادریں سر پر اوڑھتی
تھیں ۔ علامہ سید سلیمان ندوی افغانستان کے سفرنامہ میں لکھتا ہے : ۔

جب میں نے یہ لباس دیکھا تو فوراً خیال اس لباس کی طرف گیا۔ جو اسلام نے عورتوں کے لئے مقرر کیا ہے۔ پشتون ہر پشتون کی بیوی کو بہن یا بھابی کہتے ہیں۔ ہر پشتون عورت سوائے اپنے شوہر کے ہر پشتون سے بھائی کہہ کر مخاطب ہوتی ہے۔ "تور" (سیاہ کاری) کا لفظ پشتونوں میں بہت قدیم اس مرد اور عورت کے لئے استعمال ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ ناجائز حالت میں دیکھے جائیں۔ اس طرح مرد اور عورت کی سزا موت ہوتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ عورت کو اُس کا اپنا شوہر ایسی حالت میں دیکھے۔ اور مار ڈالے بلکہ قدیم زمانہ میں گھرانے۔ خاندان یا دیہات کے کسی شخص کو دیکھنے پر یہ حق حاصل تھا کہ اُن کو موت کے گھاٹ اُتار دیں۔ کیونکہ کنبے۔ قبیلے اور دیہات کے ہر شخص پر لازم تھا۔ ایک دوسرے کے ننگ و ناموس کی حفاظت کریں۔ پشتونوں میں اب بھی ایک دوسرے کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے دستک۔ آواز یا کھانسی کی صورت میں مطلع کیا جاتا ہے۔ اگر شخص جوان ہو تو وہ بہن یا بھابی کہہ کر عورت کو مخاطب کرتا ہے۔ اگر بوڑھا ہو اور گھر کی خاتون جوان ہو تو نام بھی لیتے ہیں۔ عورتیں اپنے عزیز و اقارب سے پردہ نہیں کرتیں۔ البتہ جوان عورتیں جوان مردوں کے ساتھ مجلس نہیں کرتیں۔ پشتون کنواری لڑکیاں شادی شدہ عورتوں کی محفل میں نہیں بیٹھتیں۔ جب ان کی شادی ہوتی ہے۔ تو اس وقت بھی کافی عرصہ اپنے باپ، بھائی کے سامنے نہیں بیٹھتی۔ شرم کے مارے چہرہ بھی چھپا لیتی ہیں۔ میں نے خود ایک پچھتر سالہ بوڑھی کو اپنے بوڑھے سگے بھائی سے پردہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس منظر کے دیکھنے پر میں نے بوڑھی عورت سے پوچھا کہ یہ تو آپ کا سگا بھائی ہے۔ تم اس سے کیوں پردہ کرتی ہو۔ اس نے جواب میں کہا کہ تقریباً پچاس سال پیشتر جس وقت میری شادی ہوئی تو اس وقت

میں شرم کے مارے اس سے پردہ کرنے لگی۔ لہذا اس دن سے آج دن تک جرأت نہیں کر سکی کہ اس کے سامنے بے پردہ ہو کر بیٹھ جاؤں۔ پشتون کی شرم و حیا کا یہ حال ہے کہ کسی مجلس میں فقط ہوا کے خارج ہونے پر بھی شرم کے مارے خودکشی کر لیتے ہیں۔ اگرچہ یہ خودکشی پشتونوں میں بہت کم ہے۔ یا سالوں سال گھر بار چھوڑ جاتے ہیں۔ پشتونوں میں اسلام کے فوری طور پر پھیلنے اور بلاچون وچرا تسلیم کرنے کی سب سے بڑی اور بنیادی وجہ یہ تھی کہ اسلام شرم و حیا۔ غیرت و مروت اور عورت کی عصمت و عفت کا وہ درس دیتا تھا جو پشتونوں کی روایات سے مطابقت رکھتا تھا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ خدا کی واحدانیت کا آرین (پشتون) پہلے بھی قائل تھے۔ ایک طرف خدا کا تصور اور دوسری طرف اُن کی غیرت نے ان کو بت پرستی سے محفوظ رکھا تھا۔ گو کہ پشتونوں کے علاقے میں ہندومت۔ بدھ مت اور زردشتی مذہب کے آثار اور بعض توہمات دیکھے جاتے ہیں۔ لیکن ایسے کوئی بھی آثار پشتونوں کے مزاج و خیالات یا روایات میں نظر نہیں آتے جس سے یہ تاثر لیا جائے کہ انھوں نے یہ مذاہب من حیث المذہب قبول کئے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کے علاقوں خصوصاً قدیم پکتیا میں کسی خاص مذہب کا معبد نہیں جیسے کہ دوسرے علاقوں میں۔ گندھارا۔ کابل۔ اور بامیان میں بلاشبہ چھوٹے بڑے بُت اور مجسمے دیکھے گئے ہیں۔ لیکن آراکوزیا۔ پکتیا۔ یا پارتیا میں ایسے آثار نہیں دیکھے گئے ہیں۔ جن سے کہ یہ واضح ہو کہ پشتونوں نے کونسے مشہور مذہب کو گذشتہ زمانے میں قبول کیا تھا۔ بلکہ محققین خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں۔ کہ ان کی اپنی روایات تھیں۔ جن پر وہ قائم و دائم تھے۔ جنگ جو اور مار دھاڑ والے لوگ تھے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اس طرح کے جنگجو اور مار دھاڑ والے لوگ جو کسی خاص مقام پر قیام نہیں کرتے تھے،

ہر وقت حرکت میں رہتے تھے۔ مذہب کی تبلیغ اس وقت کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس کے علاوہ پشتونوں کی زبان پشتو بھی کوئی ایسی شہادت پیش نہیں کرتی جس سے کہ اُن کا خاص مذہب یا مذہبی رہنما ظاہر ہو۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اُن کے گیتوں۔ داستانوں۔ اور محاورات میں حتماً کسی نہ کسی جگہ ذکر ملتا۔ ہزارہا سال کے گیت۔ مختلف اصناف۔ مثلاً۔ لنڈئی۔ نیمکئی۔ بگتئی۔ غاڑی اور دیگر ایسے عوامی ثقافتی آثار موجود ہیں۔ جو پشتونوں کی تاریخ اور روایات پر اچھی طرح روشنی ڈالتے ہیں۔ لیکن اب تک کوئی مصرعہ بھی کسی نے ایسا نہیں پایا جس سے کہ کسی خاص مذہب کی شناخت ہو سکے۔ البتہ خدا کی وحدانیت کا تصور بہت دیکھا جاتا ہے۔ جیسے خُدا اور مالک کے نام سے بہت پکارا ہے جہاں تک جنات۔ دیو اور دیگر بلاؤں کا تصور ہے وہ انہوں نے دوسروں سے اسی طرح لئے ہیں۔ جیسے بعض ضرب الامثال یا داستان جو ایک زبان سے دوسری زبان کو منتقل ہوتے ہیں۔ اور وُہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ آیا دونوں کے درمیان کوئی مذہبی رشتہ تھا یا نہیں۔ بعض مُشترک توہمات مذہبی رابطے کی علامات ہوتی ہیں

مذہبی روابط کی دو بڑی علامات یہ ہیں۔ کہ ایک تو اس علاقہ میں قدیم مذاہب کے معبد موجود ہوں اس کے علاوہ اُن لوگوں کے فوکلوری ادب میں کسی قسم کے ارباب الانواع کا ذکر موجود نہیں ہے سوائے ایک رب کے تصور کے پس ظاہر ہے کہ اسلام سے پیشتر پشتونوں کا کوئی خاص مذہب نہیں تھا یہ درست ہے کہ مغربی پشتون علاقہ میں خصوصیت کے ساتھ پشتون سندور کا استعمال کرتے تھے۔ اور بچوں کے سروں پر ہندوؤں کی طرح چوٹی رکھتے تھے۔ جسے سات سال کے بعد منڈوایا جاتا تھا۔ لیکن یہ ہندو تہذیب کا اثر تھا نہ کہ مذہب کا۔ کیونکہ اگر مذہب کا اثر ہوتا یعنی وُہ مذہب کو بھی تسلیم

کرتے، پھر تو ان علاقوں میں مندر موجود ہوتے اور دوسرے یہ کہ زیادہ تر رسومات مذہبی ہوتیں۔ تیسرے یہ کہ ستی کی رسم بھی ہوتی اور اس کا ذکر حتماً فوکلور ادب میں ہوتا کیونکہ یہ ایک نہایت المناک منظر ہوتا ہے۔ البتہ ایک رسم ضرور ہے، جو ہندوؤں کی رسم سے مختلف ہے۔ وُہ یہ کہ جو عورت زندگی بھر شادی نہیں کرتی اسے ستی کہتے ہیں۔ چہارم یہ کہ پشتونوں میں قتل و قتال اور جنگ و جدل کا جذبہ سر دپڑ جاتا۔ پنجم یہ کہ ان میں بھی قدیم مذاہب کے مطابق مختلف اوقات میں مختلف تصورات کے مطابق تہوار منائے جاتے۔ لیکن ان میں اسلامی تہواروں کے سوا کوئی اور تہوار نہیں منایا جاتا۔ حتیٰ کہ ان کی اکثریت نوروز کا دن بھی نہیں مناتے جو کہ ذاری لوگ ہزاروں سال سے بڑی شان و شوکت اور طمطراق کے ساتھ مناتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ پشتون بہار و خزاں سے ناواقف ہیں۔ یا موسم بہار سے لطف اندوز نہیں ہوتے۔ بلکہ پشتون نہ صرف سال کے تمام موسموں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اُن کے تبدیل ہونے کے اوقات بھی انہیں معلوم ہوتے ہیں۔ اور ستاروں کی گردش اور اُن کے اثرات کے مطابق ان اوقات کے لئے نام بھی رکھتے ہیں۔ مثلاً (حماپئ)

پشتون جمالیات سے بھی اسی طرح ذوق و شوق رکھتا ہے اور لطف اندوز ہوتا ہے۔ جس طرح دوسرے انسان اس کی عکاسی انہوں نے اپنی شعاری ادب میں وسیع پیمانے پر اور نہایت دلکش انداز میں کی ہے۔ البتہ مصوّری کے ساتھ ان کی دلچسپی معلوم نہیں ہوتی اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ قبل از اسلام یہ لوگ اصنام پرستی سے لاتعلق رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مصوّری کا اصنام پرستی کے ساتھ گہرا تعلق رہا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے۔ تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ کہ مصوّری اصنام پرستی کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہے۔ چونکہ پشتونوں میں بت پرستی نہیں تھی۔ اس لئے انہیں

تصویریں یا مجسمے بنانے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ اُن میں یہ فن بھی نہیں الغرض جس پہلو سے بھی دیکھا جائے قدیم پشتونوں میں بُت پرستی اور صنم سازی کے آثار و شواہد نہیں ملتے۔

پشتونوں کے فنونِ لطیفہ میں قدیم زمانے میں صرف پانچ چیزیں شامل تھیں۔ رباب۔ چنگہ۔ یک تارہ۔ دف جسے دَریہ کہتے ہیں۔ اور ڈھول۔ اس کے علاوہ پشتونوں میں بجانے کے لئے کوئی خاص چیز نہیں تھی۔ مذکورہ سازوں میں چنگہ۔ یک تارہ۔ ڈھول اور دریہ۔ رباب کے مقابلے میں زیادہ قدیم ہیں علاوہ ازیں رباب ان کی اپنی اختراع بھی نہیں۔ بلکہ یہ ترکوں کی اختراع تھی لیکن اس کی ابتدائی شکل وہ نہیں تھی جو آج ہے۔ ابتداء اس کے صرف تین تار ہوتے تھے پھر جب پشتونوں نے بھی اپنا لیا تو اس میں مزید اصلاح کی گئی ترکوں اور عربوں میں اب بھی پرانی طرز کے چھوٹے چھوٹے رباب ہوتے ہیں۔ البتہ پشتونوں کے رباب اُن کے مقابلے میں دو تین گنا بڑے ہوتے ہیں۔ اور ان کے تار بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

ڈھول۔ چنگہ۔ دَریہ اور یک تارہ قدیم آریائی ساز ہیں۔ خصوصاً پشتونوں کی اپنی اختراعات ہیں۔ یک تارہ اور دریہ (دف) کا تاجکستان میں بھی رواج ہے۔ البتہ اُن کے ڈھول اور دَریہ پشتونوں کے ڈھول اور دریہ سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ ڈھول کا استعمال مرد کرتے ہیں۔ اور دَریہ کا عورتیں۔ ڈھول اور دَریہ دونوں بکری اور دنبے کی کھال سے بنائے جاتے ہیں۔ البتہ دَریہ کا درمیانی حصہ خالی ہوتا ہے۔ جیسے تھال۔ بعض ان کے اندر کناروں پر گھنگرو بھی لٹکاتے ہیں۔ پشتونوں کے دَریہ کا قطر تقریباً چار فٹ ہوتا ہے اور تاجک کے دَریہ کا قطر تقریباً ڈیڑھ فٹ ہے۔ اس طرح پشتونوں کے ڈھول مختلف حجم کے ہوتے

ہیں بعض بہت بڑے ہوتے ہیں۔ تقریباً ایک گز لمبائی اور قطر تقریباً چار فٹ ہوتا ہے۔ درمیانی حصہ خالی اور دونوں طرف کھال ہوتی ہے۔

ڈھول لکڑی سے بجایا جاتا ہے جو مخصوص اس کے لئے بنایا جاتا ہے جبکہ دَریہ ہاتھ سے بجایا جاتا ہے۔ چنگہ کاکڑستان کے علاقے کی ایجاد ہے جو سارنگی سے مشابہ ہے۔ اور کاکڑی غاڑی کی دُھن اس میں بڑی دلکش اور میٹھی سنائی دیتی ہے۔

یک تارہ سوات کے یوسف زئیوں میں زیادہ مُروّج ہے۔ اور ان کی اپنی ایجاد ہے۔

یہ پشتونوں کے قدیم ساز ہیں۔ لیکن چونکہ مُلا مجلس کے دوران سازوں کو پسند نہیں کرتے لہذا اس وجہ سے تھال۔ ٹِن اور مٹکوں کا استعمال کرتے ہیں۔ اس محفل کو پشتون بنڈار کہتے ہیں۔ بعض قبائل میں کسی سے قبائلی روایات کی پابندی نہ کرنے پر حقہ پانی بند کرنے کو بنڈار کہتے ہیں۔

کلاسیکی موسیقی نہ تو پشتو میں تھی اور نہ اب ہے۔ یہ ہندوستان کی اختراعات ہیں۔ اور کلاسیکی موسیقی کے ماخذ ہندی مذہبی بھجن ہیں۔ جن سے کہ پشتونوں کا کوئی سروکار نہ تھا۔ البتہ بعد کے زمانہ میں جب امیر خسرو دہلوی اور باز بہادر نے ہندی راگوں اور موسیقی میں دلچسپی لی تو مختلف علاقوں کے عوامی گیتوں کی دھنیں بھی ان میں شامل کر لی گئیں۔ جن میں کچھ پشتو دھن بھی شامل تھے

چونکہ پشتو دھنوں میں تیزی اور شوخی تھی۔ اور ہندی دھنوں میں نرمی تھی۔ اس وجہ سے کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں کی۔ پشتو کے مشہور سازوں میں ڈھول کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ جو غم و خوشی کے علاوہ جنگ کے موقع پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ جس سے اطلاع اور جنگی

اشاروں کا کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی گاؤں پر اچانک حملہ ہونے والا ہو یا ہو جائے۔ تو اس وقت ڈھول بجا کر لوگوں کو مطلع کیا جاتا ہے۔ لیکن اس وقت ڈھول کی آواز وہ نہیں ہوتی۔ جو عام ہوتی ہے۔ بلکہ ایک مخصوص طریقے سے بجایا جاتا ہے۔ جس سے کہ لوگوں کو حملے کا علم ہو جاتا ہے۔ اور اگر کہیں جنگ کرنے کے لئے ان کو بجا کرنا مقصود ہو تو پھر زور زور سے بجایا جاتا ہے میدان جنگ میں ڈھول کے ذریعے جنگ کی کیفیت بتائی جاتی ہے۔ جسے صرف اپنے ہی لوگ سمجھتے ہیں۔ شادی کے دوران ڈھول بجانے والا بیچ میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے لوگ اس کے ارد گرد دائرہ کی صورت میں (اتن) کرتے ہیں۔ عورتوں کا رقص علیحدہ ہوتا ہے۔ جب کہ مردوں کا علیحدہ کیونکہ رقص (اتن) کئی کئی قسم کے ہوتے ہیں اس لئے ہر قسم کے رقص کے ساتھ اسی قسم کی دھن بجائی جاتی ہے۔ ڈھول ہر شخص نہیں بجاتا۔ بلکہ اس کے بجانے والے مخصوص لوگ ہوتے ہیں۔ جن کو میراثی نہیں کہا جاتا۔

جیسے کہ پشتونوں کے عوامی گیتوں میں حماسی رنگ نمایاں ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کے رقص میں بھی حماسیت واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔ جس میں مارچنگ کی طرح جوش و خروش پایا جاتا ہے۔ مثلاً خٹک اور غلجیوں کے رقص کے دوران اب تک تلواریں استعمال کی جاتی ہیں۔ اور جہاں کہیں تلوار کی جگہ بندوق کا استعمال ہوتا ہے تو وہاں رقص کے دوران ہوائی فائر کرتے ہیں۔ اور خوشی کے موقعوں پر نشانہ بازی بھی کرتے ہیں۔ اگرچہ بڑے بڑے قبائل کے قبائلی رقصوں میں تھوڑا فرق ہوتا ہے۔ لیکن طرز سب کی حماسی ہوتی ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے۔ کہ پشتون قبائل میں آفریدی اتن (رقص) نہیں کرتے۔ جیسا کہ ان کے مرد بال نہیں رکھتے۔ اور ان کی دانست میں بال رکھنا

کو زیب دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ رقص کو بھی پسند نہیں کرتے۔

اتن کے دو بڑے طرز ہوتے ہیں۔ ایک وہ جس کے ساتھ ساتھ مل کر گاتے بھی ہیں۔ اور دوسرا وہ جو بالکل خاموش ہوتا ہے۔ البتہ وقفے وقفے کے بعد اوغ اوغ کی بھاری آواز نکالتے ہیں۔ اس میں سب سے مشہور رقص غومبر کہلاتا ہے۔ غومبر دراصل اس آواز کا نام ہے جو سینے سے نکالی جاتی ہے۔ یہ بہت قدیم رقص ہے۔ جب کبھی وہ دشمن پر شب خون مارتے تھے تو انہیں ہراساں کرنے کے لئے اس قسم کی آوازیں نکالتے تھے۔ دشمن یہ آوازیں سن کر خوفزدہ ہو جاتا تھا۔ اس رقص میں دوسرے رقصوں کی طرح دائرہ نہیں بنایا جاتا بلکہ پلٹن کی طرح چار چار کی صفوں میں سفید کپڑوں میں ملبوس ننگے سر تلواریں ہاتھ میں لئے جھومتے جھامتے آتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں قمیصیں اتار کر یہ رقص کرتے تھے۔ کیونکہ اندھیرے میں سفید کپڑے نظر آتے تھے۔

پشتونوں میں بڑیچ۔ ناصر۔ خٹک۔ لونی۔ رقص بڑے مشہور ہیں غومبر کاکڑ اور شیرانیوں کا مشہور رقص ہے۔ رقص کے موقع پر تمام رقص کرنے والے ایک ہی قسم کا لباس پہنتے ہیں جن میں سفید اور کالے لباس کو خصوصیت حاصل ہے۔ پشتون لفظ اتن کو رقص یا ناچ کا نام نہیں دیتے بلکہ رقص یا ناچ کو برا سمجھتے ہیں۔ ان کی دانست میں اتن ایک قومی کھیل ہے۔ اس کھیل کے مزے کا دارومدار ڈھول بجانے والے پر ہے۔ جتنا ایک ڈھول بجانے والا ماہر ہوگا۔ اتنا ہی اتن اچھا ہوگا۔ کیونکہ وہ ڈھول کی آواز کے ساتھ مختلف حرکتیں کرتے ہیں۔ اور ڈھول والا ہی اتن میں جوش پیدا کرتا ہے۔ اور مختلف طرزوں سے بجاتا ہے۔ جب یہ جوش عروج کو پہنچتا ہے تو تھکاوٹ کی وجہ سے کچھ دیر بعد میدان چھوڑتے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ آخر

میں ایک آدمی رہ جاتا ہے جو اپنے فن کا بڑے جوش و خروش سے مظاہرہ کرتا ہے۔ عورتوں کے رقص کو بھی اتن ہی کہتے ہیں۔ اور یہ اتن دائرہ بنا کر کیا جاتا ہے۔ دو چار عورتوں کے ہاتھوں میں دریے (دف) ہوتے ہیں۔ اتن کے ساتھ گاتی بھی ہیں۔ غیر شادی شدہ کنواری لڑکیوں کا الگ اتن ہوتا ہے۔ جسے پشتو میں (رشلہ) کہتے ہیں۔ یہ اتن دو دو لڑکیاں جوڑے کی صورت میں کرتی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ کر چکر کھاتی ہیں۔ کسی زمانہ میں بڑی عمر کی عورتیں بھی مردوں کے ساتھ مل کر اتن کرتی تھیں جسے پشتو میں (برگ اتن) کہتے تھے۔ کیونکہ مردوں کا لباس سفید ہوتا تھا۔ عورتیں کا کالا اس لئے اسے برگ کہتے تھے۔ لیکن اس اتن میں زیادہ تر قریبی عزیز و اقارب ہی حصہ لیتے تھے۔ اب یہ رواج نہیں رہا۔

ازدواجی رسومات :-

پشتونوں کی ازدواجی رسومات تین مرحلوں میں تکمیل کو پہنچتی ہیں۔

هوکړه　　　　کوژده　　　　واده

هوکړه کے معنی ہیں حامی بھرنا یا ہاں کرنا۔ جب کوئی شخص اپنے یا اپنے بھائی بیٹے کے لئے کسی کی بہن یا بیٹی کا رشتہ مانگتا ہے۔ تو سب سے پہلے اگر اُن کے متعلق معلومات نہ ہوں۔ معلومات حاصل کرتے ہیں۔ ایک دو عورتیں وہاں جاتی ہیں لڑکی دیکھنے کے ساتھ ساتھ گھر کا ماحول اور حیثیت بھی دیکھتی ہیں۔ اس کے بعد اگر پسند آ جائے۔ تو لڑکی کی ماں سے اپنا مقصد بیان کرتی ہیں۔ وہ تین چار دن کے بعد جواب دینے کا وعدہ کرتی ہیں۔ اس دوران میں وہ اپنے مردوں سے ذکر کرتی ہیں۔ وہ بھی سب سے پہلے رشتہ مانگنے والوں کے متعلق ہر قسم کی معلومات

حاصل کرنے کے بعد جواب دے دیتے ہیں۔ اگر دونوں فریق رضامند ہوئے تو پھر لڑکی والے اُنہیں اطلاع دیتے ہیں۔ کہ اپنے مردوں کو بھیج دو۔ اس کے بعد تین چار بڑے بوڑھے اُن کے پاس جاتے ہیں اسے مرکہ کہتے ہیں یہ کام شام کے وقت ہوتا ہے۔ وہاں جا کر تمام معاملات پر گفتگو کی جاتی ہے مثلاً "ولور" و دیگر اخراجات جن میں کپڑے، زیورات، اور شادی کے مہمانوں کا خرچہ شامل ہوتا ہے۔ فیصلہ ہو جانے پر رشتہ مانگنے والوں کی طرف سے ایک آدمی باہر نکل کر بندوق یا پستول سے چار پانچ ہوائی فائر کر دیتا ہے۔ یہ اس لئے تا کہ گاؤں والوں کو پتہ لگ جائے۔ اس ہاں کرنے کی رسم کو (هوکړه) کہتے ہیں۔

هو کے معنی ہاں اور کړه کے معنی کرنا۔ اس کے بعد کوژده (منگنی) کے لئے تاریخ مقرر کی جاتی ہے۔ منگنی کی رسم عموماً ظہر کی نماز کے بعد ادا کی جاتی ہے۔ جبکہ گاؤں کے تمام زن و مرد بچے بوڑھے اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس موقع پر تمام لوگوں کے سامنے عہد و پیمان بیان کئے جاتے ہیں بعض لوگ اس موقع پر نکاح ڈالتے ہیں۔ اور بعض شادی کے موقع پر گذشتہ زمانوں میں منگنی کے موقع پر گاؤں کے تمام گھروں کے بزرگوں کو ایک ایک لنگی ایک مشہدی رومال جس میں خشک میوہ ہوتا تھا۔ دے دیتے تھے۔ وقت گذرنے اور حالات بدلنے کے ساتھ ساتھ پہلے لنگی دینے کی رسم ختم ہو گئی۔ بعد میں رومال دینے کی بھی۔ اب صرف مٹھائی دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور چائے پلاتے ہیں۔ اس کے بعد ایک بڑا خوبصورت رومال جس پر کشیدہ کاری بھی ہوئی ہوتی ہے۔ اور ایک کونے پر سونے یا چاندی کی سوئی لٹکائی جاتی ہے۔ ایک جوڑا کپڑوں سمیت دلہن کے والدین کی جانب سے لائے جاتے ہیں

کپڑے دُولھا کو پہنائے جاتے ہیں۔ اور رومال دولھا کے بھائی کی لاٹھی یا لنگی میں سوئی ٹھونک کر رومال اُس کے کندھے پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ اور وُہ آگے آگے اور برات اُس کے پیچھے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ مردوں کا کام یہاں پر ختم ہو جاتا ہے۔ البتہ عورتیں دونوں گھروں میں خوشی مناتی ہیں۔ رات کو دولھا کے گھر سے عورتیں اور بچے خوشی مناتے ہوئے دلہن کے گھر مہندی لے جاتے ہیں۔ اُس کے بعد دولھا کے گھر سے عورتیں آکر دلہن کو مہندی لگا دیتی ہیں۔ منگنی کا رومال دولھا کے دروازے پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ دولہن کے پورے ہاتھوں کو مہندی لگائی جاتی ہے۔ جبکہ دولھا کے ایک ہاتھ کی چھوٹی انگلی کو مہندی لگا کر سبز رنگ کے کپڑے سے باندھ دیتے ہیں۔ اس وقت دولھا کے ساتھ گاؤں کے دو چار دوست بھی بیٹھ جاتے ہیں۔ انہیں بھی بطور نیک شگون مہندی لگائی جاتی ہے۔ دولھا سمیت سب مہندی کے تھال میں جس میں موم بتیوں کے علاوہ تھوڑی سی مٹھائی بھی ہوتی ہے۔ پیسے ڈالتے ہیں۔

حسب توفیق کچھ رقم ڈال دیتے ہیں۔ منگنی کے بعد سے دولھا کے گھر کی طرف سے دُلھن کے گھر ایک اچھا جوڑہ کپڑا بھیجا جاتا ہے۔ پہلے یہ دستور تھا کہ اس جوڑہ میں سب کچھ ہوتا تھا۔ لیکن شلوار نہیں ہوتی تھی۔ وہ والد لے کر دیتا تھا۔ اسی طرح شادی کے بعد جب باپ کی طرف سے بیٹی کو کپڑے بھیجے جاتے تھے تو اس میں بھی شلوار نہیں بھیجتے تھے۔ وُہ شوہر لے کر دیتا تھا۔ لیکن اب شہری علاقوں میں یہ رواج نہیں رہا۔ اور دونوں طرف سے مکمل جوڑہ بھیجا جاتا ہے۔

شادی کی رسم یہ ہے، کہ دولھا کے گھر کی طرف سے دُلھن کے گھر کو

ایک دن پیشتر خام خوراکی مواد جیسے دنبے۔ چاول اور دیگر ضروری اشیاء بھیجی جاتی ہیں۔ جسے وہاں دوسرے دن پکانے کے بعد مہمانوں کو کھلایا جاتا ہے۔ ان خوراکی اشیاء کو پشتو میں (خوشئی) کہتے ہیں۔ یعنی خوشی کا کھانا۔ مہمان دونوں طرف سے بلائے جاتے ہیں۔ البتہ دولھا کی طرف سے مرد و زن دولھا کے ساتھ بارات میں دن کو ڈھول باجو اور بندوقوں کی ٹھز ٹھز کے ساتھ دلہن کے گھر جاتے ہیں۔ اور دولھا کی طرف کی عورتیں شادی کا وُہ مخصوص مشہور گیت گاتی ہیں۔ جسے "بابولالہ" کہتے ہیں۔

دُلہن کے گھر کی عورتیں بارات پر پانی اور رنگ بھی چھڑکتی ہیں۔ قبائل اور شہریوں کی شادی میں یہ فرق ہے کہ شہر میں نشان بازی یا بلند آواز گیت گانے۔ کشتی لڑنے اور رقص کرنے کے لئے جگہ نہیں ہوتی اگر تھوڑی بہت گنجائش ہوتی ہے تو وُہ بھی صرف اتن کے لئے مخصوص کرتے ہیں۔ قبائلی علاقوں میں ان کھیلوں کے لئے جگہ کی دقت نہیں ہوتی۔ لہٰذا وہاں پر یہ تمام کھیل اور مسابقے بآسانی ہوتے ہیں۔ یہ مقابلے اور مسابقے دُلہا اور دُلہن کے گاؤں والوں یا قبیلوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ بعض علاقوں میں جیسے کہ اچکزئی کے علاقہ میں دُلہا اُس وقت تک دُلھن کو نہیں لے جاتے جب تک دولھا بندوق سے نشانہ نہ مارے اگر دولھا نشانہ مارنے میں ناکام ہو جائے تو پھر ان کی جگہ اُن کا بھائی باپ یا کوئی اور رشتہ دار یہ شرط پوری کرتا ہے۔ بہر حال شادی کا کھانا کھانے کے بعد تمام مہمان چلے جاتے ہیں۔ دیگر عزیز و اقارب رہ جاتے ہیں۔ ظہر کی نماز کے بعد دُلھن کو سجایا جاتا ہے۔ دُلہن کی جانب سے عورتیں دُلہن کو مخاطب کر کے گیت گاتے ہوئے اُس کے حسن و اخلاق کی داد

دیتی ہیں۔ اور دُلھا کی جانب سے عورتیں "بالو لالہ" گاتی ہوئی اس میں دولھا کی جوانی اور مردانگی کی تعریف کرتی ہیں۔ جس وقت دلھن کو لے جایا جاتا ہے تو وُہ بہت روتی ہے۔ دلہن کا بھائی آکر ایک سبز دھاگہ دلہن کی کمر پر باندھ دیتا ہے۔ دلہن کی شال کے کونوں میں مٹھائی باندھی جاتی ہے۔ یہ شال بھی اس کے بھائی کھول کر مٹھائی لے لیتے ہیں۔ اس وقت ایک کنواری لڑکی دُلہن کے سر پر تلوار لئے کھڑی رہتی ہے ——— تلوار میں دنبے کا دل پیوست ہوتا ہے۔ اور نوک پر پیاز جب بارات دُلہن کے گھر آتی ہے۔ تو دُلہن کی عزیز عورتوں کی جانب سے شربت پلایا جاتا ہے اور شربت پینے کے بعد حسبِ توفیق اس میں پیسے ڈال دیتے ہیں۔ شادی کے دن دُلہن کے بال بنائے جاتے ہیں۔ سر کے درمیان میں مانگ نکال کر اس میں سندور ڈالی جاتی ہے۔ جو عورت دُلہن کے بال بناتی ہے اس کو بھی شیرینی کے طور پر کچھ پیسے دیئے جاتے ہیں۔

ژوب اور لورالائی کے کاکڑوں میں رواج ہے جس وقت دُلہن کے بال بنائے جاتے ہیں۔ تو اس وقت دُلھن خود ماں، باپ، بہن بھائی گھر اور دیہات کی جدائی میں گیت (بٹے) گاتی ہے۔ ان گیتوں (بٹوں) کو ان کی اصطلاح میں صوت کہتے ہیں۔ ان صوتوں میں اس قدر غم اور سوز ہوتا ہے۔ جس سے ہر سننے والا متاثر ہو کر رو پڑتا ہے۔ دُلہن روتی ہوئی گاتی ہے۔ اور فی البدیہہ مصرعے کہتی ہے۔ اگر کہیں ایک کاکڑ دلہن ایسا نہ کرے تو اسے عیب سمجھا جاتا ہے۔ یعنی یہ کہ دُلہن نالائق ہے، اس وقت دلہن کے بھائی اور دیگر عزیز دُلھن کے سر پر چادر ڈالتے ہیں۔ بعض پورا جوڑا کپڑا دیتے ہیں الغرض جس وقت دُلہن کے لے جانیکی تیاری ہوتی ہے۔ اس وقت سُسر کی طرف

سے بھی دُلہا کو کپڑے پہنائے جاتے ہیں بسُسر دُلہا کی کمر ایک رومال یا دوپٹے سے باندھ دیتا ہے۔ کمر باندھنے سے مراد زندگی میں مشکلات کا مقابلہ اور نئی زندگی کے آغاز سے ہے، دوپہر کے کھانے میں دلہن کو دنبے کا پکایا ہُوا دل دیتے ہیں۔ اس لئے کہ دلہن کے دل کو تقویت پہنچے جس وقت دلہن کو گھر سے نکالا جاتا ہے تو اس دوران ایک جانب باپ اور دوسری جانب بھائی یا کوئی اور رشتہ دار دُلہن کو تھامے ہوئے اور سر پر قرآن مجید رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس وقت دُلہن کے گاؤں کے بچے دروازہ میں رسّی پھیلائے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ بچے اس وقت تک راستہ نہیں دیتے جب تک دُلھا کا باپ یا بھائی اُن کو کچھ شیرینی نہیں دیتا۔

لورالائی کے ترین اور لونی قبائل میں یہ رسم اب تک جاری ہے۔

جس وقت دلہن کو گھر سے نکالا جاتا ہے۔ تو بچے بارات کے لوگوں کو پتھر اور انڈوں سے مارتے ہوئے طرح طرح کے رنگ اُن پر چھڑکتے ہیں۔ لیکن ژوب میں سوائے عبداللہ زئی قبیلے کے دوسروں میں یہ رسم نہیں۔

جس وقت دلہن کو گھر لایا جاتا ہے، تو دیہات کی عورتیں اُس پر مٹھائی نچھاور کرتی ہیں۔ گھر میں کمرے کے اندر دُلہن کے لئے ایک تخت نما جگہ بنائی جاتی ہے۔ دلہن کو اس پر دُلھا کے ساتھ کھڑا کر کے آئینے اور قرآن مجید میں دونوں دیکھتے ہیں دُلہن اس وقت تک نہیں بیٹھتی جب تک کہ دُلہن کا سُسر یا دیور جو وہاں پہ موجود ہوں دلہن کے لئے تحفتاً کچھ تسلیم نہ کر لے۔ مثلاً (گھرے) چوڑیاں یا لباس وغیرہ جس وقت دُلہن بیٹھتی ہے۔ تو اس وقت ایک خوبصورت بچے کو دلہن کی گود میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ اس کو بھی خدا بچے دے۔ دُلہن کے ہاتھ میں اُس وقت کچھ مٹھائی ہوتی ہے جو بچے کو دیتی ہے۔

زیادہ تر مائیں یہ پسند نہیں کرتیں کہ اُن کے بچے کو دلہن کی گود میں بٹھایا جائے اُن کا عقیدہ ہے۔ کہ اس سے بچے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ کیونکہ دُلہن کی گود بھاری ہوتی ہے۔ اگر بچہ اس دوران اس رسم کے لئے نہ ملے تو اس وقت دلہن کی گود میں اسلحہ رکھ دیا جاتا ہے۔ مثلاً تلوار یا بندوق شادی کے تیسرے دن دُلہن کو گھر سے نکال کر گاؤں کی دیگر عورتوں کے جھرمٹ میں چشمہ یا کاریز کی پنگھٹ پر لے جاتی ہیں وہاں دُلہن ظہر کی نماز پڑھتی ہے۔ اور اُس کے بعد دُلہن کی ساس اور سالی عورتوں اور بچوں میں مٹھائی تقسیم کرتی ہیں بعد میں دلہن کو مشکیزہ دیا جاتا ہے جسے وہ خود بھر کر اُٹھا لیتی ہے اور دیگر عورتوں کے ساتھ واپس گھر چلی آتی ہے۔ اس طرح پھر دُلہن کو آٹا، چولہا اور گھر کے گوشے گوشے کا طواف کرانے کے بعد نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔

پیشرئی:۔ جیسا کہ اس سے قبل ذکر ہو چکا کہ (پیشرئی) تیسرے دن کے اس کھانے کو کہتے ہیں جو باپ کے گھر سے دُلہن کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اور گاؤں کی بڑی عورتیں وہ کھانا دُلہن کے ساتھ کھاتی ہیں۔ (خونئی) وہ شیرینی ہے۔ جو دیہات کی تمام عورتیں شادی کے تیسرے دن دُلہن کی ساس کو بطور تبریک دیتی ہیں۔ یہ سوغات کپڑے پیسے وغیرہ کی صورت میں دی جاتی ہے۔ جبکہ بعد میں جب یہی عورتیں واپس اپنے گھروں کو لوٹتی ہیں تو دلہن کی ساس دوبارہ ان کو اپنی طرف سے شیرینی دیتی ہے۔ لیکن یہ شیرینی اس سے زیادہ ہوتی ہے جو عورتوں نے دی ہوتی ہے۔ دُلھن کے ساتھ پہلے دن جو عزیز و اقارب عورتیں آئی ہوئی ہوتی ہیں۔ وہ شادی کے تیسرے دن واپس اپنے

گھروں کو لوٹتی ہیں۔ ان تمام عورتوں کو دُلھن کی ساس کی طرف سے کپڑے دیئے جاتے ہیں۔ جسے پشتو میں (اسرہ پا بونہ) کہتے ہیں۔

شادی کے بعد جب دُلہن کے والدین اپنی بیٹی کے سلئے دعوت کرتے ہوئے اپنے گھر لے جاتے ہیں تو اس رسم کو (پہ سروارہ بوول) کہتے ہیں اس دعوت میں پہلی رات کو دولھا اور دُلہن کے مرد و زن عزیز و اقارب شرکت کرتے ہیں لیکن دُلہا کھانا کھانے کے بعد واپس اپنے گھر لوٹتا ہے۔ وہ سسر کے گھر قیام نہیں کرتا۔ بلکہ دلہن کچھ دن والدین کے گھر قیام کرتی ہے۔ دُلہن کے ساتھ اکثر ساس اور دیور کی بیوی بھی تین چار دن قیام کر لیتی ہیں۔ بعد میں واپس اپنے گھروں کو لوٹتی ہیں۔ روانگی کے دوران دُلھن کی ماں ان کو کپڑے یا شال دیتی ہے۔ دُلہن ہفتہ دس دن قیام کے بعد جب واپس اپنے گھر کو لوٹتی ہے تو باپ دلہن کو کپڑے دیتا ہے۔

کونڈہ:۔ وہ عورت جس کے شوہر کا انتقال ہوا ہو یعنی (بیوہ) اور دوسری شادی کرتی ہے۔ تو اس کی شادی کے دوران ڈھول تماشے نہیں ہوتے اور نہ ہی رقص و موسیقی ہوتی ہے۔ کچھ معزز اور بزرگ مرد و زن رات کو نکاح پڑھا لیتے ہیں۔ رات کو مختصر کھانا کھانے کے بعد خاموشی سے دُلھن کو لے جاتے ہیں کیونکہ پشتونوں میں بیوہ آزاد نہیں ہے۔ یا تو وہ انتقال کئے ہوئے شوہر کے عزیزوں میں رشتہ کرے گی اور اگر ایسا نہ ہو یا کوئی شادی کرنے کو آمادہ نہ ہو یا یہ بیوہ خود نہیں کرنا چاہتی۔ تو پھر اس بارے میں دو صورتیں ہیں۔ یا تو وہ تمام عمر بیٹھی رہے گی۔ زیادہ تر عورتیں جن کی نرینہ اولاد یا جائداد ہوتی ہے۔ وہ دوسری شادی نہیں کرتی اگر شادی کرتی ہے۔ اور یہ جائداد رکھتی ہے تو اس

صورت میں اس جائیداد کے وارث اس کے شوہر کے عزیز ہوتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ شخص اُن میں سے نہ ہو، دوسرے یہ کہ اُس شخص سے عورت کے رشتہ دار "ولور" لیتے ہیں اور اگر بچے ہوتے ہیں تو وہ اس کے شوہر کے عزیز و اقارب اپنے پاس رکھ لیتے ہیں۔

آر:۔ اگر کوئی شخص کسی کی بیٹی یا بہن کے رشتہ کے لئے پیغام بھیجے اور وہ انکار کرے اور پھر کچھ معززین اور علما درخواست کرنے کے طور پر بھیج دیئے جائیں۔ اور ہر طرح کی شرائط قبول کرتے ہوئے بھی جب لڑکی کے عزیز انکار کریں۔ تو اس صورت میں کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ وہ ناکام شخص لڑکی کے گھر کے دروازے کے سامنے بندوق یا پستول سے فائرنگ کرتے ہوئے۔ یہ اعلان کرتا ہے کہ فلاں لڑکی میری ہے۔ اگر کسی شخص نے اس سے شادی کی یا شادی کا پیغام بھجوایا تو جس نے وہ لڑکی اپنے نام سے منسوب کی ہوتی ہے اس کے ساتھ بدی ہو جاوے گی۔

جس زمانہ میں بندوق نہیں تھی۔ اس وقت لڑکی کا دوپٹہ بھگا لے جاتے تھے۔ اور اس طرح لڑکی پر یہ پابندی لگا دیتے تھے۔ کہ اولاً تو اس سے شادی کی جائے ورنہ بصورت دیگر تمام عمر اسی طرح بیٹھی رہے گی۔ کیونکہ اس حرکت کے نتائج بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ یعنی لڑکی کا باپ اور بھائی اس شخص کی موت کے درپے ہو جاتے ہیں۔ ایسے واقعات شاذ و نادر ہی پیش آتے ہیں جس سے کہ بڑا مسئلہ بن جاتا ہے۔ کیونکہ دوسرا شخص اس لڑکی کو مانگ نہیں سکتا۔ اگر ایسا کرے تو پھر اس شخص کے مقابلے کی تیاری بھی کرنا پڑتی ہے۔ جس سے کہ یہ لڑکی منسوب ہوتی ہے۔ البتہ اگر اس شخص کو لڑکی کے عزیزوں یا پیغام (مرکہ) کے بعد ان دیگر لوگوں نے مار ڈالا

تب تو لڑکی آزاد ہو جاتی ہے۔ مگر انتقام باقی رہتا ہے لیکن عموماً جرگہ ایسے معاملات نمٹا دیتا ہے۔ اکثر ایسے شخص کی موت کے بعد یہ معاملہ آگے نہیں بڑھتا ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اس شخص نے ہٹ دھرمی کی ہوئی ہوتی ہے۔ جبکہ اس بنا پر کوئی اس کا ساتھ نہیں دیتا۔ اگر کہیں لڑکی کا گھرانہ ایسی حالت میں مجبور ہو جائے کہ لڑکی کی شادی کر دیں تو اس صورت میں سخت شرائط پیش کی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک لڑکی کے بدلے وہ شخص ان کو دو کنواری لڑکیاں دے گا۔ یا ان کے مقابلے میں مساوی ہرجانہ ادا کرے گا۔ اس رسم کو پشتون "آر" کہتے ہیں یعنی ننگ و ناموس کا معاملہ۔

پشول:۔ شادی میں پشتون بہن بیٹی کو اس "ولور" سے جو لیا جاتا ہے۔ زیور لباس۔ گھر کا سارا سامان جہاڑو تک دے دیتے ہیں۔ زیور کو شادی کا "پشول" کہتے ہیں۔ زیور میں خاص خاص چیزیں یہ ہیں۔ نت۔ چوڑیاں۔ ہار۔ انگوٹھی ٹکہ۔ بالیاں۔ پائیزیب وغیرہ یہ ہر شخص کے اپنے بس کی بات ہوتی ہے ویسے مالدار لوگ یہ زیورات سونے کے بناتے ہیں۔ زیورات کے علاوہ والدین بھی اپنی استطاعت کے مطابق لڑکی کو کپڑے دیتے ہیں۔ گھر کے لوازمات کے علاوہ دیگر سامان بھی دیتے ہیں

توری قبیلے اور چند بنگش قبیلے کے علاوہ باقی تمام پشتون اہل سنت والجماعت حنفی مذہب ہیں۔ اس وجہ سے نکاح بھی حنفی اسلامی طریقہ سے پڑھتے ہیں۔

بچوں کے نام:۔ اسلام کے بعد پشتونوں نے اسلامی نام اختیار کر لئے لیکن اس سے پیشتر وہ پھولوں۔ پرندوں۔ دیگر جانوروں اور قدرتی عناصر کے نام استعمال کرتے تھے اب بھی استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً مرد کے لئے تورگل۔

سپین گل بشین گل ۔ چنار خان سپین بادام ۔ زمرئ ۔ پرانگ ۔ باز طوطی ۔

عورتوں کے لئے ۔ بسپینۂ ۔ سارکہ ۔ بخنکہ ۔ کوترہ ۔ مُرغئ ۔ زرکہ ۔ ایلئ

ژوب اور لورالائی میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے نام لرم اور غنڈرک ہیں ایسے بھی ہیں جو دن اور شہروں کے نام رکھتے ہیں ۔ مثلاً شنبہ ۔ چہارشنبہ ۔ جمعہ لاہور ۔ پشاور ۔ کابل ۔ بابل ۔ لڑکا جب پیدا ہوتا ہے تو تیسرے دن اس کا نام رکھ دیا جاتا ہے ۔ مُلا کو بلا کر مرد و زن اکٹھے ہو جاتے ہیں ۔ بچوں کو قطار میں کھڑا کر دیا جاتا ہے ۔ اس دوران مُلا نشرح پڑھتا ہے ۔

اس سے قبل زمانہ میں شیخ سعدی شیرازی کا فارسی نشرح پڑھتے تھے اب پشتو کا نشرح بھی پڑھتے ہیں ۔ یہ نشرح منظوم اور دعائیہ ہے ۔ مُلا ایک شعر پڑھتا ہے تو قطار میں کھڑے بچے بہ آواز بلند "اللہ آمین" کہتے ہیں ۔ جس وقت نشرح ختم ہوتا ہے ۔ تب لڑکے کا نام رکھا جاتا ہے ۔ بعد میں دُعا مانگنے کے ساتھ مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے ۔ اس موقع پر بھی گاؤں کی عورتیں لڑکے کی ماں یا دادی کو شیرینی پیش کرتی ہیں ۔

ژوب اور لورالائی میں نوزائیدہ بچے کے ایک یا دونوں کانوں میں سوراخ کر کے سونے کا "چھلا" پہنایا جاتا ہے ۔ چالیسویں دن لڑکے کو نہلاتے ہیں ۔ لڑکا جب ایک سال کی عمر کا ہو جاتا ہے ۔ تو سر کے آس پاس کے حصے کے بال کٹوا کر درمیانی حصے میں ہندوؤں کی طرح (چوٹی) رکھ دیتے ہیں ۔ بعض سر کے دائیں بائیں دو چوٹی رکھتے ہیں ۔ یہ رسم ژوب ۔ لورالائی ۔ پشین میں اب تک ہے ۔ البتہ سر کے بیچ میں ہندوؤں کی طرح چوٹی اب بہت ہی کم نظر آتی ہے ۔ ایک جانب اور دوسری جانب یا ایک طرف کو چوٹی رکھتے

ہیں ۔ اور اس پر نگینے پروتے ہیں ۔ لڑکیوں کی پیشانی پر چار انگل بال چھوڑ دیتے ہیں ۔ یہ اس وقت تک رہتے ہیں جب تک کہ لڑکی کی شادی ہوتی ہے ۔ لڑکے کو سات سال تک سفید شلوار نہیں پہناتے کاکڑوں کے علاقہ میں جب تک لڑکا سن بلوغ کو نہیں پہنچتا اس وقت تک اس کو شلوار نہیں پہناتے ۔ ٹخنوں تک لمبی قمیص پہنا کر اس میں سُرخ دھاری لگا دیتے ہیں اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ لڑکا نابالغ ہے ۔ اور عورت کی حیثیت رکھتا ہے ۔ کیونکہ اگر کوئی ان سے دشمنی رکھتا ہے تو دشمن ہونے کی صورت میں اس لڑکے کو ضرر نہیں پہنچاتے ۔

جس وقت لڑکا سات سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو اس وقت کسی بزرگ یا مُلا کو بلوا کر اس لڑکے کی چوٹی کو کٹوا دیتے ہیں ۔ تب سفید شلوار پہنا کر کانوں سے "چھلے" اتار دیئے جاتے ہیں ۔ لڑکے کا باپ اُن بالوں کو بیچ کر ان پیسوں سے خیرات کرتا ہے ۔ جس شخص کی اولاد سات سال سے قبل ہی مر جاتی ہے ۔ تو وہ اپنے بچے کی گردن میں کچکول ڈال کر سات گھرانوں کی گداگری کراتا ہے ۔ جو کچھ یہ لڑکا دوران خیرات جمع کر لیتا ہے ۔ اس کی ماں اس کو پکا کر خیرات کر دیتی ہے ۔ اس رسم کا مطلب یہ ہے کہ بچے کو خدا عمر دراز دے ۔ بعض لوگ لڑکے کے لئے لوہار سے لوہے کا کڑا بنوا کر دائیں پاؤں میں پہنا دیتے ہیں ۔ سات سال بعد اس کڑے کو نکال کر خیرات بھی کرتے ہیں ۔ مطلب یہ کہ اگر سات سال تک لڑکا زندہ رہا تو پھر مرنے کا خطرہ نہیں ہوتا ۔

پشتون بچی کی پیدائش پر خوشی نہیں مناتے البتہ اگر دوسری اولاد تمام نرینہ ہو اور کوئی بچی پہلے نہ ہوئی ہو تب خوش ہوتے ہیں ۔ بیٹے کی پیدائش کی

طرح نہ تو بندوق سے بطور اعلان فائرنگ کرتے ہیں نہ مولوی کو بلاکر شرح پڑھتے ہیں البتہ گاؤں کی عورتیں شیرینی جاکر دے دیتی ہیں۔ بچی کا نام ساتویں دن رکھتے ہیں۔ اور ابتداء سے شلوار پہناتے ہیں۔ جب بچی تین سال کی ہو جاتی ہے تو اُس کے ماتھے پر کاکل بناتے ہیں۔ جسے پشتو میں ادربل کہتے ہیں یہ اس وقت تک رہتا ہے۔ جب تک لڑکی کی شادی ہوتی ہے۔ آفریدی اور کرم قبائلی عورت کی شلوار کے بند پائنچوں پر دونوں ٹخنوں کے اوپر بنائی ہوئی گول کپڑے کی ٹکی کو دربل کہتے ہیں۔ اور ماتھے کے بالوں کو پیکئی کہتے ہیں ویسے تمام پشتون عورت کے کاکل کو پورچ یا پیکئی کہتے ہیں چاہے شادی شدہ ہو یا نہ اگر کوئی لڑکی ایک غلط کام کرتی ہے تو اس کی ماں یا بہن اُسے بطور تادیب کہتی ہے (پیکئی دی پریسے سہ) یعنی تیرا کاکل کٹ جائے یہ تو نے کیا کیا۔

قدیم زمانہ میں آراکوزیا اور پکتیا میں مُردوں کو جلانے یا دفن کرنے کے آثار نظر نہیں آتے البتہ قلات کے علاقہ میں پندران کے مقام پر ایک قدیم قبرستان میں زیر زمین ایک ایسا تہ خانہ موجود ہے جس میں چھ لاشیں تھڑے پر قطار میں پڑی ہوئی ہیں اور ایک لاش دروازے کی جانب چارپائی پر پڑی ہوئی ہے۔ تمام لاشوں پر چادر ڈالے ہوئے ہیں۔ چارپائی والی لاش کے ساتھ ایک کتا بھی چارپائی سے زنجیر کے ساتھ بندھا ہوا ہے اگرچہ صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں مردوں کو تہ خانوں میں رکھتے تھے، ماش خیل سے کوئی پندرہ میل ایران کی حدود میں بھی اس قسم کے تہ خانے زیادہ تعداد میں موجود ہیں۔ البتہ ان پر ایک تو گنبد بنے ہوئے ہیں اور گیلریوں کی طرح بنائے گئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اندر کچھ انسانوں اور بیلوں کے سروں کی تصویریں بھی بنائی گئی ہیں۔ مُردوں کی لاشیں ڈھانچے کی صورت میں کافی تعداد میں موجود ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب

اسلام ان علاقوں میں پہنچا تو جو مجاہدین جنگ میں شہید ہو جاتے تھے ان کو تہ خانوں میں رکھا جاتا تھا۔ جسے عرف عام میں (شامئی) کہتے ہیں ہو سکتا ہے۔ کہ پندران کی سات لاشوں کا تعلق انہی سے ہو، دوڑھ چھالاوان کے علاقے میں بھی اس قسم کے تہ خانے پائے گئے ہیں۔ البتہ ماشکیل کا قبرستان کسی قدیم بابلی تہذیب سے تعلق رکھتا ہے

کھیلیں:- پکتیا اور آراکوزیا جہاں پشتون ہزاروں برسوں سے آج تک اپنی روایات پر مضبوطی سے قائم چلے آرہے ہیں۔ اور جہاں کبھی بھی اسلام کے سوا کسی بیرونی تہذیب و تمدن کے قدم جم نہ سکے ہیں۔ کھیلوں کے حصے میں بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ دیوہیکل پہاڑوں سرسبز شاداب دروں اور دلکش میدانوں میں بسنے والے یہ پُر جلال اور باعظمت لوگ جو ایشیا کے دل میں دھڑکتے ہیں جب موسم بہار میں چراغ لالہ سے ان کے کوہ دمن روشن ہو جاتے ہیں۔ تو ان کے گلابی چہرے بھی کھلنے لگتے ہیں۔ صبح جب سورج اپنا چمکدار چہرہ پہاڑوں کی اوٹ سے دکھاتا ہے۔ تورات کی سیاہی میں چاند کی مانند سیاہ کپڑوں میں ملبوس معصوم چہرے لکڑی ہاتھ میں لئے ہوئے جانوروں کے پیچھے بھاگتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہر طرف بھیڑ بکریوں کی بھا بھا کی آوازیں آتی ہیں ہزاروں کی تعداد میں سیاہ و سفید جانوروں کے ریوڑ چرانے کے لئے پہاڑوں کی طرف بھاگتے ہیں۔ لڑکیوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچے بھی کھیلتے کودتے جاتے ہیں۔ مرد سنگلاخ زمینوں کے سینوں سے غذا حاصل کرنے کے لئے کاشت کاری میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آتے ہیں۔ کچھ کھا پی کر اور عصر کی نماز پڑھ کر بڑے بوڑھے تو مغرب کی نماز تک مسجد کے باہر بیٹھے رہتے ہیں۔ اور نوجوان مغرب کی اذان تک کھیل کود میں لگ جاتے ہیں۔ عصر کے

کھیلوں میں گھوڑے دوڑانا ۔ نشانہ بازی کرنا ۔ کبڈی ۔ نیزہ بازی ۔ کشتی ۔ مرغے بٹیر ۔ تیتر ۔ چکور اور کتے لڑانا شامل ہیں یہ وہ کھیل ہیں جو قدیم زمانہ میں آریاؤں کے آنے کے ساتھ برصغیر میں بھی رواج پا گئے ۔ اس کے علاوہ کلا کلا ، ٹوپ ڈنڈا خوسئی ۔ مرغومکئی جو مختلف قسم کے کھیل ہیں بھی کھیلتے ہیں

کلا کلا :۔ یہ کھیل آٹھ افراد سے کم کی صورت میں نہیں کھیلا جاتا ۔ گویا کم از کم چار چار کی ٹیم ہوتی ہے ۔ چار جوان یا لڑکے چار جوانوں کے کندھوں پر چڑھ جاتے ہیں ۔ اور وہ انہیں گرانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اگر ایک بھی گر گیا تو پھر دوسری ٹیم کی باری ہوتی ہے ۔

توپ ڈنڈا :۔ اس کھیل میں افراد کی تعداد مقرر نہیں البتہ دونوں ٹیموں کی تعداد مساوی ہونی ضروری ہے ، اور ہر ٹیم کا ایک کپتان ہوتا ہے ۔ ایک خاص مقام پر لکیر کھینچ دی جاتی ہے غالب ٹیم کے پاس ایک گیند ہوتا ہے ۔ اور لکیر سے دور ایک مقررہ مقام پر کھڑا ہو جاتا ہے ۔ وہاں سے گیند لکیر کی مخالف سمت پھینکتا ہے اور خود لکیر کی جانب دوڑتا ہے ۔ متقابل گروپ کا آدمی گیند کے پیچھے بھاگتا ہے ۔ جو اپنے مقصد میں پہلے کامیاب ہوا دوسرا ٹوٹ جاتا ہے ۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ کسی گروپ کے تمام ممبر ٹوٹ نہیں جاتے ۔ اس کھیل کو توپ ڈنڈا کہتے ہیں ۔۔۔ کچھ کرکٹ جیسا ہے ۔

کبڈی :۔ یہ بھی پشتونوں کے قدیم کھیلوں میں سے ہے اور برصغیر میں

بھی کھیلا جاتا ہے ،

خوسئی :۔ اس کھیل میں بھی دو مساوی ٹیمیں ہوتی ہیں ۔ کھلے میدان میں دونوں ٹیمیں بالمقابل تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر مٹی کا ایک چھوٹا سا گھروندہ بنا لیتے ہیں اور پھر میدان کے بیچ میں آمنے سامنے قطار بنا کر کھڑے ہو جاتے ہیں ایک آدمی ریفری بن جاتا ہے ، جسے پشتو میں (منزگړی) کہتے ہیں ۔ دونوں طرف کے کھلاڑی بائیں ہاتھ سے دایاں پاؤں پنڈلی کے قریب مضبوط پکڑ لیتے ہیں یعنی سب ایک پاؤں پر کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ جب ریفری اشارہ کر لیتا ہے ۔ تو دونوں ٹیمیں ایک دوسرے کے گھروندے کو لات مارنے سے خراب کرنے کے لئے ایک پاؤں سے چھلانگ لگاتے ہوئے دوڑتے ہیں ۔ اور دونوں ایک دوسرے سے اپنے گھروندے کو بچانے کے لئے دست و گریبان ہو جاتے ہیں اس دوران میں جو گر گیا جس سے اپنی پکڑی ہوئی ٹانگ چھوٹ گئی ۔ وہ ٹوٹ گیا اور میدان سے نکل جاتا ہے ۔ کھیل اس وقت تک جاری رہتا ہے ۔ جب تک کوئی گھروندہ خراب نہ کیا جائے ۔ ریفری یہ دیکھتا ہے کہ کسی کے ہاتھ سے تو اپنی ٹانگ نہیں چھوٹی ہو کہ دوبارہ اس نے پکڑی کیونکہ یہ فول ہے اور ایسا رکن ٹوٹ جاتا ہے

مرغومکئی :۔ اس کھیل میں بھی دو مساوی ٹیمیں ہوتی ہیں ۔ پہلے ٹاس کرتے ہیں ۔ ٹاس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک جوان چند چھوٹے چھوٹے پتھر مٹھی میں رکھتا ہے اور دوسرے فریق کے کپتان سے پوچھتا ہے جفت کہ طاق دو ، چار ، چھ جفت ہوتے ہیں اور ایک ، تین ، پانچ طاق ہوتے ہیں ۔ اب اگر وہ طاق کہتا ہے اور پتھر جفت تھے ، تو بتانے والا ہار گیا ۔ اب ٹیموں کے جوان ایک دوسرے سے

ایسے الگ ہو جاتے ہیں کہ ایک دوسرے کو کسی طرح دیکھ نہ سکے۔ جیتنے والی ٹیم اپنا ایک جوان میدان کے بیچ میں بٹھا کر اس پر ایک بڑا کپڑا یا کمبل ڈال دیتے ہیں تاکہ اچھی طرح سے چھپ جائے۔ صرف ایک پاؤں کی بڑی انگوٹھی باہر ہوتی ہے پھر دوسری ٹیم کا ایک ایک رکن بلایا جاتا ہے۔ اور اس سے پوچھا جاتا ہے کہ بتاؤ یہ کیا ہے کون ہے؟ اس کا نام اور حلیہ بتاؤ۔ وہ بیٹھے ہوئے جوان کی انگوٹھی کا بغور جائزہ لیتا ہے اور پھر بتاتا ہے کہ فلاں شخص ہے اگر اس نے غلط بتایا تو اُسے مکّے اور تھپڑ لگا کر بھگا دیتے ہیں اور پھر اس کا دوسرا ساتھی بلاتے ہیں۔ تاآنکہ اُن کے تمام ارکان اسی طرح مار کھاتے جاتے ہیں۔ البتہ اگر کسی نے بتا دیا تو کھیل ختم ہو جاتا ہے۔

مینڈہ :۔ اس کھیل کو اورکزی قبائل "تورہ تال" کہتے ہیں۔ اس میں بھی دو مساوی ٹیمیں ہوتی ہیں۔ اور ابتداء میں جفت طاق کے ذریعے فیصلہ ہوتا ہے تاں میں ہارنے والے قمیضیں اتار کر گول لکیر کے درمیان کھڑے ہو جاتے ہیں دوسری ٹیم لکیر سے باہر ہوتی ہے اور ہر طرف سے ان پر حملے کرتی ہے اندر والے باہر والوں کو دائرے کے اندر پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر کسی ایک کو پکڑ لیتے ہیں تو پھر اسے اپنے پاس بٹھا دیتے ہیں پھر دوسرے تیسرے چوتھے غرضیکہ باہر والے جتنے ہوتے ہیں سب کو پکڑ لیتے ہیں۔ اور اگر ایک کو پکڑنے کے بعد باہر سے دوسرے حملہ آور نے حملہ کیا اور اندر والوں میں سے کسی کو مار کر دائرے سے نکل گیا تو پھر اس کا گرفتار شدہ ساتھی بھی رہا ہو جاتا ہے۔

خرپہ خر گردان :۔ اس کھیل میں بھی دو مساوی فریق ہوتے ہیں۔ کھیل

کی ابتداء تاس (جفت طاق) کے ذریعے ہوتی ہے۔ جو فریق تاس ہار دیتا ہے وہ ایک گول دائرے میں رکوع کے عالم میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور دوسرے فریق کے ارکان ان پر سوار ہو جاتے ہیں۔ دائرے کے درمیان میں دو چھوٹے پتھر رکھ دیئے جاتے ہیں۔ سواروں میں سے ایک اپنی سواری کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیتا ہے پھر اس کے سوار ساتھیوں میں سے ایک آہستہ اپنی سواری سے اُترتا ہے اور آہستہ آہستہ جا کر ایک پتھر، دوسرے سے دو تین مرتبہ مار کر ٹک ٹک کی آواز نکالتا ہے۔ پھر آہستے آہستے اپنی سواری کی جانب جا کر سوار ہو جاتا ہے۔ اس وقت مکمل خاموشی ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ کوئی سانس بھی نہیں نکالتا۔ پھر سوار اپنی سواری کی آنکھوں سے ہاتھ اُٹھا لیتا ہے۔ اور وہ آنکھیں مل کر چاروں طرف کا بغور جائزہ لیتا ہے۔ اور کسی ایک سوار کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ تھا۔ اگر تو اُس کا قیاس صحیح تھا۔ تو جو نیچے ہوتے ہیں۔ وہ اوپر آجاتے ہیں اور جو اوپر ہوتے ہیں وہ نیچے آجاتے ہیں۔ پھر دوسرا فریق ان پر چڑھ کر اسی طرح کی بازی کھیلتے ہیں۔ اور اگر وہ نہ بتا سکا تو پھر سارے سوار بالترتیب سواریاں بدل لیتے ہیں۔ اور بدلتے وقت کہتے ہیں "خرپہ خر گردان چہ خر نہ لری ارمان" اس کھیل کو پشتو زبان میں خلیجہ (خلیسنہ) بھی کہتے ہیں۔ اور رات کا کھیل ہے۔

اللہ داد :۔ اس کھیل میں دو مساوی ٹیمیں ہوتی ہیں۔ اور ابتداء تاس (جفت طاق) کے ذریعے ہوتی ہے۔ تاں میں ہارنے والے فریق کے تمام افراد ایک کھلے میدان میں اسطرح بیٹھتے ہیں کہ تمام کے سر نیچے کی جانب جھکے ہوئے اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور قریباً ۲۰ فٹ کے ... کا ایک سرا یہ مضبوطی سے تھام لیتے ہیں۔ اور ایک ... ان کے ایک محافظ

ساتھی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ دوسرے فریق کے تمام افراد پگڑیوں اور دوپٹوں کو گانٹھ دے کر کوڑے بنا لیتے ہیں۔ اور ادھر اُدھر اندھیروں میں غائب ہو جاتے ہیں۔ بیٹھے ہوئے فریق کا محافظ ان کی تلاش میں رہتا ہے۔ تاکہ کسی ایک کو پکڑ لے یا ایک لات مار دے۔ جب وہ ایک سمت کی طرف جاتا ہے تو دوسری سمت چھپے ہوئے نکل کر ان لوگوں کی طرف بھاگ کر آتے ہیں۔ جو دائرے کے اندر بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ انہیں کوڑوں سے مارنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس دوران بیٹھے ہوئے زور زور سے چلاتے ہیں۔ اور اپنے محافظ کو پکارتے ہیں۔ اللہ داد اللہ داد بولتے ہیں ان کا محافظ چیخ و پکار سن کر دوڑتا ہوا آتا ہے۔ اور رسی کا سرا پکڑ کر ان کے ارد گرد چکر لگاتا ہے اب جو بھی قریب آتا ہے اُسے لات مارنے کی کوشش کرتا ہے۔ محافظ رسّے کی حد سے آگے نہیں جا سکتا۔ نہ رسّہ چھوڑ کر کسی کو مار سکتا ہے۔ اور دوسرا فریق ادھر اُدھر سے حملے کرتا رہتا ہے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے۔ جب تک کہ محافظ کسی ایک کو لات نہ مار دے جب کسی کو لات پڑ جاتی ہے۔ تو کھیل جیت لیتے ہیں۔ اور پھر دوسرا فریق بیٹھ جاتا ہے۔ اور اسی طرح کھیل دوبارہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس کھیل کو اللہ داد کہتے ہیں اللہ داد کے معنی داد فریاد اور مدد کے لئے کسی کو پکارنا۔

پٹی کوڑی :- پٹ معنی پوشیدہ اور کوڑی کسی چیز کے چھوٹے سے ڈھیر کو کہتے ہیں۔ یہ کھیل مشرقی قبائل میں بھی ہے۔ وہ اسے آر پونڑی کہتے ہیں اور کچھ فرق بھی ہے۔ شمالی بلوچستان کے پشتونوں میں اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو مساوی فریق کھلے میدان میں مٹی کے چھوٹے چھوٹے ڈھیر ایک قطار

میں بنا لیتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک ڈھیر میں کوئی چیز چھپا لیتے ہیں۔ پھر ان کے دونوں جانب دور کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور بائیں ہاتھ سے دائیں پاؤں کا بڑا انگوٹھا پکڑ کر ایک ٹانگ سے اُچھلتے کودتے ان ڈھیروں کو لات مارتے ہیں۔ اس دوران ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریباں بھی ہوتے ہیں۔ بہرحال جس نے اُس ڈھیر کو لات ماردی۔ جس میں چیز رکھی ہوتی ہے۔ تو وہ جیت گئے۔

اگر تمام پشتونوں کے سارے کھیل کو بیان کئے جائیں تو ایک الگ کتاب بن جائے گی۔ لہٰذا موضوع کی طوالت سے بچنے کے لئے صرف اتنا بتا دیتے ہیں۔ کہ ان کھیلوں کے علاوہ پشتون، نیزہ بازی، گھوڑ دوڑ نشانہ بازی کے علاوہ مرغے، بٹیر، تیتر، چکور اور کتے بھی لڑاتے ہیں۔ اور ان پر شرط بھی رکھتے ہیں۔ کتوں کو لگڑ بھگے کے ساتھ جسے بلوچی زبان میں کفتار کہتے ہیں۔ لڑاتے ہیں۔ اور جانوروں کی اس جنگ کا دُور دُور سے لوگ آکر تماشا کرتے ہیں۔ بلکہ دُور دراز علاقوں سے کتے بھی لڑانے کے لئے ساتھ لاتے ہیں۔

لگڑ بھگے کے پکڑنے کا طریقہ بہت ہی دلچسپ ہے۔ آٹھ دس آدمی ہتھیاروں کے ساتھ پہاڑ میں لگڑ بھگڑ کو تلاش کرتے ہیں۔ جب کسی غار میں مل جاتا ہے تو آہستہ سے ایک آدمی لگڑ بھگے کے منہ پر ایک چادر یا بوری وغیرہ ڈالتا ہے۔ اور ساتھ ساتھ کہتا رہتا ہے۔ کہ "گزرنتہ نوشہ دہ۔ گزرنتہ نوشہ دہ" یہ کوئز پشتو میں لگڑ بھگے کو (کوزش) کہتے ہیں۔ گزرنتہ نوشہ دہ کے معنی ہیں "لگڑ بھگا۔ نہیں ڈھیر ہے"۔ اس وقت درندہ بالکل خاموش ہو جاتا ہے۔ اور ساکت [illegible] ہو۔ آدمی اس کے پاؤں بھی آہستہ آہستہ رسی

سے باندھ لیتا ہے۔ جب اسے پوری طرح قابو میں کر لیتا ہے تب اسے غار سے باہر نکالنے کے لیے گھسیٹتے ہیں۔ اس وقت درندے کو ہوش آ جاتی ہے اور غراتا، چلاتا اور اُچھلتا ہے لیکن بے فائدہ آخر اسے کسی بوری میں ڈال کر لے آتے ہیں۔ اور پھر اس کے گلے میں دو تین زنجیریں ڈال دیتے ہیں اور مختلف سمتوں سے دو تین آدمی زنجیروں کو پکڑ لیتے ہیں۔ درندہ بیچ میں ہوتا ہے درندے کو باندھتے بھی اسی طرح ہیں۔ کھلاتے پلاتے خوب ہیں۔ روز روز نہیں لڑاتے اور نہ کمزور کتوں کے ساتھ لڑاتے ہیں۔ اکثر سفید بھیڑیا کتوں کے ساتھ لڑاتے ہیں، اور بیک وقت دو دو زبردست کتے مقابلے پر چھوڑے جاتے ہیں۔ پہاڑی لگڑ بھگے کے دانتوں میں بڑی طاقت ہوتی ہے، وہ بھینس کی ٹانگ بڑی آسانی کے ساتھ توڑ دیتا ہے۔ چنانچہ جب کتے کا کوئی عضو اس کے منہ میں آجاتا ہے تو اُسے فوراً کاٹ لیتا ہے۔

اوپر جتنے کھیل بتائے گئے ہیں یہ سب اور اس کے علاوہ اور بہت سے اب بھی دُور دُور کے قبائلی علاقوں میں کھیلے جاتے ہیں۔ اگرچہ ان علاقوں میں جہاں پر سکول بن چکے ہیں۔ اور فٹ بال والی بال قسم کے کھیل شروع ہو چکے ہیں۔ پرانے کھیلوں کی اہمیت کم ہو گئی ہے۔ اور اکثر مقامات پر تو بالکل ختم ہو چکے ہیں لیکن جہاں یہ لوگ ابھی تک ان قدیم کھیلوں کو بھولے نہیں۔

ان کھیلوں اور اُن کے مخصوص ناموں سے پتہ لگتا ہے کہ ان تمام کھیلوں سے واقف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام لوگ دراصل ایک گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ان کی زبان، لباس، رواج، اعتقادات، روایات اور رہن سہن سے ان کی یگانگت ظاہر ہے۔

ہاں ہم تو بھول گئے کہ پشتون جانوروں کے علاوہ پرندوں کا شوق بھی

کرتے ہیں۔ مثلاً چکور۔ تیتر۔ بٹیر۔ طوطے، مینا۔ بلبل اور دوسرے کئی قسم کے پرندے بڑے ذوق و شوق سے پالتے ہیں۔ اور باز یا شاہین جسے پشتو میں باز بھی کہتے ہیں بہت پسند کرتے ہیں۔ باز کو سدھانا چونکہ مشکل اور محنت والا کام ہے اور پھر میدانی علاقوں میں کم پایا جاتا ہے۔ اس لئے زیادہ تر پہاڑی علاقوں میں خصوصاً کوہ سفید میں زیادہ پائے جاتے ہیں باز کو سدھانے کے بعد اسے صحرائی پرندوں کے شکار کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ پشتو شاعری میں باز کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ خوشحال خان خٹک نے تو باز نامہ کے نام سے ایک پوری منظوم کتاب اس پر لکھی ہے۔ اور اس میں باز کے تمام اقسام اور عادات کے علاوہ، بیماریاں اور علاج بھی بتائے ہیں۔ اور ایک قومی نشان کے طور پر پیش کیا ہے۔ یاد رہے کہ باز آریائیوں اور بابلیوں میں بہت ہی مقبول پرندہ رہا ہے۔ اگرچہ چکور، تیتر اور بٹیر خونخوار پرندوں میں شامل نہیں لیکن پشتون اپنی فطرت کے مطابق انہیں بھی آپس میں لڑا کر خوش ہوتے ہیں۔

پشتونوں کی زبان رسم و رواج لباس اور مزاج میں قدیم زمانہ سے آج تک جو اتحاد و یگانگت پائی جاتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مدت دراز سے ایک ہی خطے میں رہتے چلے آ رہے ہیں۔ ان کے درمیان کوئی غیر زبان قوم نہ کبھی حائل تھی اور نہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زبان تہذیب اور ثقافت دوسروں کے اختلاط سے محفوظ رہ گئے۔ چنانچہ جغرافیائی، لسانی اور ثقافتی لحاظ سے ان کے ماضی اور حال کے درمیان جو ربط قائم ہے وہ خود ہی اس بات کی نشاندھی کرتا ہے کہ کل اور آج کے پشتونوں میں کوئی فرق نہیں جس طرح ایک بیج سے دوسرا بیج بغیر کسی ملاوٹ کے پیدا ہوتا ہے۔ یہی

کیفیت ان کی ہے۔ البتہ سندھ اور پنجاب کے قریب رہنے والے پشتونوں میں معمولی سا نسلی اختلاط پیدا ہوا ہے۔ لیکن مجموعی لحاظ سے ابھی تک انہوں نے کوئی دوسرا رنگ قبول نہیں کیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا یہ ہے کہ ایک تو یہ لوگ ایک مخصوص خطے میں رہے دوسرے یہ کہ انھوں نے مجموعی طور پر مشرقی اور مغربی تہذیبوں میں سے کسی ایک کو بھی دل و جان سے قبول نہیں کیا۔ بلکہ طویل عرصے تک قبائلی نظام کے تحت قدیم روایات کے مطابق زندگی گذارتے چلے آئے تا آنکہ اُن میں اسلام کی روشنی پھیلی اسلام کے ساتھ پشتونوں کی پختہ عقیدت کی بنیادی وجہ بھی یہ ہے کہ اسلام اور ان کی روایات میں بڑی حد تک ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ جن کی مثالیں گذشتہ صفحات میں دی گئیں۔ اگر یہ لوگ اسلام سے پہلے بدھ مت یا زرتشتی مذھب قبول کر لیتے تو ان کے قبائلی روایات زیادہ نہیں تو کسی حد تک ضرور متاثر ہوتے۔ ان کے غیر اسلامی روایات یا اعتقادات جو کچھ بھی تھے ان پر صرف اسلام اثر انداز ہوا ہے۔ یعنی یہ کہ جرگو، مرکو میں روایات کے ساتھ ساتھ شریعت بھی داخل ہو گئی۔ اور اس کی پابندی اتنی ہی لازمی ہو گئی۔ جتنی کہ روایات کی تھی۔ چونکہ پشتونوں کی روایات اور اعتقادات پہلے ہی سے تمام مذاہب کے مقابلے میں اسلام کے زیادہ قریب تھے۔ چنانچہ جب یہ اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئے تو اسلام ایک سطحی اور اضافی حیثیت سے نہیں بلکہ ان کی روایات کی طرح ان کی روح میں داخل ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ پشتونوں میں اسلام کی جڑیں سب سے زیادہ مضبوط ہیں۔ بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو پشتون ہوگا۔ لازماً مسلمان ہوگا۔ اور اگر مسلمان نہیں ہوگا تو پھر کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے

کہ دنیا کا کوئی بھی دوسرا مذہب ان کی روایات اور مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ پشتون دنیا کی واحد قوم ہے جو کہ سوائے مذہب کے ماننے والے نہیں ہیں۔ من حیث القوم سب کے سب پکے اور کٹر مسلمان ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ جتنی گہری عقیدت انہیں اسلام کے ساتھ ہے اسی قدر قوم پرست بھی ہیں۔ پشتون کو ہزار برا بھلا کہو اتنا برا نہیں منائے گا جتنا کہ یہ بات کہ تم پشتون نہیں ہو۔ چنانچہ دیگر خصوصیات کے علاوہ یہ بات بھی ایک پشتون کی پشتون ہونے کی علامت ہے۔

اب یہ بات ہر اعتبار اور ہر پہلو سے ثابت ہو چکی کہ پشتون جنہیں افغان اور پٹھان بھی کہتے ہیں۔ مختلف النسل لوگ نہیں بلکہ ایک ہی نژاد سے تعلق رکھتے ہیں البتہ مغرب میں افغان یا اوغان کے نام سے مشہور ہیں۔ اور مشرق میں خصوصاً برصغیر میں پٹھان کے نام سے گذشتہ چار سو سال سے یاد کئے جاتے رہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ لفظ پٹھان (فتحان) سے نکلا ہے یہ بات قرینِ عقل اس لئے نہیں کہ مشرق و مغرب میں کسی بھی زمانے میں پشتونوں کو من حیث القوم (فتحان) کے نام سے یاد نہیں کیا گیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر تواریخ میں یہ نام مسلسل آتا۔ اور پشتون اس نام سے خود بھی اسی طرح واقف ہوتے، جس طرح افغان اور پشتون کے نام سے واقف ہیں۔ یاد رہے کہ لفظ پٹھان سے اب بھی دور دراز پہاڑی قبائل خصوصاً ان کی عورتیں اور بچے ناواقف ہیں۔ اس سے صاف طور پر واضح ہے کہ یہ نام برصغیر پاک و ہند میں ان کے لئے ایسا ہی استعمال ہوا ہے جس طرح عربوں میں ان کو کوہ سلیمان کے رہنے والوں کی نسبت سے سلیمانی بھی کہا جاتا تھا۔ بلکہ بعض پرانے عرب اب بھی پشتونوں کے لئے یہ نام استعمال کرتے

ہیں۔ بہرحال پشتون اپنے آپ کو نہ پٹھان کہتے ہیں۔ اور نہ سلیمانی صرف افغان یا پشتون کہتے ہیں۔ اور ان دو ناموں سے ان کا کچھ کچھ واقف ہے۔

گذشتہ اوراق میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ سیمی قبائل جن میں سفیلین اور اسکائی دو بڑی شاخیں تھیں تقریباً ۲۵۰۰ ق م میں مشرق و مغرب کی طرف پھیل گئے ہیں۔ یہی وہ لوگ تھے جو بعد میں غلجیوں افغانیوں یا ابدالیوں کے نام سے مشہور ہوئے اور کلاسیکی مورخین انہیں مجموعی طور پر آریائی کہتے ہیں۔ لفظ آریا بلحاظ دیانت۔ عابد معتقد اور قربانی دینے والے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس کے علاوہ شریف نجیب، سربراہ و آقا و مالک و مختار کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔

جوانمردی۔ مہمان نوازی۔ بہادری، دلیری اور اعلیٰ اخلاق رکھنے والوں کو بھی آریا کہتے تھے۔ الغرض اچھی صفات کے لئے مستعمل رہا ہے پشتو زبان میں (آر) کے معنی ہیں ننگ و ناموس کا پاس رکھنا بہ الفاظ دیگر آریائی وہ لوگ جو اپنی انفرادی و قومی نجابت و شرافت پر مر مٹنے کے لئے ہروقت تیار رہتے ہیں۔ چنانچہ دوسروں سے اپنے آپ کو ممیز کرنے کیلئے انہوں نے یہ نام مجموعی طور پر اپنا لیا۔ برصغیر میں یہ نام آریائیوں کی آمد کے ساتھ پھیل گیا۔ مگر یہاں بھی انہوں نے اپنی انفرادیت برقرار رکھی چنانچہ اس کے نتیجے میں کشتری۔ برہمن۔ ویشیا اور شودر طبقے وجود میں آئے پہلا طبقہ جنگجو اور اعلیٰ نسب لوگوں کا بنا دوسرا روحانی یعنی مذہبی پیشواؤں کا تیسرے کا اطلاق صنعت و حرفت کے کام کرنے والوں جیسے لوہار۔ چمار۔ نائی۔ دھوبی وغیرہ پر چوتھا طبقہ شودر (اچھوت) کہلانے لگا۔ جو قدیم لوکی باشندے تھے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ قدیم مورخین نے عنہ



بی ٹی بی (بیٹی)



ایک سلیمان خیل لڑکی



ایک غلجی بچہ

کا نام پنجاب اور سندھ کے لئے استعمال کیا ہے۔ خصوصاً سندھ اور سندھو کو رد) اور (س) کے مبادلے کی بنیاد پر ہم معنی قرار دیا ہے کہتے ہیں کہ دونوں کے معنی پانی یا دریا ہے پشتو میں دریا کو سیند کہتے ہیں انڈس کو اباسین (دریاؤں کا باپ) اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں دوسرے چھوٹے چھوٹے دریا شامل ہوتے ہیں۔ الغرض آر سے آریا بن گیا اور آریا سے آریائی اور ان کے وطن کا نام آریانہ یا آریانا ویجہ پڑ گیا یہ نام ایریانا ویجہ اور ایریانم ویجو اور اران وج بھی لکھا گیا ہے سرپرسی سائیکس تاریخ افغانستان کی پہلی جلد صفحہ ۳۲ پر لکھتا ہے کہ اران وج (ERANYEJ) ریگزار ت اور آکس کے درمیان واقع ہے جو کہ آریائیوں کا اصلی وطن ہے۔ یہ نام آریلو اور جای کے اشتقاق سے بنا ہے پشتو میں اگر یہ کہا جائے کہ "آریوں کی جگہ" تو دال کے مضاف سے کہا جائے گا۔ (د آریو جای) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محققین نے (د) کو جای کے ساتھ ملا کر یہ اضافت "ی" "ویجہ" بنا دیا۔ لہجوں اور زبانوں کے اختلاف و اختلاط کی وجہ سے اکثر ایسے تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ پھر ایک ایسی زبان میں جو زمانہ قدیم میں بہت وسیع اور مسلسل انقلابات سے دوچار رہی ہو اختلاط اور تحول سے بچ نہیں سکتی۔ چنانچہ سیتھی یا اسکائی جو پشتونوں کے آباء و اجداد تھے سنہ ۳۰۰ ق م میں جب مشرق و مغرب کی طرف پھیل گئے۔ اور وہاں کے قدیم باشندوں کے ساتھ واسطہ پڑا تو ان کے درمیان الفاظ کے تبادلے بھی لازمی طور پر ہوئے ہوں گے۔ کم از کم مہاذ کوئی کے کتبات سے تو یہی ظاہر ہوا ہے کہ ایشیائے کوچک میں مختلف زبانوں کے بولنے والے رہتے تھے۔ ماہر لسانیات نے اس خطہ کے ہند و اور دیائیوں کو بھی بلحاظ زبان دو حصوں میں تقسیم کیا ہے مثلاً وہ

لوگ جو ہندو اروپائی زبان کا پہلا حرف ساکن ادا کرتے ہیں۔ جنہیں السنۂ
KENTUM یا مغربی زبانیں کہتے ہیں۔ مثلاً جرمنی۔ سلتی۔ لاطینی
اور یونانی اور دوسرے وہ لوگ جو حرف اوّل کو حرکت دیتے ہیں۔ اور جنہیں
SATEM یا مشرقی زبانیں کہتے ہیں۔ جیسے بالٹی۔ اسلاؤ۔ ارمنی۔ ایرانی
اور سنسکرت۔ بغاز کوئی کے کتبات میں ایک ایسی زبان کا پتہ لگایا گیا
جو حاتی لی (HATTILI) کے نام سے مشہور تھی۔ اور ایک دوسری
ہندو اروپائی زبان "حیتی" میں اس کا ترجمہ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ محققین
کہتے ہیں کہ یہ ایشیائے کوچک کی عظیم ترین زبان تھی۔ جو قدیم الایام میں
ہندو اروپائی زبانوں سے جدا ہو گئی تھی۔ بعض محققین کا کہنا ہے کہ یہ
زبان نہ تو ہندو اروپائی زبانوں میں سے تھی۔ اور نہ سامی زبانوں
میں سے ہو سکتا ہے کہ نواح خزر کی کا سپی زبانوں میں سے ہو۔ چونکہ
یہ زبان شہر حاتی کے لوگ بولتے تھے۔ لہٰذا بعد میں ھیتی کے نام سے
بھی مشہور ہو گئی لیکن اس کا اصل نام کوئی اور تھا۔ اس کا اظہار اس
قدیم ھیتی کتبہ کے برآمد ہونے سے ہوا۔ جو ایک ھیتی بادشاہ آنی تاش
(ANITTA SH) ۱۸۰۰ق م سے تعلق رکھتا ہے۔ کتبہ کی عبارت
سے معلوم ہوا ہے۔ کہ اس زبان کو ناسش لی یا نزی بھی کہتے تھے۔
آنی تاش وہ شخص ہے۔ جس نے ایشیائے کوچک کے مختلف علاقے یکجا کر کے
ایک بڑی مملکت کی بنیاد رکھی۔ اور دارالحکومت کوشارہ سے نشاش کی
طرف منتقل کیا۔ چنانچہ جیسا کہ زبان حاتی لی شہر حاتی کے لوگوں کی
زبان بنا نشاش کے لوگ ناسش لی بولتے تھے۔ لیکن بغاز کوئی جہاں تیرہ ہزار
کتبات کے مطابق ہندو اروپائی ھیتیوں کو نزی یا نازی یا رس (NESITES)

کہتے تھے۔
ان قدیم نوشتوں سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ کہ ایشیائے کوچک
میں حاتی لی کے نام سے ایک ایسی زبان بھی بولی جاتی تھی۔ جو اگرچہ ہندو
اروپائی السنۂ سے تعلق رکھتی تھی لیکن نواح خزر کے بومیوں کی زبان تھی
البتہ ان کے لہجوں میں فرق ہونے کی وجہ سے ہر لہجہ کا اپنا اپنا نام تھا۔ معلوم
ہوتا ہے کہ حاتی لی دراصل ھتیالی ہے۔ جسے بعد میں افتالی لکھا گیا۔
اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ابدالی بن گیا۔ اور عین ممکن ہے کہ سیتی اور
ھیتی ایک ہی چیز ہو۔ کیونکہ آریائی زبانوں اور لہجوں میں "ھ" اور "س"
کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ جس کی سب سے بڑی مثال "ھند" اور "سند"
(سندھ) میں پائی جاتی ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے
کہ ایشیائے کوچک میں وارد ہونے والے ھیتیوں کو پروتو ھیتی کہا جاتا ہے
اور محققین نے انہیں ہندو اروپائیوں کے اوّلین نمائندے ہونے کے
ساتھ ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ یہ لوگ نہ تو سامی زبان جانتے تھے، نہ سومیری
اور نہ ہندو اروپائی۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ قدیم ھیتی دراصل وہی
سیتی قبائل ہیں۔ جو نہ منگولی زبان سے واقف تھے۔ نہ ترکی اور سامی
زبانوں سے بلکہ اپنی خاص زبان میں باتیں کرتے تھے۔ اور یہ وہی لوگ تھے
جو مختلف زبانوں اور زمانوں میں کبھی ھیتی، کبھی سیتی، کبھی ھتیالی، ھیتالہ
یا افتالی، اودالی اور ابدالی کے ناموں سے یاد کیے گئے۔ یہ لوگ کس
کس جانب سے ایشیائے کوچک میں وارد ہوئے اور کن کن راستوں سے
آئے اور گئے یہ بات پوری طرح واضح نہیں اس سلسلہ میں اب تک جو کچھ کہا
گیا ہے وہ زیادہ تر قیاس اور مفروضوں پر مبنی ہے۔ البتہ یہ بات واضح اور

ثابت ہے۔ کہ شمالی علاقوں سے مشرق مغرب اور جنوب کی طرف یکے بعد دیگرے مختلف وقتوں میں ان کا سفر جاری رہا ہے۔ کبھی خانہ بدوشوں۔ کوچیوں پاوندوں اور تجارتی کاروانوں کی شکل میں اور کبھی حملہ آور لشکروں اور فاتحوں کی صورت میں چونکہ یہ دلیر، جنگجو، سخت جان اور جفاکش لوگ تھے۔ اس لئے ہر حکمران نے ان سے فائدہ اُٹھایا۔ پہلے میڈیا میں سائرس کے ساتھ لڑتے رہے۔ بعد میں اُس کی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ بعد میں سکندر مقدونی نے انہیں استعمال کیا چونکہ یہ دونوں بڑے بادشاہ تھے شرقاً غرباً شمالاً جنوباً انہوں نے مسلسل لڑائیاں لڑیں اور وسیع علاقوں پر قابض ہو گئے اس لئے پشتون فوجیوں کی شکل میں مختلف علاقوں میں پھیل گئے ان کی زبان میں جو اگرچہ فطرتاً ایک ہی تھی مختلف زبانوں کے الفاظ شامل ہو گئے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ پشتو زبان میں لغات کی اتنی بہتات ہے کہ ایک ایک چیز کے لئے چار چار پانچ نام استعمال ہوتے ہیں۔ جن کی مثالیں گزشتہ صفحات میں دی گئی ہیں اور عجیب بات تو یہ ہے کہ بہت کم ایسے لغات ہوں گے جن سے تمام پشتون واقف نہ ہوں روزمرہ استعمال میں آنے والے تمام الفاظ سے سب واقف ہیں۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ سکندر کے زمانہ اور اس کے مابعد یہ لوگ آپس یا اٹک سنہ ۳۲۹ ق م کے دور میں متحد ہو گئے تھے۔ چونکہ وہ ان کے اپنے اقتدار کا ایک طویل دور تھا جس میں کم از کم پانچ سو سال تک دوسروں کے غلبہ اور تسلط سے محفوظ قومی روایات کے تحت زندگی گزارتے رہے۔ یونانی جغرافیہ دان استرابو سنہ ۶۳ ق م جب یہ کہتا ہے کہ آریانا میں وہ تمام علاقے شامل تھے۔ جو ایک زبان میں بات کرتے تھے تو وہ

بالواسطہ اشکانی دور کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کیوں کہ اس وقت اشکانی سلطنت کی عمر دو سو سال تھی۔ جبکہ تقریباً تین سو سال اور بھی باقی رہی اور شمال مشرقی ایران کا ایک وسیع علاقہ ان کی سلطنت میں شامل رہا۔ لیکن اس کے باوجود قبائلی اور رخت بردوش یا خانہ بدوش کی زندگی گزار رہے تھے اور اب تک ان کی اکثریت متحرک ہی نظر آتی ہے۔

بعض مورخین افغانوں کو بنی اسرائیل سمجھتے ہیں یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد لیکن گزشتہ اوراق میں جدید تحقیقات اور ٹھوس دلائل و معلومات کی بنیاد پر یہ واضح کر دیا گیا کہ افغان یا پشتون سنہ ۲۵۰۰ ق م میں بڑے بڑے قبائل کی شکل میں نہ صرف موجود تھے۔ بلکہ مغربی ایشیا میں زبردست سیاسی اقتدار اور کردار کے مالک بھی رہے ہیں۔ جبکہ یعقوب علیہ السلام کا زمانہ زیادہ سے زیادہ سنہ ۲۰۰۰ ق م معین کیا جاتا ہے۔ اسرائیلی نظریہ رکھنے والے مورخین یہ کہتے ہیں کہ آشوریوں اور کلدانیوں خصوصاً بخت نصر کے زمانہ میں قیدیوں کی شکل میں فلسطین سے لائے ہوئے لاکھوں یہودیوں کو باختر، خراسان اور ایران میں آباد کیا گیا تھا چنانچہ افغانوں کو انہی یہودیوں کی اولاد سمجھتے ہیں لیکن یہ مورخین اس بات کی پوری طرح وضاحت نہیں کر سکے ہیں کہ جب ان یہودیوں کو ان علاقوں میں بسایا جا رہا تھا اُس وقت ان خطوں میں کون لوگ سکونت پذیر تھے۔ اور ان کا ان مہاجر یا قیدی یہودیوں کے ساتھ کیا تعلق رہا اور کس زبان میں ایک دوسرے کے ساتھ بات کرتے تھے اور ان کے اعتقادات و روایات میں کیا فرق تھا۔ کیونکہ تاریخ تو ہمیں یہی بتاتی ہے کہ ان خطوں پر بڑے بڑے قبائل آباد تھے یا شمال سے جنوب اور

مشرق سے مغرب کی طرف ہزاروں کی تعداد میں ان کا آنا جانا مسلسل جاری رہا۔ ہو سکتا ہے کہ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ وہ یہودی اسرائیلیوں، افغانوں اور دیگر لوگوں میں جذب ہو گئے ہوں۔ جیسا کہ عموماً ہوتا رہتا ہے اور ایسے لوگ اپنے عادات و خصائل سے پہچانے جاتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ افغان یا پشتون ان قیدی یہودیوں کی نسل سے ہیں۔ افغان مجموعی لحاظ سے نہ تو سود خور ہے نہ کنجوس بلکہ شاہ خرچ اور قابل رشک حد تک مہمان نواز ہے۔ علاوہ ازیں یہودی ذہنی طور پر سازشی واقع ہوئے ہیں، جبکہ افغان اس چیز کو برا سمجھتے ہیں اور پھر یہودیوں میں قومی اتحاد تمام قوموں سے زیادہ پایا جاتا ہے۔ جب کہ افغانوں کی سب سے بڑی کمزوری بے اتفاقی ہے۔ جسمانی لحاظ سے بھی۔ یہودیوں اور افغانوں کے خدوخال اور رنگ میں بڑا فرق ہے۔ زبانوں میں تو زمین و آسمان کی تفاوت نمایاں ہے۔ افغانوں میں اسلام کی روشنی پھیلنے سے پہلے ایسے نام بھی نہیں پائے جاتے۔ جن سے ان کے بنی اسرائیل ہونے کی شہادت ملتی ہو بلکہ ان کے مردوں اور عورتوں کے نام جانوروں، پرندوں، پھولوں، درختوں، جڑی بوٹیوں و دیگر قدرتی عناصر کے ناموں پر رکھے جاتے تھے۔ جن کی چند مثالیں گذشتہ صفحات میں بیان کی گئیں اگر یہ لوگ بنی اسرائیل ہوتے تو ان میں اسلام سے پہلے کے اسرائیلی نام مثلاً یعقوب۔ یوسف۔ ابراہیم اسحاق، سلیمان داؤد اور بنی اسرائیل کے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے نام یا اُن کے بیبیوں کے نام ضرور ہوتے۔ اس طرح ان میں قدیم ہندوؤں کے جیسے نام بھی نہیں پائے جاتے۔ چنانچہ ان حقائق کی روشنی

میں یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ افغان یا پشتون نہ منگول ہے نہ ترک اور نہ سامی وہ قدیم ایشیائی ہے جنہیں ہیرودوٹس نے سیتی یا سیتین کا نام دیا ہے اور جو ماضی بعید میں سب سے پہلے ایشیائے کوچک میں وارد ہونے والے ہندو اروپائی کہلائے جاتے ہیں اور جن کے پہلے معلوم بادشاہ سرجون یا شرغون قدیم جسے افغان خر اور شرء کے صوتی مبادلے کی وجہ سے سرخون اور خرشبون کہتے ہوئے اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ یہ دو آدمی تھا ایک وسیع و عریض سلطنت قائم کی تھی جسے سلطنت آکاد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ آکاد دراصل سیتی قبائل تھے۔ جو قریباً ۲۵۰۰ ق م میں ایشیائے کوچک کے راستے بین النہرین میں وارد ہوئے یہ وہ زمانہ تھا جب سامیوں نے سومریوں کو میدان سیاست سے نکال دیا تھا۔ اس زمانہ میں ہندو اروپائی سارے ایشیائے کوچک میں پھیل گئے تھے۔ اور ان میں سے بعض سفر کے دوران ایشیائے کوچک کے مرکزی علاقوں میں مقیم ہو گئے تھے۔ انہیں کلاسیکی مورخین نے ھیتی کے نام سے یاد کیا ہے اور ان کی سرزمین کو حاتی کہا ہے ان ہی کی ایک شاخ بحر خزر کے سواحل سے ان پہاڑی علاقوں میں آباد ہو گئے جہاں سے دجلہ و فرات نکلتے ہیں۔ کچھ اور قبائل نے وادئ ہوری میں سکونت اختیار کی غرض جہاں جہاں قبضہ کیا وہاں ملوک الطوائفی حکومتیں قائم کیں ان میں سے بعض قبائل نے ناگروس کے کوہستانی علاقوں میں کاسیوں کے درمیان رہائش اختیار کرلی۔ چونکہ ان کی سفر کا سلسلہ مسلسل جاری رہا چنانچہ بعض مشرق کی طرف نکل گئے اور بعض مغرب کی جانب حلب تک جا پہنچے۔ یہی ھیتی اور

ہوری تھے۔ جو بعد میں سیتی اور سوری کے ناموں سے پکارے گئے
یاد رہے محققین کہتے ہیں کہ کاسیوں کے قائدین آریائی تھے۔ جس سے
یہ بات ثابت ہو جاتی ہے۔ کہ کاسی آریائی تھے اور پھر ھیتیوں، حوریوں
اور کاسیوں کا ایک خطے میں مل جُل کر رہنے سے بھی یہ بات ثابت ہو
جاتی ہے کہ یہ ایک دوسرے کی زبان بھی جانتے تھے جو کہ ایک قوم
ہونے کی سب سے بڑی علامت سمجھی جاتی ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ھیتی
ھاتی۔ حوری اور سیتی، سوری، ھاتی لی یا ھیتالی یا افتھالی اور بعد
میں ابدالی سب کے سب ایک قوم ہیں۔ صرف بعض لسانی تغیرات
کی وجہ سے خصوصاً "ھ" اور "س" اور "ش" "خ" یا اس قسم کے بیشمار
صوتی مبادلوں کی وجہ سے مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ کیوں کہ
جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان کی زبان، روایات، خدوخال اور طرز
زندگی وغیرہ میں فرق نہیں تو نام کے تھوڑے تغیر کو بنیاد بنانا قرین
عقل نہیں ہے صوتی اثرات کی وجہ سے تو ناموں میں تغیر ایک قدرتی بات ہے مثلاً پشتون
عبدل کو اودل کہتے ہیں۔ محمد کو مامد کہتے ہیں۔ یوسف کو یوسپ انکے معنی ہرگز یہ نہیں
کہ عبدل اور اودل یا یوسف اور یوسپ دو نام ہیں نام ایک ہے البتہ صوتی اعتبار سے
دو طرح بولا جاتا ہے۔ چنانچہ ھیتی اور سیتی یا ہوری اور سوری بھی مرور
زمان کے ساتھ بدلتے گئے۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے سیتی ہو بعد میں ھیتی
بن گیا ہو یا معاملہ بالعکس ہو۔ کاسیوں کی زبان ابتداء ہی سے پشتو چلی
آرہی ہے اور اس میں کوئی ایسا اجنبی لفظ آج تک سننے میں نہیں آیا
جس کو دوسرے پشتون نہ سمجھتے ہوں گزشتہ اوراق میں بتایا گیا

کو کاسی نسلاً قائم ہی کشمیر میں داخل ہو چکے تھے۔ اور کشمیر میں کاش
قبیلہ انہی کے باقیات میں سے ہے اور موجودہ کشمیری زبان ہند و ایرانی
زبانوں کی شاخ سمجھی جاتی ہے۔
یہاں اس بات کی ایک بار پھر وضاحت کرنا ضروری ہے تاکہ ذہن
نشین رہے کہ بعض محققین نے پشتو زبان کو بھی ہند و ایرانی زبان کی
ایک شاخ سمجھا ہے۔ جو کہ تاریخی حقائق کے قطعی خلاف ہے۔ کیونکہ پشتو
بنیادی طور پر اوستا اور سنسکرت سے بہت قدیم ہونے کے علاوہ زیادہ
وسیع زبان ہے اور اس کا وسیع ہونا ہی اصول لسانیات کے مطابق
اس کی قدامت کی دلیل ہے۔ البتہ اگر یہ کہا جائے کہ سنسکرت اور ایرانی
زبانیں پشتو کی شاخیں ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اگرچہ قطعی بھی نہ ہوگا کیونکہ
سنسکرت اور فارسی میں پشتو کے علاوہ دوسری زبانوں کی آمیزش بھی
ہے۔ یہ کوئی جذباتی بات نہیں بلکہ تمام ماہرین لسانیات اس بات پر متفق
ہیں کہ ایک زبان جتنی وسیع ہوگی اتنی ہی قدیم ہوگی۔ اس میں اب کوئی
شک و شبہ باقی نہیں رہا کہ افغان یا پشتون اصلاً سیتی آریائی ہے۔
جنہیں سفید ھن بھی کہا جاتا ہے۔ ایشیائے کوچک میں ہند و اور یورپ
کے بارے میں جو تازہ آثار دریافت ہوئے ہیں۔ ان کے مطابق اس قوم
کو پالائی (PALITES) کے نام سے یاد کیا گیا ہے بغاز کوئی کے کتبات
میں ان کی زبان خط میخی لکھی گئی ہے جسے ھیتی میخی کہتے ہیں۔ اور ماہرین
لسانیات یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی زبان اور لویوں کی زبان اصلاً ایک تھی
ان لوگوں کو پالا بھی کہتے تھے۔ جو شمالی شام کے نواحی علاقوں میں رہتے
تھے۔ ہو سکتا ہے کہ انہی الفاظ پالا یا پالائی سے لفظ پہلو یا پہلوی

نکلا ہو۔

پہلوی دراصل وہ پارتی ہے جو آریانا کے مغربی کنارے ہلمند کی وادی اور سارے سیستان میں پھیل گئے تھے، اس وقت جب اسکائی سکتانا (سجستان یا سیستان) میں وارد ہوئے تو ان کے ساتھ بالکل خلط ملط ہو گئے چنانچہ انہی مخلوط عنصر کو بعض مورخین سیتی اور پارت کہتے ہیں اور بعض پہلو کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آرین پارتیوں کو پہل کہتے تھے چنانچہ پہل سے پہلوا اور پہلوی بن گئے مگر مدققین نے یہ کلمہ سیستان اور ہیرمند اور اراکوزی کی وادی کے پارتیوں کے بارے میں اُسی زمانہ سے استعمال کیا ہے۔ جب حکومت پارت کا مرکز دجلہ کے کنارے منتقل ہوا تھا اور افغانستان کے جنوب مغربی حصوں کے پارتیوں نے تازہ وارد ہونے والے اسکائیوں (اکوزم) کے اتحاد سے ایک مستقل سلطنت بنانے کی بنیاد رکھدی۔ پارتیوں اور اسکائیوں میں اس قدر گہرا نسلی لسانی اور ثقافتی اتحاد موجود تھا کہ محققین اور مدققین آج تک اس تحقیق میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے جدا کریں۔ ہند کی سرزمین پر فتوحات اور نفوذ کی وجہ سے مدققین نے ان کو ہندو سیت اور ہندو پارت کے نام سے یاد کیا ہے، اور بعض مورخین نے ہندو پہلوایوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ جس کا ایک حصہ (ونونس) کے جانشین اور اولاد اور دوسرا حصہ (گندوفارس) کے جانشین اور اولاد کہلاتا ہے بعض نے ان کی اولاد کے یہ دو سلسلے ہندو پارت یا پہلوایوں کے بادشاہوں کے گروہ میں شمار کیا ہے اور بعض دیگر نے ہندو سیت یا اسکائیوں اور ہندو پارت یا پہلوایوں کے تمام بادشاہوں کو ایک کرکے ایک سلطنتی

خاندان قرار دیا ہے جیسے کہ مسیو سیلون لوئی — LINDE CIVILISA (TRICE) میں کہتا ہے۔ کہ اگر ہم ان کے بادشاہوں کے ناموں پر غور کریں تو ونونس۔ ازس۔ ازیلیزس۔ گندوفارس۔ پاکورس اور ایسے دیگر سے یہ واضح ہوگا کہ عمومی طور پر ان کی شکل و صورت اور ساخت پارتی ہے اور ان کے ناموں کی ساخت ایسی ہے جس کا کہ ہم نژاد بادشاہوں سے سلسلۂ رابطہ اور قرابت واضح ہوتا ہے۔ جیسے کہ اسپالا دورس نے اپنے آپ کو یونانی اور ہیرا کرت میں (ادنفو تو بازیلوس) اور مہاراجہ براتا کے نام سے یاد کیا ہے جس کے معنی بڑے بادشاہ کے بھائی کے ہیں سپالاگاداس — (SPALA GADAMES) نے اپنے آپ کو سپالاہورس کا بیٹا قرار دیا ہے اور (ابداگازس) (ABDA GASES) کی ایک پتھر پر اور پراکرت میں اپنے آپ کو (اندی فروادفنی دوس) اور (گندافارابراتا پوتراسا) کے لقب سے یعنی گندوفارس کا بھتیجا بتایا ہے۔

بہر حال اسکائیوں اور پہلوایوں کے سلطنتی اور سیاسی تشکیلات کی ابتداء اور حرکت کا مسکن سکتانا یعنی سیستان اور آراکوزیا یعنی ارغنداب کی وادی تھی اور یہاں سے ان کی اقتدار کا دائرہ پہلے اندس رایا سینا کی زیریں وادی کو اور پھر اندس کے طول و عرض میں مشرقی گندھارا اور مغربی پنجاب تک پھیلا اور پھر کاپیسا کی یونانی اور باختری چھوٹی سلطنت کے پہاڑوں کے درمیان انگوٹھی کے ہیرے کی مانند محدود ہو کر رہ گیا ہے علاوہ ازیں اسکائیوں یا ہندو سیتیوں اور پہلوایوں یا (ہندو پارتیوں) کا موضوع اس قدر پیچیدہ ہو گیا ہے کہ عموماً مدققین کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے۔ کہ موئسس اسکائی (اشکوزیوں) کے خاندان کا بانی ہے اور ونونس پہلوا کے گھرانے کا سربراہ دو علیحدہ علیحدہ افراد ہیں۔ بعض موئسس

اور وَنونس کو اسکائیوں اور پہلوایوں کے دو سربراہ اور رئیس کہلاتے ہیں جو کہ تقریباً ایک ہی وقت میں سنہ ۱۲۰ ق م کے لگ بھگ ایک پنجاب میں اور دوسرا سکستان اور آراکوزیا (سیستان اور کندھار) میں بادشاہ رہے ہیں لیکن مورخین کی اکثریت اسکائیوں اور پہلوایوں کی سلطنتی تشکیلات کا مرکز آریانا کے جنوب غربی علاقوں میں قرار دیتے ہیں جیسے کہ ایک تاریخی طبعی سیر کی طرح بعض سلطنتیں آریانا کی سرزمین پر تشکیل ہو کر ہند کی سرزمین کو فتوحات کی شکل میں منتقل ہوئی ہیں۔ اسکائی جو (سفید ہن) کے نام سے بھی پکارے گئے ہیں۔ کی پن ارغنداب کی وادی اور مغربی حد یوزیا کے ایک حصہ پر سلطنت کی تشکیل پر پہل کی اور پھر فاتحوں کی صورت میں پنجاب پہنچے ان کے بعد پہلوایوں نے سیستان اور آراکوزیا میں سلطنت کی بنیاد رکھی جیسے کہ کہا جاتا ہے اس کے بعد موئسں اور ازس اور ازیلیزس سلطنت کو پہنچے اُس وقت پنجاب کے حکمران پارتیوں کے ایک سربراہ وَنونس نے سیستان اور آراکوزیا میں ایک مستقل سلطنت کی تشکیل شروع کی۔ جسے بعض مؤرخین ہندو پارت کی حکومت کہتے ہیں۔ اور بعض پہلوا کے نام سے یاد کرتے ہیں جیسے کہ اس سے پیشتر عرض کیا گیا بعض نے ان پہلوایوں کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے۔ یعنی وَنونس اور ان کے چند افراد کی جانشینی کے بعد گندوفارنس کو ایک علیحدہ سلطنتی خاندان کا بانی اور سر حلقہ قرار دیا ہے بلکہ یہی گندوفارنس اور ان کے جانشین جیسے اپاگارنس۔ اور تاگنس۔ پاکورس اور اسی طرح کے دیگر موئسں۔ ازس اور ازیلیزس کے بعد تمام کو اسکائی خاندان قرار دیتے ہیں (اس بارے میں لاہور میوزیم کے مسکوکات کے کیٹلاگ صفحہ ۹۰ ملاحظہ فرمائیں یہ کتاب وائٹ ہیڈ کی تالیف ہے۔ کنگھم بھی یہی نظریہ رکھتا ہے۔

جس وقت ۱۸۳۲ء میں گندوفارنس کا پہلا سکہ افغانستان میں مسن نام کے ایک انگریز نے دریافت کیا تو اس میں کوئی شک و شبہ نہ رہا کہ گندوفارنس اور اُس کے جانشینوں کی مملکت کا مرکز اراکوزیا تھا اور بعد میں انہوں نے بھی اسکائیوں کی طرح سندھ کی سرزمین تک فتوحات کیں۔ اور موجودہ غزنی اور کابل کے راستے کاپیسا کی جانب آگے گئے ہیں۔ اور کاپیسا میں یونان اور باختری سلطنت کے آخری بادشاہ یعنی ہرمائیوس کی سلطنت کا بھی خاتمہ کیا ہے۔

آراکوزیا اور سیستان کے پہلوا خاندان کے مستقل بادشاہ بھی اسکائی بادشاہوں کی طرح سیسے اور چاندی کے سکے رکھتے تھے۔ یونانی زبان اور رسم الخط جو یونانی اور باختری بادشاہوں کی اقتدار اور بنہ کی مقبوضات پر چھا گئی تھی اُن کی مسکوکات۔ دار تحریر دربار میں مروج تھے اور اپنے سکے کے پچھلے حصے پر مقامی رسم الخط یعنی خروشتی رسم الخط اور پراکرت کی زبان استعمال کرتے تھے۔ اس وقت جب اسکائیوں اور پہلوایوں نے آریانا میں ایک متحد حکومت مشترکہ طور پر بنائی تو کچھ بعد دیگرے ہند میں فتوحات کیں اور اپنے نائبین کو وہاں پر حکمرانوں کی حیثیت سے مقرر کر دیا۔ موسیو سیلون گرل لکھتا ہے کہ اپولونیوس سنہ ۴۴ء کے لگ بھگ برہمنوں کی مملکت کے سیاحت کی غرض سے نکل پڑا اور یہاں یہ وضاحت کر دیں کہ اپولونیوس اور داس دو شامی یونانی تھے۔ جنہوں نے سنہ ۴۴ء میں افغانستان میں موجودہ پاکستان اور ہندوستان کا سفر کیا تھا اور اس وقت کے حالات تحریر کئے ہیں) وردانس بابل کے بادشاہ نے ان کو سواری اور نقل و حمل کے لئے چند گھوڑے عطا کئے۔ اپولونیوس رقمطراز ہے کہ بابل سے تین دن کی مسافت کے دوران پانی نہیں ملتا جبکہ اس

کے بعد پانی رل جاتا ہے۔ اسی طرح بعد میں آگے چل کر پانی کافی مقدار میں ملتا ہے یہاں تک کہ چشمے بہتے ہیں۔ اس کے بعد قفقاز کے پہاڑوں کے درمیان سے (یعنی ہندی قفقاز جس کا مطلب ہندوکش ہے) سے گزرے یہ مملکت زندگی کے تمام لوازمات اور ہم سے دوستانہ روابط رکھتی ہے) موسیو سیلوں لوئی اپولونیس کے اس بیان کی روشنی میں خود کہتا ہے کہ بالفاظ دیگر پارت (عراق پارتی) کی سرزمین سے منجھ پارث (پہلوانیوں) کی سرزمین میں گھس گئے۔ جو سندھ اور ایران کے درمیان پہاڑی علاقے پر قابض تھے۔ ہندی قفقاز یعنی پاروپامیز یا ہندوکش سے گذرے اور کوفن (کابل) کے دریا سے گذرنے کے بعد انڈس دریا کو پہنچے۔ یونانی سیاح جس وقت تاکشاسیلا (ٹیکسلا) کو پہنچے تو وہاں پر فرااوتس (فرہاد) کے نام سے اکیس سال عمر کا ایک نوجوان حکمران تھا وہ شام کے یونانیوں کے ساتھ یونانی زبان میں گفتگو کرتا تھا۔ فلسفہ اور کھیل کا بڑا شائق تھا یہ شخص سیستان اور آراکوزیا کے پہلوانوں کے مستقل بادشاہوں پارتی امیروں کا ایک نمونہ تھا۔

۲۰ق م کے لگ بھگ آراکوزیا اور سیستان یا پہلوا پارتیوں کے مستقل خاندان کا بانی ولونس یا ولزن تھا یہ شخص نژادی اعتبار سے خالص پارتی تھا یا ترساک اور پارت کے مشترک عنصر سے تھا اور مغرب کے ایک پارتی بادشاہ کی جانب سے سیستان کے علاقے پر حکمران تھا۔ جس وقت پارتی بادشاہ اور ودس (ORODES) نے پارت حکومت کا دارالسلطنت دجلہ کے کنارے سے طیسفون منتقل کر دیا پارتیوں کی گرفت ان علاقوں میں کمزور ہو گئی۔ جس کا تعلق آ رہا ہے تھا۔ یہی وجہ تھی۔ جبکہ ولونس اور دیگر پارتی سرداروں کو ایک مستقل سلطنت کی فکر لاحق ہو گئی۔ اور یہ کام ولونس نے سرانجام دیا۔ ریپسن کیمبرج ہسٹری

آف انڈیا میں رقمطراز ہے۔ کہ اس زمانہ میں جب اسکائیوں کے تین پہلے بادشاہ اپنی امپراطوری سندھ میں مستحکم کرنے کے درپے تھے۔ ونونس بڑے شہنشاہ کے نام سے سیستان اور قندھار میں حکومت کرتا تھا۔ اور مہرداد اوّل نے ان علاقوں کو فتح کر کے اپنے قلمرو میں شامل کر لئے تھے ریپسن کا عقیدہ ہے کہ ونونس مہرداد دوئم کے بعد ۸۸-۲۳ ق م میں بادشاہ بنا تھا۔ اس مسئلہ پر بعض حقائق پوشیدہ ہیں۔ متریداتس یا مہرداد دوئم کے دور میں ایک جانب سے اسکائی ہیری رود کی وادی سے جنوب کی سمت ساکستانا (سیستان) کو چلے آئے اور دوسری جانب سے کچھ عرصہ بعد پارتیوں نے اپنا مرکز دجلے کے کنارے تک پھیلا دیا سیستان کو اسکائیوں کی آمد اور اس خطہ کے پارتیوں کے ساتھ شمولیت دجلہ کے کنارے مغربی پارتی حکومت کی منتقلی کی وجہ بلا تاثر نہیں تھی بہرحال متریداتس (مہرداد دوئم) کے بعد دیگر دو تین بادشاہ اس قدر شہرت نہیں رکھتے البتہ کہہ سکتے ہیں کہ متریداتس دوئم کے بعد ساکستانا اور آراکوزیا میں ایک نئی حکومت کی تشکیل کے لئے حالات سازگار ہو گئے تھے۔ لہٰذا کچھ عرصہ بعد ۱۲۰ق م کے لگ بھگ یہ کام جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ونونس کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچا سکوکات پر ونونس کا نام دیگر بے شمار شہزادوں اور امیروں کے ساتھ آیا ہے۔ یعنی ان کے سکوں کی پشت پر بعض دیگر امیروں کا نام بھی کندہ ہے۔ بہرحال سکوں کے متعلق بعد میں مفصل بحث کریں گے ان باتوں سے فقط مقصد یہ تھا۔ کہ اسکائی اور پارتی ریشہ کے لحاظ سے اصلاً ایک تھے۔ جیسے کہ اس سے قبل عرض کیا گیا۔ کہ جب انہوں نے یونانیوں کے خلاف مبارزہ

شروع کر دیا تو اُس وقت داہی (داوی) اور پرنی (پنڑھی) قبائل نے جو آرا کوزیا اور بکتیا میں مقیم تھے۔ ان کی پوری امداد کی تھی اور پھر یہ اشک (اشک) کی قیادت میں ایک بڑی سلطنت کے بنانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ یہ سلطنت اشکانی سلطنت کے

نام سے یاد کی جاتی ہے۔ جو مغربی آریانا کے ایران اور دجلہ کے کنارے تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں یہ وضاحت کر دیں کہ اشک جو ارشک اور ارساس) کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ دراصل پشتو میں "اشک" ہے۔ نے پشتونوں کی حکومت پہلی مرتبہ پارتیا میں قائم کی۔ پارتیا [illegible] ق م میں آریانا کا انتہائی مغربی صوبہ تھا اس صوبے کا نام ہیروڈوٹس کی تحریروں اور داریوش کے مفتوحہ صوبوں کی فہرست میں آیا ہے۔ لیکن سیاسی حیثیت اور بلند مقام اس وقت حاصل کیا جب [illegible] ق م میں (اشک) نے دیگر پارتی پشتون قبائل کے ہمراہ بلخ سے آکر شامی یونانیوں کے خلاف آزادی کا جھنڈا بلند کیا جیسے کہ گزشتہ اوراق میں ذکر ہو چکا

اب ہم پھر ایک مرتبہ پیچھے کی طرف لوٹتے ہیں۔ تاریخی اور طبعی ر میرکی ماخذ وضاحت کرتے ہیں۔ تاکہ حقیقت پوری طرح اجاگر ہو

ہم نے عرض کیا تھا کہ سنہ [illegible] ق م کے لگ بھگ شمال کی جانب سے جو بڑی ہجرتیں شروع ہوئیں۔ ان میں ایک وہ بڑی قوم بھی شامل تھی جو شروع دور میں ھیتی کے نام سے اور کلاسیکی مورخین خصوصاً ہیروڈوٹس نے سیتھین یا سیتی کے نام سے پکارا ہے اور جو بہت سے قبائل پر مشتمل تھی۔ جن میں خصوصیت کے ساتھ لودی۔ دوتانی۔ بیٹنی۔ سوری۔ برشیچ اشکوزئی یا اچکزئی۔ اعوان۔ ہمازی۔ داہی (داوی) دسیکی یعنی توسیکی۔ پرنی یعنی پنڑھی۔ اورک زئی۔ افریدی۔ وردگ۔ کرنی۔

کگے زئی۔ کودے زئی ترین۔ کاسی۔ کند۔ ترشنا اور اس طرح دیگر بہت سے شامل تھے۔ کیونکہ یہ قبائل مختلف اوقات میں مختلف راستوں سے مشرق۔ مغرب اور جنوب کے علاقوں کو چلے گئے تھے۔ جبکہ اسی بناء پر مختلف اوقات میں مختلف علاقوں میں کلاسیکی مورخین نے اپنے لہجے اور زبان کے مطابق معمولی تغیر کے ساتھ ان کے نام یاد کئے ہیں۔ وہ سیتی جو سیحون اور جیحون یا چینی ترکستان کے کاشغر اور کانسو یا پامیر کے دامن سے ابتداً میں گئے تھے۔ اور پھر وہ جو وہاں رہ گئے تھے۔ جن کے درمیان کافی زمانہ گزرا تھا۔ کلاسیکی مورخین نے ان کو مختلف ناموں میں تقسیم کیا ہے۔ لیکن اس تقسیم نے پھر بھی ان کی وحدت کو نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ کیونکہ وہ جہاں کہیں بھی تھے اپنی زبان اور روایات کو قائم اور محفوظ رکھا تھا مثلاً ایشیائے کوچک میں اگرچہ وہ مختلف اوقات میں وارد ہوئے تھے یا وارد ہوتے رہے۔ مگر ان کی کوشش یہی تھی کہ اپنے ہم نژاد اور ہم زبان قبیلوں کی پیروی کر کے اُن کے قریب سکونت اختیار کریں۔ کیونکہ یہ ان کی بقاء اور تحفظ کے لئے ضروری تھا جیسے کہ تاریخ بھی شاہد ہے۔ کہ دوتانی۔ بیٹنی لودیوں کے قریب آباد ہو گئے تھے۔ یا یہ کہ اسکائی اور پارتی بالآخر متحد ہو گئے تھے یہ اتحاد ان کی زبان اور روایات کے تحفظ کا ضامن تھا جس وقت یہ کیپین کے راستے بین النہرین میں داخل ہوئے تو فرات کے آس پاس اپنے خیمے نصب کر لئے۔ جب تک کہ ان میں سرحون یا سرغون جبکہ یہ ایک شخص خرشبون یا شرعبون کے نام سے یاد ہوتا ہے۔ پیدا ہوا۔ اور لیڈیا سے مالا بار تک "اکی" یا عنان کی تسمیہ پر آکاد کے نام سے ایک بڑی سلطنت قائم کی۔ یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے اور ان کے جانشینوں کے دور میں پشتون مفتوحہ و مقبوضہ علاقوں میں فاتح اور حاکموں کی

حیثیت سے پھیل گئے۔ لیکن یہ دور ڈیڑھ سو سال سے زیادہ کا معلوم نہیں ہوتا کیونکہ سنہ ۲۲۰۰ ق م میں ایشیائے کوچک میں دیگر بہت سی قومیں خصوصاً آشوری اور بعض دیگر سامی قومیں بھی ابھر چکی تھیں اور پھر اسی دوران ہمورابی کا دور بھی شروع ہو چکا تھا۔ اس کے بعد پھر بین النہرین میں آریائی سرداروں کی قیادت میں کاسی دور شروع ہوتا ہے۔ جو کہ قریباً چھ سو سال یعنی سنہ ۱۱۰۰ ق م تک جاری رہا۔ اس زمانہ میں اوستا پیدا نہیں ہوئی تھی جبکہ رگ وید کی پیدائش بھی مشکوک ہے۔ سنہ ۱۷۰۰ ق م میں کاسی اور کرد بین النہرین سے نکل پڑے اور خلیج فارس کے راستے پہلی مرتبہ ایران میں داخل ہوئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ۹۰۰ ق م کے لگ بھگ جنوبی بلوچستان (رحبد روزیا) کو پہنچے جیسے کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا کہ اس زمانہ میں آراکوزیا، پارتیا، پکتیا، بکتریا اور ساکستانا میں آریائی قبائل بالفاظ دیگر پشتون کافی عرصہ پیشتر مقیم تھے اور آوارہ زندگی بسر کرتے تھے رگ وید جس کا تاریخ سنہ ۱۵۰۰ سے سنہ ۱۰۰۰ ق م تک معین کیا جاتا ہے۔ اور آریائی سرود کی پہلی کتاب ہے اپنے سرودوں میں آریوں کے قیام کی جگہ اگرچہ واضح طور پر بیان نہیں کرتا۔ لیکن اوستا میں جو رگ وید سے کچھ زمانہ بعد کی کتاب ہے، واضح طور پر بحث کرتا ہے وندیداد کے اول (فرگارد) میں جو کہ اوستا کا تیسرا حصہ ہے۔ سولہ اوستائی منطقوں کا ذکر ہوا ہے۔ اور ان میں ہندوکش کے اکثر شمالی اور جنوبی منطقے شامل تھے۔ جن پر پیشدادی بادشاہ حکمران تھے اوستا کے پانچ یشتوں (آبان یشت، رام یشت، گوش یشت، اردیبہشت اور زمیاد یشت) میں آریانا کے شاہی خاندانوں کے نام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یکے بعد دیگرے بالترتیب مربوط ہیں ۔ زمانہ اور تاریخ صحیح معلوم نہیں ہے۔ البتہ قبل التاریخ کے زمانوں میں پیشدادی، کاوی اور اسپہ گھرانے بالترتیب

مختلف ناموں سے یاد کیے گئے ہیں۔ اور ہر گھرانے کے بادشاہوں کے نام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور بعض حصوں میں ویدی سرود بھی ان سے موافقت کر کے موضوع کو اور زیادہ اجاگر کرتے ہیں اوستا کے ان پانچ یشتوں میں بلخ کے آریائی بادشاہوں کا پہلا سلسلہ (پارا داتا) کے نام سے پکارا گیا ہے۔ جو کہ (پارا) اور (داتا) سے مشتق ہے (پارا) یعنی (پیش) اور (داتا) کی "ت" کا "د" سے مبادلے اور الف کی جگہ "ی" کے استعمال سے دادی ہوا ہے۔ (یعنی پیشدادی۔ دکہزاد)

ویدی سرودوں میں (پارا داتا) کے بعض بادشاہوں کے ناموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً (یاما) جو کہ اوستا میں (یما) کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ یہ بادشاہ اوستا کے زمانہ سے بہت قبل گزرے ہیں

بہر حال وید اور اوستا کے بیان سے اچھی طرح واضح ہے کہ پیشدادی اور کاوی (کیانی) بادشاہوں نے وید کی پیدائش سے بھی قبل حکومتیں کی تھیں یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے زوال کے بعد ان منطقوں میں مقامی حکومتیں بنی تھیں یا بہ الفاظ دیگر طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ کیونکہ پارا داتا (پیشدادی) خاندان کی سلطنت کا بانی ہوشنگ (یما) ہے۔ جو وید اور اوستا کے مندرجات کی رو سے آریانا میں پہلا آرین بادشاہ کہلایا جا سکتا ہے زردشت کہ اس سوال سے جو ہرمزد سے کرتا ہے۔ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ یما بادشاہ زردشت کی پیدائش سے بہت پہلے گزرا تھا زردشت "ہرمزد" سے پوچھتا ہے کہ تم نے پہلے عقیدے اور آئین اور مذہب کی تلقین کس کو کی تھی؟ "ہرمزد" جواب میں کہتا ہے۔ کہ میں نے پہلے اعلیٰ یما سے بات چیت کی اور اس سے کہا کہ اے یما (ویوانگھا) کے خوبصورت بیٹے تو میرے آئین اور مذہب کا مبلغ بن جا لہٰذا اس ترتیب سے جب (یما)

نے مذہبی تبلیغ کے لئے اپنے آپ کو آمادہ اور مستعد نہیں پایا تو اس منصب کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ہرمزد نے اُس کو ایک گروہ کے لوگوں کا حامی محافظ اور حاکم بادشاہ مقرر کر دیا اور اس کی رہنمائی کرتے ہوئے کہا کہ رعایا کے آرام و آسائش اور سرزمین کی ترقی و آبادی میں محنت کریجانے بادشاہت کا عہدہ بڑی خوشی سے قبول کر کے اس بات کا ذمہ دار اور عہدیدار ہوا کہ ملک کی آبادی اور ترقی میں کوشش کرے۔ اور اسی طرح لوگوں کو میری احتیاج سے بے غم اور آزاد کر کے ان کا بادشاہ بن کر ان کی اچھی طرح رہنمائی کرے۔ اس وقت ہرمزد نے ان تعہدات کے مقابل میں اُس کو دو آلے دیئے۔ ایک طلائی عصا اور دوسرا سونے کا بیل تھا۔ عصا اُن کی سلطنت کا نشان (سمبل) تھا اور بیل زراعت کی علامت تھی۔ یعنی یہ کہ ہرمزد کی ہدایات کے مطابق زمین آباد کر کے قدرت کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھائے غرضیکہ یما تخت شاہی پر بیٹھ گیا اور ہرمزد کی ہدایات کے مطابق وطن کی آبادی و ترقی کا آغاز کیا۔ اوستا کے ان بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ آرام و خوشحالی اور امن و سلامتی کا دور تھا

ویدکے سرودوں اوستا کے پشتوں شاہناموں اور دیگر تاریخی اور ادبی ماخذوں تمام نے بلا استثنا یارا داتا یا یعنی پیشدادیوں کی سلطنت کے مؤسس یما اور یاما کو جم اور جمشید کے نام سے پکارا ہے۔ اسلامی دور کے مورخین نے یما اور یاما سے جم بنایا ہے اور "شید" جس کے معنی روشنی کے ہیں ان کی تعریف کی بناء پر ان سے مربوط کیا ہے۔ یعنی اسم اور صفت کے اشتقاق سے جمشید بنایا گیا ہے۔ اوستا کی شہادت کے مطابق جب یاما (جمشید) بادشاہ بنا تو ان کو اہورا مزدا نے حکم دیا کہ اپنے لئے ایک (پناہگاہ محل) تعمیر کرے جمشید نے اپنے ہاتھوں اس محل کی بنیاد رکھ دی۔ دوم

خرگاہ (دو مذ بداو) نے اس عمارت (وارا) کا پورا نقشہ یعنی کہ کس طرح کا تھا بیان کیا ہے۔ اس عمارت پر پھر بعد میں آہستہ آہستہ بخدی (بلخ) کا شہر آباد ہوا تھا (ورا) کا کلمہ ہمیشہ بلخ کی تاریخ سے پیوستہ آیا ہے اور مرورِ زمان کے ساتھ گھر۔ عمارت اور معبد کے استعمال میں بھی آیا ہے زردشتی مذہب کے پھیلنے کے ساتھ معبدوں کے لئے یہ نام استعمال کیا گیا ہے۔ لہذا بلخ شہر کے قریب ایک قدیم معبد کو آج بھی وہاں کے پشتون (وھارا) کے نام سے یاد کرتے ہیں کہا جاتا ہے کہ یہ آتش پرستوں کا معبد تھا۔ چینی زائر ہیوان تسنگ کی یاداشتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بلخ میں کم از کم دو وھارے تھے جو بہت مشہور تھے۔ ان میں صرف ایک دیھارا کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اور دوسرا نیا دیھارا تھا جسے لوگ (ناوا وسیھارا) کہتے تھے جس وقت اوستائی مذہب کی جگہ ان خطوں پر بدھ مت چھا گیا تو ایک معبد کو دیھارا کے نام سے کافی شہرت حاصل ہوئی۔ محققین کا کہنا ہے کہ یہ سنسکرت کا لفظ ہے۔ اور بدھ مذہب کے معبد کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اگر اس کے معنی اُس جگہ کے جہاں پر آگ جلتی ہے۔ تو پھر یہ کلمہ پشتو ہونا چاہیئے اور اس کا مادہ ہور (آتش) ہونا چاہیئے۔ عین ممکن ہے کہ یہ کلمہ (ورا) بھی اصلاً اورا ہو اور پھر وقت کے گذرنے یا لہجوں کی تبدیلی کی وجہ سے ویھارا اور وھارہ بنا ہو بہرحال چینی زائر کی اصطلاح میں اسے (نابو سنگ کیالان) اور ملکت کے بدھ پیرووں کے عرف میں (ناوا سنگا ساحمہ) بھی کہا جاتا تھا۔ جبکہ نام کے معنی نئے معبد کے ہیں اسلامی دور کے شعراء اور مورخین نے (ودیھارا) بہار اور (ناوا دیھارا) سے نوبہار بنایا ہے۔ جیسے کہ گذشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا کہ یوں معلوم ہوتا ہے مگر اسی زمانہ میں باختر میں جو عوامی زبان بولی جاتی تھی۔

وُہ بھی یہی زبان تھی جسے آج پشتون بولتے ہیں۔ اور جسے پشتو کہتے ہیں۔ کیونکہ جس زبان میں زرتشت نے اپنی کتاب ژند لکھی تھی، وُہ بہت سخت زبان تھی۔ اس لئے مختلف وقتوں میں اس زمانہ کے علمائے نے اس کی شرح لکھ دی مولانا محمد حسین آزاد (مرحوم) اپنی کتاب "سخندانِ فارس" میں اس بارے میں کہتا ہے۔

"لغات فارسی کی فرہنگیں اور ایشیائی تاریخیں اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتیں کہ گشتاسپ کے عہد میں ابراہیم زرتشت نے کسی علمی اور درباری زبان میں ایک کتاب لکھی اور اس کا نام ژند رکھا۔ ژند حقائق کے اس جزو کو کہتے ہیں۔ جو آگ نکالتا ہے۔ کتاب مذکور بھی نورالٰہی کا جلوہ دکھاتی ہے۔ اس لئے یہ برجستہ نام بہت مناسب ہوا۔ ژند سخت مشکل تھی اس لئے شرح لکھنی پڑی اور اس کا نام پاژند رکھا۔ پاژند حقائق کے دوسرے کو کہتے ہیں جب ژند پاژند سے ٹکرائے تو جلوۂ حق روشن نظر آئے۔ یہ شرح متن سے مشکل ہو گئی اس لئے اس کی بھی شرح لکھنی پڑی اس کا نام استا رکھا۔ افسوس کہ اس میں سے کوئی کتاب پوری نہیں رہی۔ ژند کے ۲۵ بابوں سے وندیدا انیسواں باب پورا ہے۔ باقی اوراق پریشان رہ گئے۔

تقریباً بیس برس سے یورپ میں علم کے طالب گاروں نے بے دریغ روپیہ اور عرق ریز محنتیں صرف کی ہیں۔ اور نو بہ نو تصنیفات سے وہ نور پھیلایا ہے، کہ نئی نسل پارسیوں کی ان کے لکھے کو سند سمجھتی ہے۔ انہوں

نے اکثر پرانی تحقیقوں کو رد کر دیا ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ جو کتابیں چھپ کر آتی ہیں۔ وُہ دس یا پانچ پانچ برس کے بعد کی تصنیفوں سے آپ ہی رد ہو جاتی ہیں۔

میں کتب مذکورہ کی زبانوں اور اُن کے عہد بہ عہد کے تغیرات کے باب میں ہند یا فارس کی معلومات سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ کوئی سند ہاتھ میں نہیں۔ البتہ ہماری کتب لُغت میں بہت لفظ ہیں۔ جن کے آگے اِتنا لکھا ہے "این لغتِ ژند و پاژند است" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو لفظ استعمال میں نہیں آئے اور تلاش ان کی ایسی کدھب پائی کہ اشتقاق یا لگاؤ اس کا کسی اصل سے نہ ملا اُسے کہیں ژند۔ کہیں پہلوی۔ کہیں دری۔ کہیں فرسِ قدیم لکھ دیا ہے اب میں ایک فقرہ استا کا پڑھ کر اس کی زبان کا نمونہ دکھاتا ہوں۔

" اشم و ہو و یستم ہستی اُستا ہستی اُستا ہمائے" راستی لغت کبریائی ہے۔ رحمت ہے اور فراوان ہے۔ اور تقدس سے خیر ترین "یہ اشائے ویستائے اُشم" اشیا ہے، چاہتی ہے۔ کرتی ہے۔ ہوگی۔

مداقد ہو اوسپتو مزداد

ادھ ہوسپئے نو ہوسپئے نے پیاوہ"

اے آفریدگارِ مالک، خوبیوں کے بڑھانے والے دانائے اعظم، دو عالم میں خوب بچائے رکھیو

زبان مذکور کے لئے کوئی صرف نحو یا لغت کی کتاب

عہد قدیم کی تصنیف نہیں ملی۔ اہل یورپ نے کتب موجود کو پڑھ کر اپنی طبیعت کے بموجب قواعد باندھے اور ڈکشنریاں بنائیں ہندوستانی یا فارسی شوقین انہی کو غنیمت سمجھتے ہیں ان سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ زبان مذکور میں سنسکرت کی طرح حروف اعراب کا کام دیتے ہیں۔ فعلوں میں مذکر و مونث کے علاوہ کئی صیغے زیادہ ہیں اور گردانیں بھی بہت ہیں۔ فعل کا ماخذ دَن اور تَن والا اسم نہیں۔ ایسا کچھ ہے جیسے فارسی موجودہ میں تم امر سمجھتے ہو۔ فارسی حال میں سب امتیاز جاتے رہے۔ تعجب یہ ہے کہ ژند پاژند وغیرہ زبان ہائے مذکورہ میں تحریر کی رفتار دائیں سے بائیں طرف چلتی ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ کئی آرین زبانوں کی تحریر بائیں سے دائیں طرف ہے۔ اکثر کتابوں اور سکوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ساسانیوں کے عہد میں یا اس سے پہلے زبان مذکور کی باریکیاں مٹ گئیں۔ کیونکہ گردانوں اور صیغوں میں شمار اس وقت اسی حالت میں تھے۔ جس میں کہ اب ہیں" (صفحہ ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸)۔

مولانا محمد حسین آزاد کے بیان سے واضح طور پر ظاہر ہوا کہ گشتاسپ کا زمانہ جسے بالا اختلاف ۔۔۔ ۶۰۰ ق م کے درمیان معین کیا جاتا ہے۔ باختر میں ایک ایسی زبان بولی جاتی تھی جو بہت سخت بھی تھی اور مذکر اور مونث کے لیے بہت سے صیغے رکھتی تھی اور گردانیں بھی زیادہ تھیں۔ ہم نے گذشتہ اوراق میں یہ بات پوری تفصیل سے

واضح کر دی ہے کہ آریانا میں صرف پشتو ایسی زبان تھی اور ہے جو کہ مذکر و مونث کے لئے بہت سے صیغے رکھتی ہے۔ اور اس کی گردانیں بھی اس منطقہ اور اس منطقے کے آس پاس زبانوں کے مقابل میں بہت زیادہ ہیں اور سخت زبان بھی ہے۔ اگرچہ شہری اور مہذب علاقوں میں یہ کچھ نرم ہوئی ہے ایک تو اس میں بیرونی الفاظ شامل ہوئے ہیں دوسرے یہ کہ اس کے بہت لغات متروک بھی ہو چکے ہیں۔ اگر اس سے خارجی الفاظ نکال دئے جائیں۔ اور دوبارہ متروک الفاظ استعمال کئے جائیں جیسے کہ اب استعمال کی طرف توجہ دی جا رہی ہے۔ تو یہ یقینی بات ہے کہ اوستا کے اور قریب بھی ہو جائے گی اور سنسکرت کی حیثیت بھی اچھی طرح واضح ہو جائے گی۔

مولانا محمد حسین آزاد اپنی کتاب "سخندان فارس" کے صفحہ ۱۷۵ پہ ایران کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

سرزمین مذکور نے آرین لوگوں کی برکت سے ایران نام پایا اور وہاں اور یہاں (ہند) کے آرین ایک خاندان کے دو بھائی تھے۔ اس رشتے سے وہاں اور یہاں کی زبانیں بھی حقیقی بہنیں ہیں۔ یہ بھی ثابت ہو چکا ہے۔ کہ جو زبان اس وقت وہ پاک نسل بولتی تھی اس کا نمونہ آج ملنا ناممکن ہے اگرچہ ان کی سلطنت تھی۔ مگر ان میں ہندی آریا کی طرح رسم و رواج کے بندھے ہوئے نہ تھے۔ اس لئے ہر ایک زمانے میں مذہبوں کے اختلاط اور ملکوں (حکومتوں) کی آمد و رفت زبان پر معمولی اثر کرتی رہی ہوگی۔ یونانیوں کا طوفان گذرا۔ پارتھیا والوں کی زبان نے اسے برباد کیا سینکڑوں

برس کے بعد ساسانی خاندان کی برکت سے پھر بوسیدہ ہڈیوں میں جان پڑی۔ انہوں نے غاصبوں کو دفع کیا اور برباد دفتروں کو پھر سمیٹا۔ اس کے ساتھ آئین زرتشت پھر تازہ ہوا اور کچھ تحریروں اور کچھ تقریروں سے دین کے آئین منضبط ہوئے۔ اس عالم میں وہ اپنی ملکی زبان اسی زبان کو سمجھے ہوں گے جو زمانے کے کل انقلابوں کا دست مال رہ چکی تھی اور شک نہیں کہ اس وقت اس میں اور ژند کی زبان میں بھی بہت فرق آیا ہوا ہوگا۔

یہ بات واضح طور پر معلوم ہو چکی ہے، اور جیسے کہ اس سے پیشتر بھی ہم بقول استرابو کہہ چکے کہ آریانا میں ایک زبان بولی جاتی تھی اور یہ بھی واضح ہوا کہ آریانا میں اس دور میں جبکہ استرابو بھی حیات تھا یعنی سنہ ۲۰ م میں پشتون رہتے تھے جنہیں مورخین نے پارتیوں اسکائیوں اور اشکانیوں کے مختلف نام سے پکارا ہے جو سخت اور کافی صیغوں اور گردانوں والی زبان بولتے تھے، مختلف تاریخی بیانات سے بھی یہ ثابت ہوا کہ سنسکرت اور اوستا ایک دوسرے کی پیداوار نہیں ہیں بلکہ دونوں بہنیں ہیں۔ ان کی ماں کوئی اور زبان ہے جس سے کہ نہ صرف سنسکرت اور اوستا پیدا ہوئیں بلکہ اس سے دیگر لہجے بھی پیدا ہوئے جو کہ بعد میں پہلوی۔ سکندی۔ دری۔ زاولی۔ (زابلی) سغدی ہروی۔ وپنچی وغیرہ کے نام سے پکارے گئے۔ دوسری بات یہ کہ فارسی میں ایک تو مونث اور مذکر کے صیغے نہیں اور پھر جس قدر زیادہ گردان جو پشتو میں ہیں۔ اس قدر فارسی میں نہیں اور نہ ہی جاندار اور بے جان کے لئے الگ صیغے ہیں۔ جیسے کہ گذشتہ صفحات میں بھی

ہم نے مثالیں پیش کیں۔ بہر حال (ویہارا) ترکیب اور مفہوم کے اعتبار سے جس قدر پشتو سے قریب ہے کسی اور زبان سے اس قدر نہیں۔ پس اس سے صاف طور پر واضح ہوا کہ پیشداریوں یا کیانیوں کی زبان پشتو تھی البتہ ہو بہو آج کی پشتو نہیں۔ بلکہ قدیم پشتو تھی۔ جو اس وقت بھی مختلف لہجوں میں بولی جاتی تھی اور جس خاص لہجہ میں ژند لکھی گئی تھی۔ وہ زمانے کے انقلابات کے ساتھ دیگر بہت سے لہجوں کی طرح غائب ہو گئی۔ البتہ الفاظ بہ یک انداز دیگر قریبی لہجوں میں منتشر ہو گئے یہ ماجرا پاژند اور استا کے ساتھ بھی ہوا یعنی کتابوں میں تو اس زمانے کی زبانیں ہیں۔ لیکن لوگوں میں نہیں۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ پشتو اور فارسی کے الفاظ پرسو اور پرتو سے نکلے ہوں یعنی پارتی کی مناسبت سے پرتو ہوا ہو وہ بھی کلاسیکی مورخین کی زبان سے نہ کہ پارتیوں (پشتونوں) کی اپنی زبان سے چونکہ یہ پشتونوں کے نام ہیں۔ جو دراصل پاختی یا پنتی پشتی کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ بلکہ پیشداری بھی پشتو کے قریب ہے۔ اور "پاراداتا" "پارتیا" کے قریب ہے۔ عین ممکن ہے کہ لفظ اصلاً "پاراداتا" نہ ہو بلکہ پاراتیا ہو اور پاکتیان لہجوں کی تبدیلی کی وجہ سے پشتیان بنا ہو۔ یا اس کے بالعکس اس لئے کہ آریین لہجوں میں خصوصاً پشتو کے بہت سے لہجوں میں الف اور "ی" اور "ت" و "د" کا مبادلہ عام ہے بہر حال پیشداری خاندان کا پہلا بادشاہ جمشید تھا۔ جس نے بلخ میں وہارہ یا ویہارا عمارت بنائی اور یہاں برتنوں میں آگ جلائی جاتی تھی۔ جس نے بعد میں ایک معبد کی شکل اختیار کی اور اسی زمانہ میں آریانا کے دیگر علاقوں میں بھی معبد بن گئے اور یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے بعد کے زمانہ میں یورپ پر حملے کئے۔ یہ کشادہ لباس پہنتے

تھے۔ سر کا درمیانی حصہ منڈوا لیتے تھے اور ان کے درباروں میں بڑے بڑے برتنوں میں آگ جلتی تھی۔ جیسے کہ پہلے بھی عرض کیا گیا کہ پشتونوں میں وہ قدیمی لباس جس کا گریبان سامنے کی بجائے کندھے کی طرف بنایا جاتا ہے اور بٹن کی بجائے دھاگے سے باندھا جاتا ہے۔ اور جسے پشتو زبان میں "تونی" کہتے ہیں۔ سر کا درمیانی حصہ منڈھانا اور اردگرد دو انگل بال رکھ چھوڑنا اب بھی مغربی قبائل میں مروج ہے۔ البتہ آتش پرستی کی دوسری نشانیاں مٹ گئی ہیں۔ صرف عقائد میں ایک نشانی باقی ہے۔ وہ یہ کہ آگ میں تھوکنا گناہ سمجھتے ہیں۔ بہرحال بلخ کا پہلا بادشاہ "یما" کہلاتا تھا۔ جو بعد میں جمشید کے نام سے پکارا جانے لگا ان کی بادشاہت کا دور صحیح طور پر معلوم نہیں البتہ ایرانیوں کا دعویٰ ہے۔ کہ وہ آرین کا بڑا بادشاہ تھا۔ عراق اور بابل بھی اس کے قلمرو میں شامل تھے۔ اور یہ بنو سام ابن نوح کا معاصر تھا ان کے بعد ضحاک تازی جو ضحاک ماران کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ نے ملک پر قبضہ کر لیا یمن کے لوگ کہتے ہیں کہ ضحاک ان کی قوم سے تھا اور اُن کا اصل نام ضحاک بن علوان تھا۔ بعض عرب مورخین کہتے ہیں کہ یہ ضحاک نمرود تھا۔ جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا تھا۔ اوستا کے پشتو، میں یما بادشاہ کے بعد جس بادشاہ کا نام آتا ہے وہ (ازھی دھاکا) ہے۔ جس سے کبھی "سانپ" اور کبھی "(سہ دھی) سے نسبت دی گئی ہے۔ جو یہ خواہش رکھتا تھا کہ سات کشور یعنی (سات مملکتوں) جن پر جمشید حکمرانی کرتا تھا۔ سے انسان کی نسل کا خاتمہ کردے۔ ہخامنشی اور اوستا کے دوسرے حصوں اور فارسی ادبیات میں یہ شخص بادشاہ کہلایا گیا ہے۔ اور ضحاک ماران کے نام سے بار بار

یاد کیا گیا ہے۔ کیونکہ جمشید کے بعد اِن کا ذکر آتا ہے۔ اس لئے مدققین کے خیال میں غالباً اسی شخص کے ہاتھوں جمشید کی سلطنت نے سقوط کی ہو۔ اوستا کا آبان یشت کہتا ہے کہ ازھی دھاکا بوری (BORI) کی مملکت کا تھا۔ دارمستتر کہتا ہے کہ بوری سے مراد بابلیون (بابل) ہے۔ کیونکہ ژند زبان میں "ل" کا مخرج ادا کرنے کے لئے حرف نہیں اس لئے یہ آواز "ر" سے لکھی جاتی ہے۔ اور بعض بابلیون ہے۔ جسے فارسی میں بابیلو (BABILU) بھی کہا جاتا ہے ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ ازھی دھاکا عرب نہیں تھا بلکہ کلدانی تھا۔ ضحاک کے بارے میں مورخین اور مدققین میں اختلاف ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ ضحاک نمرود اور حمورابی دراصل ایک شخص کے نام ہیں۔ کیونکہ ان کے حالات۔ واقعات اور زمانوں میں بڑی یکسانیت پائی جاتی ہے لیکن ساتھ ہی تاریخوں میں فرق بھی پایا جاتا ہے۔

مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ ۲۲۰۰ ق م معین کیا جاتا ہے اور حمورابی کا زمانہ ۱۹۰۰ ق م کے لگ بھگ جو بڑے اور نامور بادشاہ اس زمانہ میں گزرے ہیں۔ وہ بھی یہاں یمن ہیں اور ان سے قبل ۲۳۰۰ ق م میں بڑا بادشاہ سرجون آکاد گزرا ہے یعنی ان کا دور تاریخی لحاظ سے اس طرح ہے۔

(۱) سرجون قدیم ۲۶۰۰-۲۳۵۰ ق م کے درمیان
(۲) نمرود ۲۲۰۰ ق م
(۳) حمورابی ۱۹۰۰-۱۷۰۰ ق م

۱۔ ژند اوستا کی جلد دوئم ص ۳۷۵ دارمستتر کا فرانسیسی ترجمہ

اب اگر کہیں ضحاک اور نمرود ایک شخص ہے اور جمشید کی سلطنت کا بلخ میں خاتمہ کرتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جمشید یا زیما) بادشاہ بھی نسترہن میں تھا جہاں تک حمورابی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں بڑا فرق ہے۔ دوسرا یہ کہ حمورابی ایک بڑا قانون دان بادشاہ تھا۔ بلکہ بعض محققین ان کو دنیا کا پہلا قانون دان سمجھتے ہیں۔ اس بناء پر قرینِ عقل نہیں ہے کہ وہ اس قدر ظالم ہو جتنا کہ نمرود یا ضحاک کے متعلق کہا جاتا ہے۔ البتہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ ضحاک اور نمرود ایک شخص ہے۔ ہر چند کہ ضحاک کے متعلق مورخین میں یہ اختلاف موجود ہے۔ کہ کوئی اسے عرب کہتے ہیں اور کوئی کلدانی۔ اسی طرح نمرود کے متعلق بھی اسی قسم کی قیاس آرائیاں ہیں۔ کوئی ان کو کرد اور کوئی کلدانی کہتے ہیں۔ بہر حال ہمارا موضوع یہ تھا کہ اوستا میں جمشید کے بعد اژی دہاکا (ضحاک) کا ذکر آیا ہے۔ اس بناء پر بعض محققین گمان کرتے ہیں۔ کہ ہو سکتا ہے کہ جمشید کی سلطنت کا خاتمہ اس نے کر دیا ہو۔ بعض محققین ضحاک کو بھی پشتون کہتے ہیں اور ان کا ... طرہ سباک، غلجیوں کا ایک قبیلہ جو غزنی میں مقیم ہے سے جوڑتے ہیں۔ مطلب یہ کہ "دہاک" کا "د" (ض) اور (س) میں بدلتے ہیں شمالی افغانستان میں سترہ کیلومیٹر بامیان کے قریب ضحاک کے شہر کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔

اس علاقے کے لوگوں نے چنگیز خان کے ساتھ زبردست جنگ لڑی تھی جس میں چنگیز خان کا نواسہ چغتائی خان کا بیٹا موتے جن مارا گیا تھا۔ اور اس پر چنگیز خان کو اس قدر غصہ آیا تھا کہ اس نے اس کے قریب غلغلہ کے شہر کو آگ لگا کر بے شمار لوگوں کو اس میں زندہ جلا دیا۔ اسی علاقہ میں زیمان کے نام سے ایک شہر بھی مشہور ہے۔ بہر حال جمشید ایرانیوں کا افسانوی بادشاہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے

سات سو سال حکومت کی تھی اور اس کے ساتھ ایک ایسا پیالہ تھا۔ جسے گھماتا تھا تو اس میں دنیا کے تمام حالات معلوم ہو جاتے تھے۔ یہ پیالہ فارسی ادبیات میں جام جم کے نام سے مشہور ہے۔ اور استعارہ کے طور پہ فارسی شاعروں نے استعمال کیا ہے۔ ایران کی قدیم سلطنت کے پایۂ تخت (تخت جمشید) کو جو پرسی پولس (PERSEPOLIS) کے نام سے بھی پکارا گیا ہے۔ اس نے شیراز سے چالیس میل شمال مشرق میں بنایا تھا۔ نقشِ رستم بھی انہی کھنڈرات کے قریب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شمسی کیلنڈر۔ نوروز۔ شراب۔ اسلحہ۔ ریشمی کپڑے اور دیگر تمام علوم و فنون اس نے ایجاد کیے اور پھر آخر میں خدائی کا دعویٰ کر ڈالا۔ زرتشتی عقیدے کے مطابق آسمانی طاقتوں نے جمشید کو سزا دینے کے لیے ضحاک کو بھیجا۔ اس نے جمشید کو شکست دے کر اس کی بادشاہت تختہ کر دیا۔ اور جمشید کو آرے سے چیر کر جلا دیا۔

بزرگ بنداهش میں کہا گیا ہے کہ دھاک (ضحاک) بابل میں ایک محل رکھتا تھا جو "کلنگ دیس حت" کہلاتا تھا جسے فردوسی نے کنگ دژ ہوخت کے نام سے پکارا ہے۔ اوستا کے متن اور بنداهش کے اشارات اور محققین کے نظریات سے یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ دھاک یا ضحاک دراصل ایک غیر آریائی اور سامی نژاد بادشاہ تھا۔ جو بابل سے بین النہرین اور ان علاقوں پر حکومت کرتا تھا۔ جو بعد میں میڈیا اور فارس کے ناموں سے شہرت پا گئے۔ بہر حال جمشید اور ضحاک کی داستانوں میں افسانوی رنگ اس قدر زیادہ ہے۔ جس پر یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے۔ کہ جمشید کے زمانے میں جس کی تاریخ متعین کرنا مشکل ہے۔ ... ایک سامی قوم کی حکومت تھی۔ اور ان کے ہاتھوں جنگوں میں جمشید کی حکومت نے سقوط کیا ہے۔ اور پھر نزی تونا (فریدون) نے ان کو آریانا کی حدود سے نکالا ہے۔

اوستا کے بیان کے مطابق فریدون وہ بادشاہ ہے۔ جو ریما) اور اژدھی دھاکا) یعنی جمشید اور ضحاک کی جنگوں کے بعد پیش دادی سلطنت کے تخت پر بیٹھا۔ فریدون کا اصل نام تری تونا تھا۔ جو بعد میں تریتون اور پھر فریدون بنا ان کے والد کا نام اتویا (ATHWYA) جو ایک بڑا مقتدر شخص تھا۔ اوستا کے یشتوں میں یہ گھرانا قومی گھرانے کی صفت سے یاد کیا گیا ہے۔ نئی داستانوں میں ابتن کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے،

آبان یشت کے ۳۳ ویں فقرہ میں لکھا گیا ہے۔ کہ سو گھوڑے ایک ہزار بیل اور دس ہزار دنبے پانی کے ربۃ النوع (اردوی سورا ناہیتا) (ARDVI SURA ANAHITA) کو پیش کئے کہ شریر شیطان اور قوی (اژدھی دھاکا) پر کامیابی حاصل کرے جس نے دنیا کو تباہ و برباد کرنے کے لئے کمر باندھ رکھی ہے اور اسی طرح ارنواک (ARENAVAC) اور سوان ھاواک (SAVAN HAVAK) دنیا کی خوبصورت ترین عورتوں کو اس کے نرغے سے نجات دلائے۔

بہر حال تری تونا (فریدون) نے ضحاک کو شکست دے کر اس کو مار ڈالا اوستا کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ فریدون آریانا سے بین النہرین (قدیم عراق) کو ضحاک کے ہمراہ جنگ کے لئے گیا تھا اور برتری حاصل کی تھی جمشید کی بیٹیاں جو ارنواک اور سوان ھاواک کہلاتی تھیں اور ایرانی ادبیات خصوصاً منثور شاہناموں میں ارنواز اور شہرناز کے نام سے پکاری گئی ہیں اور جنہیں ضحاک اپنے ساتھ قیدی بنا کر لے گیا تھا کو فریدون نے نجات دلا کر واپس اپنے ہمراہ بلخ لے آیا۔ فریدون اور ضحاک ماران کے متعلق ایرانی ادبیات میں بڑی دلچسپ داستانیں اور قصے بنائے گئے ہیں لیکن اگر کم و بیش تاریخی استفادہ لیا جا سکتا ہے تو وہ صرف اوستا کے بیانات ہیں فریدون کے بعد آریانا میں جو شخص سلطنت کو پہنچا ہے۔ وہ اوستا کے آبان یشت

اور رام یشت کے مطابق گرساسپہ کہلاتا تھا۔ جو تری تار (THRITA) کا بیٹا سامان (CAMA) کی نژاد سے تھا بعض کا کہنا ہے کہ یہ ساما کا بیٹا تھا بہر حال یہ وہ تیسرا شخص ہے جو طبابت میں بھی دلچسپی رکھتا تھا۔ اور اس نے سرد و گرم بخار کی دوائی بنائی اس کے دو بیٹے تھے ایک کا نام ایوروک شایا (URVAK SHAYA) جو بڑا متقن تھا۔ دوسرے کا نام گرشاسپہ تھا جو بڑا بہادر اور جنگجو پہلوان تھا اور پیشدادی گھرانے کے مقتدر مضبوط بادشاہوں میں سے تھا۔ اس شخص نے اپنی لیاقت صلاحیت سے آریانا کے داخلی اور خارجی مخالفین کو تابع کیا کابل اور کندھار سے ارغنداب اور سیستان تک تمام علاقے اپنے تعلق میں لے لئے اوستا کے زمیاد یشت میں تفصیل سے ذکر آیا ہے۔ اس کے کارناموں میں ایک کارنامہ یہ ہے جو آبان یشت کے ۳۷ ویں فقرہ میں بیان کیا گیا ہے، یعنی اگندار لیودا) کا مار ڈالنا ای یشت کی یادداشت اور بیان کے مطابق گرساسپہ نے پی شینار (PISHINAH) کے دو پاچے کی پچھلی جانب جسے دار مستتر پشین کا درہ کہتا ہے۔ اناھیتا کے نام پر اس لئے قربانی دی کہ اس پہلوان پر برتری حاصل کر لے۔ دار مستتر ژند اور اوستا کے فرانسیسی ترجمے کی جلد دوئم کے صفحہ ۳۷۶ پر ۳۸ ویں نوٹ میں لکھتا ہے کہ گرساسپہ ایتری مانو گرساسپو) یعنی اگرشاسپ نریمان) کابل کی داستانوں کا پہلوان (ہیرو) تھا بعض محققین نے (گندار لیودا) کو گندھاری پہلوان کہا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ کاسی تفاعت البا "مد کند" پر کاسی کا گمان کیا گیا ہے، یا یہ کہ کند اور کاسی کو ایک ہی سمجھا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ کند۔ ژمند اور کاسی علیحدہ علیحدہ قبائل تھے۔ اور جیسا کہ ہم اس سے پیشتر بھی عرض کر چکے ہیں۔ کہ یہ لوگ اکٹھے ۹۰۰ قم کے لگ بھگ قدیم عراق سے بلوچستان کو آئے تھے، اور پھر کند اور ژمند افغانستان کی جانب گئے تھے آپ کو

یاد ہوگا کہ ہم نے گذشتہ اوراق میں کہا تھا کہ کندھار غالباً (کند) اور (ھار) یا (اری) کے اشتقاق سے بنا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سیستان کے پہلوانوں میں سے تھا۔

بہرحال یہ واضح ہے کہ گندھاریوا اگر کندھار میں تھا یا پشین میں اور یا سیستان میں علاقہ ایک سے ہے اور اسی منطقہ میں کرساسپہ کے ہاتھوں مارا گیا ہے علاوہ اس کے کرساسپہ نے اپنے بھائی اور واک شایا کے قاتل ھیتاسپہ (HITASP) سے بھی انتقام لیا اس کو مار کر نعش اپنے جنگی عرادہ سے باندھلی - اور پھر اس طرح پتانی رز (PATHANIZ) کے نوبہادر اور جنگجو بیٹوں کو بھی قتل کر ڈالا۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر گندار یوا یعنی گندھاری پہلوان یا سربراہ سے مراد کندھاری یا کندھار کے پہلوان کی لے لیں اور کندھار کو "کند" سے مربوط کریں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ واقعات ۹۰۰ق م میں رونما ہوئے ہیں - اور "زندہ" یا بعض دیگر زرتشت کا زمانہ یقیناً اس کے بعد ہوگا - جیسے کہ بعض محققین اس کو ۸۰۰ - ۶۰۰ ق م کے لگ بھگ متعین کرتے ہیں۔ اور کہیں زرتشت کا زمانہ ۱۰۰۰ ق م ہے تو پھر ہو سکتا ہے کہ یہ واقعات ۱۵۰۰ - ۱۲۰۰ ق م میں رونما ہوئے ہوں - اور "کند" سے کندھاری سے کوئی تعلق نہیں - جرمن محقق گائیگر کہتا ہے کہ آریائی پہلوان - بادشاہ اور قبائل کے علاوہ دوسرے جو اوستا میں یاد کئے گئے ہیں تمام وجود رکھتے تھے اور ان کے بارے میں رونما ہونے والے واقعات خواہ مخواہ ہو گئے ہیں۔

افغانستان کی قدیم تاریخ کے مؤلف محقق احمد علی کہزاد جن کی معلومات سے ہم

نے اس سے پیشتر بھی اس کتاب میں استفادہ کیا ہے کہتا ہے :- کہ وہ سلطنتی خاندان جو اوستا میں (پارا داتا) اور (کاوی) کے ناموں سے یاد کئے گئے ہیں - اسلامی زمانہ کے مورخین اور شاہناموں نے ان کو (پیشدادی) اور (کوانی) یا (کیانی) بنایا ہے یعنی پیشدادیوں اور یعنی کیان کے ناموں سے مشہور ہیں - اور وہ بادشاہ جن کا کہ اوستا اور شاہناموں میں اُن کے ناموں کے آخر میں اسپہ اور اسپ لکھے آئے ہیں - اور اُن سے ایک لہراسپ) یا گشتاسپہ) زرتشتر (زرتشت) کا معاصر ہے اور جس کے زمانہ میں اوستا کا ظہور اور پیدا ہوتا ہے - دقیقی بلخی نے بلخ کے ہیرو بتائے ہیں - ایک ایسی شاخ ہے جو کہ کاوی یا کیانی کے خاندان سے جدا ہوا ہے۔

فارس کے بعض مورخین کا شاہنامہ کے پڑھنے اور خصوصاً اس کی غلط صورت میں تعبیر اور واقعات کی تطبیق نہ کرسکے اور ان کے حقیقی بادشاہوں اور پہلوانوں کو نہ پہچاننے کی وجہ سے اشتباہات میں مبتلا ہو گئے اور کاوی یا کیانی کو ھخامنشی سمجھا اور اس غلط مذکورے کی اساس پہ پارا داتا یا پیشدادی کو سلطنتی خاندان سمجھنا چاہیئے تھا جس نے کہ ھخامنشیوں سے قبل سلطنت کی ہو - چونکہ نہیں جانتے تھے کہ ھخامنشیوں سے قبل کون سلطنت کو پہنچے ہیں اس لئے متردد تھے اس طرح کے اشتباہات ایسے اشخاص کے اذکار میں زیادہ تر اس وجہ سے پیدا ہوئے ہیں - کہ وسطی صدیوں کی تاریکی نے مملکت کے تاریخی حقائق کو ان کی نظروں سے ایکدم اوجھل کر دیا ہے - اور یہ مورخین اس وقت تک یعنی جب مغربی محققین نے ھخامنشی کی تحریرات اور کتبات کے پڑھنے کا اقدام نہیں کیا

تھا ھخا منشی کے گھرانے اور بادشاھوں سے بالکل بے خبر تھے۔ اور ماد کے بادشاہ جنہوں نے ھخامنشیوں سے قبل مدیا میں حکومت کی تھی۔ ان کے نزدیک بالکل مجہول اور نامعلوم تھے، اب جبکہ فارس اور مدیا کے مادیوں کے ھخامنشی بادشاھوں کے بارے میں عصری کشفیات نے سب کچھ ظاھر کردیا تو یہ بات قطعی طور پر واضح ہوگی کہ ھخامنشیوں کا بلخی کیان اور پیشدادیوں کے ساتھ کوئی جنذی تعلق بھی نہیں تھا ان کے عصر زمان، قلمرو سلطنت اور حکومت کے ناموں میں بھی فرق ہے صرف ماد اور فارس کے گھرانے کے ناموں کے بھول جانے کی وجہ تھی کہ اوستا اور دیگر مستقل مؤلفات کی رو سے بلخی کیان اور پیشدادیوں کے نام لئے جائیں اور دوسروں کے ساتھ ملا دیئے جائیں یعنی پیوند کئے جائیں۔ بغیر یہ دیکھے کہ یہ پیوند اچھا آتا ہے یا برا؟ قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ پیوند صرف کیان اور ھخامنشی کو جوڑنے کے لئے لگایا گیا ہے، ان سے آگے قدم بڑھانے کی جرأت نہیں کی ہے۔ یعنی یہ کہ ماد کے بادشاھوں سے پیشدادی بنالیں۔ اور پھر اس کے بعد یہ بھی کہتے ہیں کہ پیشدادی وہ قدیم خاندان ہے جو آرین کی جدائی اور ہند و فارس کو ان کے جانے سے قبل آرین پر مشتمل مشترکہ خطہ پر سلطنت کرتے تھے یہ بہت درست اور معقول بات ہے۔ مگر کون سی جگہ پر؟

یہاں پھر چپ ہو جاتے ہیں اور سکوت طاری ہو جاتی ہے۔

کیونکہ اس سے نقصان کا خدشہ ہے۔ ورنہ یہ مسئلہ واضح اور عیاں ہے کہ آرین ہند و فارس کو ہجرت سے قبل باختر میں مل کر مشترکہ زندگی بسر کرتے تھے۔

اس طرح نظریات کے مخترعین اگر کہیں اوستا پڑھ لیں تو سمجھ جائیں گے کہ زرتشت کی کتاب بلخی سیستان - ھخامنشی اور ماد و فارس کے سلطنتی گھرانے کو بالکل نہیں جانتے

اس مسئلے نے بعض محققین جیسے (کرسٹن سن) اور (گلمان هارٹ) کو بھی متوجہ کیا ہے اور (هشری ماسے) (فردوسی اور ملی رزمی اشعار) نام کی کتاب میں ۱۷-۸۰ صفحات پر یہی سوال کرتا ہے کہ ھخامنشیوں کا کیوں اوستا میں ذکر نہیں کیا گیا ہے؟ باختر کی قدیم اوستا جو زمانے کے لحاظ سے ھخامنشیوں سے بہت قدیم آریانا کے شمال میں پیدا ہوئی اور منظر عام پر آگئی۔ اسے طبعاً ھخامنشیوں کو نہیں جاننا چاہیے۔ جو چیز (هشری ماسے) کی حیرانگی کا سبب بنا تھا وہ یہ ہے کہ حتی اوستا کے نسخے جو بھی جو ساسانی زمانہ میں جمع ہوا تھا اور ان تفسیروں میں جو اس زمانہ میں ان پر لکھے گئے کسی ایک میں بھی ھخامنشیوں کے متعلق کوئی لفظ نہیں ہے اس ترتیب سے آیا پھر بھی کوئی جرأت کرکے بول سکتا ہے کہ کیانی ھخامنشی عبارت ہے؟ اوستا نے نہ صرف مادیوں اور ھخامنشیوں اور ان کی مملکتوں مدیا اور فارس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ بلکہ ان کی زمینوں کے کچھ حصوں کو مثلاً مازندران اور طبرستان کو بھوت پریت یعنی اوستائی مذھب کے آئین کے مخالفین کی مملکت کے نام سے یاد کیا ہے۔ (اقتباسات از تاریخ قدیم افغانستان جلد اول)

اس بیان سے جو باتیں واضح ہوئیں ان میں ایک یہ ہے کہ اوستا کا زمانہ ھخامنشی سائرس سے جسے مولانا ابوالکلام آزاد نے ذوالقرنین کے نام سے پکارا ہے بہت قدیم ہے۔ اور یہ بیان مولانا آزاد کے اس نظریہ کو رد کرتا ہے کہ سائرس زرتشت کا ہمعصر تھا۔ اگر کہیں ایسا ہوتا تو اوستا میں ھخامنشیوں کا ذکر ضرور آتا۔ پس ظاہر ہے کہ ھخامنشی نہ صرف زرتشت بلکہ اوستا سے جو یا ژند کے بعد یعنی دیگر زرتشت کی موت کے بہت بعد سامنے آگئی ہے، کافی بعد میں

پیدا ہوئے ہیں ۔ دوسرے یہ کہ (گیت) گاہ یہ نظریہ بھی غلط ثابت کرتا ہے کہ اوستا کا زمانہ ۶۰۰۰؁ ق م کے لگ بھگ ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زرتشت ۱۲۰۰-۱۰۰۰؁ ق م کے لگ بھگ بلخ میں پیدا ہوا تھا اور ژند کی تشریحات یا تفسیر یا ژند اوستا یکے بعد دیگرے دو سو سال کے اندر لکھی گئی ہوں اور ہوسکتا ہے کہ یما (جمشید) کا زمانہ ۱۲۰۰-۱۱۰۰؁ ق م کے لگ بھگ ہو جو رگ وید کا زمانہ بھی ہے ۔

اگر جمشید کا زمانہ ۱۲۰۰؁ ق م میں معین کیا جائے تو پیش دادی اور ہخامنشی کے درمیان تقریباً چھ سو سال کا فاصلہ آتا ہے، اور اس زمانہ میں بلخی پیشدادیوں کیانی اور اسپہ خاندان کے ادوار معین کیے جا سکتے ہیں ۔ جمشید کی حکومت کا دور کم معلوم ہوتا ہے کیونکہ جمشید کے خلاف ضحاک نے اقدام کیا ہے اور ضحاک کے خلاف فریدون نے جو البرز کے پہاڑ میں جو بلخ کے جنوب میں ہے کاوہ آہنگر نے پالا اور پرورش کی تھی ۔ اور جوان ہونے پر بادشاہی کا اعلان کر کے ضحاک کے ظلم و استبداد سے لوگوں کو نجات دلا دی پس واضح بات ہے کہ جمشید ۔ ضحاک اور فریدون کا زمانہ ایک ہے، یعنی یہ واقعات ۱۲۰۰؁ ق م ۔ کے لگ بھگ رونما ہوئے ہیں ۔ اور اس گھرانے کے بعد بلخ میں ۱۱۰۰؁ ق م کے لگ بھگ کاوی یا کیانی خاندان سامنے آیا ہے ۔ اور اس کے بعد اسپہ خاندان

اوستا کاوی شاہی گھرانے کے بانی یا موسس کو کاوی ۔ کواتا کے نام سے پکارتا ہے ۔ جو دری زبان کے رزمیہ داستانوں میں کیقباد کے نام سے مشہور ہے ۔ کاوی کواتا کا نام اوستا نے دو جگہ یاد کیا ہے، زمیاد یشت کے ۷۱ فقرہ اور فروردین یشت کے ۱۳۲ فقرہ میں پہلے یشت میں اول (کاوی کواتا) اور اس کے بعد اس کے گھرانے کے افراد اور ان کے جانشین اور دیگر چھ افراد کو یاد کیا گیا ہے ۔ فروردین

یشت میں آریانا اور توران کے تمام بادشاہوں اور پہلوانوں اور سربراہوں کی مکمل فہرست ہے ۔

نئی داستانوں میں آیا ہے کہ (کاوی کواتا) یا کیقباد بہت سے ریوڑ رکھتا تھا اور اپنی جوانی میں (اوشتاشتار SHDASHTA R J) یا البرز کے پہاڑ کے دامن میں جو بلخ کے جنوب میں تین کیلومیٹر میں ہے ۔ اپنے ریوڑ چراتے تھے کہ اتفاقاً آسمان پر دو سفید باز نمودار ہوئے جنہوں نے طلائی تاج اپنے پنجوں میں پکڑا تھا ۔ جوان کواتا کے سر پہ رکھ دیا (کواتا) حیران ہوا قرب و جوار کے گڈریوں کو آواز دی اس سفید ریش شخص نے جو گڈریوں میں تھا ۔ بازوں کی آمد اور تاج کے لانے کو لطف خداوندی اور کیانی شاہی فر سے تعبیر کیا اور فوراً (کاوی کواتا) کی بیعت کی اور دوسروں نے ان کی متابعت کی اور جوان کواتا کے ساتھ بخدی کے شہر تک جا کر سلطنت کے تخت پر بٹھا دیا ۔ حماسی داستانوں میں یہ موضوع بھی واضح ہوا ہے کہ گرشاسپ کی وفات کے بعد سلطنت کا تخت خالی تھا ۔ اور رستم نے البرز کے پہاڑ کو جا کر کیقباد بادشاہ کو وہاں سے لے آیا ۔

بہر حال اوستا کاوی گھرانے کے بادشاہوں کا سرسلسلہ یا موسس (کاوی کواتا) بتاتا ہے فروردین یشت کے ۱۳۲ فقرہ (پیراگراف) میں کاوی کواتا کے بعد اس گھرانے کے ان افراد کو یاد کرتا ہے ۔ کاوی اپی وانیو ۔ کاوی یوسادان کاوی ارشان ۔ کاوی پسینا ۔ کاوی بیارشان ۔ کاوی سیاورشان اور کاوی ہوسراوا ۔

دارمستتر نے فرانسیسی زبان میں ژند اور اوستا کے ترجمے کے دوئم

باب ۹ ۴۹۵ صفحہ پر ۲۸۰ نوٹ میں کیانی کا شجرہ اس طرح بیان کیا ہے۔

کاوی کواتا

کاوی اپی وانیو (اپی وہ)

بیارشان - پیسانہ - ارشان - کاوی یوساوان - کی ویارشان
کی پیسان - کی ارش - کی کاؤس۔

کی ارمین (کی لیسین شاہنامہ)　　　کاوی سیاورشان

کاوی ھوسراوا

اخسرورہ

کیونکہ یہ تمام بادشاہ نژاداً پشتون تھے لہذا کچھ تفصیل سے حالات بیان کرنے چاہئیں۔ تاکہ بات زیادہ واضح اور روشن ہو اور زمانوں کا تعین بھی ہو اس لئے کہ ہماری تاریخ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی در پیش رہی ہے۔ کہ واقعات تو بیان کئے گئے ہیں لیکن زمانہ معلوم نہیں اس بنا پر اشتباہات پیدا ہوئے ہیں۔

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ جمشید کے بعد آریانا کے تخت پر جو کہ بلخ میں تھا۔ فریدون بیٹھ گیا۔ اور ان کے بعد کرساسپ جو گرشاسپ نریماز کے نام سے بھی پکارا گیا ہے۔ کیونکہ بعض کا کہنا ہے کہ نریمان سام کا بیٹا تھا۔ بہر حال نریمان کے نام سے افغانستان میں بہت سے قلعے بھی تعمیر ہوئے ہیں۔ ان میں ایک وہ قلعہ ہے جو ضحاک کے شہر کے قریب بامیان اور کالو درہ کے سنگم پر اب بھی کھنڈرات کی شکل میں دکھائی دیتا ہے

دارمستتر زند اور اوستا کے فرانسیسی ترجمہ میں کہتا ہے۔ کہ اس شخص نے اوستا میں وہ کردار ادا کیا ہے۔ جو شاہنامہ میں رستم نے ادا کیا ہے۔ وہ بڑی شخصیتیں جنھوں نے کیانی خاندان سے قبل بلخ میں حکمرانی کی ہے، اس طرح ہیں۔

ویوانگانا اور اس کا بیٹا یاما (جمشید)

اتویا اور اس کا بیٹا تریتونار (فریدون)

ساما اور اس کا بیٹا کرساسپہ (گرشاسپ)

جمشید کی حکومت ضحاک کے ہاتھوں برباد ہوئی اور ضحاک فریدون کے ہاتھوں مارا گیا فریدون اور اس کے بعد گرشاسپ نے آریانا کی قدرت و شہامت میں کافی اضافہ کیا انصاف و عدالت۔ سچائی اور نیکوکاری کے جھنڈے بلند کر کے آریانا کی سرزمین کو خارجی عناصر سے پاک کر دیا۔ تہذیب و مدنیت کی شمعیں روشن کیں اگرچہ اس گھرانے کے اقتدار کی مدت صحیح طور سے معلوم نہیں لیکن اندازاً سو سال سے زیادہ نہیں ہوگا۔ البتہ کم کا امکان زیادہ ہے۔ یہ زمانہ ۲۰۰۰ ق م کے لگ بھگ ہونا چاہیئے۔ اس گھرانے میں چند افراد اور بھی ہیں۔ لیکن چنداں شہرت نہیں رکھتے اور شہرت نہ رکھنے کی وجہ غالباً اقتدار کی مدت کی کمی ہے۔ بہر حال آخری بادشاہ (ایرج) اور اس کا بیٹا (منوچیترا) جو بعد کی تاریخوں میں (ایرج) اور "منوچہر" کے ناموں سے مشہور ہوئے یہ وہ زمانہ تھا جب کاسیوں کو بابل سے نکالا گیا۔ اور بخت نصر اول نے ایلام پر حملہ کیا۔

اس کے بعد جو دوسرا شاہی خاندان آریانا میں برسر اقتدار آتا ہے۔ وہ کاوی یا کیانی خاندان ہے۔ جسے اوستا نے "کاویم" ورینو کے نام سے پکارا ہے ویدی اشلوکو (سرودوں) میں "کوی۔ کاوی" اور "کاویا" کے نام بھی تنہا

اور کبھی یوسا، کے نام کے ساتھ متصل آتے ہیں۔ فرانسیسی محقق برگین اپنی تالیف (آوید ک مذھب) کی دوسری جلد میں کہتا ہے کہ "کوی" یا "کادی" اور "کادیا" کے معنی سمجھ اور دانائی کے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ویدکے اشلوک اس زمانہ میں مسلسل بولے اور لکھے جاتے تھے۔ کیونکہ آریانہ میں بہت سے عموی اعتبار سے لوگ قبائلی زندگی بسر کرتے تھے۔ اور اپنے اپنے لہجوں میں داستان اور قصے منثور اور منظوم طور سے بیان کرتے تھے، اور وقت گزرنے کے ساتھ نام تبدیل ہوتے رہے، جیسے کہ پارادات سے پیشداد اور پیشدادی بنا اسی طرح علت کے حروف (ا - د - ی) جو لفظ کے آخر میں ہوتے تھے۔ حذف یا الٹ پلٹ ہو جاتے تھے اسی طرح کادہ اور کادی سے کوانی - کاویانی اور پھر کیانی بنا۔

جیسا کہ پیشتر عرض کیا گیا۔ اس خاندان کا موسس کیقباد تھا اور کیقباد ہو بہو باختری اوستا کے (کادی کو آتا) کے نام کے اسلامی زمانہ کا عین دری لفظ ہے، جو لہجے کے تغیر کی وجہ سے (کی) ہوا ہے۔ کو آتا شروع میں (کوات) تھا بعد میں پہلا (ک) (ق) میں تبدیل ہوا اور (و) (ب) اور آخر میں (ت) فقہ اللغت کے اصولوں کے مطابق (د) میں تبدیل ہوا اور اس سے قباد بنا۔ غرضیکہ کادی یا کیانی گھرانہ بلاشک و شبہ پیشدادی گھرانے کے بعد آریانا کا دوسرا شاھی گھرانہ ہے، جو ایک روشن اور باشہامت تاریخ کا مالک رہا ہے۔ اور کیقباد وہ پشتون تھا جس نے آریانا میں عدل و مساوات اور تہذیب و مدنیت کی بقاء اور سربلندی کے لئے بہترین کام سرانجام دیئے۔

ایم - ان - دھالہ (M. N. DHALLA) کراچی کے پارسیوں کے موبدوں کے موبد تاریخ زند استرزیزم کی کتاب کے ۲۵ ویں صفحہ پر لکھا ہے جسے نیویارک آکسفورڈ یونیورسٹی نے چھاپا ہے، کہ باختر (بلخ)، کادی گھرانے کے بادشاھوں کا مرکز تھا۔

کادی کو آتا (کیقباد) کے بعد بلخ سے آریانا پر جن بخشی یا بخشی یا کیانی بادشاہوں نے کیانی بادشاھوں کے نام سے حکومتیں کی ہیں۔ ان کا شجرہ اور نام پیشتر بیان کئے گئے۔

کیقباد کے بعد اس کا بیٹا کادہ یوسا یا جو کیکاؤس کے نام سے پکارا جاتا ہے، اپنے باپ کی جگہ بخدی (بلخ) کے تخت پر بیٹھ گیا - اوستا کے آبان یشت کے ۴۵ پیراگراف میں کیکاؤس کے متعلق لکھا ہے کہ

بڑا عقلمند اور دلیر کادہ یوسا

ارزیفیہ[1] کے پہاڑ کے اوپر

(سورا اناھیتا) کے پانی کا رب النوع

---

[1] ارزیفیہ :- البرز کے پہاڑ کی چوٹیوں میں سے ایک چوٹی تھی اور جنوب کی جانب سے بخدی کے حصوں اور علاقوں پر یہاں سے حکومت کی جاتی تھی۔ داستانیں اور قصے کہتے ہیں کہ کیکاؤس نے البرز کے پہاڑ کی چوٹی پر شاندار محلات تعمیر کروائے تھے بلخ کے لوگ ماسوا اس کے کہ بادشاہ کا نام یاد رکھیں گے کہتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں ایک بادشاہ نے البرز کے پہاڑ کی چوٹی پر ایک باغ اور ایک قصر تعمیر کیا تھا اور وہاں پر پانی کی رسد کے لئے وہ سسٹم لائے گئے جو استعمال کئے جاتے تھے (کہزان)

اُودوی کے لئے سو گھوڑے
ھـزار بیل اور دس ھزار دنبے
قــربانی کرکے چاہا کہ
تمام حکومتوں پر حکمرانی کرے
اور فرمان تمام
انسانوں اور ظــالموں اور
تمام اندھوں اور بہــروں پر
جاری ہو اناھیتا نے اُن
کی یہ مانگ تسلیم کرلی ۔"

کیکاؤس (کاوہ یوسا) ایک خوبصورت اور بیدار جوان تھا۔ ان کی بڑی خواھش تھی کہ آرین کے قدیم بادشاہوں کی امنگوں اور سیاست کے مطابق آریائی تہذیب و تمدن کے دشمنوں کو شمال اور مغرب میں نیست و نابود کر دے ان کی سرزمین اور ملک کو اپنے تصرف میں لے آئے چنانچہ اسی ارادہ سے آریانا کے مغــربی سرحدوں کی جانب پیش قدمی کرکے اور آریائی تہذیب کے ان دشمنوں اور مخالفین کا جو مازندران میں رہتے تھے۔ صفایا کر دیا ان لوگوں کا اوستا میں (مازانا کے دیو اور شیاطین) کے نام سے کئی جگہ ذکر آیا ہے۔ غرضیکہ پیشدادی اور کیانی گھرانے کے بادشاہوں کی سیاست یہ تھی کہ ان کے ساتھ جنگ لڑے۔

(مازانا شیطان) یا مازندران دیو) کے معنی وہ لوگ جو یہاں کے اصل رہنے والے تھے۔ دارمستتر نے ان کو وحشی نژاد کے نام سے یاد کیا ہے۔

یہ لوگ آرین نہیں تھے اور نہ ہی آریائی تہذیب اور دین کو تسلیم کرتے تھے۔ پیشدادی اور کیانی بادشاہوں کی ایک سیاست یہ بھی تھی، کہ ان لوگوں سے مقابلہ کرکے ان کے افکار و خون کی آمیزش سے آریائیوں کو محفوظ رکھے۔ تریتونا (فریدون) بھی اسی غرض سے ان کے پیچھے پہاڑوں تک گیا تھا۔ اور ھزاروں کی تعداد میں ان کو مارا تھا۔ اسی طرح کاوہ یوسا (کیکاؤس) نے بھی اسی روئیے کی پیروی کی کیونکہ یہ لوگ جنگلوں اور پہاڑوں میں چھپ گئے تھے۔ اس بناء پر ان کے علاقوں کو فتح کرنا مشکل کام تھا۔ اور اسی وجہ سے یہ دیو اور جادوگروں کے نام سے لوگوں میں مشہور تھے۔ جس وقت کاوہ یوسا ان کی سرکوبی کے لئے مازندران کی جانب چلا گیا تو ابتداء میں سخت مشکلات سے دوچار ہوا قریب تھا کہ شکست کھا جاتا بلکہ مارا جاتا مگر اسوقت ہندوکش کے جنوبی علاقوں سے ان کے مدد کو فوجیں پہنچ گئیں اور اسی طرح دشمن پر برتری حاصل کرلی۔ اس موقع پر کیکاؤس کی جانب سے آریانا کو امداد کے لئے جو پیغام بھیجا گیا تھا فردوسی اسے یوں بیان کرتا ہے۔

سوی زابلستان فرستاد زود
بہ نزدیک دستان بہ مانند دود

غرضیکہ کیکاؤس نے ان کا علاقہ آریانا میں شامل کرلیا اور وہاں پر اپنے حاکم مقرر کرلیئے مختصر یہ کہ کاوہ یوسا یعنی کیکاؤس آریانا کے بادشاہوں میں ایک بڑا اور مقتدر بادشاہ تھا۔ اور اُن بادشاہوں کے گروہ میں چوتھا بادشاہ کہلاتا ہے۔ جنہوں نے جمشید کے بعد سات مملکتوں (ھفت کشور) پر حکومت کی ہے۔ لیکن بعد کے دنوں میں جب سلطنت کا جاہ و جلال

اور عظمت بڑھ گئی ۔ اس پر بھی یاما (جمشید) کی طرح غرور نے غلبہ کر لیا نیکی سے بدی کی طرف مائل ہوا ۔ اور سلطنت کا خاتمہ ہوا ۔

کاوی حکمرانی کا تیسرا بادشاہ کاوی سیاورشان یا سیاورشنا کہلاتا تھا جو فارسی ادبیات خصوصی فردوسی کے شاہنامے میں سیاوش کے نام سے پکارا جاتا ہے ۔ اسلامی دور کے قصہ گویوں نے اس بادشاہ اور اس کا توران کو جانے کے متعلق بہت سے قصے بنائے ہیں ۔ فردوسی نے اس کی طویل داستان بیان کی ہے ۔ ان داستانوں میں کہتا ہے ۔ کہ جب وہ شہزادہ تھا تو اس کی سوتیلی ماں سودابہ اس پر عاشق ہو گئی ۔ چونکہ یہ اُن کی طرف مائل نہ ہوا ، لہذا اس نے اس کے خلاف اپنے خاوند کو اُکسایا چنانچہ سیاوش جان بچانے کے لئے توران فرار ہوا ۔ جو کہ آمو دریا کے اس کنارے پر واقع ہے اور جو کہ اس وقت تورانیوں کے قبضہ میں تھا ۔ (بعض محققین تلات اور جبالاوان کے علاقہ کو توران کہتے ہیں) سیاوش نے وہاں پر ایک مضبوط قلعہ تعمیر کروایا جو (KANAH) یا کنگ کہلاتا تھا ۔ کہا جاتا ہے کہ کاوہ هوسراوا یعنی اس کا بیٹا کیخسرو اس جگہ پیدا ہوا ۔ دارمستتر کہتا ہے کہ کنگ قلعہ بخارا میں تھا یہ بھی کہتا ہے کہ بخارا کا شہر سیاوش نے آباد کیا تھا ۔ جرمن محقق گائیگر بھی اس جگہ کو آمو دریا کے شمال مشرق میں قرار دیتا ہے بہر حال سیاوش نے توران کے بادشاہ کی بیٹی فرنگیز سے شادی کر لی مگر آخر میں بڑے ظالمانہ طریقہ سے مارا گیا ۔

سیاوش کے قتل کے بعد اس کا بیٹا کاوہ هوسراوا جو کیخسرو کے نام سے مشہور ہے آریانا کے تخت پر بیٹھا ۔ اس کے کارنامے بھی اوستا کے یشتوں میں

اور ان رزمناموں اور جنگناموں میں جو اسلامی دور سے تعلق رکھتے ہیں ۔ بہت مشہور ہیں ۔ ان کا نام اوستا کے آبان یشت ۔ گوش یشت ۔ فروردین یشت ۔ ارد یشت ۔ زمیاد یشت اور دیگر بہت سی کتابوں میں یاد کیا گیا ہے اور ہر جگہ اپنے باپ کا انتقام لینے والے کے نام سے اور آریائیوں کے وطن کے بہادر محافظ ۔ مدافع شہنشاہیت کے موسس اور عظیم فاتح کے نام سے پکارا گیا ہے ۔ آئیے ان کے متعلق اوستا کے چند اقتباسات دیکھ لیں ۔

آبان یشت کے ۴۹ ویں پیراگراف :-

"پہلوان هوسراوا آریانا کی شہنشاہیت
میں گشت کے دوران کیکستہ CAECASTA
کے دریا سے اُس جانب جو گہرا ہے اور جس کا پانی
ترش ہے اناھیتا (پانی کے دیوتا النوع) کے
لئے سو گھوڑے ، ہزار بیل ، اور دس ہزار
دنبے قربان کئے اور خواہش ظاہر کی کہ شیطانوں
اور انسانوں اور ظالموں اور اندھوں
بہروں (یعنی تمام مخلوقات)
پر بادشاہی کرے اور اُن سوار لوگوں کے
درمیان جو دشمن کے مقابلے کے لئے جنگوں
کو جاتے ہیں ۔ وہ دشمن جو گھوڑے پر سوار
ہے ۔ میں ہمیشہ سر حلقہ رہوں ۔"

گوش یشت کے ۲۱ - ۲۲ - ۲۳ پیراگراف میں کہتا ہے :-

" فرانگراسیانا (افراسیاب) تورانی چور پر جو
میرے والد پہلوان " سیاورشنا " کا قاتل
ہے برتری حاصل کرلوں اور اپنے باپ کے
قاتل کو کیکستہ کے دریا کے اس جانب مار
ڈالوں ۔"

زمیادلیشت کے ۷۷ ویں پیراگراف میں یوں کہتا ہے ۔

"(ھوسراوا وُہ بے دین بادشاہ جس کا مقصد
ایوروا سارہ AURVASARA ہے اور
کاوہ ھوسراوا کے مخالفین میں سے ایک
شخص ہے اور یہ بھی تورانی تھا) کافی عرصہ جنگل
میں اس کے تعاقب میں تھا جو گھوڑے پر
سوار اس کے مقابلے میں لڑتا تھا ۔ ھوسراوا
بادشاہ اپنے دشمنوں پر غالب ہوا تو رانی چور
فرانگرسیانا (افراسیاب) اور کرسہ وزدہ
KERESAVAZADA " گرزیواز " افراسیاب"
کے بھائی کو زنجیروں سے باندھا تا کہ اپنے باپ
پہلوان سیاورشنا کا انتقام اس سے لے ۔"

اوستا کے اشارات اور دیگر داستانوں کی تشریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ کاوہ ہراوا (کیخسرو) اُس وقت جب کیخذی (ریخز) کے تخت پر بیٹھا تو سب سے پہلے داخلی اصلاحات کی طرف متوجہ ہوا ۔ اور ان تمام مزاجوں اور بدعنوانیوں کو دور کردیا

جو کاوہ سیاورشنا (سیاوش) کے مارے جانے کے بعد اور تورانیوں کی مداخلت کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھیں آریانا کے اندر باقاعدہ امن وامان قائم کرلیا ۔ اور اس نے ان جیالے پہلوانوں کو جنہیں تورانیوں کے ساتھ مبارزوں میں صدمات پہنچے تھے ۔ انتقام لینے کے لئے اور آریائی منافع کے دفاع کے لئے آمادہ کیا اور ان کی حوصلہ افزائی کی اور آریائی شہنشاہیت جیسا کہ اوستا میں مذکور ہے اتحاد اور وحدت کا رنگ دیا ۔ کاوہ ھوسراوا کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ تورانی آریائی مداخلت کے قیام کے دن سے باختر میں آریائیوں کو پریشان کرنے کے درپے ہیں ۔ اور سیاورشنا (سیاوش) کی موت کے بعد اور بھی دلیر بنے ہیں ۔ لہذا ہر حال میں اخری شہنشاہیت اور تہذیب کا دفاع اور حفاظت لازمی ہے اس مقصد کے لئے بہترین راستہ یہ تھا کہ سب سے پہلے داخلی اصلاحات ، پہلوانوں ، فوجوں اور سواروں کی پرورش اور تربیہ کرکے قوم اور سرزمین کے اتحاد اور سالمیت کو مضبوط کرلے ۔ ان کاموں کو ھوسراوا (کیخسرو) نے بڑے اچھے طریقے سے سرانجام دینے کے بعد تورانیوں پر حملہ کردیا ۔ اور فرانگرسیانا (افراسیاب) اور اس کا بھائی کرسہ وزدہ (گرزیواز) اور (ایوروا سارہ) یعنی تورانیوں کے بادشاہ اور بھائی اور اُن کے دیگر سربراہوں کو اپنی ہٹ دھرمی اور زیادتیوں کی سزا دی ۔

جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ، کہ یہ جنگیں کیکستہ کے گہرے دریا اور کھارے پانی کے اس جانب ہوئیں ۔ بعض محققین کا کہنا ہے کہ یہ دریا آذربائیجان کا وُہ چھوٹا دریا ہے جو بعد میں (ایورومیہ) کے نام سے پکارا گیا ہے ۔ اور بعض اس کو آریانا کے شمال مشرق میں قرار دیتے ہیں ۔ جرمن محقق کا یگر کہتا ہے کہ یہ دریا (ایسیک کل ISSIK-KULL)

کا چھوٹا دریا ہے، بہرحال کاوہ ھوسراوا (کیخسرو) آریانا کے کاوی خاندان کے بادشاہوں میں سے ایک بڑا عقلمند اور بہادر بادشاہ تھا۔ اور داخلی اصلاحات کے علاوہ باختری مملکت کو تورانیوں کے خطرات سے محفوظ اور ان کی شرسے نجات دلائی علاوہ ازیں مادی اور معنوی اعتبار سے لوگوں میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی۔ ان کی قدرت، صلاحیت اور سیاسی بصیرت جو اوستا کے بیانات سے واضح ہیں کی ایک مثال یہ ہے کہ آریا کے تمام بہادر اور سرکش پہلوانوں اور رجالوں کو اپنا تابع اور متحد کر لیا۔

مثلاً توزا یا طوس[1] آریانا کے بہادر اور دلیر پہلوانوں میں سے ایک پہلوان تھا جو کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتا تھا۔ کاوہ ھوسراوا کے پہلوانوں کے جرگے میں شامل ہو گیا۔ یہ نوذر (ناوتار) کا بیٹا اور منوچیترا (منوچہر) کا نواسہ تھا۔ اوستا کے آبان یشت کے ۵۳ ویں پیراگراف میں اس پہلوان کی بہادری کی بہت تعریف کی ہے اسی یشت کے ۵۴ ویں پیراگراف میں آیا ہے کہ وہ کہتا ہے۔ کہ

"اے اناھیتا مجھ پر نظر کرم فرما کہ ویسا کا (VAESAKA) کے دلیر بیٹے کو کنگ[2] کے اونچے اور مقدس قلعہ میں (خشاترو سکا[3]) کی عمارت پر شکست دوں اور توران کے لوگوں کو سینکڑوں، ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں مار ڈالوں۔"

---

[1] گلفر یند اھش میں (زخراک) اور شاہنامہ میں (ردینا) آیا ہے
[2] پشنگ کا بھائی اور افراسیاب کا چچا تھا۔
[3] توران کے مضبوط قلعے تھے جو بخارا میں تھے۔

مطلب یہ کہ توزا نے کاوہ ھوسراوہ کے ارمانوں کی تکمیل کے لئے اناھیتا سے توران کی حکومت نابود کرنے کے لئے طاقت اور قدرت مانگنے کی دعا کی۔

غرضیکہ پیشدادی اور کیانی بادشاہ اپنے بہادر اور دلیر پہلوانوں کی بہت قدر کرتے تھے اور ان کی طاقت کے بل پر آریانا میں اپنی شان اور بھرم کو محفوظ رکھا تھا۔

آریانا کا تیسرا شاہی خاندان اسپہ خاندان کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ہر بادشاہ کے نام کے ساتھ آخر میں (اسپ۔ گھوڑا) کا نام آیا ہے اس بارے میں محقق کہزاد بیان کرتا ہے، کہ۔

"اس وقت جب آریانا ویجہ میں (اکسوس کی بالائی وادی اور سر دریا اور اس جگہ کے آس پاس علاقہ میں) زندگی بسر کرتے تھے تو انہوں نے منگل نژاد قوموں اور تورانیوں سے قرابت کی بنا پر تورانی اقوام سے گھوڑے کی تربیت سیکھ لی۔ چنانچہ اسی کی بدولت ایشیا اور یورپ تک برق رفتاری سے پھیل گئے اور نئے نئے علاقوں پر قابض ہو گئے آریائیوں نے باختر میں طویل قیام کے دوران گھوڑے اور گھوڑے کی تربیت کو بہت زیادہ توجہ دی اور چونکہ باختر کے ہموار اور کشادہ سبزہ زار اس طرح کے حیوانوں کی پرورش کے لئے بہت موزوں تھے اس لئے گھوڑوں کی بہترین نسل پیدا ہوئی چنانچہ گھوڑا آج بھی ان علاقوں کا محبوب جانور ہے۔"

تاریخ قدیم افغانستان جلد اول صفحہ ۹۶

اسپ گھرانے کا پہلا بادشاہ اوستا میں اروت اسپہ (AURVATC PAI)
کے نام سے یاد کیا گیا ہے جو بعد کی تاریخوں میں لہراسپہ کے نام سے مشہور ہوا ہے
اوستا اس بادشاہ کے بارے میں کوئی زیادہ بیان نہیں کرتا۔ بلکہ اس بادشاہ نے اپنے
بیٹے ولیت اسپہ کے واسطے سے شہرت پائی ہے جرمن محقق ڈُونکر اروت اسپہ
کی نسب کا سلسلہ منوچہر (ایرج) سے جوڑتے ہیں۔ اس بادشاہ کے دو بیٹے تھے
ایک کا نام ولیت اسپہ اور دوسرے کا زری واری (ZARIVARI) تھا
اروت اسپہ (لہراسپہ) کے بعد اس کا بیٹا ولیت اسپہ جو کہ ایرانی ادبیات میں
گشتاسپ یا گشتاسپہ کے نام سے مشہور ہے، بخدی (بلخ) کے تخت پر بیٹھا۔
یہ ایک بہادر۔ نڈر اور جنگجو شخص تھا۔ ان کی زیادہ شہرت کی وجہ یہ ہے کہ زرتشت
اس کے عہد میں پیدا ہوا۔ اور اسی کی وجہ سے زرتشت کا دین آریانا میں پھیلا۔
زرتشت آبان یشت کے ۱۰۵ ویں پیراگراف میں کہتا ہے۔

"اے اردی سورا اناھیتا میری مدد کر
کہ دلیر کاوی ولیشتاسپہ اروت اسپہ
کے بیٹے کو اس طرف مائل کر دوں کہ دین دا آئین
کی اساس پر توجہ دے دین کی اساس پر گفتگو کرے
اور دین کے تقاضوں کے ساتھ چل پڑے۔"

یعنی زرتشت نے دعا کی کہ ویشتاسپہ (گشتاسپ) ان کے دین کو تسلیم
کر کے قبول کرے کیونکہ وہ ان کے دین کو تسلیم کرنے میں متردد تھا۔
پھر گشتاسپ کی بیوی ھوتاوسا (HUTA OSA) کے لئے دعا کی

ہے کہ اس کے دین کی طرف مائل ہو۔ گوش یشت کے ۲۶ ویں پیراگراف میں کہتا
ہے کہ:-

"اے اچھے درواسپہ (حیوان کی روح یا گھوڑے کے
حامی اور محافظ) تو اچھے اعمال کا مالک ہے میری مدد کر
کہ اچھے اور نجیب "ھوتاوسا" کو اس پر مجبور کردوں
کہ دین کی اساس کی فکر کرے دین کے اساس پر
گفتگو کرے اور دین کے اساس پر اُٹھ کھڑی ہو
اور میرے دین کے اصول اطراف میں پھیلا دے۔"

کہا جاتا ہے کہ جس وقت زرتشت بلخ کے شاہی دربار میں حاضر ہوا تو تیس
باختری عالم و دانشور ان کے بائیں جانب بیٹھے تھے۔ اور تیس بائیں جانب تین دن
بحث و گفتگو جاری تھی آخر زرتشت نے تمام علماء کو زیر کر لیا لیکن پھر بھی
گشتاسپ ان کے دین کے تسلیم کرنے پر "تذبذب" میں مبتلا تھا۔ مگر زرتشت
کی کوشش سے ان کی ملکہ ھتاوسا کو اپنے دین میں شامل کر لیا اس نے پھر اپنے
شوھر گشتاسپ پہ اثر ڈال کر زرتشتی دین قبول کروالیا۔ اسی طرح سلطنتی
خاندان کے تمام افراد اور دیگر چھوٹے بڑے حکومت کے افراد زرتشت کے
دین میں داخل ہو گئے۔ جن میں گشتاسپ کا بیٹا اسفندیار جس کا کہ اوستا میں
سپنتو داتا" کے نام سے ذکر آیا ہے اور ان کا بھائی زری ماری جو بعد کی
تاریخوں میں "زریر" کے نام سے پکارا گیا ہے، بھی شامل تھا۔ ان سب نے
زرتشت کے دین پھیلانے میں بڑی کوشش کی۔ اوستا کے اس نسخہ میں جو پہلوی
زبان میں ہے، اور سن ۰۰۰ء جو سمرقند میں دریافت ہوا ہے، لکھا گیا ہے کہ زرتشت

نے ویشتاسپ کی خواہش پر اپنے دین سے متعلق بارہ ہزار نسخے طلائی تختوں پر لکھ ڈالے اور ان کو درھران کے آتش کدہ کے خزانہ میں رکھدیا۔ کہزاد کہتا ہے کہ یہ بھی شاپیکان کا وُہ مشہور کتب خانہ ہے۔ جسے لوگ استخر میں سمجھتے تھے۔ اور اس نسخہ کو سمرقند میں سمجھتے ہیں - اور یہ بھی کہتے ہیں کہ سکندر (مقدونی) نے اس نسخہ کو جلاکر دریا میں پھینک دیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کا عقیدہ ہے۔ کہ زرتشت کی تعلیمات کی اساس واحدانیت پر قائم تھی اور وُہ توحید پرست تھا جیسا کہ اس سے پیشتر بھی ہم نے سر ولیم ہنٹر کی تاریخ ہند کے حوالہ سے ذکر کیا کہ آرین صرف ایک خدا پر عقیدہ رکھتے تھے اور اس ضمن میں ہم نے رگ وید کی ایک نظم کا ترجمہ بھی پیش کیا لیکن یہاں پر جو بات قابلِ فکر ہے وہ یہ کہ جس وقت گشتاسپ نے زرتشت کا دین تسلیم کرلیا تو آریانا میں اس دین کو پھیلانے کے لئے مختلف جگہوں پر آتش کدے تعمیر کروائے۔ بقول دقیقی کہ گشتاسپ نے مہر برزین یا برزین مہر کے نام سے بھی ایک آتش کدہ بنایا تھا۔ اوستا کا بند اھش اس کو تیسرا بڑا آتش کدہ قرار دیتا ہے۔ جسے گشتاسپ کی سلطنت کے دوران خراسان میں ریوانگتا (RAEVANGTA) پہاڑ کی چوٹی پر تعمیر کرایا تھا بندا ھش ایک دوسرے آتش کدہ کا جو خوارزم کے پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ اسے بعد میں یہاں سے کابلستان منتقل کر دیا گیا تھا[1]

---

[1] مشرقی ایرانیوں کے تمدن ص ۲۲۱ جرمن گائیگر کی تالیف اور ڈاکٹر فون سپیگل کے مقالہ کا متن جو ضمیمہ کی صورت میں اُس کتاب میں شائع ہوا ہے۔ (بحوالہ کہزاد)

آبان یشت کے ۲۹ - ۳۰ - ۳۱ پیراگراف میں پھر کہتا ہے کہ "کاوی کے بڑے عظیم ویشتاسپہ (گشتاسپ) نے فرازدانا دریا کے اس جانب سو گھوڑے ہزار بیل، اور دس ہزار دنبے "اناھیتا" کے (پانی کا ارب النوع) کے لئے قربانی کردیئے اور خواہش ظاہر کی کہ مجھے اس قدر طاقت اور ہمت عطا کر کہ بے دین ناتریادانت (ایشانا) دیوؤں کی پرستش کرنے والے شریر، "ارجت اسپہ" کو نیست و نابود کردوں"

یہ دونوں بیانات اعتقاد کے اعتبار سے متضاد معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ایک طرف کہا جاتا ہے کہ زرتشت مواحد تھا اور اس کے دین کی اساس وحدانیت پر قائم تھی اور دوسری طرف گشتاسپ اس کے دین کا نگہبان تھا۔ آتشکدے بناتا ہے اور بذات خود زرتشت بھی جیسے کہ پیشتر بیان کیا گیا اور گشتاسپ بھی ناھیتا سے جو پانی کا رب النوع) ہے امداد اور ہمت طلب کرتا ہے۔ حالانکہ پانی اور آگ ایک دوسرے کی ضد ہیں، یوں معلوم ہوتا ہے کہ آگ اور پانی کے لئے زرتشتی دین میں چھوٹے ارباب الانواع کی حیثیت مؤکلوں کی تھی۔ جیسا کہ اسلامی کتابوں میں مختلف عناصر کے لئے مؤکل ہوتے ہیں۔

پروفیسر آرتھر سین کہتا ہے کہ زرتشت کا مذہب ناکامل توحید ہے۔ لیکن اب بھی پاک شفاف پانی اور آگ میں تھوکنا گناہ سمجھتے ہیں۔ جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا

---

[1] ایران بعہد ساسانیان ص ۳۲ -







یہ دونوں اس غلجی بچے کے ماں باپ ہیں

کہ پشتونوں کے علاقوں خصوصاً آراکوزیا اور ساتھ میں جدروزیا میں قدیم آتشکدوں کے آثار تو ملتے ہیں اور آگ سے مربوط توہمات بھی قبائلی لوگوں میں کچھ نہ کچھ باقی ہیں البتہ بت پرستی کے آثار ایسے مندروں کی شکل میں نہیں پائے جاتے۔ جیسے کہ ہندوستان میں دکھائی دیتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قدیم لوگوں میں مشہور تھی کہ بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ (QUETTA) کے شمال میں بارہ میل کے فاصلے پر کچیر نام کے گاؤں میں کافی زمانہ قبل ایک آتش کدہ تھا۔ اس گاؤں کے لوگوں کو جو کاسی تھے اور اب بھی ہیں۔) اگر کوئی کاکڑ ہاتھ آتا - تو وہ اسے اس آتش کدہ میں جلا دیتے تھے۔ یہاں یہ وضاحت کردیں کہ کاکڑوں کی آبادی اس گاؤں کے بعد شمال مشرق کی جانب شروع ہوتی ہے۔ اور کوہ سلیمان تک پہنچتی ہے۔ اور یہ لوگ کاسیوں کی آمد سے بہت پیشتر آئے تھے۔ اور یہ وہ لوگ تھے جن کو بعد کے زمانوں میں کلاسیکی مؤرخین نے دریکیوں (توریکیوں) پریتوں (پنڑیوں) داھیوں (داویوں) کے نام سے پکارا ہے۔

ان تاریخی بیانات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مغربی پشتون قبائل پر زرتشتی دین نے کچھ نہ کچھ اثرات ڈالے تھے۔ کیونکہ دھارہ کے نام سے ان کے علاقوں میں آتش کدے موجود تھے۔ البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آتش پرست نہیں تھے، بلکہ آگ کو قدرت کے مظاہر میں سے ایک بڑا مظہر سمجھتے تھے۔ اسی طرح جدروزیا (جنوبی بلوچستان) جہاں بلوچ اور براھوی قبائل آباد ہیں اور ان میں بہت قدیم پشتون بھی مذہب ہوکے ہیں۔ میں زرتشتی دین و ثقافت کے آثار بھی اسی پیمانہ پر دیکھے جاتے ہیں۔ جیسے کہ آراکوزیا میں۔

گشتاسپ کی زندگی کا دوسرا حصہ وہ جنگیں ہیں جو انہوں نے تورانیوں سے لڑیں۔ جیسے کہ اس سے قبل اشارتاً عرض کیا گیا کہ بعض محققین توران سے جھالاوان اور قلات (جنوبی بلوچستان) کے علاقے سمجھتے ہیں۔ اور بعض انہیں آمو دریا اور سیر دریا کے درمیانی علاقے قرار دیتے ہیں۔ آئیے! اوستا کے گوش یشت کے ۲۹-۳۰-۳۱ پیراگراف پر ایک نظر ڈال کر دیکھتے ہیں۔ کہ یہ کون سے علاقے ہوں گے۔

"بہادر عظیم وشتاسپہ (گشتاسپ) نے (دئی تیا) دریا کے اس پار (وشتاسپہ) سو گھوڑے ایک ہزار بیل اور دس ہزار دنبے قربان کئے اور دعا کی کہ اسے اتنی قوت عطا کر کہ (اشتہ روانت) کے "دلیپا تورود۔ آشتی" کے بیٹے کو جس نے سب پر ظلم کیا ہے، اور جو فولاد کا خول اور فولادی زرہ بکتر اور تنگ و مضبوط گریبان والے ہیں اور سات سو اونٹوں پر غنیمت کا مال لے جاتے والوں کو شکست دوں۔ اور (ہیونز) کی قوم کے جدارت اسپہ کے حملے پسپا کر دوں اور (دروشینکا) کے شیطان دیو کی پرستش کرنے والوں کے حملوں کو پسپا کر دوں اور اس نے مانگی کہ (تاتریاوانت) جو مذموم اور برے دیانت کا مالک ہے کو مار سکوں اور (سپاین جوروشا) سپید کے معنی پشتو میں سفید، شیاطین کی پرستش کرنے والوں کو مار سکوں اور (وردھکا) کی قوموں کو (ہیوناھا) کی ذات سے آزاد کراؤں اور ہیوناھا کی قوم کو شکست دوں۔ ہزاروں۔ لاکھوں نیچ کردار دشمنوں کی تعداد میں قتل کر سکوں۔"

جیسے کہ اس سے قبل عرض کیا گیا کہ وشتاسپہ اپنی قربانی ہم فراز دانادا) دریا کے اس پار کرتا ہے بعض محققین اس جگہ کوہستان کے چھوٹے چھوٹے

دریاؤں میں سے شمار کرتے ہیں ۔ دارمستتر کے تذکرات کے ساتھ پہلوی شاہنامہ
کہتاہے کہ ولیشتاسپ ایک جگہ پر جو رلبت داری (BASTAVARI) کہلاتا تھا
یعنی اسی جگہ قربانی کی جہاں اس کے بیٹے نے البُت کا شہر آباد کیا ۔

"شاترو یشا" جو اوستا کے پہلوی زبان کا نسخہ ہے اور سمرقند میں پیدا ہوا
ہے ۔ کہ ۳۶ پیراگراف میں لکھا گیا ہے کہ لُبت دار زریر کے بیٹے نے لبت
شہر لیا یا اور اس وقت وشتاسپ بادشاہ "فرازدان" میں مذہب کی تقدیس
میں مصروف تھا ۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ "لبت وار" زریر کے بیٹے کا نام
تھا ۔ زریر گشتاسپ کا بھائی تھا ۔ اس وقت جب ان کا باپ لہراسپ زندہ
اور بلخ میں بادشاہ تھا ۔ تو گشتاسپ ان کی طرف سے سیستان میں
نائب السلطنت تھا ۔ غالباً جب اس کا بھتیجا "لبت وار" اس کے ہمراہ تھا
اُسی نے لبت شہر جسے پشتون کلابس کہتے ہیں یعنی قلعہ لُبت آباد کیا تھا ۔ (اس مقام پر
اب لشکرگاہ کا شہر آباد ہو گیا ہے)

"فرازدانادا" کا دریا جہاں پر گشتاسپ نے توران کے بادشاہ ارجت اسپ
پر برتری حاصل کرنے کے لیے قربانی دی تھی

افغانستان کی قدیم تاریخ کا مؤلف احمد علی کہزاد ص ۲۰۷ پر کہتا ہے ۔ کہ اگر
فرازدانادا کسی دریا کا نام ہو تو ظاہر بات ہے کہ اس سے مقصد ہیرمن (ہیلمند)
دھلمند) ہے ۔ جو لبت کے قریب سے گذرتا ہے ۔ اور اگر کوئی دریاچہ ہے تو ہلمند
سیستان کے ہامون کے دریاچوں میں سے ہوگا ۔ تو اس صورت میں ہوسکتا
ہے کہ باختر کے بادشاہ یعنی ولیشتاسپ کی جنگیں سیستان کے ہامون کے
آس پاس یا آریانا کے جنوب غربی سرحدوں کے اس پار ہوئی ہوں اور باختر کے

بادشاہ نے ان پر برتری حاصل کی ہو ۔ یہاں یہ وضاحت کر دیں کہ سیستان قلات
اور چھالاوان سے متصل ہے ۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے گشتاسپ نے اسی خطہ کے
لوگوں کے ساتھ جنگیں لڑی ہیں ۔ اور در اصل توران بھی یہی علاقہ ہے جو ہلمند
سے جھالاوان تک پھیلا ہوا ہے ۔ اور تورانی غالباً وہ لوگ تھے ، جو شرغون یا سرغون
(سارگون) کے زمانہ میں اس علاقہ میں پھیل گئے تھے ، بلکہ اگر یہ کہیں کہ وہ آکادی
اور سومری جو بعد میں کاکڑ اور مری کے نام سے مشہور ہوئے تو بھی ممکن ہے ۔ اور اگر
گشتاسپ اور زرتشت کا زمانہ ۹۰۰ سنہ ق م کے لگ بھگ معین کیا جائے تو ہو سکتا
ہے کہ یہ لوگ جن سے گشتاسپ لڑتا تھا کرد ۔ کاسی ۔ کنڈ اور زمند ہوں کیونکہ
بلوچ مؤرخین کہتے ہیں کہ بلوچ اور براھوی ۶۱۲ سنہ ق م کے لگ بھگ بابل
سے شمالی ایران میں آکر آباد ہو گئے تھے[1] ۔

اوستا کے گوش یشت کے اس بیان سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ―
(وہ یتیا) کا دریا ماوراالنہر میں تھا کیونکہ اوستا وہاں پر وردھکا اور ھون کی
قوموں کا ذکر کرتا ہے ، اور ناتریا دانت اُن علاقوں کا کوئی بادشاہ یا جبار رئیس
تھا ۔ اور ارجت اسپ سیستان کا بادشاہ تھا ۔ محقق گائیگر بھی "ھیرنی" کو ھُمَن
کہتا ہے ۔ گشتاسپ شمال میں ناتریا دانت کے ساتھ لڑا ہے ۔ اور جنوب میں
ارجت اسپ کے ساتھ ۔ محقق کہزاد کہتا ہے کہ کافی احتمالات کی رو سے

---

[1] کوئٹہ میں سوشل ویلفیئر کے سیمنار میں محمد ایوب بلوچ کا مقالہ بلوچ محقق
سردار خان گشکوری تالیف بلوچ ریس (THE HISTORY —
(OF BALUCH RACE) ۔

کچھ سکتے ہیں۔ گرگشتاسپ اور زویرنے اپنی زندگی کا ایک حصہ ہلمند کی دلو...
پشت گے شہر اور زرنج سیستان کے مرکز میں گذرا ہے۔ اب سوال یہ پیدا...
ہے کہ ارجت اسپ کس قوم اور لوگوں کا بادشاہ تھا۔ اس لئے کہ اگر بلوچ اور
براھوی جیسے کہ بلوچ محققین سمجھتے ہیں۔ سنہ ۷۱۲-۷۰۸ ق م کے لگ بھگ
بابل سے آئے تھے۔ اور شمالی ایران میں آباد ہوئے ہوں۔ یہ تو گشتاسپ
سے تقریباً ساڑھے تین سو سال بعد کا زمانہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ
میں توران کو بلوچ نہیں آئے تھے۔ دوسرا یہ کہ فردوسی اپنے شاہنامہ میں
بلوچوں کو کیکاؤس کی فوج میں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:-

همی پہلوی پارس و کوچ و بلوچ
زگیلان جنگی و دشت سروچ

بلکہ فردوسی افراسیاب کے خلاف کیخسرو (کاوہ هوسراوا) کی فوج
میں بھی بلوچوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

سپاهی زگردان کوچ و بلوچ
سگالیده جنگند مانند غوچ

یہاں یہ وضاحت کردیں کہ کیخسرو (کاوا هوسراوا) سیاوش کا بیٹا
اور کیکاؤس کا پوتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ بلوچ اور براھوی کیقباد
کے زمانہ میں یا اس سے بھی قبل البرز کے پہاڑ پر رہتے تھے۔ جہاں پر
کیکاؤس نے محلات بنائے تھے۔ اور بلوچ ان کی فوج میں شامل تھے اور جب
نوشیروان نے ان پر حملہ کردیا تو یہ سیستان اور گرم سیل کے علاقوں میں چلے آگئے

دیکھئے کوچ و بلوچ تالیف میر گل خان نصیر صفحہ ۲۶، ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء

مسٹر ڈیمز اور مولس ورتھ کا خیال ہے کہ بہت قدیم زمانہ میں کوچ اور بلوچ کیسپین کے ساحلی علاقوں میں رہتے تھے، گل خان نصیر کہتا ہے کہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ سرپرہ کے متعلق جو بروھی قبیلہ ہے یا یا الفاظ دیگر کوچ قبیلہ ہے، اور استرابو بھی یہی کہتا ہے کہ وہ "سرپرہ" ایک ایسے قبیلے کا ہمسایہ تھا جو کرز کے نام سے مشہور تھا ان کے اور کیسپین کے دریاؤں آباد تھا

سارادان گزیٹیئر میں صفحہ ۷۶ پر لکھا گیا ہے کہ سرپرہ سات شاخوں پر مشتمل قبیلہ ہے۔ جیسے شمبادزئی۔ سومرزئی۔ آدم زئی۔ لونگ زئی جارزئی۔ مورائی اور رودین زئی یہ لوگ کوئٹہ۔ پشین۔ چاغی۔ گردگاب پڑنگ آباد۔ مستونگ۔ قلات۔ شوراوک۔ ریگ اور بعض شاخیں سیستان میں آباد ہیں۔ آگے لکھتا ہے کہ ان میں کچھ بلوچ اور کچھ افغان ہیں۔ شمبادزئی قبیلہ شمباد ولد دیواد رند کی اولاد ہے۔ اوران کا تیرواں دادا یہاں آیا تھا۔ سومرزی اور جارزئی کے بارے میں لکھتا ہے۔ کہ یہ یاسین زئی افغانوں کی شاخیں ہیں۔ جو کافی عرصہ قبل ژوب کے راستے ان علاقوں کو آئی تھیں۔

مورائی:- دراصل جھالاوان کے لوتانی (LATANI) زہری قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو سات پشت پیشتر اپنے سربراہ شادی خان کی قیادت میں آئے تھے۔ رودین زئی گیارھویں پشت قبل عمر نام شخص کی سربراہی میں دومڑ کا کڑ قبیلے سے الگ ہوگئے تھے۔ آدم زئی اور لونگ زئی بلوچ ہیں۔ لیکن یہ اس وقت پشین اور شوراوک کے افغانوں کے ساتھ شامل ہوگئے ہیں۔

بہر حال گذشتہ اوراق میں ہم نے اس بات کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ بلوچوں اور براہیوں میں کافی زمانہ سے مسلسل افغان شامل ہوتے ہیں۔ جو بلوچوں میں شامل ہوئے ہیں۔ انہوں نے بلوچی زبان اور بلوچی روایات جو افغانوں کی روایات سے مشابہ ہیں اپنائے ہیں۔ اور جو براہوئیوں میں شامل ہوئے ہیں۔ انہوں نے ان کی زبان اپنالی ہے۔

اوستا کے ان بیانات اور محققین کی توضیحات یا نظریات سے یہاں پر یہاں پر جو تضاد یا تناقص پیدا ہوتا ہے۔ وُہ یہ کہ اوستا نے دو دریاؤں کو (دی تیا) اور (فراز داناوا) کے نام سے یاد کیا ہے۔ اور محققین کا کہنا ہے کہ ادی تیا وہی دریا ہے جو آمو (اکسوس) کے نام سے یاد ہوتا ہے اور (فراز داناوا) ہلمند کا وُہ دریا ہے جو بُست (موجودہ لشکرگاہ) کے قریب سے گذرتا ہے۔ اور گشتاسپ کی جنگیں سیستان کے علاقوں میں ہوئی ہوں گی۔ دوسری بات یہ کہ آمو دریا کے اس پار علاقہ کو بھی توران کے نام سے پکارتے ہیں۔ اور قلات وجھالاوان کے علاقہ کو بھی توران کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان متضاد بیانات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ یہ جنگیں آریناکے درمیان آپس میں ہوئی ہیں۔ اور ان کے درمیان اختلافات اس وقت اور بڑھ گئے جب زرتشتی دین قبول کرنے کے بعد گشتاسپ نے شمال اور جنوبی آریانا میں پھیلانے کے لئے کوششیں شروع کر دیں۔ کیونکہ ان کی دعاؤں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگیں مذہبی نوعیت کی تھیں زرتشتی دینا کے مخالفین یا منکرین کو شریر۔ شیطان۔ بے دین۔ شیطان بہت چند اصطلاحات کہا گیا ہے۔ جو کہ مذہبی اصطلاحات ہیں اور آخر کار ان ہی تورانیوں

کے ہاتھوں بلخ کے محاصرے کے دوران زرتشت سترّ سال کی عمر میں مارا گیا اس لئے کہ تورانی ایرانیوں کے سخت دشمن اور زرتشت کے دین کے سخت مخالف تھے [1]

یہ غالباً بلخ پر تورانیوں کی ایک آندھی یا طوفان تھا جو صرف زرتشتی دین کو فنا کرنے کے لئے آیا تھا اور جلد ہی گذر گیا۔ اور اس کے بعد گشتاسپ کا بیٹا سپندات (SPAND -DATI) یعنی اسفندیار بلخ میں تخت نشین ہوا۔ جو رستم کے ساتھ جنگ میں مارا گیا۔ اس کے بعد ھخامنشیوں یا بعض دیگر ھخامنشی سائرس کے عروج تک کا دَور تاریکی میں ہے۔ یعنی کم سے کم ڈھائی سو سال کے واقعات کا صحیح طور پر پتہ نہیں چل سکتا۔ غالباً اسی بنا پر زمانہ کے پیوند اور ارتباط کے لئے کہا گیا ہے۔ کہ اوستا اور وید اور زرتشت دھخامنشی کوروش (سائرس) کا زمانہ ایک تھا۔ یعنی ۶۶۰ سنہ قام میں اور کیت ۶۰۰-۵۸۳ سنہ قم معین کرتا ہے۔ اور اساس اسس کو نقش رستم کا وُہ کتبہ قرار دیا جاتا ہے۔ جس پر سائرس کے متعلق لکھا گیا ہے، "پسر وشتاسپ، ھخامنشی۔ پارسی

---

[1] مشرق کی نابودہ شدہ تہذیب - پنجاب ریلیجیس بُک سوسائٹی لاھور صفحہ ۵۱

[2] یہاں یہ وضاحت کر دیں کہ قدیم ایران کے بارے میں ابتک جتنی تاریخیں لکھی جا چکی ہیں ان میں شمالی مغربی اور جنوبی افغانستان کی تاریخ شامل ہے جبکہ مورخین نے پیشدادیوں۔ کیانیوں اور اسپہ اور ان کے بعد سے دوسروں کو ایرانیوں کے نام سے پکارا ہے۔ (مولف)

آریائی"۔ حالانکہ اوستا اس بڑے بادشاہ کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ اور نہ ہی ھخامنشیوں کو جانتا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں آرین لوگ اپنی تاریخ سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ اور اپنے آباؤ اجداد کے بارے بہت سے قصے اور افسانے بنائے تھے۔ جیسے کہ فردوسی کے شاہنامہ سے واضح ہوتا ہے، یہ قدیم بادشاہوں اور پہلوانوں کے نام بہت استعمال کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ھخامنشی سائرس (گوروش) کے والد کا نام بھی ولیشتاسپ تھا۔ یعنی ولیشتاسپ کے نام پر رکھا گیا تھا۔ جو کہ زرتشت کے وقت میں ۶۰۰ ق م میں بلخ میں بادشاہ تھا۔ اور گشتاسپ کے نام سے بھی پکارا گیا ہے۔ اسی طرح ھخامنشیوں کے وقت ساسانیوں کے وقت میں بھی قدیم نام استعمال ہوتے تھے۔ جب کہ اسی بناء پر بعض مدققین نے سائرس کے والد وشتاسپ پر قدیم بلخی وشتاسپ کا گمان کیا۔ حالانکہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ کہ ھخامنشی سائرس کا باپ وشتاسپ بادشاہ نہیں تھا۔ اور اوستا قدیم وشتاسپ کو بادشاہ کے نام سے یاد کرتا ہے۔ یہاں یہ بھی عرض کر دیں۔ کہ اوستا اپنے معاصر بادشاہ وشتاسپ (گشتاسپ) تک کے واقعات بیان کرتا ہے۔ اس کے بعد خاموشی اختیار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وشتاسپ کے بیٹے اسفندیار کی بادشاہت کے بارے میں بھی اوستا واضح طور پر کچھ نہیں کہتا۔ البتہ جرمن محقق ڈونکر کہتا ہے، کہ ولیشتاسپ کے انیس بیٹے تھے"۔

یوں معلوم ہوتا ہے، کہ اسپہ خاندان کی بادشاہت کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا ہے۔ مگر قلمرو کا دائرہ شاید تنگ تھا۔ اور آریانا میں طوائف الملوکی بڑھ

گئی تھی۔ غالباً اسی زمانہ میں نینوس آشوری جو ایک مقتدر بادشاہ تھا۔ اور دجلہ کے کنارے نینوا کا شہر بسایا۔ بلخ پر حملہ آور ہوا تھا۔ لیکن یہ طوفان بھی بہت جلد گذر گیا۔ اس کے بعد سائرس کے ابھرنے تک طوائف الملوکی کا دور ہے۔ یا تو پھر مقامی نوعیت کی حکومتیں تھیں میدیا۔ فارس۔ بختریا۔ گندھارا ارتیا۔ آراکوزیا۔ پاکتیا۔ جدروزیا ایک دوسرے کے اثر کے تحت نہیں تھے بلکہ قبائلی نظام (فیوڈلیزم) کے تحت زندگی بسر کرتے تھے۔ اور ہر قبیلے کا اپنا رئیس یا سربراہ ہوتا تھا۔

گذشتہ جتنی باتیں باترتیب یا بلا ترتیب تاریخی معلومات اور شواہد کی روشنی میں ہوئیں ان سے ہم نے پشتونوں کی نژاد اور قبائل کی پہچان کے بارے میں مندرجہ ذیل بڑے بڑے نتائج حاصل کر لیے۔

اول:۔ ۳۰۰۰-۲۰۰۰ ق م کے لگ بھگ جو آریائی قبائل شمالی علاقوں سے مسلسل مغرب، جنوب اور مشرق کی جانب چلے تھے وہ سیتین قوم کے نام سے یاد ہوتے تھے۔ اور ایشیائے کوچک اور بین النہرین میں ان کے پہلے نمائندے ھیتی اور حوری تھے۔ جو بعد میں ھیاتلہ اور سوری کے نام سے یاد ہونے لگے اور (۱) ھیتوں اور سوریوں کے بعض قبیلے تھے جو شمالی شام اور بحیرۂ ایجین تک جا پہنچے اور پھر جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا کہ لودیوں۔ میتی اور ددتانیوں کے نام سے حکومتیں قائم کیں۔ اور ایک شاخ نے آکادیوں کے نام سے بین النہرین میں حکومت قائم کی جو بعد میں لیڈیا سے مالا بار تک پھیل گئی۔ ھیتیوں (ھیاتلہ یا اودالی یا ابدالی) کے متعلق مورخین اور مدققین نے لکھا ہے کہ

"مصر کی یادگاروں میں سے ھیتیوں کی شان اور عظمت کے متعلق جو باتیں معلوم ہوئی ہیں اور نکونی حرفوں

آریائی‘‘ حالانکہ اوستا اس بڑے بادشاہ کا کوئی ذکر نہیں کرتا ۔ اور نہ ہی ھخامنشیوں کو جانتا ہے ۔ دراصل بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں آرین لوگ اپنی تاریخ سے بڑی محبت رکھتے تھے ۔ اور اپنے آباو اجداد کے بارے بہت سے قصے اور افسانے بنائے تھے ۔ جیسے کہ فردوسی کے شاہنامہ سے واضح ہوتا ہے ، یہ قدیم بادشاہوں اور پہلوانوں کے نام بہت استعمال کرتے تھے ۔ اسی وجہ سے ھخامنشی سائرس (گوروش) کے والد کا نام بھی ولیشتاسپ تھا ۔ یعنی ولیشتاسپ کے نام پر رکھا گیا تھا ۔ جو کہ زرتشت کے وقت میں سنہ ۱۰۰۰ ق م میں بلخ میں بادشاہ تھا ۔ اور گشتاسپ کے نام سے بھی پکارا گیا ہے ۔ اسی طرح ھخامنشیوں کے وقت ساسانیوں کے وقت میں بھی قدیم نام استعمال ہوتے تھے ۔ جب کہ اسی بناء پر بعض مدققین نے سائرس کے والد وشتاسپ پر قدیم بلخی وشتاسپ کا گمان کیا ۔ حالانکہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے ۔ کہ ھخامنشی سائرس کا باپ وشتاسپ بادشاہ نہیں تھا ۔ اور اوستا قدیم وشتاسپ کو بادشاہ کے نام سے یاد کرتا ہے ۔ یہاں یہ بھی عرض کردیں ۔ کہ اوستا اپنے معاصر بادشاہ وشتاسپ (گشتاسپ) تک کے واقعات بیان کرتا ہے ۔ اس کے بعد خاموشی اختیار کرتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ وشتاسپ کے بیٹے اسفندیار کی بادشاہت کے بارے میں بھی اوستا واضح طور پر کچھ نہیں کہتا ۔ البتہ جرمن محقق ڈونکر کہتا ہے ، کہ ولیشتاسپ کے انتیس بیٹے تھے‘‘

یوں معلوم ہوتا ہے ، کہ اسپہ خاندان کی بادشاہت کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا ہے ۔ مگر قلمرو کا دائرہ شاید تنگ تھا ۔ اور آریانا میں طوائف الملوکی بڑھ

گئی تھی ۔ غالباً اسی زمانہ میں نینوس آشوری جو ایک مقتدر بادشاہ تھا ۔ اور دجلہ کے کنارے نینوا کا شہر بسایا ۔ بلخ پر حملہ آور ہوا تھا ۔ لیکن یہ طوفان بھی بہت جلد گذر گیا ۔ اس کے بعد سائرس کے ابھرنے تک طوائف الملوکی کا دور ہے ۔ یا تو پھر مقامی نوعیت کی حکومتیں تھیں میدیا ۔ فارس ۔ بکتریا ۔ گندھارا پارتیا ۔ آراکوزیا ۔ پاکتیا ۔ جدروزیا ایک دوسرے کے اثر کے تحت نہیں تھے بلکہ قبائلی نظام (فیوڈلیزم) کے تحت زندگی بسر کرتے تھے ۔ اور ہر قبیلے کا اپنا رئیس یا سربراہ ہوتا تھا ۔

گذشتہ جتنی باتیں باترتیب یا بلا ترتیب تاریخی معلومات اور شواہد کی روشنی میں ہوئیں ان سے ہم نے پشتونوں کی نژاد اور قبائل کی پہچان کے بارے میں مندرجہ ذیل بڑے بڑے نتائج حاصل کر لیے ۔

اول :۔ سنہ ۳۰۰۰-۲۰۰۰ ق م کے لگ بھگ جو آریائی قبائل شمالی علاقوں سے مسلسل مغرب ، جنوب اور مشرق کی جانب چلے تھے وہ سیتین قوم کے نام سے یاد ہوتے تھے ۔ اور ایشیائے کوچک اور بین النہرین میں ان کے پہلے نمائندے ھیتی اور ھوری تھے ۔ جو بعد میں ھیاتلہ اور سوری کے نام سے یاد ہونے لگے اور (ہیتیوں) اور سوریوں کے بعض قبیلے تھے جو شمالی شام اور بحیرۂ ایجین تک جا پہنچے اور پھر جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا کہ لودیوں ۔ میتی اور دوتانیوں کے نام سے حکومتیں قائم کیں ۔ اور ایک شاخ نے آکادیوں کے نام سے بین النہرین میں حکومت قائم کی جو بعد میں لیڈیا سے مالا بار تک پھیل گئی ۔ ھیتیوں (ھیاتلہ یا ادوالی یا ابدالی) کے متعلق مورخین اور مدققین نے لکھا ہے کہ

’’ مصر کی یادگاروں میں سے ھیتیوں کی شان اور عظمت کے متعلق جو باتیں معلوم ہوئی ہیں اور کوئی حرفوں

کے کتبات سے جو معلومات حاصل ہوئے ہیں جو دجلہ اور فرات کی وادیوں میں دریافت ہوئے ہیں

ھیتی دراصل آکاد قوم کے ہمسایہ اور عزیز تھے

ان کتبات سے معلوم ہوا ہے کہ ھیتی چھوٹے قمیص پہنتے تھے۔ ان کے جوتیوں کی جو پنجیر ٹیڑھی ہوتی تھی۔ جیسے کہ مسلم شاہی جوتا۔ یہ اس قسم کے دستانے پہنتے تھے۔ جن میں انگلیاں نہیں ہوتی تھیں بلکہ ایک تھیلہ کی مانند ہوتے تھے۔ یہ داڑھی بھی نہیں رکھتے تھے۔ ان باتوں سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ھیتی سرد اور برفانی علاقوں کے رہنے والے تھے۔

ھیتیوں نے تہذیب اور شائستگی میں بہت ترقی کی تھی۔ اور اس بات کا واضح ثبوت موجود ہے کہ یورپ کی موجودہ تہذیب کی بنیاد میں ھیتی تہذیب کا بڑا دخل رہا ہے۔ ھیتوں کی تہذیب یا تو بابل اور یا کسی دوسرے مشرقی ملک کی ہوگی۔

ھیتیوں کی ابتدائی تاریخ میں سب سے اہم واقعہ اور دنطس کی جنگ ہے۔ جو مصر کے بادشاہ

دوئم راسس سے ۱۲۸۳ ق م میں لڑی گئی۔ اور جس میں ھیتیوں نے شکست کھائی، اس واقعہ کا ذکر ملک الشعراء بنطور نے نظم کی صورت میں کیا ہے۔ جو کہ کتبات کی شکل میں تھیس کے بڑے مندر میں نصب ہے۔ یہ نظم ھومر کی نظم سے بہت قدیم ہے۔ اس نظم کے ترجمے یورپ کی زبانوں میں ہوئے ہیں۔ انگریزی زبان کے ترجمے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ راسس دوئم نے جو مصر کا دوسرا فاتح بادشاہ تھا۔ ھیتیوں پر لشکر کشی کی تھی ہر چند کہ ھیتیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ لیکن ان کو شکست ہوئی اور راسس واپس تھیس آیا۔

ھیتیوں کے لشکر میں ان کے معاون سپاہی بھی شامل تھے۔ اور جیسے کہ اس رزمیہ نظم سے واضح ہوتا ہے۔

ان کے لشکر میں بحر ایجین اور فرات کے کنارے رہنے والے شام اور عرب کے لوگ بھی اور ایشیائے کوچک کے کوہستانی لوگ بھی شامل تھے۔ ان لوگوں کی تعداد کا اندازہ نہیں لگایا گیا ہے۔ اور جس وقت مصر کے بادشاہ نے محسوس کر لیا کہ مقابل فوج بہت زبردست

اور طاقتور ہے لہذا فوراً اُن سے صلح کرکے ایک عہدنامہ کرلیا وُہ قادس کے دارالخلافہ پر قبضہ نہ کرسکا۔ صلح کے بعد راسس ہیتیوں کے بادشاہ کو ہمسر اور مدمقابل کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اِس صلح نامہ میں دونوں بادشاہوں کی طرف سے یہ اقرار کیا گیا کہ دونوں ایک دوسرے کو دوست اور مددگار سمجھیں گے اور بروقت ضرورت ایک دوسرے کی حمایت اور مدد کیا کریں گے۔ اسی طرح اقرار نامہ پر برابر عمل کرتے رہیں گے۔ اس صلح نامہ پر بہت سے ارباب الانواع کے نام بطور گواہ درج ہیں۔[1]

مذکورہ نقل سے واضح طور پر عیاں ہے کہ ہیتی مغربی ایشیا کے فرمانروا تھے انھوں نے راسس بادشاہ کو متقابل احترام اور صلح پر مجبور کرلیا۔ اس صلح کے بعد راسس نے ہیتیوں کے بادشاہ کی بیٹی سے جو بہت خوبصورت تھی شادی کرلی اور اس طرح دونوں میں حقیقی اتحاد قائم ہوا جو کافی عرصہ تک جاری رہا۔

اس بیان سے واضح طور پر ظاہر ہوا کہ ایک تو اصلاً ہیتی سرد اور برفانی علاقوں یعنی بلخ یا جنوبی خراسان کے لوگ تھے۔ دوسرا یہ کہ وُہ

---

[1] مشرق کی نابود شدہ تہذیب پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور ۱۹۰۷ء صفحہ ۲۸ - ۲۹ - ۳۰

آکاد کے ہمسایہ اور عزیز تھے۔ سوئم یہ کہ مصر کے بادشاہ کے ساتھ جنگ میں بحیرۂ ایجین اور فرات کے کنارے کے لوگ ان سے تعاون کرتے تھے۔ جو یقیناً سوری اور لودی تھے۔ اور یہ تمام ایک دوسرے کے رشتہ دار تھے۔

مندرجہ ذیل کتاب کا جو حوالہ ہم نے دیا ہے۔ کہ صفحہ ۹-۱۰ پر لکھا گیا ہے کہ

"بابل کو قدیم زمانہ میں خالدیہ بھی کہا جاتا تھا۔ بعد کے زمانہ میں پھر یونانیوں نے اس پرسیتانہ (دوآبہ) کا نام رکھا اور اس میں سب سے پہلے جو مہذب قوم آباد ہوئی وُہ آکاد قوم تھی اور آکاد کے معنی پہاڑی لوگ (ساکنان کوہستانی) ہیں یہ قوم اُس کوہستان سے جو مسپاتہ کے مشرق اور شمال مشرق میں واقعہ ہے آئی تھی وُہ نہ تو اسوریوں اور نہ ہی دوسری سامی النسل قوم سے ملتی تھی ان کے چہروں کی اُبھری ہڈیاں کالے سُلجھے بال - خدوخال - علم و فنون - مذہب اور کتبوں وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تورانی نسل سے تھے۔ لہٰذا ان کو تاتار یا منگول اور یا زرد قوموں کی شاخ سمجھنا چاہیئے۔"

کیا اب بھی اس بات میں کوئی شک و شبہ ہے۔ کہ آکادی بھی وہی لوگ تھے جن کے بعض قبائل آج بھی اسی شکل خدوخال۔ لباس اور بالوں سے

ساتھ کاکڑ کے نام سے شمالی بلوچستان کے پہاڑی علاقوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا کہ یہ اور سومری (مری) بابل میں یکجا ہوئے تھے اب یہ بات کہ تورانیوں اور ان کے مابین کیا تعلق رہا تھا۔ اس بارے میں "ہیرلڈ لیم" کا بیان قابل توجہ ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ :۔

" آریا ایک ایسی قوم تھی جو دشت گی کی فضا سے نکلی مشرق اور چڑھتے سورج کی طرف پھیل گئی۔ یہ لوگ قد آور تھے۔ ان کی آنکھیں نیلی بال بھورے اور سر بلیے تھے۔ کھیتی باڑی کرتے تھے جنگ کے دوران سیدھی لمبی تلوار استعمال کرتے تھے لہٰذا یہ سیتی قوم کے عزیز تھے۔ ان کی ایک شاخ گوبی تک پہنچی۔ چینیوں نے ان پر یوے چی کا نام رکھا۔ آیا یہ آریائی ایرانی تھے؟ ان آرین کے بارے میں اہل فکر کے درمیان شدید اختلاف ہے بعض ان کو ہندو یورپی اور بعض سفید النسل کہتے ہیں" [۱]

اس بیان سے یہ بات اور بھی واضح ہو گئی کہ جن لوگوں کو آرین کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ وہ سیتی قوم کے عزیز تھے۔ اور سیتی آرتھر کرسٹن سین [۲] کے بیان کے مطابق وہ لوگ تھے۔ جو بڑی بڑی چوٹیاں رکھتے تھے اور ان کی وہ شاخ جس کو ساکائی (اسکائی اور ساکا بھی کہتے ہیں) یعنی

---

[۱] تاتاریوں کی یلغار۔ تالیف ہیرلڈ لیم صفحہ ۲۸

[۲] ایران بعہد ساسانیان تالیف آرتھر کرسٹن سین فرانسیسی ترجمہ محمد اقبال صفحہ ۲۱ - ۵۵ -

ہنلو سیکتھیی کے نام سے بھی پکارے گئے ہیں۔ مشرقی ایرانی زبان بولتے تھے جس کی آج پشتو زبان نمائندگی کرتی ہے" [۱]

۱۹۰۰ ق م میں ہیتی دھیاتمہ - افتخالی - ادوالی) فرات کے کنارے حکمران تھے۔ ان کے دارالسلطنت کا نام کارخمیش تھا۔ اور ان کا بادشاہ مورسیل سنجر (SANGAR) تھا۔ جس نے حمورابی کے جانشینوں کو شکست دینے کے بعد بابل پر اپنا جھنڈا لہرایا۔ اور شمالی شام کے زیادہ تر علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور اس طرح ہیتیوں کی ایک بڑی سلطنت قائم کی حلب اس وقت حوریوں (سوریوں) کے تصرف میں تھا۔ جس کو بعد میں ہیتیوں نے جوان کے عزیز تھے۔ ہیتی مملکت میں شامل کر لیا بعد میں جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا۔ جب ۱۳۸۵ ق م میں ہیتیوں اور مصریوں کے درمیان اچھے دوستانہ روابط قائم تھے۔ ہیتیوں نے شام کے باقی ماندہ علاقے جو میتانیوں کے تصرف میں تھے۔ قبضہ کر کے اپنے قلمرو میں شامل کر لئے [۱]

یعنی اس وقت تک عراق اور شام میں ان کا زیردست اثر و نفوذ قائم تھا۔ اور ان کے تمام بادشاہ اپنے نام کے ساتھ "سنجر" (جوان کے قبیلے اور قوم کا نام تھا) استعمال کرتے تھے۔ ہیتی سلطنت پر ایک طرف سے آشوریوں اور دوسری جانب مصریوں کا سخت دباؤ پڑا

---

[۱] ملاحظہ فرمائیں LA CIVILISATION DES HISTITES ET DES HURRITES DU MITTANNI, PARIS. 1948.

رہا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ اتنے کمزور ہو گئے کہ آخر کار ۸۶۰-۸۸۲ ق م میں آشور ناز یر پال دوئم نے ھیتیوں کے بادشاہ سنجر کو جن کی حکومت کا دائرہ کارشمیش (دار الخلافہ) تک محدود ہو گیا تھا۔ باج دینے پر مجبور کر دیا یاد رکھیئے کہ ھیتیوں کے بادشاہوں کے ناموں کے ساتھ لفظ "سنجر" کافی عرصے تک استعمال ہوتا رہا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبیلے کا نام تھا۔ اور سنجر وہ قبیلہ ہے جو اب بھی بڑی تعداد میں موجود ہے اور سنجر خیل کاکڑ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور تمام کاکڑ کی سربراہی کرتا ہے۔ اور ایک شاخ نوشکی کے بلوچوں میں سنجرانی کے نام سے بھی موجود ہے۔

الغرض ھیتی - ھاتی - ھاتی لی - ھیا تلہ - ھیتالی - افتھالی ادوالی - ابدالی اصلاً ایک قوم کا نام ہے۔ جو لعد میں سیتی - سیتھن - اسکائی - ساکا - آکا دادھن کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اور ان کے مشہور قبائل ھوری - (سوری) ٹیوٹانی (دوتانی)، بی تی نی (بیٹنی) اشکوری (اچکزی) داھی (دادی) پیرتی (بنڑیچ) کودے (کوڈے زئی) آدان (اعوان) ھمازی (امازی یہ قبیلہ ھوتک میں ہے)

اپارتی (افریدی) ادروک (اودک زئی) برلیبا (برڑیچ) کے نام سے پکارے گئے ہیں - اور یہ لوگ جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا ایک دوسرے کے عزیز تھے۔ اور جنگ میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرتے تھے۔ یہ جو زبان بولتے تھے اس کی نمائندگی موجودہ پشتو زبان کرتی ہے۔ یہی لوگ ہیں جو ابتداء میں لمبے بال رکھتے تھے۔ بڑی بڑی پگڑیاں باندھتے تھے۔ کشادہ قمیصیں پہنتے تھے۔ عورتوں کے پردہ کے سختی سے پابند تھے۔ جو بڑے قد آور

تھے جن کی بھوری آنکھیں اور بال ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے، لمبی ناک سفید چہرہ اور کشادہ پیشانی رکھتے تھے۔ جنگ میں تلوار، نیزہ اور تیر استعمال کرتے تھے۔

دوئم :۔ وہ لوگ جو تورانیوں کے نام سے یاد کئے جاتے تھے وہ بھی اصلاً آریا ہی تھے۔ جو ہندوکش کے شمال اور جنوب میں دیکھے جاتے تھے۔ اور لعد میں سفید ھن۔ تورانی اور تاتاری کے نام سے یاد ہوئے۔ اور آج ان کی نمائندگی سفید کالا۔ پیلا اور نیور (کھورا) ترین اور تور۔ سپین - سور ناصر کرتے ہیں - جن کو کاکڑ کی مورخین نے وائٹ - بلیک اور ییلو (WHITE - Black. YELLOW) ھنز کے نام سے یاد کیا ہے۔ لعبض ان کو سنہری ہیں اور لعبض تاتاری کہتے ہیں - اور لعبض سفید ھن پکارتے ہیں اور لعبض یوچی کے نام سے اور حالت یہ ہے کہ نہ تو یہ منگولوں کی زبان جانتے تھے۔ نہ ترکوں کی اور نہ سامیوں کی زبان بلکہ اپنی علیحدہ زبان بولتے تھے - اور آج اس علیحدہ زبان کی نمائندگی پشتو کرتی ہے -

سوئم :۔ وہ لوگ جو بلخ کے آسیہ بادشاہوں کے ساتھ شمال اور جنوب میں لڑتے تھے بھی یہی آرین تھے - جن کو تورانی کے نام سے یاد کیا گیا ہے - اور ان جنگوں کی سب سے بڑی وجہ اور علت مذہبی اختلاف تھا۔ لعنی یہ کہ وہ زرتشتی دین کے مخالف تھے۔ یہی وجہ تھی کہ گشتاسپ اور ان کے درمیان دشمنی پیدا ہو گئی۔ اور اس کے بعد جب ھخامنشی بادشاہ سائرس (کوروش) نے زرتشتی دین تسلیم کرلیا۔ اور اس کے پھیلانے کی کوشش شروع کر دی تو ان کے ساتھ بھی یہ دست و گریبان ہوئے۔ اور نتیجہ میں سائرس انہی کے ہاتھوں کپتیا میں مارا گیا - جیسے کہ افغان محقق احمد علی کہزاد

کہتا ہے۔ کہ دشتاسپ کی جنگوں کا ایک رُخ ماوراءالنہر کی طرف تھا۔ جہاں "توریا" اور "ھونا" اقوام کے رئیسوں اور سربراہوں کے مقابل ہوئے ہیں ؎۱

اس سے واضح طور پر عیاں ہوا کہ "توریا" اور "ھونا" وہ سیتی تھے جنہیں محققین تورانی اور سفید ھن کے نام سے پکارتے ہیں اور اُن کے گروہ میں سے ایک سربراہ "ارجت اسپ" ہے۔ جس کے نام سے ظاہر ہے کہ اسپہ خاندان میں سے تھا۔ البتہ زرتشتی دین کا مخالف تھا دردھکا (دردگ) قبیلے نے زرتشتی دین تسلیم کر لیا تھا۔ تو ان کے یہ عزیز ان پر ظلم و ستم کرتے تھے۔ اور دشتاسپ نے دردگ کو ھیونا ھا (ھن) سے نجات دلانے کے لئے قربانی دے کر "اناھیتا" سے تعاون اور امداد طلب کی۔

ھیرو ڈوٹس کھشیارشا (۴۸۰ ق م) کی افواج کے تذکرہ میں کہتا ہے۔ کہ اسکائی شلوار پہنے ہوئے تھے، لمبی نوکدار ٹوپیاں پہنتے تھے۔ اور اپنے ملک کے تیر اور کلہاڑی ان کا اسلحہ تھا۔ یہ لوگ (AMURGIANE) تورانی تھے لیکن ساکائی کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ ایرانی تمام تورانیوں کو اسی نام سے پکارتے ہیں۔

سر اولف کیرو اپنی کتاب "دی پٹھان" میں اس بارے میں لکھتا ہے کہ ھیروڈوٹس کے اس بیان کی تصدیق دونوں اخامنشی حکمرانوں دارا کھشیارشا

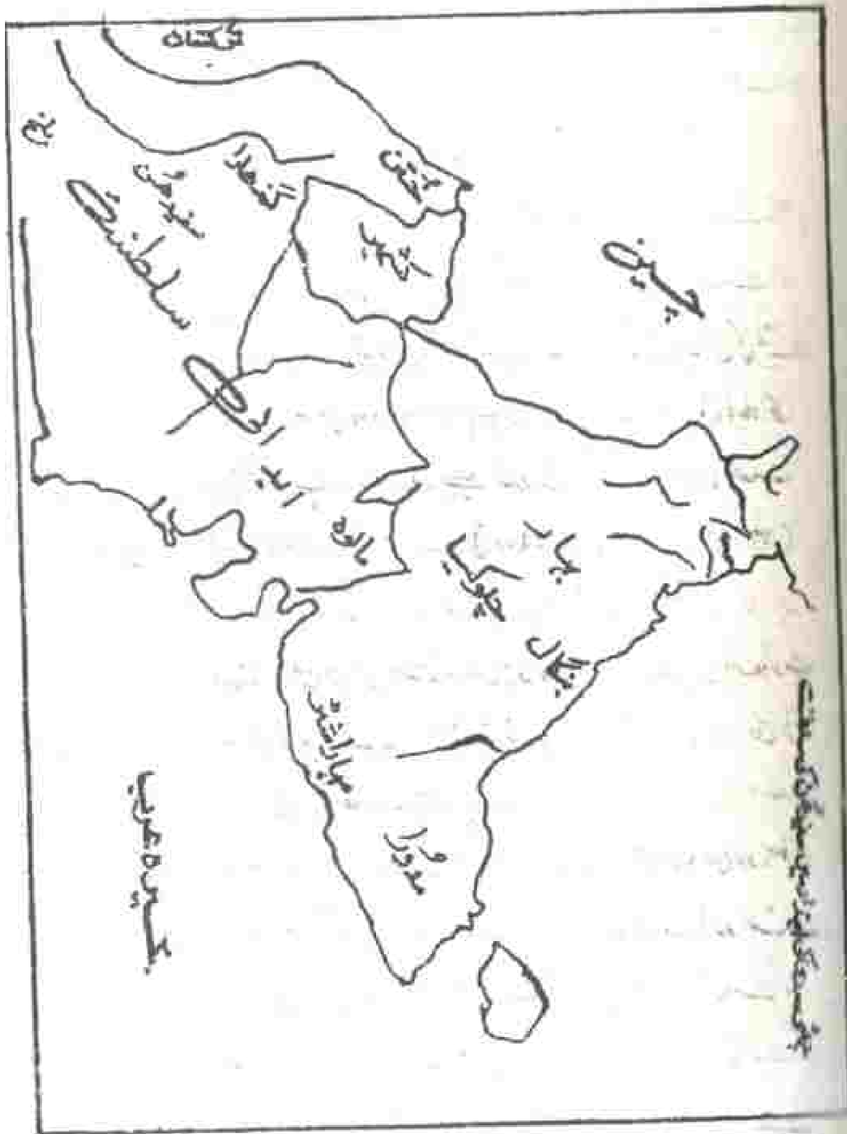
؎۱ افغانستان کی قدیم تاریخ جلد اوّل صفحہ ۳۰۷

؎۲ "دی پٹھان" اردو تالیف سر اولف کیرو صفحہ ۹۶۔

کے کتبات سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں کہ امورجین کا لقب ایک مرتبہ سے زیادہ آیا ہے۔ غالباً اس سے مراد وُہ سا کائی ہے۔ جو آمو دریا کے قریب رہتے تھے اور اپنے عزیز پارتیوں کی طرح جو کچھ اور مغرب میں رہتے تھے۔ تورانی ایرانی نسل سے تھے۔ اور وُہ زبان بولتے تھے جو پشتو کی اصل سمجھی جاتی ہے۔ اور یہ بات بھی تحقیق کو پہنچی ہے۔ کہ یہ زبان مشرقی ایرانی گروپ میں شامل تھی۔"

ہیروڈوٹس اور کیرو کے بیانات سے بھی یہ بات اچھی طرح واضح ہوتی کہ تورانی اور سیتی جو (ساکا۔ اسکائی اور سکائی) کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ ایک تھے اور یہ پارتیوں کے عزیز تھے۔ پارتی باختر کے مغرب میں بحر کیسپین کی طرف رہتے تھے۔ باختر کے مشرق میں سوغدیا نا یعنی زرفشان۔ سمرقند اور بخارا کے علاقے میں پارتیا باختر اور سوغدیانا کے شمال میں سیتی رہتے تھے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ کلاسیکی مؤرخین نے اپنی زبان اور لہجوں کے مطابق ان پشتون قبائل کے نام لکھے ہیں۔ "ادوال" سے ھپتل۔ ھیتال ھیاتلہ اور ھیتی بنایا ہے۔ اور پھر اسی طرح س اور ھ کے مبادلے سے ھیتی کو سیتی بنایا ہے۔ پھر "اخک" سے "اشک" اور اچکزئی سے اشکوزئی بنایا ہے۔

اسی طرح ترین سے تورانی بنایا ہے۔ حالت یہ کہ مذکورہ تمام بیانات سے یہ صاف طور پر ظاہر ہے۔ کہ ان ناموں کے تغیر و تبدل کی وجہ سے وُہ خود ان میں گم ہو گئے ہیں۔ بعض اسے ایرانی کہتے ہیں۔ اور بعض ان کو ایرانیوں کے دشمن اور مخالفین قرار دیتے ہیں۔ اگر اصل نام جیسے کہ ابتداء سے پشتون پکارتے ہیں۔ لکھے جائیں تو پشتونوں کی اصل و نسل کی پہچان میں کسی قسم کی رکاوٹ یا دشواری پیش نہیں آتی کیونکہ یہ امر تسلیم شدہ اور



اور تحقیق رسیدہ ہے۔ کہ آکا دی۔ ھیتی۔ ھوری۔ ستیتی۔ تورانی ایک دوسرے کے عزیز تھے کیے بعد دیگرے مختلف ادوار میں ادھر اُدھر پھیل گئے۔ اور ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ جب کہ لہجے کے تغیر اور زبان کے اختلاط اور آب و ہوا کی تاثیر سے ان کے ناموں میں تغیر آیا۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے باہمی قرابت کا لحاظ ہر زمانہ میں قائم رکھا۔ اور ہر جنگ و جدل میں ایک دوسرے سے تعاون و مدد کرتے رہے۔ یہ بات کہ قلات اور جھلاوان کا علاقہ بھی توران کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ تورانی دراصل وہ لوگ ہیں جو پشتونوں میں ترین کے نام سے شہرت رکھتے ہیں۔ اور ابدالی (حال درانی) تمام کے تمام انہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور سنہ ۹۰۰ء میں یہ تمام علاقہ ان کی سلطنت میں شامل تھا۔ (جیسا کہ نقشہ سے واضح ہے۔)

اور اب بھی (قلات جھالاوان) کے اکثر جنگجو قبائل ان کی نسل سے کہلاتے ہیں۔ مثلاً زرک زئی قبیلہ کے بارے میں جھالاوان گزیٹیر (صفحہ ۴۷) پر تحریر ہے کہ یہ زرخیل ترین (زرد ترین) ہیں اور افغانستان سے آکر زھری (ZAHRI) کی وادی میں آباد ہو گئے ہیں۔

زہری قبیلہ دراصل مختلف العناصر قبائل پر مشتمل ہے۔ اور وادی کے نام سے سب کو زہری کہا جاتا ہے۔ اور موروثی سربراہ یہیں پر اقامت پذیر ہے۔ جو کہ بدوحی کنفیڈریشن جھالاوان ڈویژن کا بھی سربراہ ہے۔ زہری قبائل کی تعداد ۱۹۰۱ء میں ۱۷،۹۷۴ تھی اور ان کا اہم قبیلہ زرکزئی ہے جس کی آبادی (۱۸۹۵) افراد پر مشتمل ہے۔ دوسرے قبیلے خدرانی (۱۳،۸۲۵) جتک (۱۲،۲۲۱) ساسولی (۳،۴۰۴) موسیانی (۲،۰۹۰) باجوئی (۲،۰۳۹) اور لوتیانی (۱،۲۲۸) اور دوسرے چھوٹے چھوٹے قبیلے (۸،۸۵۵) افراد پر مشتمل ہیں۔ یاد رہے کہ یہ ان قبائل ۱۹۰۱ء کی یعنی ۷۵ سال پہلے کی تعداد ہے اب ان کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے۔ زرکزئی قبیلہ جو زرخیل ترین افغان ہونے کا دعوی کرتا ہے۔ افغانستان سے آکر زہری کے علاقے پر مسلط ہو گیا تھا۔ اور پھر مقامی روایات اپنا کر ان میں گھل مل گیا۔ جھالاوان دو دستوں یا گروہوں زہری اور مینگل میں منقسم ہے۔ جو ایک دوسرے کے حریف اور مقابلے کے قبائل ہیں۔ اور ان کے درمیان کئی نسلوں سے چپقلش چلی آرہی ہے کہا جاتا ہے کہ دراصل جھالاوان کی قیادت شاھی زئی مینگل کی شاخ کے ہاتھوں میں تھی۔ لیکن بعد میں ایک جنگ کے دوران یہ زہری زرکزئی قبیلے کے ہاتھوں چھن گئی کیونکہ یہ مینگل قبیلے کے لئے ننگ کی بات تھی لہذا ۱۸۹۸ء میں جب جام لسبیلہ اور خان آف قلات میر خداداد خان کے درمیان

تنازعہ ہوا تو سردار نورالدین شاہی زئی مینگل نے اس کو حاصل کرنے کے لیے اقدام کیا ہرچند کہ سفر خان لوتیانی اور دیگر اشخاص موت کی گھاٹ اتر گئے لیکن قیادت کا علم حاصل نہ کر سکے۔" بہرحال مقصد یہ ہے کہ زرکزئی اور مینگل دونوں بلوچستان کے جنگجو قبیلے ہیں۔ اور جیسے کہ مذکورہ بیانات سے واضح ہوا کہ یہ دونوں قبیلے دُہ ترین قبیلے ہیں۔ جو تورانی کے نام سے پکارے گئے ہیں اور صرف قلات اور جھالاوان میں ہی نہیں بلکہ تمام بلوچستان میں خصوصاً شمال بلوچستان ژوب۔ لورالائی اور پشین میں کافی زمانہ سے سکونت رکھتے ہیں۔ پاکستان کا ایک صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خان پشین کے ترینوں میں سے تھا۔ ان کے دادا کا مقبرہ پشین بازار اور سید خوشحال خان کے درمیان پشین سے سند کی طرف جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پہاڑیوں کے دامن میں اب بھی مٹی کی ایک گنبد کی شکل میں موجود ہے۔

مینگل:- بلوچستان میں مینگل کے نام سے تین قبیلے ہیں۔ جو براھوئی میں شمار ہوتے ہیں۔ اور براھوی زبان بولتے ہیں۔ جھالاوان کا مینگل ۔۔ بولان کا مینگل اور نوشکی کے ذگر مینگل "ٹیٹ" اپنی سرگذشت۔ (MEMOIR OF THE COUNTRY AND FAMILY OF THE AHMADZAI KHANS OF KALAT) میں لکھتا ہے کہ مینگل کے بارے میں خیال ہے کہ یہ بہت قدیم زمانہ میں ثمرقند کے آس پاس رہتے تھے۔ اور اس وقت جب قدیم فارس کی شہنشاہیت مغربی سندھ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور بلوچستان میں بڑی اکثریت کے ساتھ جات (JAT) رہتے

لہ یاد رہے کہ سندھی زبان میں انگل کے معنی بات یا زبان ہے۔ مؤلف

تھے۔ تو "گال" کا لفظ اسم کے ساتھ جمع کے معنی میں لاحقہ کے طور پر ملا دیا جاتا تھا اس لئے جت اور گال کے اشتقاق سے "جت گال" بنا۔ مطلب یہ کہ جت گال سے جدگال جو مشہور بلوچ قبیلہ ہے۔ بنا) اسی طرح مین (MIN) کے ساتھ "گال" کے لاحقہ سے مینگل بنا اور مین (NIAN) دراصل سیتھین (SEYTHIAN) ہے۔ اور یہ تورانی قبیلہ ہے۔ اور بیستوں کے کتبہ میں داریوش نے یہ نام سیتھین قبیلوں کے ساتھ ایک جگہ یاد کیا ہے لیکن جھالاوان کے مینگل کا کہنا ہے کہ ہم نسلاً جدگال ہیں۔ "ٹیٹ" کا مطلب یہ ہے کہ گال ایک لاحقہ تھا۔ جو جت یا جاٹ سے بھی منسلک تھا اس لئے انھوں نے اس سے یہ تعبیر لی کہ مینگل اور جدگال ایک ہیں۔ ٹیٹ آگے چل کر لکھتا ہے کہ

"مغلیہ سلطنت کی مشرقی سرحد قلات میں یہ قبیلہ (مینگل) اپنی بہادری اور ڈاکہ زنی کے لئے مشہور تھا۔ اور راجپوتانے میں اور بھی آگے مشرق کی جانب مینا قبیلے کو اسی قسم کی شہرت حاصل تھی۔

بہرحال جھالاوان مینگل قبیلے کی سربراہی یا سرداری شاہی زئی قبیلہ کے پاس ہے۔ اور ان میں تک شاہی زئی (TUKSHAHI ZAI) اور پہلوان زئی کا دعویٰ ہے کہ ہم ایرانی نسل سے ہیں۔ محمد زائی اور باران زئی کا کہنا ہے کہ ہم ترین افغان نژاد ہیں[1]

---

[1] جھالاوان گزیٹیر صفحہ ۸۲ - ۸۳

[2] یاد رہے کہ سندھی زبان میں بات کو گال کہتے ہیں۔
مینگل کے متعلق مفصل حال جھالاوان گزیٹیر میں دیکھئے (مؤلف)

ٹیٹ کے بیان اور مینگل کے دو قبیلوں کے دعوے سے یہ بات اور واضح ہوگئی کہ ترین اور تورانی دراصل ایک ہیں۔ اور قلات اور جھالاوان کے علاقے کو جسے توران کہا جاتا ہے کو یہ بہت قدیم زمانہ میں آئے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیا افغانستان کے پکتیا کے مینگل اور بلوچستان کے مینگل ایک ہیں؟ یا علیحدہ علیحدہ قبیلے ہیں؟ اور "گال" کا لفظ کس زبان کا لفظ ہے؟ اس سوال کا جواب ہماری دانست میں یہ ہے۔

کہ یہ لفظ فارسی اور پشتو کا مشترک لفظ ہے۔ اور "گلہ" یا "گلے" سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ ٹیٹ کے کہنے کے مطابق جمع کا صیغہ ہے۔ اور بطور لاحقہ "مین" سے ملا دیا گیا ہے۔ اور "ہ" حرف حذف ہوا ہے۔ پشتو اور فارسی میں اب بھی یہ لفظ جمع کے معنی دیتا ہے۔ مثلاً "گلہ گلہ سری راغلو" (گروہ کی شکل میں لوگ آئے) لیکن ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ پشتونوں کے شجرہ نویسوں نے افغانستان کے مینگل کو (کرلانڑی) کے طبقہ میں "ککے" کی اولاد میں شامل کیا ہے۔ یعنی ککے زئی کی ایک شاخ قرار دی ہے۔ بلکہ وردگ کو بھی ان کے ساتھ شامل کیا ہے۔ اور ترین کو شرخبون کی اولاد میں شامل کیا ہے۔ یہاں یہ وضاحت کردیں کہ شجرہ نویسوں نے پشتونوں کو چار حصوں یا طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ یعنی سڑبن بیٹ یا بیٹنی غورغشت اور (کرلان) ہم نے یہ بات اس سے پیشتر واضح کردی کہ یہ شجرے تاریخی حقائق سے مطابقت نہیں رکھتے۔ بلکہ اگر ہم ان شجروں پر اچھی طرح غور کریں تو یہ واضح طور پر معلوم ہوگا۔ کہ اصلاً پشتون چار طبقوں یا حصوں پر مشتمل نہیں ہیں۔ بلکہ جیسے سام اور بنو سام دو طبقوں پر مشتمل ہیں۔ جنہیں ہم پشتون اور افغان پشتون کہہ سکتے ہیں۔ یعنی یہ کہ زبان میں شریک تمام کو پشتون کہینگے اور جو زبان خون عرق اور نژاد میں شریک ہیں انہیں افغان پشتون کہینگے یا بہ الفاظ دیگر نسلی اور اصل پشتون اسلئے کہ پشتونوں میں خصوصاً

گندھارا کے پشتونوں میں خاص طور پر سوات، مردان، نوشہرہ، کوہاٹ اور بنوں وغیرہ کے پشتونوں میں گزشتہ
زمانوں میں ایسے عناصر شامل اور خلط ہو گئے ہیں۔ جو کہ نژاداً پشتون نہیں تھے
یعنی وہ نژاداً سیتھین یا ہمیتی دیگر ھن نہیں تھے۔ بلکہ اس علاقہ کے قدیم لوگ
تھے، جو اسلام کو تسلیم کرنے کے بعد پشتونوں میں شامل ہو گئے ایسے لوگ آج بھی
عادات و خصائل سے اچھی طرح پہچانے جا سکتے ہیں۔ آراکوزیا میں بھی عمومی اختلاط
ہوا ہے اور وہ بھی آرین قبائل کے اپنے درمیان اس لئے طبعی اعتبار سے عرق و خصلت
میں فرق نہیں آیا ہے۔ گندھارا کے اس علاقہ کے لوگوں کا جن کا ہم نے
ذکر کیا اب بھی جس کسی سے مناسب سمجھیں شادی بیاہ یعنی رشتہ کر لیتے ہیں
اور کئے ہیں۔ لیکن مغربی پشتونخواہ جسے ہم آراکوزیا سے یاد کرتے ہیں کے
لوگ اس معاملہ میں بہت سخت ہیں۔ البتہ شاذ و نادر اگر کوئی اپنی بیٹی یا بہن
کا غیر پشتون سے بیاہ کر لے تو وہ مستثنیٰ ہے مگر بیٹے یا بھائی کا کبھی بھی
غیر پشتون سے بیاہ نہیں کراتے۔ ان کا کہنا ہے کہ بیٹی کے دینے سے نسل کو
نقصان نہیں پہنچتا البتہ بیٹے کو دوسرے لوگوں سے رشتہ کرانے میں نسل کو
نقصان پہنچتا ہے۔ اور اس بات کا خیال گندھارا کے پشتونوں میں چنداں
نہیں رکھا جاتا۔ ماسوائے قبائل کے۔

وہ اصلی اور نسلی پشتون زبان کے پردے میں چھپ نہیں سکتے۔ چاہے
اسے پشتو زبان آتی ہو یا نہ آتی ہو۔ اپنی خاصیت اور خد و خال سے معلوم ہوتا
ہے ہر چند کہ اگر وہ بلوچوں میں گھل مل گئے ہیں۔ پنجابیوں اور ہندوستانیوں
میں مگر آج بھی ایسے بہت ہیں۔ جو اپنی روایات کا تحفظ کرتے ہیں۔ اور اپنی
نژاد پر فخر کرتے ہیں۔ بلکہ آج کل تو پنجاب میں ایسی انجمنیں قائم ہوئی ہیں
جو اپنے حسب و نسب کے متعلق تحقیق کرتے ہیں۔ کتابچے اور کتب شائع

کرتی ہیں۔ مثلاً آوان - جدون اور ککے زئی وغیرہ -

بہرحال ہم یہ ذکر کر رہے تھے۔ کہ تورانی سے مراد دراصل ترین ہے۔
کیونکہ دنیا میں یہ واحد قوم ہے۔ جو زرد - سفید - کالے اور بھورے میں
تقسیم ہوئی اور یاد کی گئی ہے اور مؤرخین بقول "ہیرلڈ لیم" ان اور آرین کے
تعلق کے متعلق سخت اختلاف میں مبتلا ہیں۔ اور ہیرلڈ لیم بذات خود ان کو
سیتی کے عزیز قرار دیتے ہیں۔ اور ہمارے شجرہ نویسوں کا کہنا ہے کہ ترین
شرخبون کا بیٹا تھا۔ ہم نے اس سے قبل اس بات کی مفصل توضیح کی
کہ شرخبون دراصل "آکاد" کا بادشاہ تھا اور "آکاد" وہ لوگ تھے جو لمبے لمبے
بال بناتے تھے اور یہ پہاڑی (کوہستانی) جو پشتو میں غر گشتی ہے غرغشتی
اور غور غشتی بنا لوگ تھے۔ یہاں ایک بار اس کی وضاحت کر دیں کہ
اس طرح کے بال کاکڑ جو ایک بڑا قبیلہ ہے رکھتے ہیں اور غرغشتی پشتون
کہلاتے ہیں جو تورانی نسل کہلائے جاتے ہیں بیٹ یا بیٹنی کے بارے
میں اس سے پہلے عرض کیا گیا کہ یہ بہت قدیم زمانے میں ایشیائے کوچک
کے مغرب میں بحیرہ ایجین کے قریب اپنے عزیزوں لودیوں اور حتائیوں
کے درمیان رہتے تھے۔ اور اس بات کو شجرہ نویس بھی تسلیم کرتے ہیں کہ
بقول ان کے بیٹنی بیٹ دادا کی اولاد ہے اور غلجی جن میں دوتانی اور لودی
اور ناصر ہیں بھی ترینوں کی طرح غور - سپین اور سور میں منقسم ہیں شامل
ان بھی بیٹ کی اولاد ہیں اور اس وقت جب سرجون (شرخبون) فرات
کے کنارے اکی باغبان کے ساتھ تھا اور بادشاہت تک نہیں پہنچا
تھا کہتا ہے کہ میرے باپ کا بھائی پہاڑوں میں رہتا ہے۔ یعنی
زاغروس کے پہاڑوں میں جس میں کہ اس وقت ۲۴۰۰ ق م یعنی (سیتی) گمریانی

تورانی قبائل سے تھے۔ نہ تو وہ سامیوں کی زبان جانتے تھے اور نہ ہی منگولوں کی اور جیسے کہ مدققین کا کہنا ہے کہ یہ ایشائے کوچک میں آریاؤں کے اولین نمائندے تھے اور لودیوں کے بارے میں ہیرو ڈوٹس کہتا ہے کہ لیسڈیا (لودیا یا لودی) لیڈس کے نام سے مسما ہوا ہے اور لیڈس ھاتیس کا بیٹا تھا۔[1]

اس سے واضح طور پر ظاہر ہوا کہ لودی یعنی (سیتی) کی شاخ تھی یعنی ھاتیس دراصل ھیتی تھا جن کو بعض نے ھاتی بھی لکھا ہے اور یہ شخصی نام نہیں تھا بلکہ قومی نام تھا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ سال سنہ ۱۹۰۶ء سے سنہ ۱۹۱۲ء تک جرمن محقق ونکلر (HUGO WINCKLER) نے بغاز کوی (انقرہ کے مشرق میں بیس میل کے فاصلے پر) آثار قدیمہ کی تلاش کی تھی دراصل اس کی تشویش کی وجہ یہ تھی کہ کچھ عرصہ پیشتر اس جگہ فرانس کے آثار قدیمہ کے ایک ماہر ای چنتر (E. CHANTRE) نے زمین کی سطح پر میخی تحریر کے چند کتبے دیکھے تھے بہر حال جب اس نے یہاں پر کام شروع کیا تو اس دوران اس نے ھیتیوں کی قدیم دارالسلطنت کے کھنڈرات دریافت کر لینے کے ساتھ ان میں ھیتی بادشاہوں کی میخی تحریر کے بہت سے سالم تیرہ ہزار کتبے دریافت کئے۔ ان کتبات کی اچھی طرح جانچ پڑتال سے معلوم ہوا کہ ان میں کم تعداد کے کتبے بابلی تحریر کے تھے ان کتبات کے زیادہ تر موضوعات ھیتی بادشاہوں کے دیگر مختلف بادشاہوں کے ساتھ معاہدات اور سیاسی

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا جلد ۱۷ صفحہ ۱۵۷

مکتوبات پر مشتمل تھے اور زیادہ تر یہی تحریریں ھیتی زبان میں تھیں۔ مگر ان پر کوئی تاریخ درج نہیں تھی کہ کس زمانے میں لکھی گئیں البتہ تورات آشوری۔ بابلی اور مصری میں ایسے اشارات موجود ہیں جن سے کہ زمانے کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

آشور اور بابل کے کتبات میں ایسے اشارات ہیں کہ سنہ ۲۰۰۰ ق م اور سنہ ۱۰۰۰ ق م میں ھیتیوں کے بہادر قوم نے آشوریوں اور بابلیوں کے ساتھ مسلسل لڑائیاں کیں۔ مصریوں کے کتبات میں بھی ایک بہادر جنگجو قوم کی حیثیت سے مصریوں کے ساتھ سنہ ۱۳۰۰ تا ۱۵۰۰ ق م تک زبردست جنگوں کا ذکر آیا ہے

(جیسا کہ ہم نے اس سے پیشتر رامسس کے ساتھ جنگوں کا کچھ حال بیان کیا) اور ان کے دارالسلطنت کو ھیتی یا ھاتی کے نام سے یاد کیا ہے۔ اس قوم کے بارے میں ایشیائے کوچک میں جو آثار پیدا ہوئے ہیں ظاہراً آشور۔ بابل اور مصر کے آثار سے مختلف ہیں۔ کیونکہ ان پر انسانوں کی ایسی تصاویر بنی ہیں جو نژادی تشخصات کے اعتبار سے خاص نوعیت کے حامل ہیں۔ ناک کی چونچ کچھ ٹیڑھی (پیشانی) لمبی ہے۔ اس نمونے کے لوگ آرمنوئیڈ (ARMENOIDE) داھی اور اسی طرح ھیتی کے ناموں سے مشہور ہیں۔ یہ آثار ھیروگلیفی سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے فعلاً خط ھیتی۔ ھیروگلیفی بھی کہتے ہیں۔

ھیتی میخی تحریر کے پڑھنے کے لئے یورپین دانشوروں نے بہت کوشش کی۔ آخر یہ اعزاز پہلی جنگ عظیم میں چیکوسلواکیہ کے محقق "ھروزنی" کو نصیب ہوا ابتداء میں ہند یوروپین السنہ کے دانشوروں نے سخت مخالفت کی لیکن دس

سال بعد دُنیا کے تمام دانشوروں نے ان کا نظریہ اور مجی تحریر کے پڑھنے کا فارمولا تسلیم کرلیا۔ اور آج اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں رہا۔ ان کے فارمولے اور عقیدے کے مطابق ھیتی زبان ایک ہندو یورپین زبان ہے اور "KENTUM"[1] کے گروہ سے ہے۔ جو قدیم زمانہ میں اپنے گھرانے سے علیحدہ ہوئی تھی۔ اور ایشیائے کوچک کی تاریخ میں اہم کردار ادا کیا۔ یہاں یہ بھی وضاحت کردیں کہ بعض محققین ھیتی اور ھاتی یا ھاتی لی لکھتے ہیں۔ غالباً لہجوں اور زبانوں کے اختلاف کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ یعنی ہندو یورپین میں انہیں علیحدہ علیحدہ قومیں قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ ایک خیال ہے جو ان کے لہجوں میں زمانے کی رفتار کے ساتھ تضاد کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ بہرحال اہمیت نہیں رکھتا پشتونوں کی ایک دوسرے سے دُوری اور پھر ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ قوموں میں شمولیت کی وجہ سے پشتو میں بھی اسی طرح دیگر زبانوں کے کچھ نہ کچھ الفاظ داخل ہو گئے جیسے کہ پشتو کے الفاظ دیگر زبانوں میں داخل ہو گئے۔ اور وُہ الفاظ آج بھی دونوں طرف دکھائی دیتے ہیں۔ اور زبانوں نے ان کو اپنایا اور ان میں مستعمل ہیں۔ لیکن اساسی یعنی نحوی اعتبار سے زبان میں چنداں تغیر نہیں آیا ہے۔ یعنی اب بھی پشتو "KENTUM" کے گروہ میں شامل ہے۔ اس لئے کہ پہلا حرف ساکن، بولا جاتا ہے۔ اگرچہ ھیتی۔ ھاتی اور ھاتی لی لہجوں میں ہرچند تضاد تھا۔ مگر اساساً زبان ہندو یورپین اور "KENTUM" کے گروہ میں

---

[1] جن زبانوں کا پہلا حرف ساکن ہو تو اُسے KENTUM کہتے ہیں اور جن کا پہلا حرف متحرک ہو ان کو السنہ میں (SATEM) کہتے ہیں۔

شامل تھی۔

کیرو اپنی کتاب "دی پٹھان" میں سفید ھن کے متعلق لکھتا ہے۔ کہ "وہ افتھالیوں یا سفید ھن کے ابتدائی نقل و حرکت کے بارے میں جو کچھ مواد مجھے ملا ہے۔ وُہ تمام چینی زبان میں ہے اور جس وقت تک سفید ھن نے جنوب کی طرف پیش قدمی نہیں کی تھی اور ھندوکش سے پار نہیں ہوئے تھے۔ کلاسیکی یا عربی اور فارسی تصنیفوں میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں۔ ہرچند کہ ونسنٹ سمتھ ان قبائل اور اتیلا کے ھنوں کو ایک قرار دیتے ہیں۔"

لیکن چینی مصنف بڑی احتیاط کے ساتھ ی تی آئی لی تو اور ھیونگ نو "(HING NU) یعنی اصل ھن کا فرق واضح کرتا ہے۔ اس زمانے کے ایک مصنف پروکوپیس (PROCOPYUS) اپنی کتاب ڈی بیلوپریسکو (DE BELL OPERISCO) میں لکھتا ہے کہ یہ حملہ آور ان ھنوں سے بالکل مختلف ہیں جن سے کہ ہم واقف ہیں۔ ان کا سفید رنگ کشادہ چہرہ مابہ الامتیاز ہیں۔ چینی تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ نہ تو وُہ منگولی زبان بولتے تھے اور نہ ترکی اور اسی طرح وُہ زنگاریہ (ZUNGARIA) کے علاقہ میں جہاں سے اصل ھن اور افتھالی آئے تھے وُہ رہنے والے ھن گروہوں (مطلب قبائل) سے بھی زبان کے لحاظ سے مختلف تھے۔

میک گوون کا کہنا ہے کہ ایک چینی مصنف نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ یہ لوگ بھی اصل کے اعتبار سے یوچی (YUEH – CHI) یعنی کشان تھے لیکن بات مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔"

کیرو آگے لکھتا ہے: ۔ ان متضاد دعوؤں اور قیاسات سے

جو بہتر نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ افغانیوں کا علاقہ ترکی النسل قوموں سے ملحق تھا اس بناء پر دونوں میں بڑے پیمانے پر نسلی اور لسانی اختلاط پیدا ہوا ہوگا۔ اور انہوں نے اس بات پر فخر کیا ہوگا۔ کہ یہ ھن خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ ایران اور توران کی سرحد پر شمالی ترکستان میں اُن کی حیثیت خانہ بدوش قوم کی طرح تھی۔ جس پر دونوں ہمسایہ قوموں کا اثر غالب ہوا۔"

کیرو خود مذکورہ بیانات کو متضاد اور قیاس پر مبنی قرار دیتا ہے اور پھر خود بھی قطعی کوئی بات نہیں کی ہے۔ بلکہ قیاس ظاہر کیا ہے۔ جیسے کہ "ہوگا" یعنی ہو سکتا ہے۔ کیرو نے دیگر جگہوں میں بھی قیاس سے زیادہ کام لیا ہے۔ اور قیاس بذاتِ خود ایک اشتباہ ہے۔ اور اسی طرح قیاسات کی بناء پر وہ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ غلجی نسلاً ترک ہیں حالانکہ وہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ لودی۔ سوری۔ بیٹنی اور دوتانی غلجی ہیں۔ ہم نے ان کی تاریخ وضاحت سے بیان کی کہ سیتی۔ ھیتی اور آکاری دراصل ایک تھے جو بعد میں ابدالی ھن۔ تورانی اور پھر اودال۔ غلجی اور ترین کے نام سے پکارے گئے اور اب تک انہی ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں۔

اب یہ بات اچھی طرح واضح اور عیاں ہو گئی کہ آمو دریا کے اس پار کا علاقہ جو ماوراء النہر کہلاتا ہے۔ ایک وقت توران اور آران وغیرہ (آریانا) کہلاتا تھا۔ اور اس علاقہ میں جو تاریخی قوم سکونت رکھتی تھی اس کو کسی نے تورانی کسی نے آریائی اور کسی نے ھن کے نام سے پکارا ہے۔ جیسے کہ آج بھی پشتون افغان اور پٹھان کے نام سے پکارتے ہیں۔ حالانکہ سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ ایک قوم ایک زبان اور ایک مزاج رکھتی ہے۔

اور ایک ہی طرح کی روایات کے مالک ہیں۔

پشتون شجرہ نویسوں نے پشتونوں کو چار طبقوں سڑبن۔ بیٹ۔ غورغشت اور کرلان میں تقسیم کیا ہے۔ اصلاً یہ شجرے کافی بعد میں یعنی چار سو سال کے اندر قلمبند ہوئے ہیں۔ ان شجروں کی ابتداء قیس عبدالرشید سے کرتے ہیں۔ جن کو یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوران کی شخصیت سمجھتے ہیں۔ اس بارے میں ہم نے پیشتر عرض کر دیا کہ اس نام کا ایک رئیس اُس زمانہ میں بحرین میں تھا۔ اور اسی نے اپنے رفقاء کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا۔ بہرحال ہم نے یہ کہا تھا۔ کہ سڑبن کے معنی ساربان کے ہیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ژوب سے ھرنائی تک کوہ سلیمان کے عظیم سلسلہ کو پشتون "شرخبون" یعنی پہاڑی خط یا سلسلہ کہتے ہیں۔ اور ان پہاڑوں میں جو لوگ رہتے تھے وہ شرخبون یا سڑبن کے نام سے مشہور ہو گئے۔ علاقہ کی مناسبت یا صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ سڑبن بیٹ اور غورغشت کا بھائی ہے۔ تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ کاکڑ اور غلجی کا بھائی ہے جیسے کہ قدیم زمانہ میں بھی جب وہ ایشیائے کوچک شام اور بین النہرین میں رہتے تھے۔ ایک دوسرے کے عزیز کہلاتے تھے۔ ہم اس سے قبل مفصل ذکر کر چکے ہیں۔

بیٹنیوں کے بارے میں پہلے عرض کیا گیا۔ کہ مغربی ایشیائے کوچک میں اپنے عزیزوں دوتانیوں اور لودیوں کے درمیان رہتے تھے، غورغشت بھی وہ لوگ تھے، جنہیں محققین نے (کوہستانی) کہا ہے اور پکتیا میں جس میں کہ ژوب اور لوری کا علاقہ شامل ہے رہتے تھے۔ کلاسیکی مورخین نے "داھی" کے نام سے پکارا ہے جو اصلاً "دائی" کا بدل ہے۔ اور پھر یہی نام "دادی" کی شکل میں رہ گیا ہے۔ کاکڑ۔ ناغر اور پنڑی ان کے بھائی کہلائے جاتے ہیں۔

بہرحال اگر دائی (داھی) یا دادی باپ ہو یا بھائی حسب و نسب میں فرق

نہیں لاتا۔ شجروں کے مطابق دانی کا دوسرا بھائی بابی اور منڈو (منڈونیں) ہے۔

ترین :۔ یہ شجروں کے مطابق شرخبون کا بیٹا اور شیرانی کا بھائی ہے ہم پہلے عرض کر چکے کہ شرخبون یا خرشبون اصلاً ایک شخص ہے۔ جس نے ۲۳۵۰ ق م میں آکاد کے نام سے ایک بڑی سلطنت قائم کی تھی۔ اور محققین کہتے ہیں کہ آکادی تورانی نسل ہیں۔ ھنیوں کے عزیز ہیں اور ھیتی بلخ یا مشرق کے دوسرے علاقوں کے رہنے والے تھے۔ اس کی توضیح و تشریح ہمیں اس طرح کرنی چاہیئے کہ آکاد دراصل قوم کا نام نہیں تھا۔ بلکہ اُس "اکی" باغبان کے نام سے سرجون (شرخبون) آکاد کے نام سے مشہور ہوا جس نے اُسے ٹوکری میں بند فرات کے پانی میں پاکر پرورش کی تھی۔ جس وقت وہ بادشاہ ہوا تو اس کی سلطنت اور قوم بھی آکاد اور آکادی کے نام سے مشہور ہوئی ورنہ شرخبون بذات خود اُن ھیتیوں میں سے تھا جنہوں نے اس زمانہ میں ایشیائے کوچک میں علیحدہ علیحدہ قبائلی بنیاد پر چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کی تھیں۔ یہ بالکل ایسا ہی سمجھ لینا چاہیئے۔ جیسے بُد دعاؤں سے دُرانی بن گیا۔ بعض محققین کا کہنا ہے کہ تورانیوں کی ایک شاخ بہت قدیم زمانہ میں شوش اور زرین کلدہ میں آباد ہوئی اور ایلامیوں کی زبان ان کی زبان سے تعلق رکھتی ہے۔

ڈاس کے کی کتاب ۱۹۵۰ء (PEUPLES AT PARIS) ملاحظہ کیجئے جس میں کہ مفصل بحث درج ہے۔) ہم یہاں پر صرف یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ آکادی دراصل ھیتی ہیں۔ جنہیں داریوش نے اپنے کتبہ میں سیتی کے نام سے یاد کیا ہے۔ اور ھیتی وہ لوگ ہیں جن کو محققین نے ھیتال ھپتال۔ ھیپتی۔ ابتل۔ ادوال اور ابدال کے نام سے پکارا ہے۔ روسی مستشرق بارتولڈ لکھتا ہے کہ ھیتل یا ابتل کے کلمہ کی اصلا یونانی زبان میں

"ھفتالیتای" اور ابطلائی ہے۔ اور شامی زبان میں "ابدل" اور ارمنی زبان میں ھپتل" ہے جو ظاہراً ابتل اور ھیپطل کے کلمہ پر دلالت کرتا ہے[1]

لوکھارٹ بھی اس کی تائید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ابدالی کا کلمہ ابتیلا (ABTILA) یعنی ھنّ سے ہے۔ اور ابتیلا عوامی کلمہ ھیبطل میں ہیاطلہ سے نکلا ہے[2]

اسی طرح یہاں پر لوکھارٹ یہ بھی لکھتا ہے کہ اسی طرح غلجیوں اور ابدال ھنوں کے درمیان اتصال موجود ہے"

بہر حال جیسا کہ "ہیٹ" کہتا ہے۔ کہ منگول سیتھین ہے اور یہ ایک تورانی قبیلہ ہے۔ دیگر محققین نے بھی ان کو ایک دوسرے کا عزیز قرار دیا ہے۔ یہ معلوم ہوا کہ ترین اور تورانی دراصل لسانی ترکیبیں ہیں۔ ورنہ اساس کلمہ ایک ہے یعنی ترین اور سیتین پشتونوں کی دو شاخیں تھیں ایک شاخ والے سر میں دائرہ بناتے تھے اور دوسری شاخ والے لمبے چوٹی نما بال رکھتے تھے غلجی اور کاکڑ لمبے بال رکھتے تھے ترین اور اچکزئی سر کا درمیانی حصہ منڈواتے تھے۔ لیکن بعد میں غلجیوں نے بال چھوٹے کر لئے اور ان کاکڑوں میں جو ژوب اور لورالائی میں رہتے ہیں۔ کافی عرصہ تک لمبے سلجھے ہوئے بال نظر آتے تھے۔ جیسا کہ ان کی تصویر سے عیاں ہے

اس تصویر کے عین درمیان میں نواب مہراب خان جگی اور ان کے بائیں جانب ایک برطانوی سرکاری دیسی افسر اور

---

[1] جغرافیہ تاریخی ایران ترجمہ فارسی ص ۶۵

[2] سقوط خاندان صفوی و سلطۂ افغان در پارس ص ۹۵

سابقہ میں کاکڑ قبیلے کا نواب جنگل خان جوگیزئی بیٹھا ہوا ہے کھڑے ہوئے افراد تمام ننگے ہیں۔ جو مریوں اور کاکڑوں کی طرح لمبے چھوٹی نما بال رکھتے ہیں انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا (جلد ۴ - ص ۶۱) کہتا ہے کہ بگٹی بلوچوں کے رند قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ بہر حال ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ مقصد صرف بالوں کے دکھانے سے تھا اور اس تصویر میں نواب جنگل خان کاکڑ کے بال بھی لمبے اور سلجھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اگرچہ اس زمانہ میں لوگوں کے بال اور لباس میں تبدیلی آئی ہے لیکن پہاڑی باشندوں میں تاحال قدیم رسم و رواج اب تک محفوظ ہے۔

ہند و یورپین کی حرکت کی تاریخ سے لے کر موجودہ دور تک ہزارہا برسوں میں لوگ تجارت، کاروبار، مسلسل چھوٹی اور بڑی جنگوں یا موسم کی تبدیلی کی وجہ سے یا کوچ اور پوندہ کی صورت میں شمال سے مغرب و مشرق اور جنوب کی سمت مسلسل نسلوں میں پھیلتے رہے اور مختلف عناصر کے ساتھ تہذیبی اور لسانی ارتباط و اختلاط ہوتا رہا یہ اثرات لوگوں نے غیر ارادی طور پر قبول کئے اسی بناء پر محققین یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ "ماد" یعنی (میڈیا) کی آبادی کا بڑا حصہ تورانی اکادیوں کی نسل سے تھا کیونکہ آکاد کی قوم نے میڈیا کے پہاڑی علاقوں میں سے بابل آکر حکومت کی بنیاد رکھی"

(دیکھئے مشرق کی تابندہ تہذیب)

الغرض یہ بات واضح ہوئی کہ شرخبون دراصل شمالی توران یعنی آمو کے اُس کنارے اُن سستی قبائل میں سے تھا جو سیتی کے نام

سے ایشیائے کوچک میں اندازاً ۲۰۰۰ ق م) میں وارد ہوئے تھے اور ۱۵۰۰ ق م سے لے کر ۶۰۰ تک مختلف ناموں سے بڑا اہم سیاسی کردار ادا کیا ہے اور یہ کہنا کہ تورانی اور آکادی ایک دوسرے کے رشتہ دار تھے تو اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ تورانی دراصل میں ترین تھے جو (و) اور (الف) کی اضافت سے تورانی کہلائے جانے لگے اور اکادی وہ لوگ تھے جو غلجیوں اور کاکڑوں کے نام سے پکارے جاتے ہیں جہاں تک بال بڑھانے اور منڈوانے کی بات ہے تو یہ دونوں طریقے دونوں میں مروج تھے البتہ قدامت کے اعتبار سے منڈوانے یا کانوں تک کٹوانے کا سلسلہ بعد میں شروع ہوا ہے۔ غالباً ۱۵۰۰ ق م کے لگ بھگ میں کیونکہ اُن آریائیوں میں جو پہلی مرتبہ ایشیائے کوچک کو چلے گئے بالوں کے منڈوانے کا رواج اس وقت تک شروع نہیں ہوا تھا۔ البتہ بعد کے آریائیوں میں تھا اور اُن میں ترین کے ساتھ غلجی جیسے دوتانی - لودی اور بیٹنی بھی شامل تھے بلکہ آراکوزیا کے تمام لوگ جو اوغانی تھے یا غلجی اور یا دیگر سب میں سر منڈوانے اور کان تک لمبے بال رکھنے کا رواج تھا اور جو اب تک دیہی علاقوں میں ہے۔ یہاں یہ وضاحت کردیں کہ شجروں کے اعتبار سے شیرانی تور(۱)، سپین اور اودال کو ترین کی اولاد قرار دیا گیا ہے حالانکہ

---

(۱) پشتو زبان میں تور (کالا) سپین (سفید) زرد (پیلا) اور بور (سرخی مائل) چنانچہ ترین کی چار شاخیں اس مناسبت سے کہلائی جاتی ہے۔

دوسری جانب ترین بنات خود چار طرح بیان کیا گیا ہے ۔ یعنی تور ژڑ ترین اور بور ترین لیکن شجروں میں ژڑ اور بور ترین کا ذکر زیادہ تفصیل سے معلوم نہیں ہوتا سپین ترین زیارت اور ہرنائی کے علاقہ میں رہتے ہیں جو دیچی کے نام سے بھی مشہور ہیں، اور تور ترین پشین کے علاقہ میں آباد ہیں ویسے کچھ نہ کچھ گھرانے دیگر علاقوں میں بھی ہیں ۔ غالباً ژڑ ترین مینگل اور زرکزئی ہیں، جو براہوئی زبان بولتے ہیں، اور براہویوں میں اہم حیثیت کے مالک ہیں ۔

رئیسانی :۔ یہ قبیلہ سابق ریاست قلات کے ہر دہی کنفیڈریسی کے سارادان ڈویژن (کمشنری یا بعض دیگر مخصوص علاقہ) میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے ۔ اصلاً یہ قبیلہ سپین ترین افغان ہیں ان کی جد کا نام (رئیس) تھا ۔ سراج ۔ رستم ۔ رودسائن ۔ اور سائیس کے نام سے ان کے چار بیٹے تھے ۔ یہ ضلع سبی کے احمدون نام کے علاقے سے قلات کو آئے تھے (احمدون کوئٹہ سے تقریباً ۳۵ میل کے فاصلہ پر شمال مشرق میں زیارت کے راستے ایک مقام کا نام ہے جہاں پر پانی زئی سردار کے قیام کی جگہ ہے) رئیسانی قبیلہ علاوہ سردار خیل کے سراج زئی رستم زئی ۔ براہو سان زئی ۔ اسیان ۔ مہرانی اور پندرانی پر مشتمل ہے ان میں ایک قبیلہ جوگیزی کے نام سے بھی ہے ۔ جوگیزی اور رستم زئی مستونگ اور منگوچر میں آباد ہیں اور دیگر قبیلے جھمڑی اور

---

(۱) احمدون در اصل شمالی بلوچستان میں پشتون علاقہ ہے صرف انتظامی لحاظ سے ضلع سبی میں شامل کیا گیا ہے ۔

کچھی میں آباد ہیں جیسے کہ ذکر کیا گیا کہ رئیس کے چار بیٹے تھے چوتھے بیٹے سائیس کا خاندان سائیس زئی جھالاوان میں مینگل قبیلے کے ساتھ دودھ میں رل مل کر رہتے ہیں ۔ ان قبیلوں میں بعض چھوٹی چھوٹی دیگر شاخیں بھی ہیں ۔ رئیسانی کابک اور ڈھاڈر میں بھی بہت آباد ہیں 1

سانگ زئی :۔ یہ بھی ایک بڑا قبیلہ ہے ۔ یہ اصلاً میرزئی سترزیئی کا کرڑ ہیں ۔ بہت قدیم زمانہ میں (کشرہ) میں رہتے تھے (یہ جگہ ہندو باغ جسے مسلم باغ کہتے ہیں ژوب کے علاقہ میں ہے ۔) وہاں سے درہ بولان کی طرف چلے آئے اور کرد قبیلے کے قریب آباد ہوگئے ان کا سردار خیل (ژڑ مغز) میں رہتا ہے یہ مقام کوئٹہ سے تقریباً تیس میل پر جنوب مشرق میں ہے ۔ اس علاقہ میں کوئلہ کے کان بھی ہیں ۔ سانگ زئی کوئٹہ پشین اور تھل چوٹیالی (دکی کے قریب ہے) میں بھی کم تعداد میں آباد ہیں ۔ اس قبیلے کی پانچ شاخیں ہیں ۔ درس زئی ۔ رحمت زئی بادین زئی ، احمد زئی اور خاکی زئی ۔ ان میں اول دو قبیلوں کا کہنا ہے کہ ہم تیرہ پشت (اب اٹھارہ کہنا چاہیئے) قدیم میں ژوب سے یاسین کے بیٹے سلطان کی قیادت میں آئے تھے ۔

سلطان کا بیٹا سانگ "کہلاتا تھا جس کے نام سے قبیلہ مشہور ہے سانگ کا مقبرہ مورو یا مارو کند (MORAOR MARAV KHAND) بولان میں ہے ۔ یہ لوگ جب پہلی مرتبہ تیرہ پشت قبل ہندو باغ سے چلے آئے تو کوئٹہ میں کاسیوں کے گدازئی قبیلہ کے ساتھ لڑ پڑے ، کیونکہ وہ ان کو کوئٹہ میں نہیں چھوڑتے تھے ۔ لہٰذا انہوں نے بولان کی راہ لے لی اور وہاں کرد قبیلہ کے ساتھ جنگ و جدل میں پڑ گئے بہرحال اپنے لیے

قیام و سکونت کی جگہ تلاش کر لی اور اب تک وہیں مقیم ہیں۔

سوپرہ :- اس قبیلہ کی سات شاخیں ہیں۔ شمبادائی (SHAMBADAIS) آدم زئی۔ سومرزئی۔ ذنگ زئی۔ مورائی۔ رودین زئی۔ جارزئی ان میں بعض افغان اور بعض بلوچ ہیں۔ سومرزئی اور جارزئی بہت قدیم زمانہ میں ژوب سے آئے تھے۔ اور ضلع قلات کی مغربی سرحد کے کنارے جس میں کہ گرجینہ اور گردگاب بھی شامل ہیں۔ آباد ہوئے سومرزئی مستونگ اور پڑنگ آباد میں آباد ہوئے۔ شمبادزئی۔ آدم زئی۔ جارزئی اور مورائی سیستان اور افغانستان کے سرحدی علاقہ شوراوک کی طرف چلے گئے اور پھر بعض ان میں سے گرجینہ اور گردگاب کے علاقوں کی طرف واپس لوٹ آئے۔ رودین زئی کا کہنا ہے۔ کہ ہمارے اکیسویں دادا کا نام "عمر" تھا اور وہ درویش کاکڑ تھا۔ ذنگ زئی اور آدم زئی بلوچ ہیں۔[1]

دیوار :- اس قبیلہ کے دو حصے ہیں۔ ایک ان میں قلات میں اور دوسرا مستونگ میں سکونت پذیر ہے اور کھیتی باڑی ان کا پیشہ ہے۔ خصوصاً مستونگ اور پڑنگ آباد کا علاقہ جو ایک دوسرے کے بالمقابل اور قریب ہے ان کی بدولت کافی زرخیز ہے۔ یہ خان قلات کو کسی قسم کا لشکر نہیں دیتے تھے۔ البتہ ماتحت عہدیداران کی حیثیت رکھتے تھے یہ اصلاً اپنے آپ کو تاجک کہتے ہیں۔ اور تمام

۱- ساراوان گزیٹیئر ص ۶۱ ٹائمز پریس بمبئی ۱۹۰۷ء

۲- ساراوان گزیٹیئر ص ۶۴

فارسی زبان بولتے ہیں۔ یہ لوگ خان کے دربار اور انتظامی معاملات میں بھی مقام رکھتے تھے۔

قلات کے دیوار پانچ شاخوں پر مشتمل ہیں۔ دودائی۔ رئیس ٹنگ زلستی۔ علی زئی اور مغل زئی یہ تمام خان قلات کی ملازمت کے بغیر تنخواہ پابند تھے مستونگ۔ پڑنگ آباد اور تیری کی دیوار آٹھ قبیلوں پر مشتمل ہیں۔ خواجہ خیل۔ شیخ۔ سارنگ۔ ہوتی زئی۔ سولائی۔ ابی زئی۔ دادی زئی اور زرخیل۔ دیگر چھوٹے چھوٹے قبیلے جیسے قاضی زئی۔ برلا۔ چاک زئی اور گوہرزئی مستونگ کے دیوار میں شامل ہیں خواجہ خیل کا کہنا ہے۔ کہ ہم شیراز (ایران) سے آئے ہیں۔ دیوار قبیلہ کا اصل سربراہ ۱۹۰۷ء میں ارباب امام بخش تھا یہ مستونگ کی وادی کے تمام دیوار قبیلے کا سربراہ تھا۔ شیخ قبیلے کے ملک عبدالرحمان اور شادی خان کہلاتے تھے۔ شیخ دیوار کی ایک بڑی شاخ ہے یہ اپنے آپ کو دو بھائی شیخ تاغی (TAGHE) یا (TAGI) اور شیخ علی کی اولاد کہتے ہیں۔ علی زئی افغان تھے اور زمیندار (افغانستان) سے آئے تھے۔ اسی طرح سارنگ اپنے آپ کو افغانستان کے اسحاق زئی درانی کہتے ہیں۔ ابی زئی جو ستر سال قبل بادین زئی کی ایک شاخ تھی کا دعویٰ ہے کہ ہمارے دادا عابد خان اور بادین زئی کہلاتے تھے۔ جو نسلاً عرب تھے۔ لیکن ۱۹۰۷ء میں ان کے سربراہ حاجی عبدالرحمان اور رئیس بدل نے دعویٰ کیا کہ ہم زرخیل اور جھالاوان کے زرکزئی خاندان سے ہیں۔ جو ترین افغان ہیں خصوصاً پڑنگ آباد کے "دیوار" جن کی چار شاخیں ہیں۔ یوسف زئی۔ بڈازئی۔ تہوران زئی

اور محمد زئی یہ تمام نسلاً افغان ہیں۔ یوسف زئی اور بڑانزئی کا کہنا ہے کہ ہم پشاور ضلع سے آئے ہیں۔ تھورانزئی کا کہنا کہ ہم ایران سے اور محمد زئی کہتے ہیں کہ ہم قابل سے آئے ہیں[1]

بجاری:۔ جھالاوان گزیٹیر کے صفحہ ۹۹ پر آئین اکبری کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔ کہ بجاری اصلاً الکوزئی افغان ہیں اور ان کا دادا اپنے لوگوں کے ہمراہ افغانستان سے ملاقات کے بجارا کو آئے تھے۔ اور یہاں پر ایک موگال "حیر" کی سرپرستی میں حیری وادی میں آباد ہوئے تھے بعد میں ایک رند بلوچ مرسلی اور جنگل جو جنگلزئی بناہوی قبیلے کا دادا تھا یہاں چلے آئے اور الیکو کے ساتھ حمیر کو بھی مار ڈالا اور اس علاقہ کو آپس میں بانٹ لیا۔ بجاریوں کی خاص خاص شاخیں یہ ہیں۔ بہادر خانزئی۔ بہادین زئی۔ خداشداد زئی اور غلام زئی۔ ان میں ریگسانی کی ایک شاخ "لہرکی" اور لہڑی کی ایک شاخ بہرام زئی بھی شامل ہوئی ہے۔ یہ تمام بجاری سردار کو غم وشادی کے موقع پر رقم جمع کر کے دیتے تھے[2] کچھ بجاری ساراوان میں بھی آباد ہیں۔ خان قلات میر خداداد خان کی فوج میں بجاری لشکر شامل تھا بجاری کے نام سے کوئٹہ کے مشرق میں اب تک ایک گاؤں ہے مگر اب یہ قصبہ کوئٹہ شہر کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ کیونکہ اس سے آگے مشرق کی جانب مری آباد اور نصیر آباد کے نام سے محلے آباد

۱۔ ساراوان گزیٹیر ص ۷، ۱۹۰۶ء

۲۔ جھالاوان گزیٹیر ص ۹۹-۱۰۰ ۱۹۰۶ء

ہو چکے ہیں۔

ساجدی:۔ جھالاوان کے قبائل میں ایک قدیم قبیلہ ساجدی کہلاتا ہے بعض محققین کا کہنا ہے کہ یہ اصلاً سیتی (سیتھین) قبیلہ ہے اور قدیم ساجیتی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ شمال سے سکندر کی فوج میں آئے تھے اور ان کی ایک شاخ جو "ساکے" کہلاتی تھی اور اب ساکیزئی کہلاتی ہے (یہ "ساکا" کہنا چاہیئے) جو یقیناً (سیتھین) ہے اور کیپسن کے سرحدی علاقوں سے آئے ہیں۔ اور جھالاوان کے مغربی علاقہ پر قابض ہیں۔ یہ درحقیقت بلوچ ہیں۔ لیکن جھالاوان کے براہویوں سے رشتے ناطے کئے ہیں۔ یہ لوگ اٹھارہ پشت قبل آئے تھے اور نچگور کے قریب گچک کی وادی میں آباد ہو گئے ان کے قدیم دیہات کے کھنڈرات ہیں جسے ساکا قلات کہتے ہیں۔ اب بھی موجود ہیں یہ بہت قدیم زمانہ میں تین سو افراد پر مشتمل مسلح (SAN) رکھتے تھے (SAN دہ شاخ قبیلے کی طرف سے خان کو دیا جاتا تھا) ان کی گرلیشہ۔ ساجد۔ کودا۔ اور کورک میں زمینیں تھیں۔ آخری تین زمینوں پر ساکائی بطور کرایہ کاشت کرتے تھے۔ اور رقم محمودانی اور احمدجاری زمینداروں کو دیتے تھے۔ ان کے قبیلے کا سربراہ رمیر ساکا ۱۹۰۱ء) کہلاتا تھا (جھالاوان گزیٹیر ص ۹۹ ۱۹۰۶ء) مکران گزیٹیر ص ۱۱۶ پر لکھا گیا ہے کہ "ذکری مذہب کے ماننے والوں کی اکثریت مکران میں تھی۔ جبکہ اب مشکے (جھالاوان علاقہ) بس بیلہ کے ساحل تک براہویوں کی جانب آباد ہیں یہ "دای" (DAI) کہلاتے ہیں۔ اس لفظ کا مادہ (دعا) ہے۔ جو کہ بلوچی زبان میں بمعنی "پیغام" ہے۔ ذکریوں کو

"قرآن دای" کہا جاتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ دائی (DAIS) ساجیتی (SAGETUE) اور ساکی (SAK) تمام سیتھین قبائل ہیں"

مذکورہ بیانات اور روایات سے واضح طور پر عیاں ہے کہ قلات اور جھالاوان میں قدیم زمانہ سے جو قبائل آباد ہیں۔ اور ہزارہا سال سے اب تک قیام رکھتے ہیں ان میں آمو کے اس پار کے تورانی آریائی شامل ہیں۔ جو تورانی سیتی کے نام سے پکارے گئے ہیں ساکا اور تریں کے نام سے بھی یاد کئے گئے ہیں۔ کیونکہ یہ ۲۰۰۰ ق م کے لگ بھگ شمال توران سے جنوب کی جانب چلے آئے تھے اور ۶۰۰ تک تمام بلوچستان میں مسلسل پھیلے رہے جیساکہ مذکورہ بیانات سے واضح ہوا کہ قلات اور جھالاوان میں جو آباد ہوگئے تھے ابتدا میں یہ مقامی لوگوں سے کہتے تھے کہ ہم توران سے آئے ہوئے تریں ہیں۔ لہذا اسکی مناسبت سے قلات اور جھالاوان کا علاقہ ان کے نام سے توران کہلانے لگا دوسری بات جو اس نظریہ کو مزید تقویت پہنچاتی ہے وہ یہ کہ ان قبائل میں "زی" کا لفظ بہت زیادہ استعمال ہوا ہے۔ جبکہ اب بھی مستعمل ہے اور چونکہ خالص پشتو "لفظ" ہے جو بمعنی "بیٹا" کے استعمال ہوتا ہے۔ اور اکثر پشتون قبائل اس کو اپنے نام کے ساتھ بطور نسبت استعمال کرتے ہیں۔ جیسے اچکزئی۔ یوسف زئی۔ الکوزئی۔ پانیزئی۔ اورک زئی۔ نیازی اور اس طرح دیگر بے شمار قبائل۔ پس درایت و روایت اور ہر اعتبار سے ثابت ہے کہ قلات اور جھالاوان کا قدیم نام (توران) تریں سے منسوب تھا۔ جو توران کے آریائی تھے اور چار شاخوں تور، سپین، ترڑ اور لور پر مشتمل تھے اب بھی

پشتونوں میں موجود ہیں اور انہی تورانی آریاؤں کی ایک شاخ وہ بھی ہے، جو ناسر (ناصر) کے نام سے یاد کی جاتی ہے جو اسی طرح تور۔ سپین اور سوُر تین شاخوں پر مشتمل ہیں اور غلجیوں میں شامل ہیں اور اس وقت ایک بڑی تعداد دوکی (ضلع لورالائی) میں آباد و زمینداری اور تجارت میں مصروف ہیں اور خاص طور پر لورالائی کے شہر میں تجارت کرتے ہیں، اور ایک شاخ کچلاغ (کچلاک) کے علاقہ میں کوئٹہ سے تقریباً سولہ میل کے فاصلہ پر شمال میں آباد ہے یہ تور اور سپین ناسر ہیں۔ سوُر ناسر افغانستان کے شکر درہ میں مقیم ہے تور اور سپین ناسر قریبی زمانہ میں افغانستان سے ژوب اور پشین کے علاقہ کو آئے ہیں۔ اکثریت کی آمد کا عرصہ تیس ۳۰ سال سے زائد نہیں ہے۔ یہاں یہ وضاحت کردیں کہ پشتونوں کے حسب و نسب یا نژاد کے بارے میں مورخین کے درمیان اب تک جو اختلافات چلے آرہے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان مورخین نے اس بات کا بہ نظر غائر تجزیہ نہیں کیا ہے کہ تورانی اور آریائی ایک دوسرے سے کیا تعلق رکھتے ہیں اور اس زمانہ میں وحشی اور مہذب لوگوں کے درمیان نژاداً کوئی فرق تھا یا نہیں اور ایران وج اور توران میں کیا فرق تھا ہزارہا سال قبل سیحون اور جیحون کی وادی میں جو لوگ آباد تھے انہیں تورانی بلوچی اور آرین کے نام سے پکارتے رہے اور اسی طرح پشتون کو بھی تورانی اور آرین کہتے رہے اس طرح بعض مورخین اور سیاحوں کا یہ کہنا کہ غلجی نژاداً ترک ہیں۔ اور ترک تورانی ہیں تو اس سے بھی دو مطلب اخذ ہوتے ہیں اول یہ کہ ترکی بھی سیتھین

ہیں۔ یعنی قدیم (حیتی) ہیں۔ یا بعنی دیگر حیتیوں کی ایک شاخ ہے۔ یعنی ترک بھی نژاداً پشتون ہیں۔ کیونکہ حیتیوں کو دار یوش نے اپنے کتبہ نے اپنے کتبہ میں بہ مبادلہ (س) (سیتیوں) کے نام سے پکارا ہے۔ اصلاً یہ وہ لوگ ہیں، جنہیں بعد کے محققین نے ہیاتھہ۔ ھیتال۔ افتال اودال۔ اور ابدالی تبدیل شدہ ناموں سے یاد کیا گیا ہے اور شجرہ نویسوں نے ترین کی شاخ قرار دی ہے۔ لیکن یہاں پر ترکوں اور پشتونوں کے درمیان جو تضاد دیکھا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کی زبان نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ ترک تو علاقے کی نسبت تورانی تھے لیکن نژاداً تورانی آرین نہ تھے البتہ ہو سکتا ہے جب قدیم زمانہ میں حیتیوں نے انقرہ پر قبضہ کر لیا اور وہاں پر ایک نیا شہر "حاتو" کے نام سے آباد کیا جو بعد میں (پتری) اور اب بغاز کوئی" کے نام سے پکارا جاتا ہے، یہ اور ترک گھل مل گئے ہوں لیکن یہ اختلاط پشتونوں کی ایک شاخ سے ہو سکتا ہے۔ جو بنی تنی کہلاتی ہے۔ جو ڈیرہ اسماعیل خان میں بیٹنیوں اور افغانستان میں غلجیوں کے نام سے معروف ہیں اور شجرہ نویس اس کو بیٹ دادا کی اولاد قرار دیتے ہیں۔ دراصل ۱۲۰۰ ق م میں مغربی اناطولیا میں لودیوں اور یونانیوں کے درمیان رہتے تھے جو کہ ان کے عزیز تھے۔ اور ۲۳۰۰ ق م میں سرجون (سرجون قدیم) جو اکاد کی سلطنت کا موسس تھا کی فوجوں میں ان علاقوں کو گئے تھے اور پھر بہت زمانہ بعد پشتو اور ترکی زبانوں کے اختلاط تہذیبی تحولات اور موسمی اثرات کی وجہ سے محققین نے ان پر ترکوں کا گمان کیا۔

اب یہاں ایک نام نہاد تضاد کی وضاحت کرنا لازم ہے اول یہ کہ پشتونوں کے مختلف شجروں میں شرخبون اور خرشبون کے نام سے سڑبن کے دو بیٹے لکھے گئے ہیں۔ اس بارے میں ہم نے اس سے پیشتر مفصل وضاحت کی کہ "رخ" اور "ش" کے مبادلہ سے ایک شخص سے دو اشخاص بن گئے ہیں۔ اور یہ شخص بہت قدیم میں ایک بڑا بادشاہ تھا دوم یہ کہ سڑبن کسی شخص کا نام نہیں تھا ساربان سے بنا ہے جیسے کہ بدا بولیوں کے لئے "کوچی" کا لفظ استعمال ہوتا تھا یا استعمال ہوتا ہے ان تاریخی واقعات سے جن کا ہم نے تفصیل کے ساتھ وضاحت کی ثابت ہوا کہ شرخبون دراصل وہ شخص یا بادشاہ تھا۔ جس نے اپنے کتبے پر یہ عبارت لکھی کہ میری ماں وہ عورت تھی جسے پیدائش کے فوراً بعد فرشتوں نے تبدیل کر دیا تھا اور میں اپنے باپ کے متعلق کوئی علم نہیں رکھتا البتہ میرے باپ کا بھائی پہاڑوں میں رہتا ہے یہ واقعہ خصوصاً (بیٹنی) سے تعلق رکھتا ہے۔ جو غلجی ہیں۔ اور یہ وہ قدیم روایت ہے جو مرور زمانہ کے ساتھ مسخ ہوتے ہوتے جب لاعلم مورخین تک پہنچی تو انہوں نے اس کے ساتھ کچھ من گھڑت باتیں بنا کر (رنگ دے دی) اور پھر فلسفی بنا دیا مورخین نے نہ صرف غلجیوں کے بارے میں ایسے غلط اور نامعقول افسانے بنائے ہیں۔ بلکہ ہر اس پشتون قبیلے کے بارے میں ایسے من گھڑت افسانے بنائے ہیں۔ جن کے بارے میں وہ معلومات نہیں رکھتے تھے۔ مثلاً مندوخیل۔ ناصر، کاسی۔ کرلانی کے بارے میں انہوں نے اکثر ان من گھڑت اور مضحکہ خیز الفاظ کو تاریخی حیثیت دی ہے جو پشتونوں

کے مختلف قبیلوں کے جوان ایک دوسرے سے بطور مذاق کیا کرتے تھے جیسے حزوئی کی وجہ تسمیہ انہوں نے (حز اور دوش) کیا ہے بہرحال شرخبون ایک شخص تھا اور سڑبن کا بیٹا نہیں تھا بلکہ ان پردہ پشتون قبائل سے تھا جو فرات کے کنارے سکونت رکھتے تھے۔ اور سیاہ پہان کے نام سے بھی شہرت رکھتا تھا۔ شرشی کے کتبہ سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ دراصل شرخبون (سرجبان یا شرغون قدیم) وہ شخص تھا جسے ماں نے چوری چھپے سے جنا تھا اور ٹوکری میں موسیٰ علیہ السلام کی طرح فرات کے دریا میں بہا دیا تھا وجہ کیا تھی۔ یہ معلوم نہیں غالباً کسی لڑائی کے دوران باپ مارا گیا اور ماں نے اپنے لخت جگر کو بچانے کے لئے ٹوکری میں ڈال کر دریا برد کر دیا اور بعد میں وہ بھی ماری گئی یا کسی طرف نکل گئی مگر بہر حال یہ قصہ جسے شجرہ نویسوں نے قریب ہی میں سنہ [illegible] کے لگ بھگ غلجی (غلزئی) کے متعلق غلط جامہ پہنایا کوئی تاریخی حیثیت اور حقیقت نہیں رکھتا اور نہ ہی بیٹ یا بیٹنی اس قریبی زمانے کی پیداوار ہے اسی طرح کے غلط تاریخی افسانے اور بھی بہت سے ہیں مثلاً یہ کہ سید محمد گیسو دراز آدل رکھتے ہیں مگر سید محمد گیسو دراز

(دو تھے اوّل سنہ [illegible]ھ میں اور دوم ۸۲۵ھ میں)

پہلے تین شادیاں کی تھیں اس کی ایک بیوی کاکڑ۔ دوم شیرانی اور تیسری کرلانی تھی کاکڑ بیوی سے مشوانی پیدا ہوا شیرانی سے استرانی اور کرلانی سے دو بیٹے پیدا ہوئے جن میں سے ایک کا نام وردگ اور دوسرے کا "ہنی" تھا یعنی وردگ اور "ہنی" کی عمر نو سو سال ہے یعنی اس سے پیشتر ان کا وجود نہیں تھا اور حالت یہ کہ اوستا کے پشتون

یعنی وردگ اور ہنی اور دھکا اور سپیونا یا سپونا ہا کے نام سے یاد ہوتے ہیں۔ جن کا ہم نے اس سے قبل مفصل ذکر کیا۔ اور تفصیل سے اس کی توضیح کی کہ سپیونا سے مراد سن ہے اور ہنی وہ لوگ ہیں۔ جو سپین۔ تور۔ شاملا بور تریں وغیرہ۔ سیف اور شرخ ناسر (ناصر) کے ناموں سے مشہور ہیں۔ گذشتہ تحقیق اور تاریخی حوالات اور بیانات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ پشتون وہ سیتی (SEYTHIAN) ہیں۔ جو شمالی توران میں رہتے تھے۔ افغان محقق احمد علی کہزاد افغانستان کی تاریخ کے جلد اول صفحہ [illegible] پر آریا کے کلمہ کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"اس وقت جب آریہ ہندوکش کی دونوں جانب رہتے تھے تو ان کے سربراہوں نے اپنے لوگوں اور اپنی قوم کا دیگر قوموں اور شاخوں سے امتیاز کے لئے جو ان کی نسل سے نہیں تھے۔ اس بات کو گوارا اور پسند کر لیا کہ اپنے قبائل کے لئے جو اگرچہ زیادہ تھے ایک نام رکھ دے تاکہ دوسروں سے الگ اپنی وحدت برقرار رکھیں۔ اس مقصد کے لئے (آریا) کا نام تجویز ہوا جس کا تمام پر ایک ہی طرح سے اطلاق ہوتا تھا۔ اور آریا کے معنی ہیں نجیب شریف دیانت دار اور عبادت کرنے والے"

اس بیان سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ (آریا) نام زردشت کے دین کی پیدائش کے ساتھ ان لوگوں کے لئے پہلی مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ جنہوں نے زردشت مذہب قبول کر لیا تھا اور نجابت و شرافت اور دیانت کی زندگی اختیار کی تھی یعنی زردشتی دین میں داخل لوگ آرین کہلاتے تھے جو ایمان نہیں لائے اپنے قدیم ناموں پر ہی باقی

رہ گئے ہرچند کے وہ نژادی اور لسانی اعتبار سے ایک تھے ویدوں اور اوستا ہی بھی یہ لوگ آریائی کہلانے لگے اور بعد میں یہی نام کلاسیکی مورخین نے ان کے لئے بطور نسل اور نژاد کے استعمال کیا۔

ویدوں اور اوستا میں بھی وہ لوگ جو مذہبی عقیدہ رکھتے تھے اور وہ لوگ جنہوں نے نہ صرف زرتشتی دین سے انکار کیا بلکہ دین کے ماننے والوں سے اختلاف کی بناء پر جنگیں بھی لڑیں جیسے کہ اس سے قبل ہم نے اسپہ خاندان یعنی ارجت اسپہ اور ویشتاسپہ کی جنگوں کا ذکر کیا۔ چنانچہ وہی لوگ تورانیوں کے قدیم نام کے ساتھ رہ گئے اور اس طرح ان کے درمیان مذہبی اختلاف کے تحت تضاد پیدا ہوا۔ کیونکہ یہ نژاد، زبان اور قدیم ثقافت میں ایک دوسرے کے شریک تھے۔ اسی بناء پر بعد کے زمانے کے مورخین اور محققین ان کی مذہبی اور غیر مذہبی روایات اور تبدیلیوں کی وجہ سے اشتباہ میں پڑ گئے۔ چنانچہ مذہب کے اثر کے تحت جن کی تہذیب و معاشرت بدل گئی اور زبان میں فرق آیا اور منظم حکومتیں قائم کر لیں وہ آرین کے نام سے پکارے جانے لگے اور وہ جو غیر مذہبی قبائلی روایات کے مطابق آوارہ اور پوندہ کی زندگی بسر کرتے تھے یا تو وحشی قبائل کے نام سے پکارے جانے لگے اور یا تورانی کہلائے جانے لگے۔ بقول محقق ہیرلڈ بیم کے کہ آرین کے متعلق اہل فکر میں سخت اختلاف ہے۔ بعض ان کو ہندو یورپین قرار دیتے ہیں اور بعض سفید نسل۔

یہ بات کہ پشتون بنی اسرائیل ہیں۔ اُن تاریخی حقائق اور شواہد سے جن کا ہم نے تاریخی سلسلے کے مطابق ذکر کیا کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ علاوہ اس کے عادات و خصائل کے اعتبار سے بھی یہودیوں اور پشتونوں

میں بڑا فرق ہے۔ مثلاً یہودی سازش اور تخریب کاری میں بڑے ماہر ہیں۔ جبکہ ان کے برعکس پشتون اس معاملہ میں سب سے پیچھے ہیں۔ دوسرا یہ کہ یہودی بہت منظم اور متحدہ قوم ہے۔ جبکہ پشتونوں کی بے اتفاقی ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے تیسرا یہ کہ اسلام سے قبل یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان عداوتوں اور جھگڑوں کا جو لمبا سلسلہ چلا ہے۔ پشتونوں کے عوامی ادب (فوکلور) میں اس کی کوئی مثال یا نشانی نظر نہیں آتی۔ جس سے کہ یہودیت کی بو آتی ہو۔

بہر حال پشتون یا افغان جو ہندوستان میں شیر شاہ سوری کے دور میں پشتہ کی مناسبت سے پٹھان کے نام سے مشہور ہوئے اصلاً وہ قوم ہے جن کو کلاسیکی مورخین نے پہلے ہیتی کے اور پھر بعد میں سیتی کے نام سے پکارا ہے۔ اور پھر انہی سیتین کو محققین نے تورانی کے نام سے بھی پکارا ہے۔ کیونکہ تورانی اور تاتاری (منگول) ایک دوسرے کے قریب رہتے تھے۔ اسی بناء پر بعض مورخین نے تورانیوں پر بھی تاتاریوں کا گمان کیا ہے۔ (اور منگول ترک۔ اور پشتونوں خصوصاً غلجیوں کے تجزیہ کرنے میں ناکام رہے ہیں بہر حال انہی کلاسیکی مورخین اور بعد کے محققین کے بیانات اور وضاحت جو مختلف علاقوں میں دریافت ہوئے ہیں۔ کی بنا پر اس بات میں اب کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا کہ سیتی اور تورانی اصلاً ایک ہیں البتہ تاتاری تورانی نہیں بلکہ منگول ہیں۔ البتہ ترکوں کا ان سے تعلق ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ ترکوں اور ہیتیوں کے درمیان اس وقت ارتباط پیدا ہوا جب ہیتیوں نے موجودہ انقرہ کے آس پاس حکومت قائم کر لی جس کے آثار بغاز کوئی میں ملے ہیں۔

افغان اور یونانی

گزشتہ صفحات میں اس بات کی پوری طرح وضاحت کی گئی کہ ۵۸۶ ق م میں جب بخت نصر نے یہودی قیدیوں کو ماوراء النہر اور خراسان کے علاقوں میں منتشر کر دیا تو اس سے بہت پہلے افغان یا پشتون بڑے بڑے قبائل کی شکل میں پکتیا اور آراکوزیا کے علاقوں میں آباد تھے۔ اور انہی کے ہاتھوں کچھ ہی عرصہ بعد کوروش یعنی سائرس مارا گیا۔ چنانچہ اس واقعے سے بھی افغانوں کو بنی اسرائیل کہنے والوں کا نظریہ خود بخود رد ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جن دوسرے تاریخی حقائق و حالات سے اس نظریئے کی تردید ہوتی ہے وہ یہ ہیں کہ ہیتی، سیتی اور تورانی دراصل وہی لوگ تھے جنہیں بعد میں ھن، ھیاتلہ، اپتالی اور بعد میں ابدالی یا اودالی کے ناموں سے یاد کیا گیا۔

سائرس کی موت کے بعد ۵۲۹ ق م میں اس کا بیٹا کمبوجیہ یا کیمبیز باپ کی جگہ بادشاہ بنا جس نے بعد میں خودکشی کر لی کیونکہ گوماتا نام کے ایک مغ نے کمبوجیہ کے بھائی بردیا کے نام سے بادشاہی کا اعلان کیا تھا۔ اگرچہ کمبوجیہ کے مرنے کے بعد داریوش نے تاج شاہی سر پر رکھ کر ہخامنشی سلطنت کی باگ ڈور سنبھالی لیکن ان واقعات سے سائرس کی قائم کردہ عظیم سلطنت میں انتشار پیدا ہو گیا۔ خصوصاً مشرقی علاقوں میں طوائف الملوکی پھیل گئی۔ مغرب میں لیڈیا اور یونانی مقبوضات میں

بغاوت پھیل گئی۔ اور مشرق میں افغان قبائل نے اپنے اپنے علاقوں میں مقامی طور پر حکومتیں قائم کیں۔ داریوش کافی عرصہ مشرق و مغرب کے لوگوں کے ساتھ دست و گریبان رہا بالآخر ۴۸۶ ق م میں اس کی موت کے بعد جب اس کا بیٹا خشایارشاہ تخت نشین ہوا جسے یونانی اگزرسس کہتے تھے۔ یونانیوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے ایک بڑی فوج بھیج دی اس لڑائی میں یونانیوں کو سخت جانی اور مالی نقصان پہنچا ایرانی فوجوں نے مقدونیہ کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ بعض محققین کہتے ہیں کہ غالباً سکندر اس حملے کا انتقام ایرانیوں سے لینا چاہتا تھا۔ بہرحال خشایارشا کے بعد اردشیر اول سریر آرائے سلطنت ہوا اور ۴۱ سال حکومت کی۔ اس کے شمال میں ولایت اسپہ یا ہشت اسپہ نامی ایک افغان سردار نے بادشاہی کا اعلان کیا۔ اس نے باختر کے مختلف قبائل پر مشتمل ایک طاقتور فوج تیار کی۔ اردشیر اس کی سرکوبی کے لئے ایک بڑی فوج ساتھ باختر کی طرف بڑھا لیکن دو سال کی طویل جنگ کے باوجود کامیاب نہ ہو سکا اس کے کچھ عرصہ بعد اردشیر نے پھر بڑی قوت کے ساتھ باختر پر حملہ کر دیا اگرچہ ہشت اسپہ کے وسائل اردشیر کے مقابلہ میں کم تھے۔ لیکن پھر بھی بڑی پامردی کے ساتھ لڑا اور میدان جنگ میں کام آیا۔ اردشیر اول کے بعد اس کے بیٹے خشایارشا دوم نے صرف ۴۵ دن حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا بھائی "اوکس" (OCHUS) داریوش دوم کے نام سے ۴۲۳ ق م میں اور پھر اردشیر دوم و سوم اور آخر میں داریوش کودومانوس (CODOMANNUS) داریوش سوم کے عنوان سے ۳۳۶ ق م میں تخت نشین ہوا۔ اس زمانہ تک ہخامنشی سلطنت کی

گرفت بہت ڈھیلی ہو چکی تھی۔ بادشاہ بھی نااہل اور کمزور ارادے کا مالک تھا۔ صوبوں کے حاکم جو زیادہ تر شاہی خاندان کے افراد تھے۔ لاپرواہ اور فرائض منصبی سے غافل تھے۔ ہر جگہ عوام کے صبر کا پیالہ لبریز ہو چکا تھا اور ہخامنشی سلطنت سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں تھے۔ جیڈروزیا، آراکوزیا۔ گندھارا، پکتیا، سندھ اور پنجاب تو مکمل طور پر ہخامنشی سلطنت کے اثر و نفوذ سے آزاد ہو چکے تھے ہر جگہ مقامی طور پر آزاد حکومتیں قائم ہو گئی تھیں۔ یہی کیفیت مغرب میں لیڈیوں اور یونانی مقبوضات کی تھی۔ بلکہ وہاں تو ایک نئی طاقت ابھر رہی تھی ۳۳۶ ق م میں شاہ مقدونیہ فلپ دوم کی قتل کے بعد اس کا بیٹا سکندر بیس سال کی عمر میں تخت نشین ہو چکا تھا۔ سکندر ۳۵۶ ق م شہر پلا" میں پیدا ہوا۔ سکندر کی ماں کا نام المپیاس تھا جو مولوس کے بادشاہ (NEOPTOLEME) نیوپٹولم کی بیٹی تھی۔ جو اپنے آپ کو یونان کے افسانوی پہلوان آشیل (ACHILLE) کی نسل سے بتاتا تھا۔ چونکہ مقدونی بادشاہ اپنے آپ کو یونان کے نیم رب النوع ہرکولس کی نسل سے سمجھتے تھے اس لئے سکندر کی نسب اساطیر کی رو سے باپ کی طرف سے ہرکولس اور ماں کی طرف سے آشیل تک پہنچتی تھی۔ کہتے ہیں۔ فلپ کی قتل میں اس کی بیوی المپیاس اور بیٹے سکندر کا ہاتھ تھا بہر حال جب سکندر تخت نشین ہوا تو ابتداء میں عوام اُسے کم عمری کی وجہ سے چنداں اہمیت نہیں دیتے تھے۔ مگر اُس کی ماں بڑی ہوشیار اور دلیر عورت تھی اور سکندر کی صلاحیتوں سے واقف تھی۔ چنانچہ اُس کے مشوروں اور ہدایات پر عمل کرتے ہوئے وہ عوام کے سامنے گیا اور بڑی پُرجوش اور جذباتی تقریریں کیں اور داخلی معاملات سے لوگوں کی توجہ ہٹا کر

ایرانیوں سے بدلہ لینے پر لوگوں کو اُکسایا اور ایک زبردست فوج تیار کر کے ۳۳۴ ق م میں مشرق کی طرف روانہ ہوا۔ ہخامنشی سلطنت اس وقت روبہ زوال تھی۔ داریوش کو جب سکندر کی لشکر کشی کی اطلاع ملی تو ایک طرف داخلی طور پر فوجوں میں اضافہ کرنے لگا اور دوسری طرف یونان سے کچھ کرائے کے سپاہی بھرتی کئے۔ اگرچہ اس نے نفری بہت بڑھائی لیکن سب کے سب جنگجو نہیں تھے۔ چنانچہ سکندر سے مقابلہ کرنے لیڈیا کی طرف فوج بھیج دی۔ گرانیکس کے مقام پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ گرانیکس ایک دریا کا نام ہے جو موجودہ ترکی کے شمال مغرب میں بحیرۂ مارمورا میں گرتا ہے۔ یہ مقابلہ اتنا سخت تھا کہ ایک موقع پر تو سکندر کی جان اُس کے ایک سردار اماکلیتوس نے بچائی۔ دوسری جنگ اسوس کے مقام پر ہوئی اس میں داریوش خود ہی فوجوں کی قیادت کر رہا تھا۔ چونکہ وہ خود ماہر جرنیل نہیں تھا اس لئے بڑی طرح شکست کھائی۔ اُن کا تمام کام کا زر و سامان بطور غنیمت سکندر کے ہاتھ آیا۔ اس کے بعد سکندر نے فینیقیوں کے تجارتی شہر صور پر حملہ کیا چونکہ اس شہر کے لوگوں نے بڑی جرأت اور پامردی کے ساتھ سکندر کا مقابلہ کیا اور کئی بار اُسے شہر فتح کرنے میں ناکامی ہوئی تھی۔ اس لئے ایک بڑے حملے میں شہر کو فتح کرنے کے بعد مردوں کا قتل عام کر کے بچوں عورتوں کو غلام بنا کر نیلام کیا۔ اس کے بعد سکندر نے مصر کا رخ کیا۔ چونکہ مصری ہخامنشی حکومت سے خوش نہیں تھے۔ اس لئے سکندر کا خیر مقدم کیا گیا اور بلا چون و چرا مصر مطیع ہو گیا۔ اب داریوش کو یقین ہو گیا کہ سکندر کا مقابلہ ممکن نہیں اس لئے سکندر سے مصالحت کرنے اور مملکت تقسیم کرنے کا ارادہ کیا یعنی



آفریدی



بڑیچ



ایپ زئی (یوسف زئی)

یہ کہ فرات تک سارے علاقے سکندر کو دے کر نجات حاصل کرے۔ دارایوش کی اس خوف و کمزوری نے سکندر کا حوصلہ اور بھی بڑھا دیا اور اس کی یہ پیشکش مسترد کر دی۔ چنانچہ دارایوش دفاعی تیاری کرنے پر مجبور ہو گیا اور ہر جانب سے فوجیں لا کر بابل میں جمع کر دیں موصل کے قریب گوگا ملاؤ کے میدان میں دونوں فوجوں کے درمیان بہت سخت اور خونریز لڑائی ہوئی، ابتداء میں دارایوش کا پلہ بھاری نظر آتا تھا لیکن سکندر نے جو جنگ کا ماہر بھی تھا اور فطری ذہانت کے ساتھ جوشیلا بھی تھا۔ گھوڑا دوڑاتا ہوا۔ دارایوش تک پہنچ گیا اور ایک چھوٹا نیزہ اس کی طرف پھینکا اگرچہ دارایوش بچ گیا لیکن اس کا گاڑی چلانے والا مارا گیا۔ لوگوں نے گمان کیا کہ دارایوش مارا گیا اس لئے فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ دارایوش بھی خوفزدہ ہو کر بھاگ گیا اور سکندر کو آگے بڑھنے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی یکے بعد دیگرے علاقوں کو فتح کرتا ہوا پرسپولیس پہنچا قید و بند اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا۔ چونکہ اُسے کسی طرف سے کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا اس لئے عیش و عشرت کی محفلوں میں وقت گزارتا رہا۔ عیش و عشرت اور بادہ نوشی کی ایک رات ایتھنز کی ایک خوبصورت عورت تائیس نے سکندر سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو خشایار شاہ کے محل کو اپنے ہاتھوں سے آگ لگا دوں۔ کیونکہ یہ اس بادشاہ کا محل ہے جس نے ایتھنز کے "ایک شہر (اکروپلس) کو جلا دیا تھا۔ سکندر نے اپنے ہاتھ سے ایک مشعل جلا کر تائیس کے ہاتھ میں دیا اور پھر گود میں اٹھا کر محل میں گھومتا رہا اور وہ آگ لگاتی جاتی تھی۔ اُدھر محل میں آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے اِدھر سکندر اور محفل کے شرکاء

دوسرے جرنیل اور افسران نشے میں بہت شور و غل اور شغلوں کا تماشہ کر رہے تھے۔ اس کے بعد سکندر داریوش کی تلاش میں روانہ ہوا۔ اس وقت باختر کا والی بسوس تھا جو ہخامنشیوں کا سب سے خطرناک دشمن تھا۔ چنانچہ اس نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے سیستان اور آراکوزیا کے حکمران بارسائنتس اور شاہی گارڈ کے جرنیل نابار زانس کو ساتھ ملا کر پچاس برس کی عمر میں جولائی ۳۳۰ ق م میں داریوش کو قتل کر کے ہخامنشی سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور پھر سکندر کے مقابلے کے لئے تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ بسوس نے باختر میں بادشاہی کا اعلان کیا اور صلاح و مشورے کے بعد ساتی بار زانس ہرات چلا گیا اور بارزائنتس سیستان آیا۔ مقصد یہ تھا کہ باختر کے علاوہ ہرات اور سیستان میں بھی سکندر کے مقابلے کے لئے قوت جمع کی جائے۔

سکندر نے جب بسوس کی بادشاہی کا اعلان سُنا تو فوری طور پر باختر کی طرف روانہ ہوا جب وہ سوزیا یعنی موجودہ طوس جو کہ اس وقت ہرات کی ولایت میں شامل تھا پہنچا تو ہرات کا والی ساتی بارزانس مطلقاً خیر مقدم کے لئے آگے بڑھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اکیلا سکندر کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سکندر نے اُسے اپنے منصب پر چھوڑ دیا اور ایک یونانی فوجی افسر اناکیپ (ANAXIPPO) کو چالیس تیر انداز کے ساتھ اس لئے وہاں چھوڑ دیا کہ پیچھے سے آنے والے مقدونی فوجوں کی جنگ سے ہرات کی ولایت محفوظ رہے۔ لیکن جب سکندر باختر کی طرف روانہ ہوا اور ہرات سے کافی دور چلا گیا تو ساتی بارزانس نے اناکیپ اور اس کے دوسرے چالیس فوجیوں کو قتل کر دیا تاکہ سکندر کو اس کے آئندہ عزائم کا پتہ نہ لگ سکے اور پھر اس

ارادے سے کہ جب سکندر بسوس کے ساتھ دست و گریبان ہو تو یہ
عقب سے سکندر پر حملہ کر دے۔ چنانچہ ساتی بارزانس نے آس پاس
کے قبائل کو جمع کیا اور وہ تمام راستے بند کر دیئے جن سے فارس کی طرف
سے سکندر کو کوئی فوجی کمک پہنچ سکتی تھی۔ لیکن سکندر کو باختر تک پہنچنے
سے پہلے ان واقعات کا علم ہو گیا اور انتہائی پریشانی کے عالم میں واپس
مڑا۔ شب و روز سفر کرتے ہوئے ہرات آیا لیکن ساتی بارزانس اپنے
ساتھیوں سمیت کسی دوسری طرف نکل گیا۔ اور سکندر نے ہرات پر قبضہ
کر لیا۔ چونکہ سکندر کو ساتی بارزانس کی طرف سے اطمینان نہیں تھا اس
کا خیال تھا کہ غالباً ساتی بارزانس سیستان کے والی بارزانتس کے
پاس چلا گیا ہے۔ چنانچہ ہرات میں امن و امان بحال کرنے کے فوراً بعد
سیستان کی طرف فوجوں کو مارچ کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ بارزانتس
(BAPSENTES) میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ مقابلہ کر سکے لہٰذا وہ بھی
اپنے ساتھیوں سمیت سیستان سے چلا گیا۔ اور سکندر نے سیستان کے مرکز
جو غالباً موجودہ ... فراہ تھا پر قبضہ کر لیا۔ اس شہر میں فیلوتاس کا المناک
واقعہ پیش آیا۔ یہ اکتوبر ۳۳۰ ق م کی بات ہے کہ سکندر نے اپنے ایک ایسے
جری اور ماہر جرنیل فیلوتاس کو قتل کر دیا جو جرأت اور جنگی مہارت
میں اس سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اس قتل کی ایک وجہ یہ تھی کہ فیلوتاس اپنی شجاعت
اور جنگی مہارت کی بنا پر فوجیوں میں ہر دلعزیز تھا جسے خود سکندر پسند نہیں
کرتا تھا اور دوسری وجہ اسی بنا پر دوسرے جرنیلوں کا حسد تھا۔ جو ہر وقت
اس کے خلاف سکندر کو بھڑکاتے تھے۔ سکندر فتوحات کا تمام کریڈٹ
خود لینا چاہتا تھا۔ فیلوتاس کا باپ پارمینیو بھی سکندر کے باپ کے نامور

جرنیلوں میں سے تھا۔ یونان کا مشہور تاریخ نگار پلوٹارک (۴۶ء ۔ ۱۲۰ء)
کہتا ہے کہ پارمینیو سکندر کے پرانے مشیروں میں سے ایک تھا جو اُسے
ایشیا پر حملہ کرنے کی ترغیب دیتا تھا۔ پارمینیو کے تین جوان بیٹے بھی
فوج میں شامل تھے۔ سب سے چھوٹا بیٹا ہکتور (HECTOR) دریائے
نیل سے فوج کے ساتھ گزرتے ہوئے دریا میں غرق ہو گیا۔ اسی طرح نکانور
بھی ہلاک ہو گیا اور سب سے بڑا بیٹا فیلوتاس تھا جسے سکندر نے خود
قتل کر دیا۔ بلکہ سکندر نے تو پارمینیو کو بھی معاف نہیں کیا وہ ہمدان میں
ایک بڑے لشکر اور خزانے کے ساتھ تھا سکندر نے خفیہ طور پر اُسے
بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا گویا سارے خاندان کا بلا کسی قصور کے خاتمہ
کر دیا البتہ قصور اگر کوئی تھا تو وہ یہ کہ وفادار اور لائق لوگ تھے سکندر
چاہتا تھا کہ فیلوتاس کے تمام قریبی ساتھیوں کو بھی قتل کر دیں۔ لیکن فوجی
عدالت نے انہیں بری کر دیا۔ مگر تھوڑے ہی دنوں بعد شاہی گارڈ
کا کمانڈر دیمتریوس فراہ کا بکرا بنایا گیا۔ اس کے بعد سکندر مشرق
کی جانب ہیرمند دریا (مستونگ سے بحیرہ عرب تک کا بلوچ علاقہ) کی
طرف بڑھا اُسے راستے میں یورگیتی (EURGETAE) کے نام سے ایک
قبیلہ ملا ان کے سردار کا نام تیر بدانس (TIRIDATES) یا تیری داس
تھا یاد رہے کہ غزنی سے قندھار کی طرف سولہ میل کے فاصلے پر ایک مقام
کا نام یرگتو ہے۔ لیکن یہ مقام ہیرمند دریا سے بہت دور فراہ کے قریباً مشرق
میں واقع ہے ہو سکتا ہے کہ یہ قبیلہ بعد میں وہاں چلا گیا ہو بہر حال
یورگیتی نام کا قبیلہ نہ افغانوں میں ہے نہ بلوچوں میں غالباً کوئی اور نام
تھا جو یونانی زبان میں بگڑ گیا ہے۔ جہاں تک ہیرمند دریا سے منسلک ہونے

کی بات ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ قبیلہ دریائے ہلمند کے جنوب میں کسی جگہ آباد تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سکندر کی فوج کا ایک حصہ دزاد سے نیمروز ہوتے ہوئے چاغی نوشکی کے راستے شالکوٹ (کوئٹہ) کی وادی میں داخل ہو گیا تھا۔ کیونکہ یہی علاقے ھیدرودبا سے متصل تھے۔ چونکہ یہ لوگ ھیدرودبا کے قریب آباد تھے اور سکندر ان کے علاقے پر سے گزرتے ہوئے کندھار چلا گیا تھا۔ لہٰذا ابطلیوس نے آساکوتس کے نام سے جس دریا کا ذکر کیا ہے وہ غالباً وہ دریا ہے۔ جسے آج کل پشین لوہڑہ کہتے ہیں اور جس کا کوئی منبع نہیں ہے بلکہ برساتی ندی نالیوں سے بنتا ہے اور درۂ بولان کے دھانے سے شروع ہو کر جنوب سے شمال کی طرف بہتا ہے۔ یعنی کوئٹہ سے پشین اور پھر مغرب کی طرف شوراوک سے گزرتے ہوئے حاموں میں گرتا ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں شالکوٹ (کوئٹہ) کی وادی بہت سرسبز و زرخیز تھی۔ آس پاس کے بلند و بالا پہاڑوں پر گھنے جنگلات موجود تھے برفباری زیادہ ہوتی تھی۔ اس لئے اس دریا میں ہر وقت کافی پانی بہتا تھا۔ بلکہ برسات میں تو سیلابوں کی وجہ سے پانی کی مقدار بہت بڑھ جاتی تھی۔ اگرچہ سر پرسی سائیکس اس مقام کو ہلمند کے ڈیلٹا میں اس وجہ سے سمجھتا ہے کہ انسانی آبادی کا مرکز آب اور زرخیز علاقہ ہونا چاہیئے یہاں اس سے اتفاق ہے کہ ہلمند کے آس پاس افغان قبائل رہتے تھے۔ بلکہ ہرات تک پھیلے ہوئے تھے۔ جن میں بلوچ اور بڑیچ قبائل شامل تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی کوئٹہ اور پشین کی وادی میں بھی مختلف قبائل آباد تھے جن میں کند، ژمند اور کاسی شامل تھے۔ کیونکہ یہ وادی بھی خوب آباد تھی۔ کلاسیکی مورخین نے یورگیتوں کے علاقے کو اگریاسپا (ARIASRAE

یا آریاسپا (ARIASPAE) یا آریاسواس ARYASWAS بھی کہا ہے اور اس علاقہ کو سیستان کے حصوں میں سے ایک حصہ بتایا ہے۔ بہرحال سکندر جب شالکوٹ پہنچا تو اسے اطلاع ملی کہ ساتی بارزانس نے پھر ہرات پر حملہ کر دیا ہے۔ اور وہاں یونانیوں کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ یہ سن کر سکندر سخت برہم ہوا اور فوری طور پر چھ سو اسوار اور چھ ہزار پیادوں پر مشتمل ایک لشکر کارانس اور دیکیس کی قیادت میں ہرات روانہ کر دیا اور چند مہینے نتائج کے انتظار میں شالکوٹ میں مقیم رہا اور اسی دوران اس نے وادی کے وسط میں ایک بڑا قلعہ بنایا۔ جو بعد میں میران قلات کی مناسبت سے "میری" کے نام سے مشہور رہا آج تک یونانی فوجوں کی یاد دلاتا ہے۔ ایک بڑی گول خندق کھودی گئی اور مٹی ایک ڈھیر کی شکل میں درمیان میں جمع کر دی گئی۔ بعد کے زمانوں میں اسے میران قلات نے استعمال کیا اور انگریزی دور میں بطور آرسنل ڈپو فوجی مقاصد کے لئے استعمال ہوتا رہا اب بھی دفاعی مقاصد کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔ اس کے اندر انگریزوں نے ۱۹۱۸ء دمری جنگ کے ایک بہادر مری کا مجسمہ بھی بنایا تھا۔ اور بانی ناتھ کے نام سے ایک مندر بھی اس میں موجود ہے۔ برصغیر کی تقسیم سے پہلے کوئٹہ کے ہندو خاص تہواروں کے مواقع پر پوجا کرنے جایا کرتے تھے۔ الغرض سکندر کو اس دوران اطلاع ملی کہ ساتی بارزانس کی مدد کے لئے باختر کے بادشاہ بسوس نے دو ہزار بہادر جوانوں پر مشتمل ایک لشکر بھیج دیا ہے اس لئے ہرات میں یونانیوں کی حالت مخدوش ہو گئی ہے۔ سکندر بہت مضطرب ہوا اور اپنی فوج سے ایک اور بڑا لشکر الگ کر کے ہرات کی طرف ارتبازس (ARTABAZ

اور ایری ژیوس (ERIGYOS) اور کارنس (CARANOS)
کی قیادت میں ہرات بھیج دیا۔ ادھر پارتھیا[1] کے حکمران "فراتا فرزن"
کو جو سکندر کا مطیع تھا حکم بھیجا کہ اپنی تمام فوجوں کے ساتھ یونانی
فوجوں سے مل کر ساتی بارزانس کے خلاف جنگ میں شریک ہو جائے۔ یاد
رہے کہ پارتیا والوں پہلوا بھی کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ وہی سیتھین یا
تورانی قبائل تھے، جنہوں نے یونانیوں کے بعد اسکانی سلطنت کے
نام سے ایک بڑی پارتی سلطنت قائم کی۔ ان کا کچھ تذکرہ پہلے بھی کیا گیا
بعد میں بھی کیا جائے گا۔ بہرحال ساتی بارزانس جو ایک مقامی بہادر اور
وطن پرست سردار تھا اور اس کا لشکر افغانوں اور بلوچوں پر مشتمل
تھا ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ برسرِ آزما ہوا اگرچہ افغان اور
بلوچ یونانی فوجوں کے مقابلے میں بہت ہی کم تھے اور ان کے وسائل
بھی ظاہر ہے۔ محدود ہوں گے لیکن بڑی جوانمردی سے لڑے اور ساتی
بارزانس نے بڑی شجاعت کے ساتھ وطن کے ننگ و ناموس پر جان
قربان کر دی۔ اگرچہ یونانیوں نے اس کے اپنے ہی قوم یعنی پارتیا والوں
کی مدد سے ساتی بارزانس پر فتح حاصل کر لی لیکن اُسے سر جھکانے پر مجبور نہ کر سکے
سکندر اس طرف سے بے فکر ہو گیا تو اُس نے باختر کے والی بسوس کے خلاف جنگ
کی تیاری شروع کی۔ پہلے درہ گوگی کے قبائل کو تابع کیا پھر وہاں سے ہوتے
ہوئے آراکوزیا میں داخل ہوا۔ درہ گوگی شالکوٹ یعنی موجودہ کوئٹہ

(۱) اس وقت پارتیا کا علاقہ بحیرہ خزر کے جنوب مشرقی علاقوں جن میں عشق آباد، دماوند، مرو اور مشہد شامل تھے پر مشتمل تھا

(QUITTA) کے شمال مشرق میں قریباً ۵۰ میل پر زیارت روڈ کے
مغرب میں واقع ہے۔ دراصل یہ درہ نہیں ہے۔ کیونکہ آگے کو پہاڑوں کے
ملنے کی وجہ سے بند ہے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں جبکہ زیارت
کا نام نہیں تھا۔ زیارت تک جانے والے درّے کو درہ گوگی کہتے تھے۔ یا
یونانیوں نے تمام درے کو درہ گوگی سمجھا۔ اس درّے میں بھی پانی بہتا ہے
کیونکہ ان پہاڑوں پر اس وقت بھی اور آج بھی زیادہ برف باری ہوتی ہے۔
بہرحال سکندر کی فوجوں کا ایک حصہ اس راستے سے گزرا ہوگا اور یہاں کے
رہنے والوں کو مطیع کیا ہوگا کیونکہ سکندر یہاں سے مشرق کی طرف گیا تھا اور
شالکوٹ سے مشرق کی جانب صرف یہی زیارت کا راستہ ہے کیونکہ دوسرا
راستہ نہیں ہے۔ البتہ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ درہ گوگی کے لوگ کون تھے
بہرحال سکندر پشین کے راستے جو کہ آراکوزیا کا ایک حصہ تھا۔ صوبہ قندھار
میں داخل ہوا اور یہاں سے غزنی کے راستے ہوتے ہوئے کابل پہنچا۔ سکندر
سے کابل تک قبائل نے بار بار سکندر کی فوجوں پر حملے کئے۔ لیکن یہ حملے
اس لئے مفید ثابت نہ ہو سکے کہ نہ تو یہ منظم حملے تھے اور نہ اجتماعی شکل
رکھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قبائل منتشر حالت میں ایک دوسرے سے دُور
دُور رہتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سکندر فراہ سے اپریل یا مئی ۳۲۹ ق م
میں شالکوٹ آیا تھا۔ اور غالباً اگست یا ستمبر میں آراکوزیا روانہ ہوا
تھا۔ کیونکہ اسی موسم میں یہاں خندق کھودنا اور قلعہ بنانا ممکن تھا کیونکہ
نومبر سے مارچ تک یہاں کا موسم سرد ہوتا ہے اور برسات و برف باری
کی وجہ سے مٹی کا کام نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں فیلوتاس کا واقعہ اکتوبر
۳۳۰ ق م میں فراہ میں پیش آیا تھا غالباً سکندر نومبر ۳۳۰ سے مارچ

یا اپریل ۳۲۹ ق م تک فراہ ہی میں مقیم رہا اور پھر مئی میں شمال کو لوٹ آیا اور جولائی یا اگست میں کندھار میں داخل ہوا اور پھر راستے میں قبائل کے ساتھ لڑتے لڑتے نومبر ۳۲۹ ق م میں کابل پہنچا اور یہاں سے باختر کے والی بسوس پر چڑھائی کرنے کے لئے تیاری کرنے لگا۔ چونکہ سکندر مختلف مفتوحہ علاقوں میں کچھ نہ کچھ فوج چھوڑ جاتا تھا۔ اس لئے جب کابل پہنچا تو اس وقت اس کے پاس ستر ہزار فوج رہ گئی تھی جو کہ باختر پر چڑھائی کے لئے کافی تھی۔ لیکن پھر بھی اسے ہندوکش کے جنوبی اور شمالی علاقوں کو فتح کرنے میں کم و بیش دو سال کا عرصہ لگا لیکن یہ فتح بھی کوئی خاص کامیاب نہیں تھی۔ کیونکہ اس کے پاس کوئی خاص انتظامیہ تو تھی نہیں کہ مفتوحہ علاقے کو قابو میں رکھ سکے۔ چنانچہ جب اس کی فوج دوسری طرف جاتی تھی تو پیچھے لوگ پھر باغی ہو جاتے تھے۔ اور دوبارہ وہاں لشکر بھیجنا پڑتا تھا۔ یہ اس کے لئے ایک بہت بڑی مصیبت تھی۔ اسی وجہ سے اس کے تیس ہزار فوجیوں نے تنگ آ کر واپس وطن جانے کا مطالبہ کیا۔ چونکہ سکندر نے باختر فتح کر لیا تھا۔ اور وہاں کے والی بسوس کو گرفتار کر کے ہمدان بھیج دیا تھا۔ جہاں وہ اس کے حکم کے مطابق قتل کیا گیا۔ لیکن تنگ آمدہ تیس ہزار یونانی سپاہیوں کو وطن بھیج دیا اور ان کی جگہ تیس ہزار افغان اپنی فوج میں بھرتی کر کے مارچ ۳۲۷ ق م میں ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ اور اپنے ایک جنرل امین تاس کو دس ہزار فوج کے ساتھ باختر میں چھوڑ دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باختر سے واپسی پر ہندوستان کی طرف جاتے ہوئے سکندر نے مفتوحہ علاقوں میں چھوڑے ہوئے فوجیوں سے بھی کچھ حصے اپنی فوج میں ملا لیے

تھے۔ کیونکہ جلال آباد میں اس کی فوجوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار پیدل اور پندرہ ہزار سواروں تک پہنچ چکی تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ ان میں مقامی لوگوں کی تعداد ستر ہزار کے قریب تھی۔ اس وقت اٹک سے لے کر جلال آباد تک اور سوات سے لے کر کافرستان (موجودہ ژوب اور لورالائی) تک کسی متحد اور منظم حکومت کا وجود نہیں تھا ہر ایک قبیلہ آزاد اور مشترکہ روایات کے تحت زندگی گزارتا تھا بلکہ اکثریت پاوندوں اور کوچیوں پر مشتمل تھی۔ جو مالدار تھے اور موسموں کے مطابق شمال سے جنوب اور جنوب سے شمال کی طرف حرکت ہی میں رہتے تھے۔ البتہ ٹیکسلا میں آمبی یا امفس OMPHIS نام کا ایک راجا حکومت کرتا تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی ریاست تھی جو ہر وقت پنجاب کے راجا پورس سے دبی اور خطرے میں رہتی تھی۔ چنانچہ سکندر جب جلال آباد پہنچا تو اس نے راجا امبی کے پاس ایلچی بھیجے تاکہ اطاعت قبول کرے آمبی نے جو پورس سے سخت خطرہ محسوس کر رہا تھا اسے ایک غیبی امداد سمجھا سکندر کے ایلچیوں کی بڑی آؤ بھگت کی۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ اس نے ایک سفارت سکندر کے پاس بھیجی اور بعض کہتے ہیں کہ خود سکندر کے پاس گیا اور اس کی خدمت میں پچیس ہاتھیوں کا تحفہ پیش کیا۔ مورخین کہتے ہیں کہ یہ ملاقات ڈینکانیا کے مقام پر ہوئی تھی۔ لیکن صحیح طور پر ڈینکانیا کی نشاندہی نہیں کی ہے کہ کونسا مقام تھا بہر حال سکندر کی خوشنودی اس نے حاصل کی اور وہ اپنی ریاست پر قائم رہ گیا۔ اس وقت سکندر کو اطلاع ملی کہ آس پاس کے پہاڑی علاقوں میں بڑے بڑے اور سرکش قبائل رہتے ہیں جو کہ کسی کی اطاعت نہ کرتے ہیں نہ ملتے ہیں۔

چونکہ سکندر کو آرا کوزیا میں تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لئے دوبارہ کسی قسم کا
مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے اُس نے ان قبائل کو
بلنے کا قصد کیا اور دریائے کونڑ کے کنارے کنارے آگے بڑھا چونکہ
قبائل کو سکندر کی آمد کی اطلاع ہو گئی تھی اس لئے وُہ بھی جنگ کے لئے
آمادہ ہو گئے تھے۔ لیکن ان کی جنگ منظم نہیں تھی۔ اچانک حملے کرتے
تھے اور پہاڑوں میں چھپ جاتے تھے۔ یونانی فوج انہیں تلاش کرنے
میں ٹکڑیوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ اس طرح انہیں اور بھی نقصان اٹھانا
پڑتا تھا چنانچہ ایک اچانک حملے میں سکندر کا اپنا بازو بھی زخمی ہو گیا
اور اُس کے دو فوجی افسر بطلیموس اور لیونا توس بھی زخمی ہو گئے۔ اس
سے سکندر اتنا برافروختہ ہو گیا کہ تمام گرفتار شدہ قبائلیوں کو تہ
تیغ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد سکندر کے خلاف گندھارا (موجودہ
سرحدی صوبہ) کے تمام قبائل نے جنگ کرنے کا قصد کیا اور تقریباً
دو سال تک سکندر ان کے ساتھ مار دھاڑ میں مصروف رہا اس دوران
اُسے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا وہ کبھی سوات میں کبھی دیر میں کبھی
باجوڑ میں تو کبھی خیبر میں لڑتے لڑتے سخت بیزار اور مایوس ہو
گیا ادھر اس کی فوجوں میں بد دلی پھیل گئی۔ آخر اپنا بھرم رکھنے کے لئے
فوجوں کو اکٹھا کر کے ٹیکسلا کی طرف روانہ ہوا اور ٹیکسلا کے راجا آمبھی
کی تشویق پر اُس نے پنجاب کے راجا پورس پر چڑھائی کرنے کی تیاری
کی ٹیکسلا کے راجا آمبھی نے پانچ ہزار سپاہی امداد کے لئے پیش کر
دیے۔ سکندر مئی ۳۲۶ ق م میں جہلم کے کنارے پہنچا ایک مہینہ
حملے کی تیاری کرتا رہا۔ اس دوران پورس کی فوجیں مقابلے کے لئے

وہیں پہنچی تھی البتہ اس کا لڑکا دو ہزار سپاہ کے ساتھ جہلم کے اُس
پار مقیم تھا۔ جولائی کی ایک رات جب بارش ہو رہی تھی۔ سکندر نے
خاموشی کے ساتھ دریا پار کیا اگرچہ پورس کے بیٹے نے بڑی جانفروشی
سے انہیں روکنے کی کوشش کی اور بڑی دلیری سے لڑا لیکن میدان جنگ
میں مارا گیا جب پورس کو اس کی اطلاع ملی تو ایک زبردست فوج کے
ساتھ مقابلے پر آیا چونکہ یونانی فوج کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس لئے
شکست کھا کر گرفتار ہوا۔ جب سکندر کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو سکندر
نے پورس سے پوچھا بولو تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے پورس نے
جواب دیا جو سلوک بادشاہوں کے ساتھ مناسب ہوتا ہے۔ سکندر اس
کے اس جواب سے بہت خوش ہوا اور اُسے اس کی ریاست واپس دے
کر اپنا دوست بنایا۔ اس کے بعد سکندر ستلج تک آگے گیا اور بزور شمشیر
لوگوں کو مطیع بناتا رہا۔ دریائے راوی سے گزرتے وقت لوگوں
نے اس کا مقابلہ کیا جس کے نتیجے میں اُس نے سترہ ہزار ہندی قتل کئے
اور ستر ہزار گرفتار کئے۔ بیاس کے کنارے اُس کی فوج نے آگے
چلنے سے انکار کیا سکندر غم و غصے کی وجہ سے تین دن تک اپنے
خیمے سے باہر نہیں آیا آخر چوتھے دن نکل کر فوجوں کو واپس یونان جانے
کا حکم دے دیا اور فوجوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ایک حصہ کریٹرس
کی قیادت میں مریضوں اور زخمیوں کے ساتھ کندھار اور سیستان کے
راستے بھیجا۔ بارہ ہزار سپاہیوں اور دو ہزار ملاحوں کا ایک حصہ
اپنے بحری بیڑے کے ساتھ جو ایک سو بحری جہازوں پر مشتمل تھا۔ دریا کے
راستے بھیج دیا اور باقی فوج لے کر خود انڈس کے ساتھ ساتھ روانہ

ہوا ملتان کے قریب اُس پر اچانک ایک زبردست حملہ ہوا جس میں سکندر بھی زخمی ہوگیا۔ یونانی فوج نے انتقامی جذبے کے تحت عورتوں بچوں اور بوڑھوں تک کو معاف نہیں کیا جو بھی ملتا تھا اس کا سر قلم کر دیا جاتا تھا غرض کہ حیدرآباد سندھ تک پہنچتے پہنچتے تقریباً اسی ہزار افراد قتل کیے گئے بہر حال وہ کراچی کے ساحل کے ساتھ ساتھ بلوچستان کے راستے ایران اور وہاں سے بابل پہنچا۔ ایران میں وہ ملیریا کی بخار میں مبتلا ہوگیا اور ۱۳ جون سنہ ۳۲۳ ق م میں اسی بیماری سے ۳۲ سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔

سکندر کی موت کے بعد اس کے سرداروں کے درمیان اقتدار کی خونریز جنگیں ہوئیں۔ اس دوران سکندر کی بیوی رخسانہ کا بیٹا پیدا ہوا۔ ایک سردار پردیکاس اس کی پرورش اس نیت سے کرنے لگا تاکہ سلطنت پر قابض ہو جائے اس غرض سے اس نے مصر پر حملہ کیا۔ لیکن مارا گیا۔ اس واقعے کے بعد داخلی انتشار اور بڑھ گیا۔ جو جہاں حاکم (گورنر) تھا اُس نے وہاں خود مختار بادشاہی کا اعلان کیا انتی گونس نے بابل پر قبضہ کر لیا۔ (کاسندر) نے جو یونان کا حاکم تھا سکندر کی ماں اولمپیاس کو پیدنا (PYDNA) نام ایک جگہ میں قید کر دیا اور بعد میں سنگسار کر دیا گیا۔ بطلیموس نے مصر میں بطلیموسی خاندان کی بنیاد رکھی جو سنہ ۳۰ ق م تک قائم رہی۔ اس خاندان کی آخری حکمران کلوپیٹرہ تھی۔ انتی گونس کے خاندان نے یونان میں ۳۰۶ ق م سے سنہ ۱۶۸ ء تک حکومت کی سیلوکس نے شام، ایران اور افغانستان پر اپنا جھنڈا لہرایا چونکہ مصر کے بطلیموس دوئم اور شام کے سلوسی بادشاہوں کے درمیان لڑائی جھگڑے شروع ہوگئے اس لیے باختر کے حکمران دیودوتس کو موقع ملا اور بادشاہی

کا اعلان کر دیا۔ سمرقند و بخارا کو بھی کر کے اپنے قلمرو میں شامل کر لیا سکندر کے جانے کے بعد سندھ پنجاب اور گندھارا میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اُس کے تمام مقبوضات مقامی حاکموں کے ہاتھوں میں تقریباً آزاد حیثیت اختیار کر گئے کیونکہ سکندر کے جانے کے فوراً بعد اُس کے ہندی مقبوضات کے والی فیلپوس PHILIPPOS کو سنہ ۳۲۶ ق م میں اُس کے یونانی فوجیوں نے قتل کر دیا۔ اگرچہ سنہ ۳۲۲ ق م میں سکندر نے دیموس کو اُس کی جگہ مقرر کیا۔ لیکن انتشار حد سے بڑھ گیا اور چندر گپت کو ان علاقوں پر تسلط قائم کرنے کا موقع مل گیا۔

چندر گپت کا اصل نام سانڈروکٹس تھا۔ اگرچہ وہ پہلا شخص تھا: جس نے برصغیر کی تمام اکائیوں یعنی ریاستوں کو یکجا کر کے ہندوستان کے نام سے ایک عظیم سلطنت قائم کی لیکن اس کی زندگی کے ابتدائی حالات اور حسب و نسب اچھی طرح واضح نہیں ہے بعض اُسے پنجابی کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ گنگا کا باشندہ تھا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ "موریا ناگارا" "MORIYANAGARA" شہر کا باشندہ تھا جو ہمالیہ کے ایک درّے میں واقع ہے اُس کے نسب کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ ہندوؤں کے نچلے طبقے شودر سے تعلق رکھتا تھا اور کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ راجا نندا کی ایک بیوی مورا یا مورا کا بیٹا تھا اور اسی وجہ سے اسے موریا کہتے ہیں۔ بہر حال ساناکیا — CANAKYA نام ایک برہمن کی امداد و تعاون سے سکندر کی موت سے چھ سال بعد وہ مگدھا (موجودہ بہار) کا بادشاہ بنا اور اُس برہمن کو اپنا وزیر بنایا اس وقت تک پنجاب اور گندھارا یونانی حاکموں کے تصرف

ہیں تھے۔ یعنی پورس اور ٹیکسلا کے آمبھی یونانی حاکموں کے ساتھ مل کر حکومت کرتے تھے۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ فیلپوس کو قتل کے بعد سکندر نے اودیموس کو ہندی مفتوحات کا والی مقرر کیا تھا۔ چنانچہ اس نے آتے ہی پہلے تو ٹیکسلا کے والی آمبھی کے اختیارات محدود کر دیے اور پھر ظالمانہ طریقے سے اُسے قتل کر دیا اس کی موت سے مقامی باشندوں میں یونانیوں کے خلاف سخت نفرت پھیل گئی اور انہوں نے چندر گپت کے ساتھ ساز باز کر کے اور ساتھ مل کر پنجاب میں یونانی حکومت کا خاتمہ کر دیا اس طرح چندر گپت نے پنجاب پہ قبضہ کر کے گنگا سے انڈس تک ایک بڑی سلطنت قائم کر لی اور اپنا پایہ تخت پتالی پوترا (موجودہ پٹنہ) منتقل قائم کر دیا۔

ولسن کیمبرج ہسٹری آف انڈیا اور ونسنٹ سمتھ اپنی کتاب "اشوکا" میں لکھتا ہے کہ چندر گپت نندا کی حکومت میں سپہ سالار تھا اور ایک باہمن (برہمن) کی تحریک پر بادشاہ کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا اور گنگا سے انڈس تک ایک بڑی سلطنت قائم کر لی۔ چونکہ یونانی جرنیل اقتدار کی ہوس میں آپس میں دست و گریبان تھے۔ اس لئے چندر گپت نے یکے بعد دیگرے جنوبی ہندوکش کے تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ جب یونانی بادشاہ سلوکس (نکوڈر) کو چندر گپت کی فتوحات کی اطلاع ملی تو سب سے پہلے اپنے یونانی مخالف یعنی بابل کے حکمران انتی گونس پر چڑھائی کر کے مصر کی طرف بھگا دیا اور پھر مطمئن ہو کر ۳۱۱ ق م میں شمال مشرق کی طرف بڑھتے ہوئے باختر پہ قبضہ کر لیا اور پھر چونکہ وہ چندر گپت سے لڑنے کے لیے ۳۰۵ ق م میں پنجاب کی طرف روانہ ہوا تھا۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ وہ پانچ سال تک آریانا میں مصروف رہا

اور یہ بعید از قیاس بھی نہیں کیونکہ خود سکندر کو بھی آریانا میں کم از کم چار سال مصروف ہونا پڑا تھا، بہر حال ۳۰۵ ق م میں وہ اس قابل ہوا کہ کابل اور پشاور سے ہوتے ہوئے اٹک تک پہنچ جائے، ادھر چندر گپت نے بھی اپنے مغربی سرحدوں اور انڈس کے مشرقی کنارے فوجیں صف آرا کیں۔ اس جنگ کے بارے میں محققین میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جنگ بالکل نہیں ہوئی۔ بلکہ شام کے سلوسی یونانی بادشاہ نے پانچ سو ہاتھیوں کے بدلے مغربی پنجاب آریانا کا مشرقی حصہ کابل، آرا کوزیا، وادی کندہار، جدروزیا چندر گپت کو دے دیئے اور بعض کہتے ہیں کہ انڈس کے اس پار زبردست جنگ ہوئی۔ جس میں سلوکس جس کا لقب نکوڈر تھا صلح کرنے پر مجبور ہوا یعنی جن علاقوں پر چندر گپت نے قبضہ کیا تھا اُن سے دستبردار ہو گیا۔ بہر حال ان دونوں کے درمیان نہ صرف صلح ہو گئی بلکہ سلوکس نے اپنی بیٹی چندر گپت کے نکاح میں دیدی اور اس طرح دونوں میں دوستی کے علاوہ رشتہ بھی قائم ہو گیا اور اس طرح چندر گپت ہندوکش کے تمام جنوبی علاقوں پہ قابض ہوا اور صرف ہندوکش کے شمالی علاقے سلوسیوں کے پاس رہ گئے۔ اس دوستی اور رشتہ کے بعد سلوسیوں اور ہندیوں کے درمیان تجارت اور آمدورفت کا راستہ صاف ہو گیا اور دونوں حکومتوں کے درمیان متقابل احترام کی بنیاد پہ تعلقات قائم ہو گئے سلوکس نے اپنا ایک جرنیل میگاستھنیز (MEGASTHENES) سفیر بنا کر چندر گپت کے دربار "پتالی پترا" بھیجا۔ میگاستھنیز ایک قابل اور موثق آدمی تھا اس نے ہندوستان میں اپنی سفارت کے دوران ہندوؤں کی طرز زندگی، عادات و اخلاق، جنگی طور طریقوں اور تعمیرات کے بارے میں

ایک کتاب لکھی مگر افسوس ہے کہ وہ کتاب گم ہو گئی البتہ اُس کے کچھ حوالے سٹرابو اور یونان کے دوسرے کلاسیکی مورخوں کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ ان کے مطابق چندرگپت کی فوج دس لاکھ تیس ہزار افراد پر مشتمل تھی جن میں تیس ہزار گھوڑا سوار اور نو ہزار فیل سوار شامل تھے۔ ان میں چار لاکھ مرکز کے ہی کیمپ میں تھے اور باقی مختلف علاقوں میں تعینات تھی۔ اس کے علاوہ ریزرو (محفوظ) فوج کی بھی ایک تعداد تھی۔ جو امن کے دنوں میں ملکی کام کاج کرتے تھے اور جنگ کے دنوں میں فوج کے ساتھ شامل ہو جاتے تھے۔ ہندوستان کی تاریخ میں چندر گپت پہلا شخص تھا جس نے اتنی بڑی فوج بنائی اور ہندوکش سے لیکر خلیج بنگال تک ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھی۔

چندرگپت کی موت ۲۹۷ ق م کے بعد اُس کا بیٹا بندوسار تخت نشین ہوا۔ بلا اختلاف اس نے ۲۷۲ ق م تک ۲۵ سال حکومت کی اس نے بھی شام کے سلوکس نکوتر کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھے اور جب سلوکس اس کے دور میں ۷۸ سال کی عمر میں (۲۸۰ ق م) میں مر گیا اور اُس کا بیٹا انتوکس سوتر ANTUCHOSSOTER بادشاہ بنا تو اُس نے بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے موریا حکومت سے اپنے دوستانہ تعلقات بحال رکھے اور غالباً ۲۹۸ ق م میں دیماکوس DCIMACHOG کو سفیر بنا کر پاٹلی پتر بھیجا۔ بندوسار کے بعد اُس کا بیٹا اشوک غالباً ۲۷۳ ق م کے آخر میں تخت نشین ہوا اور تقریباً چالیس سال حکومت کی۔ اس نے دکن سے لیکر میسور تک اور بنگال سے ہندوکش تک سلطنت کو وسعت دی۔ کہتے ہیں کہ اشوک جوانی میں بڑا مغرور اور

ظالم تھا باپ کی زندگی میں چند سال ٹیکسلا کا گورنر اور پھر اجین میں نائب السلطنت رہا اور اسی دوران میں ٹیکسلا کا صوبہ بھی اس کے ماتحت تھا۔ اس کی سلطنت کے ابتدائی ایام سخت گیری اور خونریزی میں گزر گئے اس کی تخت نشینی کے تیرھویں سال ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے اُس کے سیاسی نظریات اور اعتقادات میں زبردست انقلاب آیا یہ واقعہ خلیج بنگال کے ساحل پہ کلنگا کی خونریز لڑائی میں ایک لاکھ انسانوں کے قتل اور ڈیڑھ لاکھ کے گرفتار کرنے کے نتیجے میں پیش آیا اگرچہ اُس نے اوڑیسہ اور مدراس فتح کر لئے لیکن وہ لاکھوں انسانوں کی بربادی کو بچشم خود دیکھ کر سخت متاثر ہوا اور اُس کے دل میں جنگ وجدل اور قتل قتال سے شدید نفرت پیدا ہو گئی چنانچہ اشوک نے اس تاریخ کے بعد بدھ مذہب قبول کر کے امن وامان اور انسانیت کی بھلائی کو اپنا نصب العین بنایا۔ یہ واقعہ غالباً ۲۶۰ ق م کا ہے۔ اس کے بعد اس کی سلطنت میں امن وسلامتی اور خوشحالی کا دور شروع ہوا اور خود اشوک نے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک تارک الدنیا راہب کی شکل اختیار کی اور شب و روز عوام کی بھلائی کے لئے کام کرتا رہا۔ اور ساتھ ساتھ بدھ مت کے فلسفے کو پھیلانے میں کوشاں رہا وہ نہ صرف انسانوں کی بہبود کے لئے کام کرتا تھا بلکہ حیوانات کا بھی پوری طرح خیال رکھتا تھا۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا کہ بدھ کے زمانہ میں اختلاف ہے۔ بعض ایسے بھی ہیں جو بدھ کو ایک افسانوی شخصیت سمجھتے ہیں لیکن اکثر محققین یہ کہتے ہیں کہ اساطیر اور افسانوں نے اُس کی شخصیت کو اسقدر

گھیر لیا ہے کہ ان میں اُس کی اصل شکل کی پہچان مشکل ہو گئی ہے لیکن محققین کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اس کی زندگی اور فلسفے کو آسان سمجھتے ہیں۔ اس طبقے کا کہنا ہے کہ بدھ اصل میں کھشتری یا KASHTRIYA تھا اور ساکیا (SAKYA) قبیلے کا شہزادہ تھا۔ سیلون کے مورخین کے نظریات کے مطابق بدھ سنہ ۶۲۳ ق م میں اور عام نظریات کے مطابق سنہ ۵۶۳ ق م میں لاراستو کے شہر نیپال میں پیدا ہوا اگرچہ وہ شہزادہ تھا۔ لیکن اُس کا مزاج فقیرانہ تھا اور شاہانہ زندگی کو پسند نہیں کرتا تھا۔ آخر ۲۹ سال کی عمر میں گھربار چھوڑ گیا یعنی جنوبی بہار آیا اور یاجا گارا کے آس پاس گوتم کے نام سے گوشۂ تنہائی اختیار کر لی۔ چھ سال کی ریاضت کے بعد ایک رات جسے اُس کے پیروکار "روشنی کی رات" کہتے ہیں۔ بدھ گایا BODHGAYA نام کے ایک مقام پر اُسے نروان حاصل ہوا یعنی جس چیز کی تلاش میں تھا اُسے پا لیا۔ یعنی اسی رات وہ بدھا ہو گیا۔ یہ اسم سنسکرت کے بدھ کے فعل سے مشتق ہے اس کے معنی ہے "وہ جو بیدار ہوا اور علم سے منور ہوا۔ اس کے بعد گوتم بدھ نے گنگا کے علاقے میں تبلیغ شروع کی۔ بدھ اسّی سال کی عمر تک فوت ہوا۔

بدھ ازم کوئی باضابطہ دین نہیں تھا وہ ایک سیدھا سادہ فلسفہ پیش کرتا تھا اور وہ تھا "درد اور اُس کا علاج" وہ اپنے پیروکاروں کو کہتا تھا کہ دنیا کی پیدائش اور بناوٹ میں فکر مت کرو کیونکہ اس میں وقت کے ضیاع کے علاوہ کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا صرف اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرو کہ درد کیا ہے اور اُس کا علاج کیا ہے"۔ بدھ کی موت کے سال پاجاگرہ PAJAGARA میں اساطیری روایات کے مطابق ایک محفل منعقد ہوئی

جس میں بدھ کے تین خاص مریدوں انانندا (ANANDA) یو پالی UPALI اور کاسیاپا (KACYAPA) نے اس کے اقوال جمع کر کے تری پی تاکا (TRIPITAKA) یعنی پھولوں کی تین ٹوکریوں کے نام سے مذہبی قوانین کا ایک مجموعہ مرتب کیا۔

بدھ مذہب قبول کرنے کے بعد اشوک نے ۲۵۴ ق م میں اس مذہب کے پھیلانے اور ترویج دینے کے لئے ایک مذہبی ادارہ یا وزارت قائم کی جس کا کام شاہی شکار منع کرنا اور عیش و نشاط کی زندگی سے لوگوں کو روکنا تھا اور اس کے علاوہ جو سب سے بڑا کام اُس نے کیا وہ یہ تھا کہ اس سال پالی پترا (پٹنہ) میں خود بادشاہ کی قیادت اور ایک بڑے عالم "موگالی پوتا تیسا" کی رہنمائی میں ایک بڑا اجلاس ہوا جس میں مذہبی قوانین کی ترتیب و تنظیم کے علاوہ یہ فیصلہ بھی ہوا کہ ہندوستان کے تمام علاقوں میں بدھ کی تعلیمات پھیلانے کے ساتھ ساتھ مغربی ایشیا، مشرقی یورپ اور شمالی افریقہ کو بھی مبلغین تیار کر کے بھیجے جائیں۔ اس مہم میں اشوک نے اپنے بیٹے اور بیٹی کو بھی شامل کر کے سیلون بھیجا۔ یہ مبلغین اشوک کے فرمان پتھر کے سلوں (کتبوں) پر لکھ کر ساتھ لے جاتے تھے۔ انہی فرمانوں میں پانچواں فرمان وہ تھا جو اُس نے گندھارا بھیجا تھا اور مبلغ کا نام مجھان تیکا MAJJHANTIKA یا مدھیان تیکا (MADH—YANTIKA) تھا۔ اس کے علاوہ دو اور مبلغین مارا کیتا اور دھارا کیتا خراسان کے راستے پہلے کو مغربی ملکوں اور دوسرے کو یونانیوں کے پاس بھیجا تھا۔ بہرحال اس وقت تک ڈیوڈوٹس نے باختری بادشاہی کا اعلان نہیں کیا تھا کیونکہ اشوک کے فرمانوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ آثار و واقعات سے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اشوک کے دور میں بدھ مت ہندوکش کے جنوبی علاقوں خصوصاً گندھارا اور کابل پھیل گیا تھا اور ادھر کشمیر تک۔ البتہ ہندوکش کے شمالی علاقوں میں اس مذہب کو کوئی قبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ الغرض اشوک نے اپنی سلطنت میں جس کے حدود جدروزیا (بلوچستان) سے لے کر نیپال اور کشمیر سے لے کر مدورا تک پھیلی ہوئی تھی۔ بدھ مت کو پھیلانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ۲۳۲ ق م تک اشوک کی موت کے بعد اس کی سلطنت متحد نہ رہ سکی سب سے پہلے ہمسایہ صوبے کلنگا اور آندھرا آزاد ہو گئے۔ آندھرا کے لوگ جو دراصل دراوڑ تھے، چندر گپت کے زمانہ میں ان کا علاقہ فتح کیا گیا تھا۔

جیسا کہ بتایا کہ سکندر کی موت کے بعد اس کی عظیم سلطنت چار حصوں میں تقسیم ہو گئی جن میں تمام مشرقی علاقے پنجاب تک سلوکس کے حصے میں آئیں اور اس کے بعد سوائے ہندوکش کے شمالی علاقوں کے پنجاب سے لے کر ہندوکش کے جنوبی [illegible] جن میں جدروزیا (بلوچستان) بھی شامل تھا۔ موریا حکمرانوں کے تصرف میں چلے گئے۔ اس وقت سلوکس کے بیٹے انیتوکوش نے ایک یونانی النسل باثر شخصیت دیودوتس کو باختر اور سغدیان کا گورنر مقرر کیا تھا جس نے ۲۵۰ ق م میں خودمختاری کا اعلان کر کے یونانی باختری سلطنت کی بنیاد رکھی اور ہندوکش کے شمالی علاقوں کو یونانیوں کے تسلط سے آزاد کرا لیا چونکہ وہ باختر کی فضا میں پیدا ہوا تھا اس لئے اپنے آپ کو یونانی کے بجائے باختری ہی کہتا تھا۔ بلکہ اس نے یونانی اثرات کو مٹانے کے لئے تمام یونانی حکام کو اعلیٰ عہدوں سے برطرف یا گرفتار کر کے ان کی جگہ مقامی لوگوں کو مقرر کیا۔ چنانچہ بقول جوسٹن باختر

کے لوگوں نے اسے نجات دہندہ کا لقب دیا۔ رونے گروسے لکھتا ہے کہ سکندر کی سلطنت کی تقسیم کے وقت بعض صوبے سلوسیوں کی تسلط سے آزاد ہو گئے اور ۲۵۰ ق م میں باختر کے حکمران دیودوت نے خودمختاری کا اعلان کر دیا۔[1]

پارتی ارساسی یا اشک کے بارے میں گزشتہ صفحات میں بتایا گیا کہ وہ اصلاً اسکائی یا اسکوزئی قبائل میں سے تھا اور بلخ سے پارتیا آ کر یہاں کے والی دیرو گردس کو قتل کر کے گرگان پر قبضہ کر لیا۔ بقول مورخ یونیپوس اشک کو سات آدمیوں نے تخت پر بٹھایا۔

جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ اشک نے داہی قبیلے کی مدد سے پارتیا میں بادشاہت قائم کی تھی۔ اس بات سے یہ اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ جن سات آدمیوں نے اسے بادشاہ بنایا دراصل وہ سارے افغان قبائل تھے۔ جن میں داہی اور پرنی بھی شامل تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ اشک داہی قبیلے سے تھا یہ بات قرین عقل اس لئے معلوم نہیں ہوتی کہ اگر وہ داہی قبیلے میں سے ہوتا تو ایک تو بلخ سے اس کے آنے کی بات مشکوک ہو جاتی اور دوسرے یہ کہ داہی قبیلے کی طرف سے اس کے ساتھ تعاون والی بات کی بھی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ وہ خود جب داہی تھا تو دوسروں کو اس کی مدد کرنی چاہیئے تھی۔ علاوہ ازیں جیسا کہ یہ بات مانی گئی ہے کہ داہی دراصل کاکڑ ہیں اور کاکڑ اس زمانہ میں بلکہ بہت پہلے سے پاکتیا میں سکونت پذیر تھے۔ بہرحال اشک نے جس کا اصل پشتو

---

(۱) تاریخ مشرق اقصیٰ جلد اول ص ۵۳

زبان میں "ارشک ہے" اشکانی سلطنت کی بنیاد رکھی اور تمام افغان قبائل اُس کے گرد جمع ہو گئے، یہ غالباً سات قبائل تھے جن میں اشکوزی جو اُس کا اپنا قبیلہ تھا کے علاوہ داہی، پرنی، ترین، غلجی، برڑیچ اور بلوچ شامل تھے کیونکہ ان علاقوں میں جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے قبائل سکونت پذیر تھے۔ بہرحال اشک کے بادشاہ ہونے کے بعد سلوکیوں کے خلاف باختر اور پارتیا کے درمیان اتحاد قائم رہا۔ اشک کے بعد اس کا بھائی تری داتس اشک دوم کے نام سے بادشاہ بنا اس کے دور میں بھی باختر کے ساتھ تعلقات دوستانہ رہے اور دونوں نے مل کر سلوکیوں کو شکست دی۔ تری داتس کے بعد ۱۷۰-۱۹۸ء قم میں اُس کا بیٹا ارتبان اشک سوئم کے نام سے تخت نشین ہوا۔ اُس نے ہمدان پر بھی قبضہ کر کے پارتیا میں شامل کیا۔ اس کے بعد ۱۷۶-۱۹۸ء قم تک اس کے بیٹے فری یاتس نے اشک چہارم کے نام سے حکومت کی۔ یہ باختر کے ایوتیدم دمتریوس یونانی النسل بادشاہوں کا ہم عصر تھا۔ اس کے دور میں باختر والوں نے تراگزیان اور تپوریا کے صوبے یعنی وادی اترک اور کشف رود پارتیا سے الگ کر لئے۔ فری یاتس کے بعد اُس کا بھائی فرہاتس بادشاہ بنا۔ اس نے کوئی خاص کارنامہ نہیں دکھایا۔ ۱۲۳ء قم میں میترداتس اول (مہرداد) تخت نشین ہوا۔ اس نے تراگزیان اور تپوریا کے علاقے جو ایتدم کے دور میں پارتیا سے الگ کئے گئے تھے واپس لے لئے۔ اس وقت شام کی سلوسی حکومت رومیوں کے ساتھ مسلسل لڑائیوں کی وجہ سے تھک چکی تھی اور اُدھر باختر کا حکمران ایوکراتید جیسا کہ بعض کہتے ہیں۔ پنجاب میں مصروف تھا چنانچہ میترداتس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے

اپنی مملکت کو وسعت دی۔ اس دوران ایوکراتید باختر میں قتل کیا گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا ہیلیوکلس بادشاہ بن گیا لیکن بہت جلد شمال کی طرف سے اسکائیوں کا ایک زبردست ہجوم باختر پر ٹوٹ پڑا اور ہیلیوکلس کو ہندوکش کے جنوب کی طرف دھکیل دیا اس دوران میترداتس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آراکوزیا کے راستے شمال میں کابل اور جنوب میں جیڈروزیا کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اگرچہ اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ وہ وادی سندھ تک بھی پہنچا۔ البتہ بقول ونسنٹ سمتھ دوسری صدی عیسوی کے وسط میں جبکہ اشوک کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی ساکا قبائل جن میں بعض دوسرے بیرونی عناصر بھی شامل تھے سندھ اور سوراشٹر (موجودہ کاٹھیاواڑ گجرات) کے وسیع علاقوں میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ جن میں شمال مغربی علاقے کے وہ یونانی النسل ایشیائی بھی شامل تھے۔ جو سکندر کی فتوحات کے بعد حکمران خاندانوں کی شکل میں یہاں رہ گئے تھے۔ بہرحال ۸۶ء قم میں میترداتس جسے مہرداد اول بھی کہتے ہیں کے بعد اس کے جانشین فرہاتس دوم اور ارتبان دوم شام کے سلوسیوں (یا سلوکیوں) کے ساتھ اپنی آزادی کے لئے نبرد آزما رہے دوسری طرف ہندوکش کے جنوب میں اسکائیوں سے بھاگے ہوئے باختری یونانی اپنی قوت جمع کر رہے تھے اُدھر باختر جس پر اسکائیوں نے قبضہ کر لیا تھا سے بھی ان کو خطرات درپیش تھے گویا وہ تین اطراف سے گھیرے میں تھے بعض محققین کہتے ہیں کہ پارتیا والوں نے باختر کے اسکائیوں سے جو دراصل انہی کے رشتہ دار تھے مدد مانگی تھی لیکن جوسٹن کہتا ہے کہ ان کے درمیان لڑائیاں ہوئیں اور فرہاتس اسکائیوں کے ہاتھوں اور ارتبان تخاریوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ چنانچہ ۵۱ء قم میں مہرداد دوم نے اسکائیوں کو پارتیا

یاد رہے کہ اُس وقت پارتیا سے مراد مغربی افغانستان شمالی ایران اور بحر خزر کے مشرقی علاقے تھے۔ ان میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے بڑی سخت جنگیں لڑیں۔ آخر کار اسکائی قبائل ہری رود کی وادی سے گزرتے ہوئے ہلمند اور ہامون کے علاقوں میں آباد ہو گئے اور انہی کے نام سے یہ علاقہ ساکستان یا سیستان یا سجستان مشہور ہو گیا چونکہ ان علاقوں میں پہلے سے پارتی یا پختی قبائل آباد تھے۔ پہلے ان کے درمیان چپقلش رہی لیکن بعد میں آپس میں گھل مل گئے۔ لیکن پارتیا کا پایۂ تخت جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا دجلہ کے کنارے منتقل ہو گیا تو سیستان اور آراکوزیا کے دوسرے علاقوں پر اُن کا اثر و نفوذ جو پہلے بھی نہ ہونے کے برابر تھا بالکل ختم ہو گیا اور یہاں کے قبائلی سرداروں نے اپنے اندر اتحاد اور اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے صلاح و مشورے شروع کر دیئے اور بالآخر [illegible] ق م میں ایک اسکائی سردار موئسس کو متفقہ طور پر بادشاہ بنایا گیا۔ لیکن ٹیکسلا میں دریافت شدہ تانبے کی ایک کتاب کی تحریر میں شاہ "موکا دستر" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ مشہور مورخ ونسنٹ سمتھ کہتا ہے کہ موئسس پارتی سرداروں میں سے تھا جو ونونس کا معاصر اور [illegible] ق م میں مغربی پنجاب میں سلطنت کی بنیاد رکھی۔ چونکہ موئسس نے سکے بنانے کے سلسلے میں گندھارا کے یونانی بادشاہوں کی تقلید کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس نے کابل سے ٹیکسلا تک بھی حکومت کی ہے کیونکہ گندھارا تک باختری یونانیوں نے ایک طویل عرصے تک حکومت کی تھی۔ چنانچہ جس قسم کے سکے وہ بناتے تھے بعد کے پارتی یا اسکائی حکمرانوں نے بھی اُن کی تقلید کی۔ فرانسیسی محقق والہ ورپوسن اپنی کتاب [illegible]

ہیرو، یونانی بستی، پارتی اور ریلوچی زمانہ میں) صفحہ ۲۶ پر لکھتا ہے کہ مشرقی پنجاب میں یونانی اور باختری حکومتوں کے امیروں کا اثر و نفوذ موئسس کے ہاتھوں اختتام کو پہنچا۔ پروفیسر ولسن نے موئسس کے دور کے سات قسم کے سکے پہچان لئے تھے لیکن اس کے بعد کپتان کننگھم نے دو قسم کے اور سکے بھی دریافت کر لئے۔ موزگان نے مشرقی مسکوکات کے رسالے کے جلد دوئم میں صفحہ ۳۷۴ پر سات قسم کے معروف سکے جزئیات کے ساتھ یونانی اور خروشتی تحریروں میں بتائے ہیں اور دو قسم کے سکوں کی تصویریں جن میں ایک مربع دوسرا گول ہے بھی بتائی ہیں۔ وائٹ ہیڈ (WHITEHEAD) نے لاہور کے پنجاب میوزیم کے مسکوکات کے کیٹلاگ میں ان کے ۳۵ سکوں کی شرح لکھی ہے۔ یہ سکے چاندی اور تانبے کے ہیں۔

اس کے بعد اُس کے جانشینوں ازس AZES اور ازلیسز AZILISES نے بھی سکے ضرب کرنے میں اس کی تقلید کی جو کہ یونانی باختری حکمرانوں کی تقلید میں بنائے گئے تھے۔ چونکہ ازس کے مسکوکات بہت زیادہ ہیں۔ اس لیے بعض محققین کہتے ہیں کہ ازس دو تھے ایک ازس اوّل اور دوسرا ازس دوئم اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں ہمعصر تھے ایک ارغنداب اور آراکوزیا (گندھارا) کی وادی میں پہلوا خاندان کے (اسپالریزس) کی جانب سے نائب السلطنت تھا اور دوسرا وہ ہے جو موئسس کے بعد مشرقی پنجاب اور گندھارا پر حکومت کرتا تھا۔ موزگان سوالیہ انداز میں ازلیسز کو ازس اوّل کا بیٹا سمجھتا ہے اور اُس کی حکومت کا زمانہ ۴۰ ق م سے ۴۵ ق م تک بتاتا ہے۔ ریپسن لکھتا ہے کہ مسکوکات کی شہادت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ازلیسز اس سے پہلے کہ خود مختار بادشاہ کے نام سے پہچانا جائے ازس نام

ایک آدمی کے ساتھ مملکت کے کاروبار میں شریک تھا چونکہ بادشاہی کے اعلان سے پہلے اس کا نام سکوں پر پچھلی طرف لکھا ہے اور بادشاہ بننے کے بعد اگلی طرف لکھا ہے، پس ہو سکتا ہے کہ پہلا (ازس) باپ ہو اور دوسرا بیٹا ہو۔ ان کے علاوہ ایسے سکے بھی ملے ہیں۔ جن پر آگے کی طرف یونانی رسم الخط میں (ازدسس) یعنی ازس کی جگہ (ازیلیزدس) لکھا گیا ہے اور سکے کے پیچھے خروشٹی رسم الخط میں (ایاسا) یعنی ازس کے بدلے (ائی لی سا) یعنی ازیلیزس بڑا بادشاہ بتایا گیا ہے۔

اس بات کی وضاحت پہلے بھی کی گئی کہ اسکائی اور پارتی دونوں سیتھی قبائل تھے اور اشک (جسے پشتو لہجہ میں "اکھک" کہتے ہیں) بلخ سے پارتیا آیا تھا اور پارتیا آریانا (افغانستان) کا انتہائی مغربی صوبہ تھا جس میں بحر خزر کے مشرقی علاقے اترک۔ طوس اور نیشاپور شامل تھے۔ بقول کرسٹین سین اشکانیوں کی مجلس شوریٰ چھ خاندانوں پر مشتمل تھی اور بقول مورخ یوناپوس (EUNAPIUS) اشک کو سات آدمیوں کے جرگے نے بادشاہ بنایا بقول محقق احمد علی کہزاد پارتی اصل میں باختر کے بخی یا پختون قبائل میں سے ایک قبیلہ تھا۔ اریان کہتا ہے کہ اشک نے پارتیا کے حکمران فرکلس کو قتل کر کے شام کے یونانی سلوسیوں کے خلاف علم بلند کر دیا۔ یاد رہے کہ پارت کا نام ہیروڈوٹس کی تحریروں اور دارپوش کے نوشتوں میں بھی نمایاں طور پر ایک صوبے کی حیثیت سے ملتا ہے اور پارتی وہ قوم تھی جو ۲۰۰۰ ق م کی مہاجرت میں اس علاقے میں وارد ہوئی تھی اور انہی کے نام سے یہ علاقہ پارتیا کے نام

۱۔ لاہور اور آکسفورڈ میوزیم میں مسکوکات کی کتاب ۱۳۲۲

سے مشہور ہوا) چنانچہ پہلی صدی قبل مسیح میں اشکانیوں نے اپنی مملکت کے حدود آرمینیا اور بغداد تک بڑھا دیے اور بغداد کے جنوب میں دریائے دجلہ کے کنارے شہر طیسفون کو اپنا پائے تخت بنایا چونکہ ان کی تمام تر توجہ مغرب کی طرف ہو گئی خصوصاً رومیوں کے ساتھ نبرد آزما ہوئے۔ اس لئے عملاً ان کا رشتہ مشرقی علاقوں خاص طور پر آراکوزیا کے پارتیوں سے کٹ گیا اور ان علاقوں میں اس وقت تک طوائف الملوکی جیسی حالت رہی تا آنکہ ۷۵ ق م میں ایک اسکائی سردار موئسس کی قیادت میں اسکائیوں اور پارتیوں نے مل کر ایک نئی حکومت بنا ڈالی۔ گزشتہ صفحات میں یہ بتایا گیا کہ سائرس داریوش اور پھر سکندر کے زمانوں میں لودی۔ دوتانی۔ سوری اور بیٹنی قبائل جو دراصل سیتی قبائل تھے اور قدیم زمانوں میں جیتیوں کے نام سے مشہور ہوئے تھے۔ بحر خزر کے مشرقی علاقوں میں جسے بعد میں پارتیا کہا گیا وارد ہوئے تھے چنانچہ یہی لوگ تھے جو بعد میں اسکائیوں کے ساتھ مل گئے اور ہرات سے لے کر گندھارا تک بلکہ بقول ونسنٹ سمتھ مغربی پنجاب تک حکومت قائم کی جسے مورخین نے سیستان کے پہلوا خاندان کا نام دیا ہے۔ ونسنٹ سمتھ کہتا ہے کہ موئسس پارتی تھا اور ۱۲۰ ق م میں اس نے مغربی پنجاب میں سلطنت کی بنیاد رکھی لیکن مسکوکات کی رو سے مشہور فرانسیسی محقق مورگان جو سکوں کا ماہر تھا موئسس کے زمانہ میں متردد تھا۔

بہرحال جیسا کہ کہا گیا کہ اسکائی اور پارتی جب متحد ہو گئے تو اس کے بعد بعض مورخین نے انہیں سیت اور پارت کا نام دیا اور بعض انہیں پہلوا کہنے لگے۔ پہلوا کہنے کی وجہ یہ تھی کہ آرمینیا کے لوگ پارتیوں کو پہل کہتے تھے مگر محققین نے یہ نام سیستان، ہلمند اور آراکوزیا کے پارتیوں کے لئے اس وقت

سے استعمال کرنا شروع کیا جب حکومت پارت کا مرکز طیسفون کی طرف منتقل ہوگیا اور ان علاقوں کے پارتیوں نے تازہ آئے ہوئے اسکائیوں کے اشتراک سے ایک نئی حکومت کی بنیاد رکھی اور سرزمین ہند میں فتوحات کی وجہ سے مدققین نے ان کو ہندو سیت اور ہندو پارت کا نام بھی دیا ہے۔ اور بعض نے ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے یعنی ایک حصہ ونونس کے جانشین اور اخلاف اور دوسرا گندوفارس کے جانشین اور اخلاف اور بعض نے ان کے یہ دو اخلاف ہندو پارت یا پہلوا بادشاہوں کے حلقے میں شامل کئے ہیں اور بعض نے ہندو سیت یا اسکائیوں میں شمار کئے ہیں۔ اور بعض نے سب کو ایک ہی قوم قرار دیا ہے اور ایک ہی حکمران خاندان بتایا ہے جیسا کہ موسیو سیلون کہتا ہے کہ اگر ان کے بادشاہوں کے ناموں پر غور کیا جائے تو ونونس۔ ازسس ازیلیزس۔ گندوفارس۔ پاکورس اور ایسے دوسرے تمام کی شکل اور بناوٹ پارتی ہے اور نام ایسے رکھے گئے ہیں جن سے اُن کے ہم نژاد بادشاہ کے ساتھ رشتہ اور ارتباط واضح طور پر معلوم ہوتا ہے[1]۔

الغرض اسکائی اور پہلوا (پارتی) کی سیاسی حاکمیت اور نشوونما کا مرکز سیستان اور آراکوزیا تھا جس میں دوتانی، بیٹنی - لودی - سوری - بڑیچ - بلوچ، ترین کاکڑ اور دوسرے قبائل رہتے تھے یاد رہے کہ افغانوں کے شجرہ انساب میں ترین ابدال (حیتال افتالی) کا بھائی ہے۔ جسے پشتو لہجہ میں اودال کہتے ہیں اور اشکوزئی یا اچکزئی اس کی ایک شاخ ہے اور یہ قبیلہ جو کوزبار اور شالکوٹ کے درمیان قدیم زمانہ سے آباد ہے اپنے کو اٹک نیکہ زیکہ

---

(1) LINDE CIVILISATRICE پیرس ۱۹۲۲

پشتو زبان میں دادا یا جد اعلیٰ کو کہتے ہیں) سے منسوب کرتے ہیں جن کی قبر چمن شہر کے مشرق میں قریباً تیس ۳۰ میل کے فاصلے پر دوبندی کے مقام پر ایک پہاڑ کے اوپر بتلاتے ہیں۔ کرسٹن سین جس کا حوالہ پہلے بھی دیا گیا کہتا ہے کہ ہندوسیت (پارتی اور اسکائی) جس زبان میں باتیں کرتے تھے اس کی نمائندگی آج کل کی افغانی پشتو کرتی ہے۔

بعض مدققین آفریدیوں کو بھی پارتیوں میں شامل کرتے ہیں بلکہ لفظ آفریدی جو پشتو میں اپریدی ہے کو پارتی یا اپارتی کی بدلی ہوئی شکل سمجھتے ہیں (دیکھئے صفحہ ۲۱۴) یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے تاکہ زمانوں اور حکمرانوں کے بارے میں کوئی الجھن نہ رہے۔ وہ یہ کہ جس طرح اسکائیوں کے بعد سیستان اور آراکوزیا میں موئسس کی قیادت میں افغان قبائل نے اسکائی سلطنت کی بنیاد رکھی اس طرح جب اسکائیوں نے تمام تر توجہ مشرق کی طرف مبذول کرکے گندھارا اور پنجاب میں اپنا اثر و نفوذ قائم کرکے اپنے اصلی مرکز یعنی سیستان اور آراکوزیا کو پیچھے چھوڑ دیا تو وہاں پر پارتیوں کے ایک سردار ونونس نے بادشاہت کا اعلان کرکے ایک نئی حکومت کی بنیاد رکھی جسے بعض ہندو پارت کا نام دیتے ہیں اور بعض پہلوا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ مدققین نے ان کو دو خاندانوں میں تقسیم کیا ہے یعنی ایک ونونس کا خاندان دوسرا گندوفارس کا خاندان جس کے جانشین ابداگارنس، اور تاگنس اور پاکورس تھے اور ازلیزس کے بعد اسکائی خاندان سے منسوب کیا جاتا ہے اس عقیدے کی بنیاد وہ سکہ ہے جو ۱۸۳۲ء میں ایک انگریز محقق مسٹر مسن کو افغانستان میں ملا تھا۔ مسٹر کننگم کا نظریہ بھی یہی ہے۔ مسٹر ریپسن کیمبرج ہسٹری آف انڈیا میں لکھتا ہے کہ جب اسکائیوں کے پہلے تین بادشاہ میدان میں اپنی

حکومت کو مستحکم کرنے میں لگے ہوئے تھے اس وقت وونس کندہار اور سیستان میں بادشاہی کر رہا تھا۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر موئسس کا زمانہ سنہ ۳۰ ق م نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ونسنٹ سمتھ کا یہ نظریہ صحیح ہے کہ موئسس اور وونس ہم عصر ہیں اور ان کا زمانہ سنہ ۱۲۰ ق م ہے اور ریپسن کہتا ہے کہ وونس میتھراڈاتس یا مہرداد دوئم کے بعد ۸۸-۱۲۳ ق م میں بادشاہ بنا تھا۔ بہرحال چونکہ زمانوں کا تعین سکوں کی بنیاد پر کیا گیا ہے اور سکوں کی پہچان میں بھی تردد پایا جاتا ہے اس لئے زمانوں کا تعین مشکل ہے البتہ اتنی بات ضرور واضح ہے کہ اشک نے سنہ ۲۵۰ ق م میں اشکانی سلطنت کی بنیاد رکھی اور اس کے بعد آراکوزیا اور سیستان یعنی ہلمند کی وادی میں پارتھیوں اور اسکائیوں جن کو موجودہ زبان میں خلجی اور درانی یا ابدالی کہنا چاہیئے کے اشتراک سے یکے بعد دیگرے ہندو سیتھی ہندو پارت۔ پارتی، اسکائی پہلوا اور سفید ہُن کے نام سے حکومتیں بنتی رہیں۔ الغرض وونس اور گندوخار یا گندوفارنس کے زمانوں میں کم از کم ستر سال کا فرق ہے۔ یعنی اندازاً یہ کہ وونس سنہ ۱۰۰ ق م میں اور گندوفار سنہ ۲۰ء کے بعد بادشاہ بنا تھا۔ جیسا کہ "ریپسن" کہتا ہے اس کتبے کی رُو سے جو تخت بائی مردان میں ملا ہے گندوفار کی سلطنت کا زمانہ یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ کتبہ اُس کی سلطنت کے اکیسویں (۲۱) سال یعنی ان کے سن ۱۰۳ میں ویساکا (VAISAKHA) کے مہینے کے پانچویں دن لکھا گیا ہے۔ (لفظ ویساک اب تک کابل کے ہندوؤں میں معروف ہے جو بہار کے ابتدائی دنوں اور برسات کے شروع ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے) دراصل گندوفارنس کا نام ویندا فارنا (VINDAPHARN) کی ترکیب سے مشتق ہے جس کے معنی فتح صاحب افتخار۔ یونانی رسم الخط کے سکوں پر مختلف طریقوں سے کندہ

کیا گیا ہے۔ مثلاً اندوفرس (UNDOPHRES) اندوفرن (INDUPHRN) فارو (PHARO U) گوندا (GONDA) اندوفرو (UNDOPHERROU) پراکرت اور خروشتی رسم الخط میں گندوفارا۔ گودافار اور گدورنا سنا میں تبدیل ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے آپ کو شہنشاہ اور نجات دہندہ کے خطابات بھی دیئے ہیں۔ یونانی میں (سوترس) اور پراکرت میں (ترا تاراسا) کے نام بھی استعمال کئے ہیں۔ فرانسیسی مستشرق سیلوان لوی کہتا ہے کہ اس بادشاہ نے اپنے سکوں پر (او تو کراتور) کا یعنی (ڈکٹیٹر) کا نام بھی اپنے لئے استعمال کیا ہے جو کہ (سناترو اکس) (۶۹-۷۶ ق م) نے پارتی سکوں میں استعمال کیا تھا۔ بہرحال ان تمام بڑے بڑے القاب و خطابات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گندوفار ایک بڑا اور مقتدر بادشاہ تھا اور تمام محققین کے نظریات کے مطابق گندوفار کی مملکت سیستان آراکوزیا اور جدروزیا سے لے کر سندھ اور پنجاب تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس زمانے میں کجولا کدفیزس یا کدفیزس اول نے ہندوکش کے شمال میں باختریہ کوشانی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس وقت کابل پر ہرمائیوس کی ایک کمزور یونانی باختری حکومت قائم تھی۔ جیسا کہ بتایا گیا گندوفار سنہ ۲۱ء میں تھا اور یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ابتدائی دور ہے۔ جس میں سنت توماس نامی ایک حواری کو مشرق کی جانب تبلیغ کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اس سلسلے میں سنت ٹامس کا ایک قصہ مشہور ہے اور وہ ایسا کہ سنت توماس ایک ایسے تاجر سے ملا جس کا نام حابان HABBAN یا ابانس تھا اور وہ ہند کے بادشاہ گندوفارس نے ایک ایسے معمار کی تلاش کے لئے بھیجا تھا جو گندوفار کے لئے ایک محل بنائے چنانچہ اس موقع پر حضرت مسیح نمودار ہو گئے اور انہوں نے توماس کو مربی

کی حیثیت اور معمار کے نام سے گندوفار کے نمائندے حابان پر پہنچ ڈالا حابان نے اس سے پوچھا تم کیا اور کون سے کام کر سکتے ہو توماس نے جواب دیا کہ لکڑی کے ہل بنا سکتا ہوں۔ کشتی بنا سکتا ہوں اور دوسری بہت سی چیزیں بنا سکتا ہوں اس کے علاوہ پتھر سے کتبے بنا سکتا ہوں معبد تراش سکتا ہوں حابان یہ سن کر بہت خوش ہوا اور کشتی میں بیٹھ کر اندر پولیس (اندریپلی) کی بندرگاہ تک آگئے اور یہاں سے شاہ گندوفار کے دارالحکومت چلے گئے چنانچہ جب بادشاہ کے حضور حاضر ہوئے اور بادشاہ کو توماس کی مہارت بتائی گئی تو اسے ساتھ لے کر اس جگہ گیا جہاں پر اس نے اپنے لئے محل بنوانا تھا۔ توماس نے زمین پر لکیریں کھینچ کر نقشہ بنایا۔ بادشاہ نے نقشہ منظور کر لیا اور کچھ سونا چاندی توماس معمار کو دے دیا لیکن توماس نے یہ سارا سونا چاندی غریبوں میں تقسیم کر دیا۔ چند دنوں کے بعد حابان اس جگہ کام کا معائنہ کرنے گیا۔ لیکن وہاں پر کچھ بھی نہ پاکر توماس سے پوچھا کہ تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا توماس نے جواب دیا کہ جو محل میں تعمیر کر رہا ہوں اسے بادشاہ موت کے بعد ہی دیکھ سکے گا یعنی دوسرے جہان میں۔ جب بادشاہ کو اس بات کی اطلاع ملی تو بہت طیش میں آیا اور دونوں کو گرفتار کر کے زندہ آگ میں جلانے کا ارادہ کیا۔ لیکن اس سے پیشتر اس پر ایسے حقائق کشف ہو گئے کہ وہ نہ صرف اپنے رویے پر پچھتایا بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لاکر مسیحی دین میں شامل ہو گیا۔ یہ قصہ یونانی، سریانی، لاطینی، ارمنی اور مختلف زبانوں میں موجود ہے۔ موسیو سیلوان لوی جو مذکورہ حصہ بیان کرتا ہے آگے لکھتا ہے کہ ہندوستان کے مسیحی اپنا اعتقادی سلسلہ سنت توماس کے ساتھ جوڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ توماس کو مدراس کے قرب و جوار میں قتل کر دیا گیا تھا[1]

1۔ کتاب الہند سیر ملیز تر لیس ص ۱۲۳-۱۲۲-۱۲۱ تالیف موسیو سیلوان لوی

مسٹر کننگھم کو افغانستان میں جو سکے ملے تھے اُن پر گندوفارس کے ساتھ سنت توماس کا نام بھی کندہ تھا۔ سنت توماس کے قصے میں نہ صرف گندوفارس کا نام گندوفورس لکھا ہے بلکہ اس بادشاہ کے بھائی اور بھتیجے کے نام بھی لکھے گئے ہیں مثلاً گندوفارس کے بھائی جس کا اصل نام گوما تھا گاد بتایا گیا ہے۔ بادشاہ کے بھتیجے ابداگازس جس کا نام سکوں پر بھی ہے لیدانس کے نام سے پہچانا جاتا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سنت توماس کے قصوں میں گندوفارس کو مزدائی (MAZDAI) بادشاہ نام بھی دیا گیا ہے۔ بہرحال گندوفار کو جو پہلوا خاندان کا مشہور بادشاہ تھا سنت توماس کے قصے نے بہت مشہور کر دیا۔ اس قصے میں دو باتیں قابل غور ہیں اول یہ کہ اگر اس قصے کے مطابق گندوفار مسیحی دین قبول کر لیتا تو اس کے اثرات و باقیات افغانوں اور افغانوں کے علاقوں میں ضرور ملتے جیسا کہ ہندوستان میں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنت توماس کی اس بات سے متاثر ہوا کہ جو سونا چاندی اسے محل بنانے کے لئے دیا گیا تھا وہ اس نے غریبوں میں تقسیم کر کے آخرت میں اس کے لئے محل بنایا اور اسی وجہ سے بادشاہ اس پر زیادہ مہربان ہوا ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ بادشاہ مزدائی تھا۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ بادشاہ زرتشتی دین کی پیروی کرتا تھا

محققین نے گندوفار کو پنجاب اور سندھ کے علاقوں میں اسکائی بادشاہ ازس دوئم کا جانشین بھی بتایا ہے اور کہتے ہیں کہ گندوفار وادی ارغنداب سے ان اسکائیوں کے پیچھے چلا گیا تھا جو اس سے پہلے سندھ اور پنجاب منتقل ہو چکے تھے۔ گندوفار نے جو سکے بنائے تھے اور دریافت ہو چکے ہیں ان میں تانبے کا گول سکہ جس میں چاندی کا عنصر بھی شامل ہے اور دائیں جانب بادشاہ گھوڑے پر سوار نظر آتا ہے اور بائیں جانب ایک لمبا عصا ہاتھ میں لے کھڑا نظر آتا ہے۔

سکے پر یونانی رسم الخط میں بازیلوس بازیلون طاؤس گندو فرون) یعنی بڑا
شہنشاہ گندو فارس لکھا ہوا ہے۔ پراکرت اور خروشتی رسم الخط میں لکھا
ہے (مہاراجا راجاتی راجا ترانا را دیوا ورادا گودو فارا سا) یعنی نجات دہندہ و بزرگ
شہنشاہ گندو فارس۔ اس کے علاوہ گندو فار کے دوسرے سکے ملے ہیں جو تقریباً
سب کے سب تانبے اور چاندی کی ملاوٹ سے بنائے گئے ہیں۔ گندو فار کے
بعد اس کا بھتیجا ابدا گازس یا ابداگاسا بادشاہ بنا ہے جو سنت توماس کے
قصوں میں لبدانس کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اس نے سکوں کے بنانے میں
گندو فار کی پیروی کی ہے اور خاندان میں ایک اور شخص (اورتاگنس) کے
سکے بھی ملے ہیں۔ محققین کہتے ہیں کہ شاید گندوفار کا بھائی تھا۔ اس کے سکوں
میں چند ایسے ہیں جن پر گندو فارس (اور گردا) اور ایک سکے پر (گو دراتا) لکھا
ہوا ہے۔ بعض محققین کہتے ہیں کہ لفظ گودا وہی "گاد" ہے جو سریانی اور لاتینی
روایات میں مذکور ہے۔ یاد رہے کہ گردا۔ گودے۔ کو دال اور کودی کا تعلق
ماضی بعید میں شہر غزن یا شرغیوں سے تھا جن کے باقیات وہی ضلع لورالائی
کوڈی (یہاں دال اور ڈال کا مبادلہ ہے) فورٹ سنڈیمن میں کودال اور کاکڑ
قبیلے کی ایک شاخ کودے زئی شکل میں اب تک موجود ہیں۔ لیکن شجرہ
نویسوں نے کودے اور گگے کو دو عورتیں بنا کر کرلانڈ یا کرلان سے منسوب
کرتے ہوئے کودے سے ولد زاکہ اور ادرک زئی نکالے ہیں اور گگے سے
موسیٰ زئی، منگل۔ حنی اور وردگ نکالے ہیں جو اوستا کی روایات سے مطابقت
نہیں رکھتے۔ بہرحال چارسدہ اور گندھارا میں جو پرانے سکے ملے ہیں ان کی رو
سے ابداگاسس یا ابداگازوس کے بعد تاگنس پہلی صدی عیسوی کے آخر میں پہلوا
خاندان کا ایک بادشاہ ہو گزرا ہے اور اس کے بعد پاکوروس (پاکورا) نام ایک پہلوی

کے سکے بھی دریافت ہوئے ہیں۔ سر جان مارشل کو ٹیکسلا کے قریب شیر توپ کے مقام پر
کے ایک ٹنکے میں اکیس سکے ملے تھے جن میں زیادہ تر چاندی کے ہیں ان میں گندوفارس
پاکورس اور کوشانی سلطنت کے بانی ویماکدفیزس کے سکے بھی موجود تھے۔ ان تینوں
بادشاہوں کے سکوں کا یکجا ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تینوں ہم عصر بادشاہ تھے اور اس
سے اس بات کی تائید بھی ہوتی ہے کہ پہلوا خاندان سے کوشانی
خاندان کو سلطنت منتقل ہو چکی تھی۔ محقق ریپسن
نے ان مسکوکات کی دریافت سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے
کہ گندوفارس ۴۵ء تک بادشاہ تھا اور ویماکدفیزس ۷۸ء میں حکومت کر رہا
تھا چنانچہ یہ ۳۳ سال گندوفارس کی سلطنت کا آخری زمانہ اور پاکورس کی
سلطنت کے دور اور ویماکدفیزس کی سلطنت کے ایک ابتدائی زمانے پر
حاوی ہے۔

کوشانی دور۔ کوشانیوں کے متعلق ابھی تک محققین میں اختلاف پایا
جاتا ہے اور تا حال کسی خاص اور متفقہ نظریے پر نہیں پہنچے۔ بعض انہیں
یوچی، بعض ترک اور بعض سیتھی کہتے ہیں اور حتیٰ کہ بعض انہیں مغل بھی
کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یوچی اور ترک ایک ہی نسل تھی اور بعض کہتے
ہیں کہ سیتھی اور یوچی ہم نژاد تھے۔[۱] پروفیسر "کنو" کہتا ہے
کہ کوشانی آرین تھے۔ کیونکہ ان کے ناک بڑے اور اونچے
تھے۔

۱۔ دیکھئے ونسنٹ سمتھ کی تاریخ — EARLY HISTORY OF INDIA 3RD EDITION ۱۹۱۴ P ۲۵۳

۲۔ تاریخ کشمیر از کشمیرا انگریزی جلد اول ۱۱

کوشانیوں کی زبان کے بارے میں اگرچہ ابھی تک قابل اطمینان تحقیق نہیں ہوئی لیکن اس کے باوجود جس قدر تحقیقات ہوئی ہیں اُن سے کوشانیوں کی زبان پر کچھ نہ کچھ روشنی پڑتی ہے۔ پروفیسر لیومان (LEUMANN) جس نے پہلی مرتبہ ان کی زبان پر تحقیق کی ہے اسے آریائی شمالی زبان کہا ہے فرانسیسی محققین مثلاً موسیو پلیوٹ PELLIOT نے اسے مشرقی ایرانی کہا ہے (مشرقی ایرانی سے مراد باختری زبانوں کا ایک لہجہ) پروفیسر لیودرل اسے اسکائی زبان سمجھتا ہے۔ پروفیسر (کنو) پروفیسر کرسٹ کی تائید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ ختنی زبان ہے اور یہ کہ آٹھویں صدی عیسوی میں ختن میں اسے رسمی زبان کی حیثیت حاصل تھی۔ بہرحال یہ زبان کوشانی بادشاہوں کے کتبوں اور سکوں میں استعمال ہوئی ہے جبکہ ان کی مسکوکات میں یونانی زبان بھی استعمال ہوئی ہے یا یہ کہ رسم الخط۔ کوشانی دور کے جو کتبات ھڈہ (جلال آباد افغانستان میں ایک مقام کا نام) اور بامیان افغانستان میں ایک پرانے معبد سے ملے ہیں۔ ایسی معلومات فراہم کرتے ہیں کہ اس وقت سنسکرت اور بعض دوسری زبانوں میں خصوصاً ہندوکش کے جنوبی علاقوں کے لوگ باتیں کرتے تھے بہرحال کوشانی دور میں یونانی زبان کے مقابلے میں مقامی لوگ اسکائی یا سیتی زبان میں باتیں کرتے تھے اور یونانی رسم الخط کے مقابلے میں مقامی رسم الخط بھی موجود تھا۔ جس میں سنسکرت کے علاوہ دوسری زبانیں یا لہجے بھی لکھے جاتے تھے اس رسم الخط کو محققین خروشتی کا نام دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اصلاً آرامی الفباء سے مرکب ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ آرامی رسم الخط ھخامنشی حکمرانوں کے دور میں ان کے سرکاری اداروں میں مستعمل تھی

جو کہ اُن کے منشی اپنے ساتھ لائے تھے جو مسخ ہوتے ہوتے ایک دوسری شکل اختیار کر گیا۔ چنانچہ مسٹر کنو کی تحقیقات کی رُو سے یہ رسم الخط پانچویں صدی قبل مسیح میں سامنے آیا اور تیسری صدی قبل مسیح کے آخر میں اس کی الفباء کی صورت مکمل ہو گئی۔ یہ رسم الخط کوشانیوں سے پہلے باختری اور یونان کی دوسری شاہی خاندان اور اس کے بعد اسکائی اور پہلوا بادشاہوں کی مسکوکات میں استعمال ہوا اور بڑے کوشانیوں کے دور میں عام ہو گیا مطلب یہ کہ یہ رسم الخط تیسری صدی قبل مسیح سے لے کر کوشانیوں کے آخری دور تک مروج رہا۔ یہ رسم الخط سب سے پہلے باختر کے بادشاہ ایوکراتیدس نے اپنے مسکوکات پر الٹی طرف استعمال کیا تھا اور ہندوکش کے جنوبی اور مشرقی علاقوں میں عام طور پر استعمال ہوتا تھا خروشتی رسم الخط کے بارے میں محققین کہتے ہیں کہ یہ آرامی رسم الخط سے نکلا ہے اور ھخامنشی حاکموں کے توسط سے فارس کے راستے ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں تک پہنچ گیا تھا۔ بہرحال اس رسم الخط کے کتبے ہندوکش کے شمالی، جنوبی مشرقی علاقوں اور آراکوزیا جدروزیا اور گندھارا میں کثرت سے ملے ہیں علاوہ اس کے اس رسم الخط کے کتبے چینی ترکستان خصوصاً صحرائے گوبی کے جنوب مشرقی وادیوں میں بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ جن سے یہ تو واضح ہوتا ہے کہ اس رسم الخط میں مختلف علاقوں کے لوگ اپنی اپنی زبانیں لکھتے تھے خصوصاً اس رسم الخط کو باختری یونانی بادشاہوں اسکائیوں، پہلوا اور کوشانی حکمرانوں نے استعمال کیا ہے لیکن ابھی تک اس رسم الخط میں لکھا ہوا پشتو زبان کا کوئی کتبہ یا سکہ دستیاب نہیں ہو سکا ہے البتہ مخلوط زبانوں کے کتبے اور سکے ضرور ملے ہیں۔ اور کافی تعداد میں۔ اس کے علاوہ لفظ

خسرو شنی کی بھی ابھی تک صحیح تحقیق نہیں ہو سکی ہے۔

محققین نے کوشانیوں کو دو خاندانوں میں تقسیم کیا ہے ایک کدفیزس کا خاندان اور دوسرا کنشکا کا خاندان۔ کہتے ہیں کہ ہندوکش کے شمال میں پانچ بڑے بڑے قبائل اپنے سرداروں کے تحت آزادانہ زندگی بسر کرتے رہتے تھے ان میں سے ایک سردار کجولا کدفیزس نے دوسرے چار سرداروں کو مغلوب کر کے کوشانی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس خاندان کے ابھی تک صرف دو بادشاہوں کا سراغ لگایا جا سکا ہے یعنی کجولا کدفیزس جو سلطنت کا بانی ہے اور ویما کدفیزس دوسرے خاندان کا بانی کنشکا ہے [illegible] چند اور بھی ہیں۔ لیکن جن میں اکثر کے ناموں کے آخر میں (ایشکا) لگتا ہے۔

پہلے خاندان نے سنہ ۴۰ء سے ۱۱۰ء تک تقریباً ستر سال حکومت کی ہے اور دوسرے خاندان نے سنہ ۱۲۰ء سے سنہ ۲۲۰ء تک۔ چونکہ ان کے درمیان دس سال کا عرصہ خالی رہ جاتا ہے۔ کیونکہ اس دس سالہ دور کے بادشاہ کا نام معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ اس لئے محققین نے فی الحال اسے ایسا ہی چھوڑ دیا ہے بہرحال کجولا کدفیزس نے سنہ ۴۰ء میں بادشاہی کا اعلان کیا اور اس کے بعد اپنی سلطنت کو وسعت دینے کے لئے فتوحات شروع کر دیں مغرب میں پارتھیا کی سرحدوں تک گیا اور جنوب میں کوہستان، کوہ دامن اور کابل کے علاقے فتح کر کے کابل کے پہلوا اور یونان اور باختر کے تابعین کی حکومتیں ختم کر دیں اس زمانہ میں کابل کے علاقوں پر ہرمایوس نام کا یونانی النسل شخص حکومت کرتا تھا۔ موسیو دالہ دو پوسن کہتا ہے کہ اس وقت پہلوایوں نے کابل پر قبضہ کر لیا تھا اور ہرمایوس نے کجولا کدفیزس کی مدد سے کابل ان سے واپس لے لیا اور پھر ہندوستان کی فتوحات میں اس کے ساتھ مدد کی تھی۔ ہرمایوس کے بعد کابل کی حکومت ایک کوشانی سردار کو ملی لیکن موسیو فوشہ اس کے برخلاف

کہتا ہے کہ ہرمایوس کابل پر آخری دم تک حکومت کرتا تھا تا آنکہ مر گیا اور کابل سے یونانی باختریوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور پھر پہلوایوں نے کابل پر قبضہ کر لیا اور کافی عرصہ بعد کجولا کدفیزس پہلوایوں سے کابل لے کر پہلے اس کی تصویر کا سکہ چلاتا رہا بعد میں صرف اپنے نام کے سکے بنائے۔ بہرحال ونسنٹ سمتھ کہتا ہے کہ کدفیزس اول نے سنہ ۵۰ء میں کابل پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد پارتیا کو بھی فتح کر کے اپنے قلمرو میں شامل کر لیا۔ کجولا کدفیزس کے بعد سنہ ۷۸ء میں اس کا بیٹا جس کا نام دریافت شدہ سکوں میں ویما (WIMA) یا ومو — OO EMO بتایا گیا ہے کدفیزس دوئم کے نام سے بادشاہ بن گیا۔ چینی کتابوں میں اسے ین۔ کاو۔ چنگ (YEN-KAO-CHENG) کہا گیا ہے۔ اگرچہ چینی کتابوں میں ان کے بارے میں معلومات کم ہیں۔ لیکن یہ کم معلومات بھی بہت اہم اور قیمتی ہیں مثلاً یہ کہ ویما کدفیزس باپ کے بعد بادشاہ بن گیا تھا۔ اور پھر ہند میں فتوحات کیں اور ایک طویل عرصے تک شاندار حکومت کر کے اسی سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ اس نے تمام چینی ترکستان اور افغانستان کو فتح کر لیا۔ ونسنٹ سمتھ کہتا ہے کہ ایسے شواہد و دلائل موجود ہیں کہ ویما کدفیزس نے پنجاب اور دریائے گنگا تک کے علاقے فتح کر لئے تھے بلکہ بنارس تک جا پہنچا تھا۔ چنانچہ ان فتوحات کی وجہ سے اگر ایک جانب شمال میں باختری یونانی اثرات ختم ہو گئے تو دوسری جانب جنوب اور مشرق میں پارتیوں اور پہلوایوں کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں بھی ختم ہو گئیں کیونکہ ان کے بعد ان کے نام کسی سے نہیں سنے۔ ہندوستان میں مفتوحہ علاقوں کا انتظام و انصرام اس کے ایک فوجی جنرل جو نائب السلطنت کے عہدے پر فائز تھا کے ہاتھ میں تھا کیونکہ ہندوستان کے شمال اور کابل کے درے سے لیکر غازی پور تک اور گنگا کے کنارے بنارس سے لے کر کچھ اور کاٹھیاواڑ

سکے جو بے شمار سکے ملے ہیں ان پر کسی بادشاہ کا نام کندہ نہیں اس لئے محققین یہ تمام سکے ویما کدفیزس کی طرف منسوب کرتے ہیں

کدفیزس کا خاندان جو عموماً بڑے کوشانیوں کے نام سے بھی مشہور ہے اندازاً ۱۲۰ء تک حکمران رہا ہے۔ دراصل کدفیزس نے کسی بڑے بادشاہ سے حکومت نہیں لی۔ بلکہ ان کے ظہور کے وقت آریانا میں ملوک الطوائفی پھیل چکی تھی۔ باختر کے یونانی النسل بادشاہوں کی حکومت صرف کابل اور اس کے اطراف تک محدود ہو گئی تھی۔ یہ بات اچھی طرح واضح نہیں کہ کابل کے آخری یونانی النسل حکمران ہرمایوس کی حکومت کا خاتمہ گندوفارس نے کیا یا کوشانی کجولا کدفیزس نے۔ بہرحال صرف اس قدر معلوم ہے کہ کجولا کدفیزس نے ملوک الطوائفی ختم کر کے آریانا کو ایک متحدہ ملک کی حیثیت دے دی اور اس کے بعد ویما کدفیزس نے اسے ہندوستان تک وسعت دی اور چین کے مقابلے میں ایک بڑی سلطنت قائم کی۔

کنِشکا :- ویما کدفیزس کے بعد کوشانی خاندان کا سب سے بڑا اور مشہور بادشاہ کنشکا ہے جسے محققین دوسرے کوشانی خاندان کا بانی سمجھتے ہیں۔ اس خاندان نے ۱۲۰ء سے ۲۶۰ء تک قریباً ڈیڑھ سو سال حکومت کی ہے۔ اس خاندان کے اکثر بادشاہوں کے ناموں کے آخر میں (ایشکا) لگتا ہے۔ تھوڑے سے صوتی تغیر کے ساتھ ایشکا۔ ایشکو۔ اشکو۔ ایک ہی چیز ہے۔ جسے تمام یورپی کلاسیکی مورخین نے "اسکائی" لکھا ہے۔ کتبوں اور مسکوکات میں اس کا نام تھوڑے سے تغیر کے ساتھ کنیشکا کا۔ نیشکا۔ کنشکا۔ کنشکی نیشکی[1] لکھا ہوا ہے اور روایات

---

[1] امنشکی یا زشکی کو نڑ کے مغرب ۹۰ میل کے فاصلے پر ایک شہر

میں اسے شاہ گندھارا کا لقب دیا گیا ہے۔ ونسنٹ سمتھ کہتا ہے کہ اس کا پایۂ تخت پرشاپورا (موجودہ پشاور) میں تھا۔ اور وہ بدھ مذہب کا پیروکار تھا۔ اس زمانہ میں ہندوستان پر چھوٹے چھوٹے راجے حکومت کرتے تھے۔ چنانچہ کنیشکا نے مغرب میں ایرانی سرحدوں سے لے کر مشرق میں کاشغر۔ یارکند اور ختن تک اور شمال مغربی ہندوستان میں گنگا اور جمنا تک اپنی حکومت کو وسعت دی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کنشکا نے پتالی پترا (موجودہ پٹنہ) بھی فتح کر لیا تھا۔ اور وہاں سے سنسکرت کے ایک بڑے ادیب "اسوہ گوشا" کو پشاور لا کر اپنے دربار میں رکھا۔ سمتھ کہتا ہے کہ کنیشکا نے کشمیر اپنے اقتدار کے ابتدائی دور میں فتح کر لیا تھا۔ اور وہاں پر چند معبد اور عمارتیں بلکہ اپنے نام سے ایک شہر کنیشکا پورا بھی آباد کیا تھا۔ اس کے علاوہ راجا "ترنگنی" میں بھی اس جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ لکھا ہے کہ کشمیر میں تین ایسے بادشاہ بھی ہوئے ہیں جن کے نام ہوشکا، جوشکا اور کنیشکا ہیں اور ہر ایک نے اپنے نام سے ایک شہر آباد کیا ہے۔ کنیشکا پورا کا شہر کانسی پور کے نام سے آج بھی اس راستے پر واقع ہے جو بارامولا سے سری نگر تک جاتا ہے[1]

اگرچہ یہ بات ابھی اچھی طرح واضح نہیں کہ کنیشکا کے بعد کون اس کا جانشین ہوا البتہ کنیشکا کی موت کے بعد تین نام مسکوکات کے ذریعے بیک وقت سامنے آئے ہیں۔ یعنی واشیشکا (VUSISISHA) ھووشکا (HUVISHKA) اور کنیشکا ثانی لیکن ان کے بارے میں یہ تردد پایا جاتا ہے کہ آیا یہ تینوں بیک

---

[1] راجا ترنگنی تالیف پنڈت کلہن ترجمہ سر آریل سٹین جلد اول ص ۴۲-۱۶۸

وقت کوشانی سلطنت کے مختلف علاقوں میں بادشاہ بنے ہیں یا مختلف اوقات میں یکے بعد دیگرے اور پھر ان میں سے کون پہلے بادشاہ بنا اور کون بعد ان کے درمیان ترتیب کیسے تھی۔ مشہور انگریز مدقق ونسنٹ سمتھ ارلی ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۲۸۶ پر لکھتا ہے کہ:

کتبوں کے مفہوم کے اعتبار سے ایسی حالت میں واشیکا سنہ ۲۴ء کے حدود میں اور ہوویشکا ۳۳ء اور ۶۰ء کے درمیانی عرصے میں ماتورا میں حکومت کرتے تھے اور ایک اور شہزادہ جو کنیشکا کے نام سے مشہور ہے جیسے کنیشکا ثانی کہنا چاہیئے ۴۱ء میں پنجاب کے آرا (آریانہ) میں حکومت کرتا تھا اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ واشیکا اور ہوویشکا کنیشکا کے بیٹے تھے۔ اس وقت جبکہ اُن کا باپ پہاڑوں کے پیچھے یعنی افغانستان میں لڑائیوں میں مصروف تھا یہ دونوں بالائی ہندوستان میں گورنر تھے، چونکہ واشیکا کے نام کا کوئی سکہ دستیاب نہیں ہوا ہے۔ اس لئے قیاس یہی کیا جا سکتا ہے کہ یہ شہزادہ باپ سے پہلے مر چکا تھا اور کنیشکا کی موت کے بعد تمام کوشانی سلطنت اس کے دوسرے بیٹے ہوویشکا کو ملی۔ تاریخ قدیم ہند (ارلی ہسٹری آف انڈیا) کے صفحہ ۲۷۸ پر ونسنٹ سمتھ کہتا ہے کہ ہوویشکہ کی سلطنت کابل سے کشمیر اور ماتورا تک وسیع تھی (یاد رہے کہ بعض مورخین ہوویشکا کو کنیشکا کا پوتا سمجھتے ہیں) ہوویشکا کے بعد واسودیوا (VASUDEVA) کوشانی تخت پر بیٹھ جاتا ہے اگرچہ کنیشکا اور اس کے خاندان کے دوسرے بادشاہوں کے بے شمار سکے اور کتبے چینی ترکستان۔ تبت۔ کشمیر، افغانستان اور ہندوستان میں ملے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ محققین اب تک ان کے زمانوں کا صحیح طور پر تعین کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ البتہ سکوں کی

ہے عام طور پر سنہ ۱۲۰ء سے لے کر سنہ ۲۲۶ء تک اس خاندان نے حکومت کی اور چینیوں کے ساتھ بھی ان کے روابط رہے ہیں اور مغرب میں قیطان روم کے ساتھ بھی تعلقات قائم تھے۔ دونوں جانب کے تجارتی کاروان آتے جاتے تھے چینی ترکستان اور گندھارا کے درمیان جو تجارتی قافلے آتے جاتے تھے ان میں غلجیوں کا ایک بڑا قبیلہ ناصر خاص شہرت رکھتا تھا افغان ان کے کاروان کو (د ناصرو قوزہ) کہتے تھے (توره بہ یائے مجہول TORA) یعنی ناصروں کا کاروان۔ یہ لوگ ابتدا ہی سے یہی تجارتی کاروبار کرتے چلے آرہے ہیں۔ اگرچہ اب دور دراز کی تجارت تو نہیں کرتے لیکن آج سے تیس سال پہلے تک برطانوی ہند اور افغانستان کے درمیان ان کے تجارتی کاروان چلتے رہتے تھے۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتایا گیا کہ یہ بھی ترین کی طرح تور۔ سپین۔ سور میں منقسم ہیں یعنی سیاہ۔ سفید اور سرخ

بہرحال واسودیوا سنہ ۲۲۲ء میں فوت ہوگیا اور اس کے چار سال بعد ۲۲۶ء میں اردشیر نے فارس میں ساسانی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اگرچہ بڑے کوشانیوں کی سلطنت کے انحطاط یا خاتمے کے وجوہات واضح طور پر معلوم نہیں ہے البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ ان کی زیادہ توجہ ہندوستان کی طرف تھی چنانچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی اپنے دوسرے آریائی پیشروں کی طرح ہندوستان کے وسیع و عریض علاقوں میں اسی طرح گم ہوگئے جس طرح جزو کل میں گم ہو جاتا ہے۔

چھوٹے کوشانی:۔ بڑے کوشانیوں کے بعد انہی کی اُن باقیات میں سے جو باختر میں تھے ایک شخص کیدارا کے نام سے بادشاہ بنا۔ بعض محققین کہتے ہیں کہ یہ بڑے کوشانیوں کا آخری اور چھوٹے کوشانیوں کا پہلا بادشاہ تھا

بہر حال اس خاندان کا دور مختصر تھا۔ کیونکہ صرف دو آدمی بادشاہت کرسکے ہیں اور ان کے حالات بھی تاریکی میں ہیں۔ صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق بھی کوشانیوں ہی سے تھا۔ چنانچہ ان کے بعد والے کوشانی جنہیں بہ لحاظ زمانہ چھوٹے کوشانی یا چھوٹے یوچی کہا جاتا ہے کے بارے میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے سالنامہ ۱۹۳۰ء کے جلد سوئم صفحہ ۲۵ میں لکھا ہے کہ چھوٹے یوچیوں کا پایہ تخت FOU-LEAU فو۔ لوشا (پشاور) تھا اور اس کا بادشاہ (کی۔ تو۔ لو) کا بیٹا ہے۔ باپ نے بیٹے کو اس وقت یہاں بٹھایا جبکہ وہ خود ژوان ژوانیو کے حملوں سے مجبور ہوکر مغرب کی طرف چلا گیا۔ ژوان ژوان اصل میں مرکزی ایشیا کا ایک قبیلہ تھا۔ جنہوں نے ان سے پہلے بڑے کوشانیوں کو شمال کی طرف سے دبا دیا تھا اور وہ مغرب اور جنوب کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

کوشانی کون تھے

اگرچہ افغانستان میں کوشانی بادشاہوں کے کافی سے زیادہ سکے ملے ہیں اور محققین نے ان کے بارے میں بڑی کاوشیں کی ہیں۔ لیکن بایں ہمہ ابھی تک قطعی نتیجے پر نہیں پہنچے۔ تاریخ کوچ و بلوچ کا مولف میر گل خان نصیر لکھتا ہے کہ:۔

"سطح مرتفع قلات کی موجودہ براہوئی زبان جو قدیم سیوائی قبائل کی زبان تھی کوشانی زبان کی باقیات سے ہے اور کوشانی

زبان مورخین و ماہرین السنہ کے شواہد کی رُو سے زبانوں کے "ایرانی خاندان" کی ایک شاخ ہے۔ لہٰذا براہوی زبان کا بھی زبانوں کے "ایرانی خاندان" سے ہونا ثابت ہے اور اُسے لائگور تھر ڈیمز اور اُن دوسرے مورخین کی پیروی میں زبانوں کے "دراوڑی خاندان" سے قرار دینا بے بنیاد اور غلط ہے"

کوشانی زبان کے بارے میں اب تک ماہرین السنہ نے جو آراء قائم کی ہیں اُن میں کوشانی زبان کو آریائی زبانوں کے خاندان کی ایک شاخ بتایا گیا ہے۔ مثلاً پروفیسر لیومن (LEUMANN) اسے شمالی آریائی زبان سمجھتے ہیں۔ فرانس کے موسیو پلیوٹ (PELLIOD) اُسے مشرقی ایرانی زبان قرار دیتے ہیں (یاد رہے کہ مشرقی ایرانی زبانوں سے مراد پشتو اور بلوچی لیا جاتا ہے) پروفیسر لیودر (LEUDOR) کوشانی زبان کو اسکائی زبان کہتا ہے پروفیسر کنو اور پروفیسر کرسٹ (KIRST) اسے ختنی زبان کہتے ہیں۔

پروفیسر کنو لکھتا ہے کہ کلمہ کوشی کا مبداء سیتھی (SCYTHIAN) ہے۔ کوشی مفرد اور اُس کی جمع "کوشانو" ہے کوشانا بھی اسی کلمہ سے نکلا ہے۔ جو کوشان کے مسکن کی طرف دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح یوچی بھی کوشی کے مترادف نام ہے جو چینیوں نے اُسے دیا ہے۔ محقق احمد علی کہزاد کہتا ہے۔ کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کلمہ کی اصل صورت کوشی رہی ہے۔ جو ایک قبیلہ کا نام تھا اور جس کا صیغہ جمع کوشانو بنتا ہے۔ جو اُن تمام قبائل کے لئے بولا جاتا تھا جن کو کوشی بادشاہ مطیع کرکے اپنی حکمرانی کے تحت لائے تھے۔

(کوچ و بلوچ بحوالہ کہزاد)

چونکہ کوشانی سلطنت کے بانی کجولا کدفیزس کے ایک سکے پر خروشتی رسم الخط میں مشہوارا کا نام کندہ ہے جس کا ترجمہ موسیو فوشر نے "پہاڑ دل کا بڑا مالک" کیا ہے اس لئے محقق گل خان نصیر کی رائے میں یہ براہوی زبان کا کلمہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "مش" یا "مش" آج بھی براہوی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں اور "دارا" "دالا" کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ کابل افغانستان کی طرح قلات (بلوچستان) کی پہاڑیوں پر بھی ایسے معبد پائے جاتے تھے جن میں "مشوادارا" یعنی شیوا کی پرستش ہوتی تھی اور ہم کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ کوشی یا کوشانی سیتھی آرین ہیں مستند تاریخی شواہد کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ:۔

ا) کہ کوچ اور بلوچ کی آمد سے قبل قلات (سطح مرتفع) میں قدیم براہوی قبائل کے نام سے جو لوگ آباد تھے وہ دراوڑ نہیں تھے بلکہ سیتھی آرین نسل کے کوشی یا کوشانی تھے۔

۲) یہ کوشانی چونکہ "مشوادار" یعنی دین شیوا کے پرستار تھے سیوائی کہلاتے تھے۔ سیوائی دراصل شیوائی کی صوتی تحریف ہے۔

۳) قلات کے "زدراک" "کابت" دراصل "مشوادارا" یعنی شیوا کا بت تھا۔ جس کی پرستش قلات کے کوشانی کیا کرتے تھے۔

۴) کوشانی بادشاہوں کے شاہی دین کی طرح "پرستش شیوا" قلات کے راجاؤں کا بھی دین تھا۔

۵) چونکہ قدیم شیوائی قبائل، طاقت و توانائی کے لحاظ سے بادشاہ کو زدراک یعنی مشوارا کا مظہر سمجھتے تھے اس لئے اُسے بھی شیوا کے خطاب سے یاد کیا کرتے تھے۔ لہٰذا شیوا یا سیوا ایک مذہبی خطاب تھا جو قلات کے قدیم کوشانی یعنی شیوائی قبائل کے شہزادے گدی نشین ہوتے وقت اختیار کرتے تھے

۶) اور یہ کہ موجودہ براہوئی زبان چونکہ قدیم کوشانی زبان سے نکلی ہے۔ اس لئے دراوڑی زبانوں کے خاندان سے نہیں بلکہ السنہ کے "ایرانی خاندان" کی ایک شاخ آرینی زبان ہے، جس کی موجودہ صورت کردی زبان کی آمیزش سے وجود میں آئی ہے[1]

میر صاحب نے اپنی کتاب میں کوشانی اور براہوی زبانوں میں مطابقت و مماثلت کی چند مثالیں بھی دی ہیں اور اپنے عقیدے کے مطابق سطح مرتفع قلات (توران) کے قدیم لوگوں کے بارے میں لکھا ہے کہ کوشانی زبان بولتے تھے۔ بہ الفاظ دیگر اُن کا مقصد یہ ہے کہ موجودہ براہوی زبان کوشانی ہی کی ایک شاخ یا بگڑی ہوئی شکل ہے۔

ہم گزشتہ صفحات میں سطح مرتفع قلات کے توران کے قبائل کے بارے میں پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ ان میں اکثریت سیتھین قبائل کی ہیں۔ البتہ ہم نے انہیں کوشانی کے بجائے افغان کہا جو اصل ایک ہی چیز ہیں البتہ لسانی اعتبار سے یہ بات ابھی تک تحقیق طلب ہے کہ کوشانی آریائی زبانوں یا لہجوں میں کونسی زبان بولتے تھے

---

۱) کوچ و بلوچ مولفہ میر گل خان نصیر ص ۶۹-۷۰ تاریخ اشاعت اکتوبر ۱۹۶۹ء کراچی۔

جہاں تک براہوی زبان کی بات ہے تو سب کو معلوم ہے کہ یہ زبان پشتو، بلوچی اور فارسی سے بالکل مختلف اور منفرد زبان ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آریاؤں کی آمد سے بہت پہلے اس علاقے میں یہ زبان بولی جاتی تھی اور قریباً ۹۰۰ ق م میں جب کرد اس علاقے میں وارد ہوئے تو کردی اور قدیم زبان میں اختلاط کی وجہ سے موجودہ براہوی زبان وجود میں آئی یا بہ الفاظ دیگر کردی اور دراوڑی کے ملاپ سے ایسا ہوا ہو اور بعد میں جب افغان آئے تو اس میں پشتو کی آمیزش بھی ہوئی اور پھر فارسی کے ساتھ بھی کچھ ملاپ ہوا۔ مثلاً

براہوی	پشتو	ترجمہ
دا انتہ سے	دا څنبی دی	یہ کیا ہے
پوھہ مسوس	پوھہ سوئے	سمجھ گئے
دادے (یا) اندادے	دادی	یہ ہے
ڈغار	ڈگر	میدان۔ زمین

اسی طرح براہوی کے (بزگ) میں فارسی کا (بیا) اور (ڈگرک) میں ہندی کا (ڈگر) اور کرلیبہ اور کیرہ میں کرتے اور پشتو کا (کول) فعل نمایاں ہیں۔ بہرحال مشترک جغرافیائی موقعیت اور معاشرت کی وجہ سے بلوچستان کے اندر براہوئیوں اور افغانوں میں بہت سے الفاظ مشترک ہیں مثلاً

براہوی	پشتو	ترجمہ
جُگی	جونگڑہ	جھونپڑی

جوڑ	جوڑ	اچھا، تندرست
اُچ	اُش	اونٹ
برمت	بریت	مونچھ
زائفہ	زائفہ	بیوی

یاد رہے کہ بلوچستان کا کاکڑ قبیلہ خصوصاً زیرین ژوب اور لورالائی کے کاکڑ بیوی کو زائفہ بھی کہتے ہیں۔

براہوی زبان کے جو الفاظ فارسی سے ملتے ہیں اُن میں ریش (ریش یائی معروف) اور دندان مشترک ہیں۔ بہرحال بہت سے الفاظ کے اشتراک و اختلاط کے باوجود براہوی زبان بنیادی طور پر ایک الگ اور مکمل زبان ہے اور اس کی قدامت میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں البتہ جو لوگ آج براہوی زبان بولتے ہیں یا جنہیں براہوی قبائل کہا جاتا ہے اُن کے بارے میں محققین کی اکثریت بشمول میر گل خان نصیر کی متفقہ رائے یہ ہے کہ براہوی قبائل کی اکثریت سیتھین نسل سے تعلق رکھتی ہے یعنی اُسی نسل سے جس کو بعد میں افغان اور پختون یا پشتون کہا گیا اور ہم نے گزشتہ صفحات میں براہوی قبائل میں ان کی نشاندہی بھی کی البتہ میر صاحب کی اس بات پر شبہ ظاہر کیا جائے گا کہ چونکہ کوشانی زبان کے بعض الفاظ براہوی میں اب بھی موجود ہیں اس لئے کوشانیوں کی زبان براہوی تھی لیکن ایسا بھی تو ہو سکتا ہے اور ہوا ہے کہ کوشانیوں کے اقتدار کے زمانے میں بعض زیادہ معروف یا مذہبی قسم کے الفاظ براہوی میں داخل ہو چکے ہوں یا براہوی کے کوشانی براہوی زبان میں داخل ہوئے ہوں جیسے قبائل میں اگر اس بنیاد پر یہ کہا جائے کہ کوشانی براہوی زبان بولتے تھے یا براہوی کوشانی زبان بولتے تھے اور موجودہ براہوی کوشانی زبان ہے تو مشکل ہوگا

البتہ اس میں شبہ نہیں کہ آریائی لہجوں میں سے کسی ایک ہی بات کرتے تھے جیساکہ ان کی مسکوکات سے ظاہر ہوا ہے۔ ہاں یہ کہنا کہ کوشانی بہ ذات خود براہوی تھے۔ اس لئے قرینِ قیاس ہے کہ کوشانی چونکہ افغان تھے اور براہوں میں نسلی اعتبار سے اب بھی افغانوں کی اکثریت ہے یا بہ الفاظ دیگر کوشانی یا سیتھین تھے اور افغان بھی سیتھین ہیں الزامات ایک ہی ہے بہرحال جہاں تک نژاد کی بات ہے براہوی قبائل کے سیتھین ہونے میں ہم میر گل خان نصیر کے ساتھ متفق ہیں۔ لیکن زبان کے معاملے ابھی تک ماہرینِ السنہ واضح طور پر یہ ثابت نہیں کر سکے ہیں کہ براہوی بنیادی طور پر سیتھی زبان ہے۔ البتہ مذکورہ بالا بحث و تحقیق سے جو مفید نتیجہ برآمد کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ کوشانوں کے باقیات براہویوں میں موجود ہیں (براہویوں میں "موجود" ہم اس لئے کہتے ہیں کہ کوشانیوں کی آمد سے پہلے بھی سطح مرتفع قلات (توران) میں سیتھین قبائل کا وجود پایا جاتا ہے) جیساکہ ہم نے گزشتہ صفحات میں کہتے ۔ ژمند کاسی اور اُن کے بعد چند قبائل کا ذکر کیا اور ہم نے "گزشتہ" اوراق میں یہ بھی بتایا تھا کہ کاسی اور کرد ایک ہی زمانے میں بلوچستان آئے تھے غالباً ان میں کچھ نسلی اختلاط بھی ہوا ہے کیونکہ دونوں کے خدوخال میں کافی شباہت پائی جاتی ہے اور ان کے دانت بھی بہ لحاظ ساخت و رنگ ایک جیسے ہیں یعنی اوپر کے اگلے دانت کچھ زردی مائل ہوتے ہیں۔ کاسی افغانوں میں شامل ہیں اور کرد براہویوں میں جبکہ دونوں سیتھین قبائل ہیں۔ پیر معظم شاہ "تواریخ حافظ رحمت خانی" (صفحہ ۶۹) میں لکھتے ہیں کہ کیش کوشی افغان قبائل بلوچستان کی مغربی سرحد پر اب بھی موجود

ہیں۔ میر گل خان نصیر (کوچ و بلوچ صفحہ ۵۹) پر لکھتے ہیں کوشی یا کوشانو جن کی زبان موجودہ براہوئی یعنی کوشانی تھی۔ محقق کہزاد لکھتا ہے کہ کوشی مفرد اور اس کی جمع کوشانو ہے جو ایک قبیلہ کا نام تھا۔ "مسٹر کلکو" لکھتا ہے کہ کلمہ کوش کا مبدا سیتھی ہے۔

ہوسکتا ہے کہ بلوچستان کی مغربی سرحد پر رہنے والے کوشی قبائل سے مراد سیستان کے چند ایسے براہوی قبائل ہوں جو ایران تک پھیلے ہوئے ہیں بہرحال کوشانی کجولا کدفیزس کے زمانے میں دریائے آمو (آکسس) کے جنوب میں وارد ہوئے اور جنوبی علاقوں سے جانب ہند ایک بڑی شہنشاہیت قائم کی لیکن سیاسی تنظیم، ہنر و ثقافت اور رسم و رواج میں اپنے یوچی اجداد سے مختلف واقع ہوئے تھے اس کی وجہ کوشانیوں کی جدت پسندی تھی وہ جن جن علاقوں پر قابض ہوئے وہاں کے لوگوں کی روایات و ثقافت کو مٹایا نہیں بلکہ بڑی فراخ دلی کے ساتھ اپنایا۔ چنانچہ ان کے اور اُن کے رسم و رواج اور ثقافت کے اختلاط سے ایک نئی تہذیب پیدا ہوئی جس کے تجزیے اور مقابلے میں آج محققین و مدققین متردد یا دقت محسوس کر رہے ہیں یہی حالت زبان کی ہے۔ اور ایک دوسری وجہ یہ ہے کہ شمالی اور مغربی قبائل کا سیلاب جنوب اور مشرق کی جانب مسلسل بہتا رہا مشرق میں گندھارا اور پنجاب کی جانب اور جنوب میں آراکوزیا اور جدروزیا (کندھار اور بلوچستان) کی طرف۔ مشرق کی طرف جانے والے بدھ مت سے متاثر ہوئے اور جنوب کی جانب جانے والے زرتشتی اور شیوائی تہذیبوں کے اختلاط کے باعث بنے

اور اس اثناء کے اندر بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تغیر و تبدل ہوتا رہا اور ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بحوالہ اسٹرابو بتایا گیا کہ "آریانا میں ایک زبان بولی جاتی تھی" اب بھی اگرچہ بنیادی طور پر زبان ایک ہی ہے لیکن مختلف تہذیبوں کی وجہ سے بہت سے پرانے الفاظ خصوصاً شہری آبادیوں میں متروک ہو چکے ہیں اور اُن کی جگہ نئے الفاظ استعمال ہونے لگے ہیں جن میں ہندی کے علاوہ انگریزی الفاظ بھی شامل ہیں پھر یہ کہ قریباً تین ہزار سال سے یکے بعد دیگرے آرامی، یونانی، سنسکرت خروشتی برہمی، تخاری اور عربی رسم الخط رائج رہے ہیں۔ جن میں ان علاقوں کی زبان مختلف لہجوں میں لکھی جاتی رہی اور ابھی تک اور مرٹی و بیچی - تخاری اور بردری زبانوں پر ماہرین السنہ تحقیقات کر رہے ہیں جن میں کوشانی دور کے مسکوکات خاص طور پر زیر مطالعہ ہیں جو کہ مختلف علاقوں میں دستیاب ہوتے ہیں۔ الغرض کوشانی زبان کے بارے میں قطعی طور پر ابھی تک کچھ نہیں کہا جا سکتا البتہ بعض ماہرین السنہ جیسے موسیو ھاکن نے کوشانی دور کے رسم الخط میں ایک رسم الخط کو برہمی (برہمنی) بتلایا ہے اور سیلون لوئی اُسے کھرا رسم الخط کا نام دیتا ہے۔ بہر حال گندھارا، آراکوزیا، جدروزیا اور جملہ ہندوستان میں کوشانی دور کے جو بے شمار سکے اور کتبے دریافت ہوئے ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ کوشانیوں کا تعلق سیتھین قبائل سے تھا اور وہ سکوں کے بنانے میں اپنے اسلاف کی تقلید کرتے

ہیں۔ اگرچہ کوشانی سلطنت کے زوال کے اسباب پوری طرح واضح نہیں ہیں البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اسلاف کی طرح جب انہوں نے بھی ہندوستان کا رخ کیا اور عظیم خراسان میں اپنی بنیاد مستحکم کرنے کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی تو ساسانیوں نے مغرب کی جانب سے پیش قدمی کر کے ان کی سلطنت کو اختتام تک پہنچایا۔

گزشتہ صفحات میں بتایا گیا کہ کاسی یا کاسی کے نام سے ایک قوم قریباً ۹۰۰ ق م میں براستہ ایران و خلیج فارس بلوچستان میں وارد ہوئی تھی اور اس کے چند قبیلے کشمیر اور کاشغر کی جانب گئے۔ ہ تواریخ حافظ رحمت خانی مرتبہ خان روشن خان صفحہ ۳۹۹ پر لکھا ہے:۔

ھ کاشی، کاسی، کوشی ایک ہی نام ہے اور اسی نام کا بنی اسرائیل میں ایک قبیلہ تھا جیسا کہ اکثر کتابوں میں ذکر ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے بعد سلطنت دو ٹکڑے ہو کر ایک حصہ سلطنت اسرائیلہ اور دوسرا حصہ سلطنت یہودا کہلانے لگی۔ سلطنت اسرائیلہ کا پہلا بادشاہ یربعام نامزد کیا گیا اور اس کے بعد کاسی، کوشی، قبیلہ کے سردار کسی زارح کو بادشاہ بنایا گیا یہ بڑا جابر بادشاہ تھا بقول تواریخ نمبر ۲ کتاب مقدس لاکھوں کی تعداد میں فوج رکھتا تھا یہی قبیلہ کاسی، کوشی، افغانستان اور کوئٹہ بلوچستان میں بکثرت آباد ہیں۔ اور اسی کے نام سے کاشغر اور کش اور کسے غر موسوم ہیں۔ ابتداء میں یہ لوگ کاشغر اور کشمیر تک پہنچ چکے تھے۔

کاشی یا کوشی کے متعلق کتاب مقدس (توریت) میں کئی دفعہ ذکر ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو یرمیاہ باب ۳۶۔ باب ۳۸۔ باب ۳۹۔ باب ۴۲ اور تاریخ باب ۱ اور صفحیاہ باب ۱۔ اور فتوح البلدان کے مصنف امام بلاذری نے ان کا حال بیان کرتے ہوئے یہودیوں کے ایک قبیلہ کو "کوشان" کہا ہے۔

"تواریخ حافظ رحمت خانی" کے مذکورہ بیانات سے ہم یہ نتائج اخذ کر سکتے ہیں کہ:

اولاً ء کوشانی کشمر اور کاشغر کے وہ قدیم قبائل تھے جنہیں مغربی ایشیا میں کاسی یا کیسی کے نام سے یاد کیا گیا ہے جو مشرق سے شمال کی جانب چکر کاٹ کر افغانستان میں وارد ہوئے اور کوشانی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

ثانیاً ۔ [illegible] ق م میں جب کاسی اکد کر دبابل سے فلسطین کی جانب گئے تو یہ زمانہ حضرت داؤد علیہ السلام کا تھا۔ یاد رہے کہ [illegible]ء میں کاسیوں کا ایک قبرستان فلسطین میں دریافت ہوا تھا) جیسا کہ تواریخ حافظ رحمت خانی نے ذکر کیا ہے کہ اس نام کا ایک قبیلہ بنی اسرائیل میں تھا تو وہ یہی کاسی تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی مملکت ٹکڑے ہو جانے کے بعد فلسطین سے خلیج فارس اور وہاں سے براستہ ایران قریباً [illegible] میں بلوچستان میں وارد ہوئے اور جیسا کہ حسن پرنیا کہتا ہے کہ اس زمانہ میں ایران میں کاسیوں کا وجود پایا جاتا تھا لیکن اس کے بعد معلوم نہیں کہاں گئے۔

ثالثاً ۔ چونکہ کاسیوں کے ساتھ کرد۔ کنڈ اور ژرمند بھی شامل تھے اور ان

کے کچھ حصے بلوچستان میں رہ گئے اور زیادہ مشرق کی جانب چلے گئے یعنی پشاور، پنجاب۔ کشمیر اور کاشغر تک پہنچ گئے اور یہی کاشغر کے قبائل پھر شمالی راستوں سے تخارستان میں وارد ہوئے اور بعد ازاں ایک بڑی سلطنت بنانے میں کامیاب ہوئے۔ جس میں بلوچستان بھی شامل تھا۔ گویا اس طرح یہ لوگ ایک بار پھر اپنے باقیات سے آملے۔ چنانچہ اگر میر گل خان نصیر کوشانیوں اور براہیوں کی اشتراک کی بات کرتے ہیں۔ تو اس کی وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ اور یہ جو البلاذری نے یہودیوں کے ایک قبیلہ کو "کوشان" کہا ہے دراصل وہی کاسی یا کاشی ہے جن کا بار بار ذکر کیا گیا ہے کہ یہ لوگ دراصل قدیم آریائی قبائل تھے۔ جو نژادی و لسانی اشتراک کی وجہ سے اپنے ایک حکمران قبیلے کاسی کے نام سے پکارے گئے۔ یہ جو بعض مورخین کہتے ہیں کہ پشتو زبان کے بہت سے الفاظ عبرانی ہیں اور اس چیز کو بنیاد اور دلیل بنا کر افغانوں کو بنی اسرائیل یا یہودی النسل قرار دیتے ہیں صحیح نہیں۔ کیونکہ جب بھی دو مختلف اللسان قومیں کبھی یکجا ہو جاتی ہیں تو وہ ایک دوسرے کے الفاظ اپنا لیتے ہیں لہٰذا یہ کہنا مشکل ہے کہ عبرانی زبان میں پشتو کے جو الفاظ ملتے ہیں۔ وہ دراصل عبرانی ہیں۔ جو پشتو میں بھی مستعمل تھے یا ہیں۔ بلکہ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ الفاظ پشتو سے عبرانی میں منتقل ہوئے ہیں۔ جیسا کہ عرب خانہ بدوش عورتوں کے لباس جو افغان عورتوں کے لباس سے مشابہ ہیں اور درحقیقت سرد علاقوں کا لباس ہے۔ جس طرح معاشرتی زندگی میں الفاظ



کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے یا س کا تبادلہ اس سے بھی زیادہ آسانی اور تیزی کے ساتھ ہوتا رہتا ہے۔ مثال کے طور پر لفظ پوہ کا ذکر ہم نے براہوی زبان کے ضمن میں کیا کہ لفظ پشتو اور براہوی میں مشترک ہے یعنی "پوہ سوئے" پشتو اور "پوہ مسُس" براہوی (یعنی سمجھ گئے) یہ لفظ فارسی میں "فہمیدی" ہے جس کا مصدر فہمیدن ہے جس کا تعلق عربی کے "افہام وتفہیم" "اور مفہوم" سے ہے جو پشتو میں ذرا سا بگڑ کر "پام" بن گیا ہے۔ یاد رہے کہ پشتو اور قدیم فارسی میں "ف" نہیں ہے بلکہ "پ" ہے چنانچہ اب یہ کہنا مشکل ہے کہ اس لفظ کا اصل ماخذ کونسی زبان ہے علاوہ ازیں عربی زبان میں ایک ایک چیز کے لئے ایک سے کئی زیادہ نام اس بات کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ اس میں دوسری زبانوں کے بہت سے الفاظ قدیم زمانہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ الغرض صرف الفاظ کے اشتراک کی بنیاد پر نسلی اشتراک ثابت کرنا ممکن نہیں ہے بلکہ اس کے لئے پوری زبان اُس کے محاورے اور گرامر کو پیش نظر رکھنا لازم ہے۔

بہر حال کوشانیوں کے زوال کے بعد ان ہی کی ایک شاخ ابدالیوں (یفتلیوں) نے ۴۲۵ء میں باختر میں حکومت قائم کی اور جنوب مغرب میں ساسانیوں پر حملے شروع کر دیے انہوں نے ایران پر پہلا حملہ ۴۲۷ء میں کیا یہ بہرام گور کا زمانہ تھا (بہرام پنجم) مرو کے قریب ابدالیوں اور ساسانیوں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی جس میں ابدالیوں کا بادشاہ مارا گیا اور ان کو شکست ہوئی۔ بہرام گور نے ابدالی بادشاہ کا تاج آذربائیجان

کے آتش کدے کو بطور نذرانہ بھیج دیا لیکن اس شکست اور بادشاہ کے مارے جانے کے باوجود ابدالی دل برداشتہ نہیں ہوئے اور ساسانیوں سے بدلہ لینے کے لئے ایک اور جنگ کی تیاری شروع کی ۴۳۹ء میں بہرام گور کے مرنے کے بعد جب اس کا بیٹا یزدگرد دوئم تخت نشین ہوا تو اس سے پہلے کہ ابدالی ساسانیوں پر حملہ کرکے بدلہ لیتے یزدگرد نے ان پر حملہ کر دیا لیکن اس مرتبہ نہ صرف ساسانیوں کو شکست فاش ہوئی بلکہ ساسانی سلطنت کا کافی حصہ ابدالیوں کے قبضے میں آیا۔ ۴۵۷ء میں یزدگرد دوئم کی موت کے بعد اس کے بیٹوں کے درمیان اقتدار کی لڑائی شروع ہو گئی چنانچہ اس کے ایک بیٹے فیروز نے بھائیوں کے مقابلے میں ابدالیوں سے امداد حاصل کرکے تخت ایران پر قبضہ کر لیا اور اس امداد کے بدلے ابدالیوں کو خراج دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن بعد میں انکار کر دیا جس پر ابدالیوں نے ایران پر حملہ کرکے ۴۸۴ء میں فیروز کو قتل کر دیا چونکہ افغانوں اور ایرانیوں کے درمیان یہ ایک شدید جنگ تھی جس کے نتیجے میں ساسانی سلطنت کو زبردست دھچکہ لگا اگرچہ ختم تو نہیں ہوئی لیکن ابدالیوں سے بری طرح مغلوب ہو گئی۔ فیروز کے بعد ایرانی تخت قباد کے ورثے میں آئی۔ ابدالی جب ساسانیوں کی طرف سے کچھ مطمئن ہو گئے تو ہندوکش کے جنوبی اور مشرقی علاقوں خصوصاً کابل اور پشاور پر جہاں چھوٹے کوشانی جنہیں کیداری بھی کہا جاتا ہے حکمران تھے دباؤ ڈالنا شروع کیا تاآنکہ وہ ان کے حملوں سے تنگ آکر چترال اور گلگت کی طرف

بھاگ گئے۔ بی ایس گوہا (B.S. GUHA) سینسز آف انڈیا جلد اول حصہ سوئم (الف) میں لکھتا ہے کہ باجوڑ کے پٹھان چترال کے کالاشوں سے بہت قریبی رشتہ رکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کشمیر کے کاشی اور چترال کے کاش ایک ہی نسل کے لوگ ہوں لیکن بایں ہمہ ان کے بارے میں محققین میں اختلاف پایا جاتا ہے یعنی بہت سے محققین یہ نہیں کہتے کہ کشمیر کے کاشی یا الفاظ دیگر کاسی اور کوشانی ایک ہی چیز تھے۔ البتہ اکثریت کی رائے میں جن میں غرشیمن اور میک گورن پیش پیش ہیں کوشانیوں کو سیتھیوں کی شاخ کہتے ہیں جو ساکاؤں اور پارتیوں کے قرابت دار تھے۔ سر اولف کیرو بھی اسی نظریئے کی تائید کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ کتابوں میں ان کا نام یوچی لکھا ہے۔ مشہور روسی محقق بارتولڈ اپنی کتاب "ایران کا تاریخی جغرافیہ صفحہ ۷۵ میں لکھتا ہے کہ یفتلی (امراد ابدالی) یوچیوں یا تخاریوں کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔ جنہیں سفید ہن بھی کہتے ہیں کرسٹنسن سین اور سرپرسی سائیکس ان کو سفید چمڑی والے اور ان کی زبان کو ہند و یورپی زبانوں کی ایک شاخ سمجھتے ہیں۔ ولسنٹ سمتھ کے نظریئے کے مطابق افتھالی (ابدالی) نسلی اعتبار سے ہنوں سے الگ تھے پارکر ان کو یوچیوں کی شاخ کہتا ہے اور آخر میں بارتولڈ انہیں یوچی تخاری قرار دیتا ہے۔ فردوسی نے افتھالیوں کو ھیتال کے نام سے یاد کیا ہے۔ محقق احمد علی کہزاد کوشانیوں اور افتھالیوں دونوں کو یوچی تخاری کہا ہے، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں حوالہ دیا گیا الخوارزمی کی تصنیف مفاتیح العلوم میں افتھالیوں یا ھیاتلہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ وہ قبیلہ ہے جو تخارستان

پر قابض رہا اور جو ترک خلخ یا خلج کہلاتے ہیں وہ ھیاتلہ ہی کی نسل سے ہیں اسی طرح اصطخری کہتا ہے کہ خلج ترکوں کی وہ شاخ ہے جو قدیم زمانے میں غزنہ کے عقب میں واقع سجستان (سیستان) کے ضلعوں اور ہندوستان کے درمیانی علاقہ میں آئے تھے۔ وہ مویشی پالتے ہیں اور حلیہ لباس اور زبان کے لحاظ سے ترک معلوم ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ ترک ہیں بلکہ "معلوم ہوتے ہیں۔ کہا گیا ہے۔ روسی متشرق بارتولڈ کہتا ہے کہ غلجی ترک خلج ہیں۔

ہم نے گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ لکھا کہ ھیاتلہ دراصل وہ قدیم ھیتی قبائل تھے۔ جن کا ایک بڑا حصہ ۳۰۰۰ ق م سے لیکر کم از کم ۱۵۰۰ ق م تک یکے بعد دیگرے مرور زمان کے ساتھ ساتھ ایشیائے کوچک میں داخل ہوا اور بحر ایجین کے ساتھ ساتھ ترکی تک پھیل گیا (دیکھئے نقشہ صفحہ ۴۶) بحیرہ لودیوں ۔ ہیٹیوں اور دردانیوں کا مسکن) البتہ ان میں "سوری" قبائل شام کی طرف چلے گئے چنانچہ شمیوں میں ان سوری قبائل کے خدوخال لباس اور مزاج کی گرمی اور دلیری و جان نوازی اب بھی نمایاں ہیں۔ ان کے جزبانیات آمو (آکس) کے اس پار رہ گئے تھے وہ ھیتی کے بجائے بعد میں ھیاتلہ یا افتھال اور بعد میں ابدال کے نام سے مشہور ہوئے ان کی ایک شاخ جو دریائے جیحون کے مشرق میں مقام خلج میں آباد تھی خلجیوں یا غلجیوں کے نام سے معروف ہوئی۔ بعضوں نے خلج کی خ کو ق سے بدل کر قلج یا قالج بنا لیا ہے اور یہ گمان کیا ہے کہ یہ ترکی زبان کا لفظ ہے اس لئے

خلجی ترکی النسل ہیں حالانکہ خالج ترکی زبان کا لفظ نہیں ہے اور اگر ہو تو پھر اس کے معنی قلوار ہے۔ علاوہ ازیں غلجی یا خلج کے رہنے والے قبائل ترکی زبان نہیں جانتے تھے البتہ انقرہ کے قریب حیتیوں کا جو قدیم شہر دریافت ہوا ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حیتیوں اور ترکوں میں خون کی آمیزش وہاں ہوئی ہوگی بلکہ ثقافتی طور پر بھی مل جل گئے جس کی بنا پر محققین نے یہ گمان کیا کہ چونکہ ترکوں اور غلجیوں میں نسلی اور ثقافتی یکانگت پائی جاتی ہے لہٰذا غلجی ترکی النسل ہے یہ بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے یونانیوں اور یونانیوں کے اشتراک سے افغانوں کے بعض قبائل کو یونانی النسل کہا جاتا ہے۔ حالانکہ اگر اس نظریے کو مان لیا جائے تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ترک اور یونانی افغانی النسل ہیں۔ الغرض افغان یا صیاتلہ دراصل ایک قوم کی شاخیں تھیں جنہیں دارایوش کبیر کے زمانے میں سیتی کہا گیا اور پھر تورانی اور آریائی اور یہ بھی یاد رہے کہ کلاسیکی مورخین نے حیتیوں کو ایشیائے کوچک میں وارد ہونے والے سب سے پہلے آریائی قبائل کے نام سے یاد کیا ہے۔ بہرحال غلجی یا خلجی یا غلزی کے بارے میں بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ترک ہے بعض کہتے ہیں کہ ترکوں کی وغز یا اوغز قبائل میں سے ہیں بعض کہتے ہیں کہ اوغز یا غز ترک نہیں تھے۔ بعض سلجوقیوں کو بھی اوغز بتاتے ہیں (دیکھئے تاریخ بخارا) یہ عربوں اور ساسانیوں دونوں کے زمانے میں صحرائے مرغاب(۱) کے گرد آباد تھے غالباً اسی غز سے غزنہ، غزنی بنے ہیں جو عہد اسلام سے بہت پہلے غلجیوں کا مرکز رہا ہے مختصر یہ کہ غلجی غزیوں یا جیحون کے خلج یا خلج ترک نہیں تھے کیونکہ گزشتہ ڈیڑھ ہزار سال کی معلوم

(۱) صحرائے آمو کے مغرب میں

تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ وہ ترکی زبان نہ بولتے تھے اور نہ جانتے تھے۔ البتہ یہ قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ سلجوقی جو کہ ترکی النسل ہونے میں شبہ ہے غلجیوں کی ایک شاخ ہو۔

الغرض حیتی یا صیاتلہ اُن تمام افغان قبائل پر مشتمل ایک ایسی قوم کا نام تھا جو شمال سے مغرب، جنوب اور جنوب مشرق کی طرف ہزاروں برسوں میں اس وقت تک بے روک ٹوک پھیلتا رہا جب تک کہ مملکتوں کے درمیان لوگوں کے آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ بلکہ افغانستان اور برصغیر کے درمیان تو اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ اگرچہ ماضی میں حملہ آوروں اور تاجروں کی شکل میں آتے تھے اور اب عام کاروبار اور محنت مزدوری کے لئے چنانچہ کراچی، حیدر آباد کے علاوہ سندھ اور پنجاب کی کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں افغان آباد نہ ہوں گویا دریائے کابل کی طرح یہ بھی ایک ایسا سیل رواں ہے جو شمال سے جنوب اور جنوب مشرق کی جانب مسلسل بہتا چلا آ رہا ہے۔

بہرحال صیاتلہ یا افتغالی جو کوشانیوں کے قرابت دار یا اُن کے اخلاف تھے۔ کوشانی سلطنت کے خاتمے کے بعد پہلے اختربن اخشنور کی قیادت میں حکومت قائم کی پھر خراسان سے ساسانیوں کو نکال باہر کیا پھر وادئ کابل گندھارا اور آرا کوزیا پر قبضہ کر لیا اور اپنے گورنر مقرر کر دیے، مورخین کہتے ہیں کہ کابل اور گندھارا کا گورنر جو بظاہر اختر کا ماتحت تھا۔ لیکن عملاً ایک خود مختار حکمران تھا۔ جس کا نام غالباً "تورامانا" تھا، اسی نے کپنا خاندان

کے ہندی مہاراجا سکاندا کی موت کے بعد پنجاب پر مسلسل حملے کرکے اکثر علاقوں پر قبضہ کرلیا اور سیالکوٹ کو اپنا صدر مقام بنا لیا اور پھر شمالی اور وسطی ہندوستان کے بہت سے علاقے فتح کرکے اپنی سلطنت میں شامل کرلئے۔ تورامانا ۵۰۲ء میں مرگیا۔ کیوڑہ (پنجاب) میں اسکا جو کتبہ دریافت ہوا ہے اس پر یہ الفاظ کندہ ہیں، "مہاراجا تورامانا جیوولا" (TORAMANA JAUVLA) یہ قبائلی نام کوشانی دور کے یونانی رسم الخط میں (زندلی) اور برہمی رسم الخط میں جیوولا لکھا ہوا ہے جو بعد میں زابلی اور زاولی بن گیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ افغانیوں کا یہ قبیلہ جس سے کہ تورامانا کا تعلق تھا زابلی یا بہ الفاظ دیگر زابلستان سے تعلق رکھتا یعنی موجودہ غزنی کے آس پاس کے علاقے۔ افغانی بادشاہ اخشنوز نے قریباً پچاس سال حکومت کی اور اس دوران میں بقول ونسنٹ سمتھ فارس کی سرحدوں سے لے کر مشرق میں چین اور ختن تک اپنی حاکمیت کا پرچم لہرایا اور یہ قول سونگ یون اس کی مملکت چالیس صوبوں پر مشتمل تھی۔ اخشنوز کی موت کے بعد تورامانا باختر میں بادشاہ بن گیا اور ساتھ ہی ہندوستان میں فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا ونسنٹ سمتھ کہتا ہے کہ تورامانا سے مقابلہ کرنے میں سکانداگپتا کے خزانے خالی ہوگئے اور اقتصادی حالت انتہائی ابتر ہوگئی۔ تورامانا کے بعد اس کا بیٹا میہرا کولا جسے مہرا کولا اور مہرگل بھی کہتے ہیں تخت نشین ہوا اور باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پنجاب سے آگے بڑھ کر فتوحات کیں بعض ہندوستانی مورخین نے مہرا کولا کے دور کو دہشت ناک اور ہلاکت خیز بتایا ہے

اگرچہ یہ معلوم نہیں کہ اس نے ہندوستان میں کتنے عرصے حکومت کی تاریخ سے صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں گپتا خاندان کی حکومت منتشر ہوگئی تھی اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی شکل میں تبدیل ہوکر بعض افغانیوں کے مطیع ہوگئے تھے اور بعض لڑتے رہتے تھے۔ خصوصاً ۵۱۱ء سے ۵۳۲ء تک یہ سلسلہ جاری رہا آخر کار ہندوستان کے راجے اور شہزادے راجا سودھارمن کی قیادت میں متحد ہوگئے اور مہیرا کولا کو شکست دے کر چھٹکارا حاصل کرلیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مہیرا کولا نے ہندوستان پر باقاعدہ منظم حکومت نہیں کی بلکہ سارا وقت لڑائی جھگڑوں میں صرف ہو گیا۔ مہیرا کولا کی موت کے بعد افغانی (ابدالی) جنہیں سفید ہُن کہا جاتا ہے کہ حکومت کسی قابل اور مضبوط جانشین کے ہاتھ نہیں آئی اس لئے اس کی مملکت جو گنگا کی ڈیلٹا سے وادئ انڈس اور بحیرۂ عرب تک پھیلی ہوئی تھی منتشر ہوکر طوائف الملوکی میں تبدیل ہوگئی۔ بعض لوگ راجپوت جاٹ اور گجر کو افغانی یا افغانیوں کے اہم عناصر سمجھتے ہیں لیکن تاریخ ہندوستان قدیم کا مولف پیارے لعل برورشا (۱۸۹۶ء) لکھتا ہے کہ یونان میں ہندو قندھار سے پہنچے تھے۔ یہ لوگ کاٹی قوم کے راجپوت تھے جو کاٹھیاوار سے نکلے تھے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ راجپوت جاٹ اور گجر افغانیوں سے کوئی نسلی تعلق نہیں رکھتے۔ کیونکہ افغانی تو شمالی اقوام سے تعلق رکھتے ہیں اور شمال ہی سے جنوب اور جنوب مشرق کی طرف گئے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ افغانوں کے پہاڑی علاقوں میں گجر بھی آباد رہے ہیں۔ سوات میں بھی اور

بلوچستان کے زیارت (کوئٹہ سے ساٹھ میل شمال مشرق میں خوش افزا مقام جسے مقامی لوگ خوسکی کہتے ہیں) میں بھی رہ چکے ہیں۔ بلکہ دوسرے ہندو بھی بلوچوں اور افغانوں کے علاقوں میں قدیم الایام سے سکونت رکھتے چلے آرہے ہیں لیکن ان میں سے کبھی بھی کسی نے ہمیں یہ نہیں کہا کہ وہ افغانی یا ایرانی النسل ہیں۔ اسی طرح جاٹ جنہیں فارسی میں جت اور جات بھی کہا گیا ہے بالکل الگ خانہ بدوش چادر نشین قبائل تھے جن کے بارے میں ایران کا مشہور عالم اور محقق مرحوم سعید نفیسی کہتا ہے کہ یہ ساسانیوں کے زمانہ میں سندھ اور بلوچستان میں چادر نشین اور بیابانگرد رہتے تھے جو آج ایشیا اور یورپ کے تمام ملکوں میں منتشر ہوگئے ہیں حتیٰ کہ وہاں سے شمالی افریقہ پہنچے اور مختلف ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ایرانی ابتدا میں ان کو دو گروہوں میں تقسیم کرتے تھے۔ ایک کو جت کہتے تھے جو عربی میں زط ہو گیا ہے اور دوسرے کو سابجی یا زابجی کہتے تھے کیونکہ سابج یا زابج جزیرہ سماٹرا کا قدیم نام ہے۔ اور یہ لوگ وہاں سے پہلے ہندوستان آئے اور پھر ساسانیوں کے آخری دور میں ہند سے ایران آئے اور خلیج فارس میں منتشر ہوگئے۔ ابتداً میں ایرانی ان کو (لولی) کہتے تھے۔ لولی کے معنی وہ گداگر جو گلی کوچوں میں ساز بجاتے ہوئے خیرات مانگتے ہیں۔ اور یہ کہ یہی لوگ ہندوستانی موسیقی ایران لائے۔ فردوسی نے ان لوگوں کو "لوری" کہا ہے۔ مثلاً کہتا ہے :

بنزدیک شنگل فرستاد کس
چنین گفت کای شاہ فریاد رس

ازآن لوریان برگزین دہ ہزار
نر و مادہ بر زخم بربط سوار

بلوچستان میں لوری کی (ر) کو (ڑ) سے بدل کر لوڑی بنا لیتے ہیں ان کا پیشہ لوازی یا ساز بجانا ہے چند برس پہلے تک یہ لوگ گلی کوچوں میں ساز بجا کر خیرات بھی مانگتے تھے۔ بلکہ اب بھی یہ کام پوری طرح ترک نہیں کیا گیا ہے شادی بیاہ کے موقعوں پر ڈھول اور شہنائی بجاتے ہیں۔ یہ بلوچوں میں شامل ہیں اور خادموں کی حیثیت سے معتبرین کے گھروں میں کام کرتے ہیں۔ رنگ کے اعتبار سے کالے ہیں اور نسل کے اعتبار سے قدیم جت کہلائے جاتے ہیں جو افغانوں میں رہتے ہیں۔ انہیں جت کہا جاتا ہے اور جو بلوچوں میں رہتے ہیں انہیں لوڑی کہتے ہیں یہ تو ہوگئی جت جات یا جاٹ اور گجر کی بات جہاں تک راجپوت کا معاملہ ہے ایک تو وہ خود اس نظریے کو تسلیم نہیں کرتے دوسرے یہ کہ نہ صرف تاریخی اور ثقافتی اعتبار سے بلکہ خدوخال کے لحاظ سے بھی راجپوت کی جت اور گجر سے کوئی مطابقت نہیں پائی جاتی بلکہ راجپوت تو اکثر مورخین کی رائے میں قدیم آرین ہیں۔ سراولف کیرو (پٹھان اردو صفحہ ۱۳۴) پر لکھتا ہے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ یوسف زئی جیسے قبیلے کے خان خیل اس دعوے میں حق بجانب ہوں گے کہ وہ افغانیوں کے نسل سے ہیں۔ یہ بھی قرین قیاس ہے کہ افغانی خون پہاڑی پٹھانوں کی بجائے میدانوں میں رہنے والے افغانوں مثلاً یوسف زئیوں میں پایا جاتا ہو۔ بہ الفاظ دیگر شجرے کی اصطلاح میں یہ بیرونی اثرات کو گرائیوں میں نہیں بلکہ

شاخیوں میں تلاش کرنے چاہئیں - یہاں بیلیو کی یہ قیاس آرائی یاد رکھنا
کہ سرخ بنی شجرے سے راجپوتوں کا رنگ جھلکتا ہے مثلاً سڑبن سو
سے اور کرشبون کرشن سے نکلا ہے۔ ڈیکرو صاحب اسی صفحے پر آگے
کر یہ بھی لکھتے ہیں۔ "یہ دریافت تعجب خیز نہیں ہے کہ چند مستثنیٰ
کو چھوڑ کر جو پہلے میں بیان کر چکا ہوں پٹھانوں کی زبان کا ترکوں کی
سے کوئی تعلق ظاہر نہیں ہوتا۔ پٹھانوں کی زبان مشرقی ایرانی زبان ہے
اس سے آگے چل کر کیرو صاحب راجپوتوں کے بارے میں ولسنٹ
کا مندرجہ ذیل حوالہ دیتے ہیں۔

"یہ راجپوت کون ہیں؟ اور اسلامی فتوحات سے پہلے چند صدیاں
یہ لوگ اور ان کے واقعات اس قدر دلچسپ کیوں ہیں۔ ان کا تعلق
ہند کی زمانہ قدیم اور زمانہ وسطیٰ کی تاریخ کے درمیان کا بہ الامتیاز
ذہن اس کی توجیہ کا طالب ہے۔

یہ حقیقت واضح ہے کہ بعض قبائل نے اپنی بڑی بڑی بستیاں
اور پنجاب میں آباد کیں۔ اس گروہ میں حملوں کے بعد سندھ سے زیادہ
گرجاروں (GURJARAS) کو حاصل تھی ان کا نام گجر (GUJAR)
کی شکل میں موجود ہے یہ شمال مغربی ہندوستان میں دور تک بکھری ہوئی
قوم کا نام ہے۔ جاٹ جو عام طور پر زراعت پیشہ ہیں، گجروں کے
سمجھے جاتے ہیں اور گوجر پیشے کے اعتبار سے مویشی پالنے والے ہیں
کیرو صاحب ولسنٹ سمتھ کے اس نظریئے سے وضاحت کر کے

ہے کہ گوجر دراصل افغانیوں کی رعیت تھے۔ اس کے بعد کیرو صاحب
راورٹی بیلیو کے حوالے سے افغانوں اور راجپوتوں کے درمیان نسلی عادتی
اور مزاجی مشابہت بیان کرتا ہے۔

ہم اس سے پہلے بتا چکے کہ زمانہ قدیم میں افغان قبائل راجستان
میں آباد ہو چکے تھے۔ جن میں سب سے نمایاں قبیلہ بڑھیچ تھا اور اس
کے بعد لودی جن کے نام پر راجستان میں ایک دریا بھی ہے۔ لونی وہ قبیلہ
ہے جو آج کل ڈگی (ضلع لورالائی) میں آباد ہے ان کے موجودہ سردار
کا نام محمد ہاشم خان لونی ہے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ان کے قبیلے کی تین
ذیلی شاخیں ہیں کنڑوال۔ ورگ زئی۔ بلوٹ۔ یہ لوگ پہلے رڑگن (کوہ سلیمان
کے مغربی دامن) ڈرگ اور مری بگٹی کے علاقوں میں رہتے تھے۔ یہ لوگ
اپنے آپ کو موسیٰ خیل قبیلے کے جو لورالائی سے سو میل شمال مشرق
میں آباد ہے کے عزیز کہتے ہیں اور ساتھ ہی درانی بھی۔ یہ راجستان سے
کشمیر گئے۔ پھر وہاں سے ڈیرہ اسماعیل خان اور پھر ڈگی ضلع لورالائی
آئے۔ کہتے ہیں کہ نواب آف ٹانک بھی کنڈی خیل لونی ہے۔ یاد رہے کہ موسیٰ
خیل اپنے آپ کو کاکڑ نہیں کہتے بلکہ اپنے کو غلجیوں میں شمار کرتے ہیں اور
یہ بات قرینِ عقل و روایات معین ہے کیونکہ موسیٰ خیل نیازیوں کی شاخ
ہے اور نیازی لودی غلجیوں کی شاخ ہے۔ یہ لوگ قدیم زمانہ میں غزنی
اور اس کے ضلع شیلگر میں آباد ہو گئے تھے اور اب بھی کافی تعداد میں آباد
ہیں۔ مثلاً خیل شیلگر میں غلجیوں کے ایک اور قبیلہ اندڑ کے ساتھ آباد ہیں

اور آپس میں رشتہ دار ہیں ۔ ۱۴۵۱ء میں جب بہلول لودی نے ہندوستان میں افغانی حکومت قائم کی تو ایک فرمان کے ذریعے روہ (افغانستان) سے افغانوں کو بلایا جانے والوں میں نیازی اور موسیٰ خیل بھی شامل تھے۔ چنانچہ شیر شاہ سوری کے دور میں ھیبت خان نیازی اور عیسیٰ خان نیازی نے بڑا عروج حاصل کیا۔ اس کے علاوہ موسیٰ خیل کی ایک بڑی تعداد افغانستان کے گردیز میں بھی رہتے ہیں اور افغان پارلیمنٹ میں ان کا ایک نمائندہ بھی ہوتا ہے ۔ پنجاب میں راولپنڈی ۔ میانوالی اور کیمبلپور کے علاقوں میں بھی آباد ہیں ۔ خاص غزنی شہر میں ان کی اکثریت ہے ۔ علاوہ ازیں بادینے بھی ہیں ۔ یہ سردیوں میں کندھار اور گرمیوں میں ارزگان (ہزارہ جات) میں کوہ بابا کی وادی میں مال چرانے جاتے ہیں ۔ اس کے علاوہ موسیٰ خیل نام کے چھوٹے چھوٹے قبیلے افغانوں کے دوسرے بڑے بڑے قبائل میں بھی پائے جاتے ہیں ۔ لیکن یہ صحیح طور پر معلوم نہیں کہ آیا وہ اسی موسیٰ خیل سے تعلق رکھتے ہیں یا بعد میں موسیٰ نام کے اشخاص کی اولادیں ہیں ۔ بہر حال لورالائی کے موسیٰ خیل لباس، رواج اور لہجے کے اعتبار سے کاکڑ معلوم نہیں ہوتے بلکہ غلجیوں سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں ۔ بہر حال اگر لون موسیٰ خیلوں کے عزیز ہیں تو چونکہ موسیٰ خیل نیازیوں کے قرابت دار ہیں اور نیازی اصلاً لودی افغان ہیں ۔ جن کے غلجی ہونے میں کوئی شک نہیں علاوہ ازیں لون بھی پہلوا کی شاخ کے بارے میں خصوصیت سے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ غلجیوں کے ساتھ ملتے ہیں ۔ پہلوا کے بارے میں ہم پہلے بھی بتا چکے کہ یہ وہ ہی پارتی

تھے جو وادی ہلمند اور سیستان کے علاقوں میں آباد ہو گئے تھے اور جب اسکائی سیستان میں وارد ہوئے تو اُن میں خلط ملط ہو گئے چنانچہ اس مخلوط عنصر کو بعض سیتی کہتے ہیں ۔ بعض پارت اور بعض پہلوا جو کہ دراصل تہر بہ تہہ ایک ہی نسل کے لوگ تھے اور یہ کہ یہ وہی لوگ تھے جو مذہبی اختلاف کی وجہ سے تورانیوں اور آریائیوں میں منقسم ہو گئے ۔ الغرض مہیرا کولا (مہر گل) یہ نام اصل میں میہر گل ہے ۔ پشتو زبان میں سورج کو میر ۔ مر ۔ نمر کہتے ہیں) کی موت کے بعد طرالف الملوکی پھیل گئی تو ساسانیوں نے ماوراءالنہر کے ترکوں کے ساتھ اتحاد کر کے ایک بار پھر خراسان پر قبضہ کر لیا ۔ لیکن یہ اتحاد بھی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا آخر کار ترکوں نے باختر اور تخارستان کے علاقے چھین لئے اس دوران میں افتھالیوں (سفید ھن) ایک بڑی تعداد ہندوستان کی طرف چلی گئی ۔

کیرو صاحب کہتے ہیں کہ یوسف زئی اور افتھالی ایک ہی نسل کے لوگ ہیں اور پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ غلجی اور افتھالی بھی ایک ہی لوگ ہیں ۔ ہمیں اس سے کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ہم پہلے ہی بتا چکے کہ حقیقتاً ھیتال، افتھال اور بعد میں ابدال یا اودال دراصل ایک ہی قوم کا نام ہے اور یہ بھی وضاحت کر دیں کہ گزشتہ صفحات میں یہ جو بتایا گیا کہ شہنشاہ سرجون (شرجنون) کے زمانے ۲۳۰۰ ق م میں جنوبی فارس میں اعمان اور ہادی حکومت کرتے تھے اور اب یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ آدان کے بعد اُن کا بیٹا الیسپ راتپ (HISHEP-RATEP)

بادشاہ بن گیا تھا۔ جس کی نسل سے غالباً الیپ زئی ہے اور جامزئی
جسے الف کے ساتھ امازئی بھی لکھا جاتا ہے جو کہ اب شجروں میں افغانوں
کی دو جری شاخوں یعنی بیٹنی اور کرلانی میں کچھ اس طرح بتلائے گئے ہیں

(۱) امازئی بن عزان بن ہوتک (غلجی)

(۲) امازئی بن لیعقوب بن ولدزاک (کوٹے کرلان)

(۳) امازئی بن عثمان بن منذر

آوان جسے اب اعوان لکھا جاتا ہے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ "ناصر"
بھی ان کی شاخ ہے۔ یاد رہے کہ افغان قبائل میں جب بھی کوئی گھرانہ اپنے
قبیلے میں قتل و قتال یا اتنا ہی بڑا جرم کر لیتا تھا تو پھر اسے قبیلہ چھوڑنا پڑتا
تھا اور دور کسی اور قبیلے میں جا کر ابتداء میں بطور پناہ گیر ہمسایہ کے سکونت
اختیار کر لیتا تھا اور پھر آہستہ آہستہ وقت گزرنے اور رشتے ناتے کرنے
کی وجہ سے اس قبیلے میں شامل ہو کر اُس کی ایک شاخ بن جاتا تھا چنانچہ
یہ جو بڑے قبیلوں میں ایک ہی نام کی کئی شاخیں پائی جاتی ہیں۔ ان کی یہی وجہ
ہے۔ مثلاً

الیپ خیل بن بید خیل بن زوران

الیپ خیل بن بڈہ خیل بن بنگش

یاد رہے کہ الیپ زئی جو کہ بعد میں یوسف زئی کے نام سے مشہور
ہوا افغانوں کا ایک بڑا اور نامور قبیلہ ہے اور اس قبیلے کے لوگ نہ صرف
تمام برصغیر میں پھیلے ہوئے ہیں بلکہ برصغیر کے بیشتر بڑے بڑے نواب

اسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ زمانہ قدیم
میں غور کے علاقے میں آباد ہوا تھا اور پھر شمالی بلوچستان سے ہوتے
ہوئے کابل کے راستے پشاور اور مردان پہنچ گیا تھا۔

الغرض شجرہ نویسوں یا مغل دور کے مورخین نے افغان قوم کو اولاً
کم از کم تین ناموں سے یاد کیا ہے پختون۔ افغان اور پٹھان اس کے
بعد اس قوم کو چار حصوں یا بڑے بڑے قبائل میں تقسیم کیا ہے یعنی بیٹ
سڑبن، غورغشت اور کرلانی لیکن کسی نے بھی ان تمام ناموں کی صحیح وجہ
تسمیہ نہیں بتائی خاص طور پر مورخ اللہ کہ چار ناموں کے بارے میں کوئی ایسی
تحریر اور دستاویز ابھی تک کسی کو دستیاب نہیں ہو سکی جس پر لوگ پورا
اعتماد کر سکے۔ ہم نے اس تالیف میں البتہ جدید تحقیقات کی بنیاد پر یہ
معلوم کیا ہے کہ بیٹ یا بیٹنی کی عمر تیرہ چودہ سو سال نہیں بلکہ چار ہزار
سال سے اوپر ہے نہ صرف بیٹنی بلکہ دوتانی، لودی، سوری، نیازی،
سومند، بنیا۔ وزاہی۔ آفریدی۔ اورکزئی، الیپ زئی، آوان، وردگ،
کنز، ژمند، کاسی، الکوزئی، اچکزئی، ناصر، منگل یا مینگل، زدران، خٹک
یاد رہے کہ تورانی جنہیں پشتو زبان میں ترین کہا گیا ہے کی چار شاخیں تور،
سپین، ژڑ، سور نہ بالترتیب (کالا، سفید، زرد، سرخ) چنانچہ زدران
وردگ اور خٹک کا تعلق بہ لحاظ خدوخال اور رنگ زرد ترین کے ساتھ پایا
جاتا ہے۔ جبکہ منگل یا مینگل کا سرخ ترین کے ساتھ خصوصاً افغانستان کے
منگلوں کی آنکھیں نیلی اور چہرے سرخ ہوتے ہیں۔ جبکہ بلوچستان کے بلوچ

منگل کی آنکھیں زرد اور چہرے بھی زرد ہی ہوتے ہیں۔ ان تمام تورانیوں کو ہُن بھی کہا جاتا ہے اور سیتھین بھی البتہ بعض محققین زرد اور سفید ہُن کو ایک دوسرے سے الگ بتلاتے ہیں۔ اگر ہم ان کے اس نظریے کو تسلیم کریں تو پھر افغانوں میں تورسپین۔ ژڑ اور بور (سرخ) تینوں کو بھی بلحاظ نسل تقسیم کرنا پڑے گا اور ناصر جو غلجی قبائل کی ایک بڑی شاخ ہے کو بھی اپنی رنگوں کی بنیاد پر تقسیم کرنا پڑے گا۔ اگرچہ دنیا میں کوئی بھی قوم یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتی کہ وہ سب کے سب ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں لیکن جن عناصر سے ایک قوم بنتی ہے یعنی بنیادی خدوخال۔ عادات واطوار۔ مزاج روایات ثقافت خونی اختلاط اور زبان تو اس اعتبار سے سیاہ۔ سفید، زرد اور سرخ حصوں میں کوئی خاص فرق گزشتہ پانچ ہزار سال سے نہیں پایا جاتا گویا پانچ ہزار سال پہلے یہ ایک قوم کے عناصر تھے۔ البتہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پانچ ہزار سال سے پہلے ان کو ایک قوم بننے میں کتنا عرصہ لگا۔ یہاں اس کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ یہاں پر خد و خال ...

... سے مراد وہ خدوخال ہے جو سیتھوں کو منگولوں سے ممیز کرتے ہیں یعنی بڑی آنکھیں لمبے سیدھے ناک اور گھنے بال۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ تمام قبائل چار حصوں یعنی بٹنی۔ غورغشت۔ سڑبن اور کرلان کے ناموں سے کیسے تقسیم کئے گئے۔ ہم اس سے پہلے بتا چکے کہ باقی (بٹنی) تقریباً ساڑھے چار ہزار سال پہلے موجود تھے جن کی قدیم شاخیں لودی۔ سوری اور دوتانی تھے پس جب بیٹنیوں کی تاریخ یا وجود کا پتہ لگ گیا تو پھر اگر شجروں کے مطابق

غورغشت اور سڑبن بیٹ کے بھائی ہیں۔ تو ان کو بھی ساڑھے چار ہزار سال پہلے کسی جگہ موجود ہونا چاہیئے۔ اور یہ جگہ ناغزوس کے پہاڑ ہونے چاہئیں جیسا کہ شرخبون نے کہا تھا کہ میرے باپ کا بھائی پہاڑوں میں رہتا ہے اور یہ بھی کہا تھا کہ میرے باپ کا شہر فرات کے کنارے پر تھا۔ یاد رہے کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں کہا تھا کہ ۲۵۰۰ ق م میں کاسی اور کرد ناغزوی کے پہاڑوں میں رہتے تھے۔ چنانچہ یہ جو پنی (پنٹری) اور داہی (دائی یا داوی) جن کا سب سے بڑا قبیلہ کاکڑ ہے، اپنے آپ کو قیس یا کیس افغان کہتے ہیں یہ اُنہی پہاڑوں کی مناسبت سے ہونا چاہیئے کیونکہ کوہ تاسیان وہاں بھی موجود ہے۔ جیسے ہم پشتو میں "کسے غر" کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ تو ہم پہلے ہی واضح کر چکے کہ کاسی قبائل جہاں ڈیرے ڈالتے تھے اس جگہ کو اپنے نام کے ساتھ (خصوصاً پہاڑوں کو) منسوب کرتے تھے چنانچہ "کسے غر" (کوہ سلیمان) کاس میر (کشمیر) اور کاس غر (کاشغر) ان کے زندہ ثبوت موجود ہیں اور یہ کہ کشمیر کے ساتھ ساتھ پنجاب کے جو علاقے ملتے ہیں وہاں کے لوگ کشمیر کے اُن قدیم گنجے باشندوں کو اب بھی کشمیری کی بجائے حیتی کہہ کر پکارتے ہیں جن کا تعلق قدیم کاسیوں سے ہے۔ الغرض یہی پنی اور داہی تھے جو سلطنت آکاد بنانے میں شرخبون (سرجون) کے ساتھ تھے اور محققین کہتے ہیں کہ سر کے بالوں سے لمبی لمبی زلفیں بناتے تھے اور ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ یہ سومیریوں کے ساتھ مل کر ایک قوم بھی بن گئے تھے جو کہ انہی کی طرح

زلفیں بناتے تھے اور ایسا ہی لباس پہنتے تھے اور اسی قسم کی داڑھیاں رکھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ شرخبون کے وزر میں بلوچستان آئے تھے اور زاغرزوں کے پہاڑوں میں سکونت رکھنے کی وجہ سے انہیں غرغشتی کہا جانے لگا یا پھر غوزات کے پہاڑی علاقوں میں رہنے کی وجہ سے بہرحال جیساکہ بیٹ کسی خاص آدمی کا نام معلوم نہیں ہوتا ایسے ہی غرغشت اور سڑبن بھی۔ جہاں تک کرلانی ا جسے پشتو میں کرلانڑی کہا جاتا ہے۔ اور بعضوں نے کرانی بھی لکھا ہے۔ جس سے کودے اور کگے کو منسوب کیا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں عورتیں تھیں اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں مرد تھے (دیکھئے "پښتانه و تاریخ په رڼا کې" صفحہ ۲۵۷ اور تاریخ افغانان حصہ دوم صفحہ ۸۰ " اور تاریخ پٹھان صفحہ ۵۷) یاد رہے کہ کرانی اور کرل کے نام سے کوئٹہ اور پشین (بلوچستان) میں دو قبیلے اب بھی موجود ہیں کرانی کوئٹہ کے مشرق میں کوہ چلتن کے دامن میں آباد ہے اور ان کے اس گاؤں کو بھی کرانی کہتے ہیں۔ دونوں قبیلے اپنے کو سادات کہتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ یہاں کہتے ہیں کہ کرل سادات نہیں بلکہ کاکڑ ہیں۔ لیکن کاکڑ کے شجرۂ نسب میں کرل نام کا کوئی قبیلہ نہیں پایا جاتا البتہ کرل نام کا ایک قبیلہ ضلع لکی مروت میں اور ایک ضلع دادو سندھ میں پایا جاتا ہے یہ دونوں سندھی زبان بولتے ہیں۔ اور زراعت پیشہ لوگ ہیں۔ جہاں تک کرانی کا تعلق

ہے تو کوئٹہ کے کرانی یہ کہتے ہیں کہ ہم دراصل چار سو سال پہلے ہرات سے یہاں آئے ہیں۔ اور ہم چشتی سادات ہیں۔ چونکہ اس مقام کا نام بقول ہمارے بزرگوں کے "گرانی" تھا جو کہ بعد میں کرانی بن گیا۔ اسی لئے ہمیں کرانی سادات کہا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ "گرانی" بنگلزئی قبیلے کی ایک شاخ ہے جو کہ بروہیوں میں شامل ہے۔

مذکورہ بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ کرانی یا کرل جو سندھ اور بلوچستان کے علاوہ غالباً پنجاب میں بھی کہیں کہیں پائے جاتے ہیں ایک قدیم قبیلہ معلوم ہوتا ہے اگر ہم کرل کی جمع کرلان بنالیں تو پھر اس کی وجہ تسمیہ یہ ہونی چاہیئے کہ یہ لوگ زراعت پیشہ تھے کیونکہ پشتو میں "کرل" کے معنی کاشت کرنے کے ہیں۔ یہ الفاظ دیگر کاشتکار لیکن یہ ایک قیاس ہی ہوگا کیونکہ کرلانیوں میں جو بڑے بڑے قبائل شجروں میں بتائے گئے ہیں وہ سب کے سب کاشتکار نہیں تھے بعض لوگ کرلانی اور ترکلانی کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں جو کہ صحیح نہیں ہے البتہ ترکانی اور ترکلانی شاید ایک ہی چیز ہوں۔ اسی طرح یہاں بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ کرل غلجیوں کی ایک تتر بتر شدہ شاخ ہے اگر یہ واقعی غلجیوں سے کسی قسم کی قرابت داری رکھتے ہیں تو پھر میرے خیال میں "کرا" کی مناسبت سے کرل۔ کرانی یا کرلانی بن گئے ہیں۔ جو کہ آمو دریا کے مغرب میں ایک مقام کا نام ہے یہ اسی لئے قرین قیاس ہے کہ ضلع آمو دریا کے مشرق میں واقع تھا لہٰذا

دوئم :- سرگون یا سرجون قدیم دراصل شرجمون تھا۔ جس نے سنہ ۲۳۴۰ ق م میں لودیا سے مالا بار تک ایک عظیم سلطنت بنائی جسے عرب محققین نے شرغون یا شرعلی کے نام سے یاد کیا۔

سوئم :- آمو دریا (جیحون) سے اُس پار رہنے والے قبائل کو تورانی کہنے لگے جن کو محققین نے سیاہ - سفید، سرخ اور زرد میں تقسیم کیا اور افغانوں میں سیاہ - سفید - سرخ اور زرد ترین کے ناموں سے آج بھی شہرت رکھتے ہیں اور مورخین انہیں افتھال اور حُن بھی کہتے ہیں۔

چہارم :- ایک ہزار قبل مسیح میں جو تورانی زرتشت پر ایمان لائے وہ آریائی بنے اور جو نہ لائے وہ تورانیوں کے نام ہی سے باقی رہ گئے۔

پنجم - داریوش کبیر ۵۲۲-۴۸۶ ق م نے اپنے کتبہ اصطخر میں ان کا نام سیتی لکھا یعنی ھیتی کی ھ کو س سے بدل دیا اور بعد کے محققین نے سیتی کی توضیح کے لئے آگے بریکٹ میں (تورانی) لکھا یعنی یہ کہ سیتی اور تورانی ایک ہی چیز ہیں۔

ششم :- سطح مرتفع قلات کا علاقہ انہی تورانیوں کے نام سے توران کہلانے لگا۔ یاد رہے کہ جیحون سے اُس پار بھی ان کے نام سے ایک توران تھا۔

ہفتم :- افغانوں کی چوتھی شاخ یعنی "کرا" کے کرانی یا کرلانی کی دو شاخیں تھیں یعنی کودے اور ککے۔ کودے کے نام سے

ان دو مقامات کی نسبت سے عین ممکن ہے کہ (غلچ) والے قبائل غلجی کہلانے لگے اور (کرا) والے کرانی اور پھر کرلانی بن گئے۔ اگرچہ ہم نے صفحہ ۹ پر کہا تھا کہ سڑبن ساربان کی مسخ شدہ شکل ہے۔ لیکن بعض لوگ اس کی وجہ تسمیہ سوڑبن بتاتے ہیں پشتو میں "سوڑ" کے معنی سرد اور "بن" بہ معنی جنگل استعمال ہوا ہے۔ یعنی سرد جنگل چونکہ آرا کوزیا کے اکثر علاقے موسمی اعتبار سے سرد ہیں۔ لہٰذا کہنے والوں کے خیال کے مطابق علاقے کی مناسبت سے رہنے والوں کو سڑبن کہا گیا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ساربان (کوچی) ہونے کی وجہ سے پشتو میں سڑبن ہوگیا ہے۔

الغرض غرغشت، سڑبن اور کرلان ابتدائی طور پر اشخاص نہیں بلکہ مقامات کی نسبت سے ان ناموں سے مشہور ہوئے البتہ بیٹنی (بی ٹی نی) چونکہ بہت قدیم نام ہے اس لئے وجہ تسمیہ معلوم نہیں ہو سکی۔ بہرحال گذشتہ تمام بیانات کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ :-

اولاً : ھیتی - ھیاتلہ - ھیتال - افتھال - ابدال دراصل ایک ہی قوم کا نام ہے۔ جن کا ایک بڑا حصہ چراگاہوں اور تلاش معاش کے لئے سنہ ۳۰۰۰ ق م میں شمال سے مغرب کی جانب چل پڑا اور ایشیائے کوچک میں ٹیوٹا نبوں (دوتا نیوں) لودیوں - بی ٹی نی (بیتھنوں) سوریوں اور برلیا (برٹ ہیچ) کے ناموں سے مشہور ہوئے۔

کودیزئی ایک چھوٹا قبیلہ لورالائی اور کچھ خاندان توبہ کاکڑی پشین میں اب بھی باقی ہیں۔ لیکن گگے زئی کے نام سے افغان قبائل میں کوئی قبیلہ نہیں پایا جاتا البتہ پنجاب میں گگے زئی پائے جاتے ہیں۔ کاکڑوں کے شجرہ نسب میں جو لورالائی گزیٹیئر میں مفصل دیا گیا ہے کودیزئی شامل نہیں البتہ ژوب گزیٹیئر میں صفحہ ۸۰ پر نسلی نہیں بلکہ وطنی تعلق سنزرخیل قبائل کے ساتھ بتایا گیا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کودے اور گگے قدیم قبیلے ہیں جن سے بہت سی دوسری شاخیں پھوٹی ہیں۔ جن کی تفصیلات کے لئے مختلف کتابوں میں شجرے دیکھنے چاہیئے۔

ہشتم (۱۰۰۰ق م) میں جب حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں کاسی کند ژمند اور بعض دوسرے چھوٹے چھوٹے قبیلے بلوچستان میں وارد ہوئے اور کچھ عرصہ بعد کوہ سلیمان کے دامن میں آباد ہوگئے تو یہاں کے قدیم باشندے انہیں سلیمانی کہنے لگے۔ چنانچہ اس نسبت سے اس پہاڑ کا نام فارسی تاریخ و ادب میں کوہ سلیمان مشہور ہوا اگرچہ یہ لوگ اس پہاڑ کو "کسے غر" یعنی کاسیوں کا پہاڑ کہتے تھے۔

نہم۔ سیتھین۔ پارتھین۔ اسکائی۔ افتھالی۔ سفید ھن۔ پہلوا سب وہ تورانی (آریائی) قبائل تھے۔ جو شمال سے جنوب مشرق کی طرف دریائے کابل کی طرح بہتے رہے اور بہہ رہے ہیں جس طرح شمال کے

بالائی پہاڑوں سے پانی جنوب اور مشرق کے نشیبی علاقوں کی طرف ابتدا سے بہتا چلا آرہا ہے اسی طرح افغان بھی افغانستان سے پنجاب سندھ اور ہندوستان کی طرف بہتے رہے کوئی بھی طاقت انہیں نہ روک سکی البتہ جو آتے رہے وہ ہندی تہذیب میں جذب ہوتے گئے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ پشتونوں کی آبادی اس رفتار سے نہیں بڑھتی جس رفتار سے دوسرے ممالک کی آبادی بڑھ رہی ہے۔ آج پاک و ہند کا کوئی ایسا حصہ نہیں جہاں آپ کو پشتون یا افغان نسل کے لوگ نہ ملتے ہوں۔
